حقوقِ نبی اور سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مستند کتاب



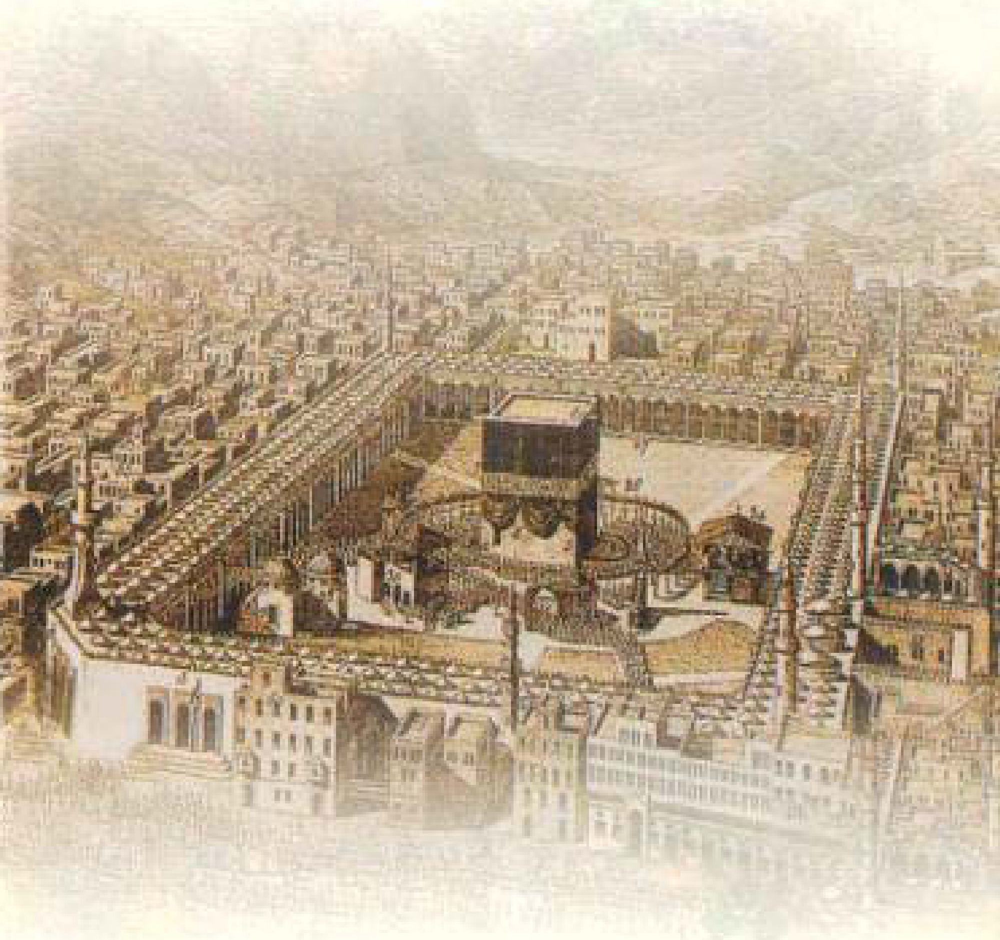
الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف : ابوالفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : مفتی سید غلام معین الدین نعیمی

ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org



لکڑی کے ٹکڑے پر کندہ کعبۃ اللہ شریف کی تقریباً ایک ہزار سال پرانی تصویر کا عکس

Kabatullah's almost 1000 years Old Picture,
Engraved on Wooden Piece.



1 [illegible] 2 [illegible]

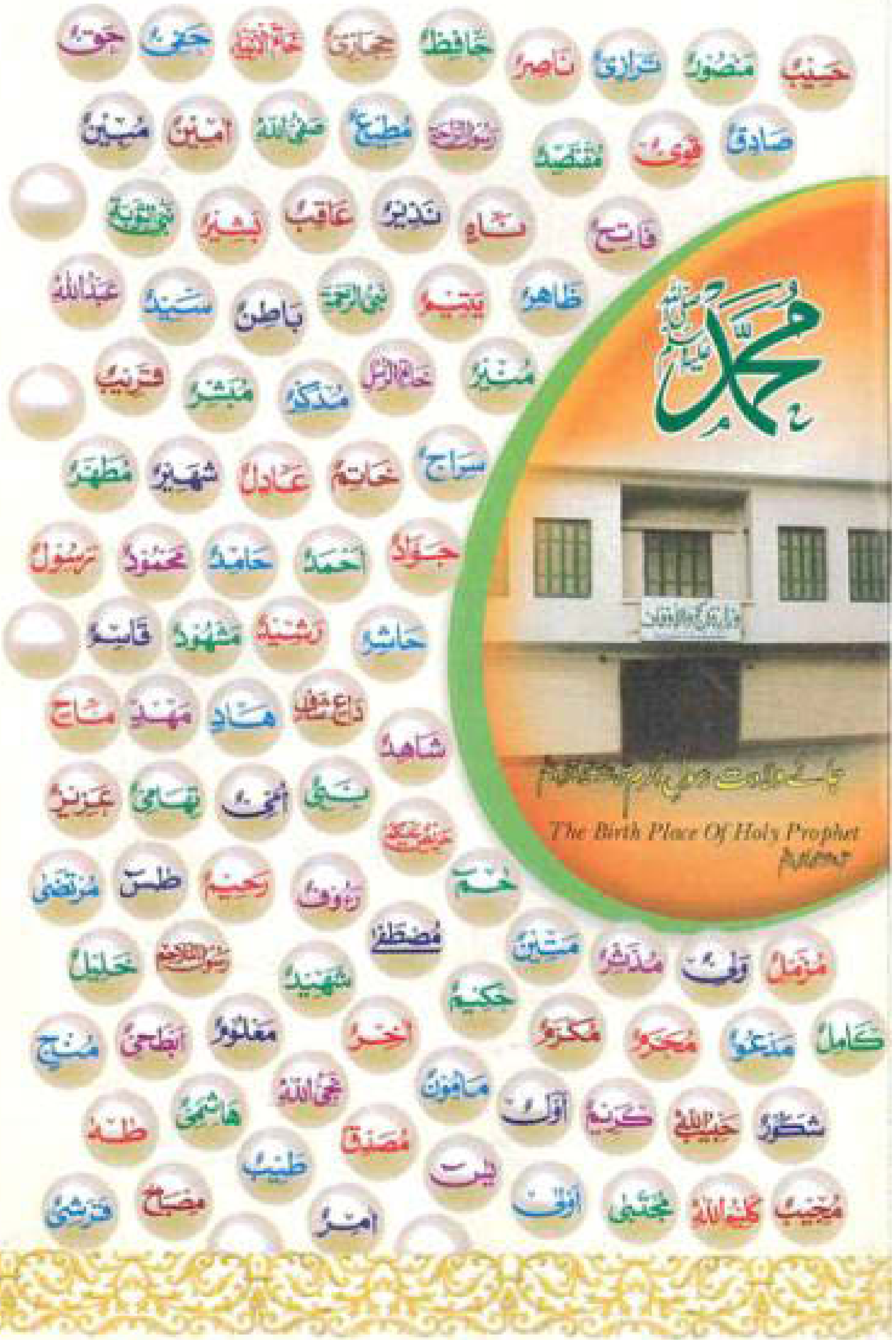
3 [illegible]

1 *Riaz-ul-Jannah*
2 *Imama Sharif Attributed to the Holy Prophet*
3 *Picture of Jannat-ul-Baqee Exposed by Polaroid Camera in 1806, which has been Coloured on computer in 2000*



Hujrah-e-Ayesha Siddiqa رضی اللہ عنہا

حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا


The Birth Place Of Holy Prophet





میدانِ احد ۱ جبلِ رماۃ ۲ جائے شہادت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ۳ احد پہاڑ ۴ مقام جہاں رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے
۵ شہدائے احد کی قبریں ۶ میدانِ جنگ احد ۷ غرس کا کنواں جس سے رسول اللہ ﷺ نے پانی پیا، وضو فرمایا اور اس میں لعاب دہن ڈالا۔

The Battlefield of Uhud: (1) Archer's hill. (2) The place where Hazrat Hamza ﷺ was killed. (3) The Mountain of Uhud. (4) The place where the Prophet's ﷺ broken tooth fell. (5) The graves of the Martyrs. (6) The battlefield. (7) The Well of Gharz: From which the Prophet ﷺ drank and his ablution. He also spat in it once.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست الشفاء جلد اوّل

صفحہ نمبر	عنوان	
8	پہلے اسے پڑھیے	
10	تذکرہ مصنف	
14	تذکرہ مترجم	
20	مقدمہ کتاب	
	قسم اوّل	
26	آیات قرآنیہ، ارشادات عالیہ سے حضور ﷺ کی قدر و منزلت، عظمت وشان کا ثبوت	
	پہلا باب	
	حضور ﷺ کی ثناء بزبان باری تعالیٰ	
27	حضور ﷺ کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنیہ کا بیان	پہلی فصل:
37	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو شاہد بنانا اور آپ ﷺ کی تعریف وثنا بیان کرنا	دوسری فصل:
41	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو کمال دلجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا	تیسری فصل:
44	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا	چوتھی فصل:
49	اللہ ﷻ کا اس مقام و مرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہ الٰہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے	پانچویں فصل:
55	اللہ ﷻ حضور ﷺ کو مورد شفقت وکرم بنانا	چھٹی فصل:
58	اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی قدر ومنزلت اور فضائل کی خبر دی	ساتویں فصل:
61	اللہ ﷻ کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب دفع کرنا	آٹھویں فصل:

نویں فصل: سورۂ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں 64
دسویں فصل: کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکرِ مبارک 67

دوسرا باب

حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی و دنیوی میں کامل ہیں 71
پہلی فصل: حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے 72
دوسری فصل: آپ ﷺ کا حلیہ مبارک 73
تیسری فصل: آپ ﷺ کی نظافت و پاکیزگی 75
چوتھی فصل: آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد 78
پانچویں فصل: آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت 81
چھٹی فصل: آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور آپ ﷺ کی نشو و نما 86
ساتویں فصل: ضروریاتِ زندگی کی اقسام سے پہلی قسم 87
آٹھویں فصل: ضروریاتِ زندگی کی دوسری قسم 90
نویں فصل: ضروریات و مقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں 94
دسویں فصل: آپ ﷺ کے فضائل مکتسبہ 96
گیارہویں فصل: آپ ﷺ کے مختلف فضائل 100
بارہویں فصل: آپ ﷺ کا حلم اور بردباری 102
تیرہویں فصل: آپ ﷺ کا جود و کرم اور سخاوت 108
چودہویں فصل: آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری 110
پندرہویں فصل: آپ ﷺ کی حیاء و چشم پوشی 112
سولہویں فصل: آپ ﷺ کا حسن ادب و معاشرہ اور اخلاق 113
سترہویں فصل: آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت 116
اٹھارہویں فصل: آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلۂ رحمی 119
انیسویں فصل: آپ ﷺ کا تواضع فرمانا 122
بیسویں فصل: آپ ﷺ کا عدل، امانت، عفت اور صدق قال 124

اکیسویں فصل: آپ ﷺ کا وقار، خاموشی، مروت اور نیک سیرتی 127

بائیسویں فصل: آپ ﷺ کا زہد و تقویٰ 129

تیئسویں فصل: آپ ﷺ کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت 131

چوبیسویں فصل: انبیاء علیہم السلام کے کمالِ خلق اور محاسن جمیلہ 134

پچیسویں فصل: آپ ﷺ کی مختلف امور میں عادت مبارکہ 141

چھبیسویں فصل: احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں 146

تیسرا باب

آپ ﷺ کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں 147

پہلی فصل: آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں 147

دوسری فصل: آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شبِ معراج عطا فرمائے گئے 157

تیسری فصل: آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ 167

چوتھی فصل: معراج روحانی کے دلائل کا رد 170

پانچویں فصل: آپ ﷺ کا اللہ ﷻ کو دیکھنا 174

چھٹی فصل: واقعہ معراج میں آپ ﷺ کا اللہ ﷻ سے مناجات کرنا اور کلام کرنا 180

ساتویں فصل: شبِ معراج آپ ﷺ کا قرب 182

آٹھویں فصل: حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت کے مکرم ہوں گے 184

نویں فصل: آپ ﷺ کی محبت و خلت کا بیان 187

دسویں فصل: حضور ﷺ کی فضیلت و شفاعت اور مقام محمود کا ذکر 193

گیارہویں فصل: حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کا بیان جو جنت میں صلہ، درجہ رفیعہ اور کوثر کے ساتھ ہیں 201

بارہویں فصل: ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا 202

تیرہویں فصل: حضور ﷺ کے اسماء گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان 203

چودہویں فصل: اللہ ﷻ نے اپنے اسماء کے ساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے 211

پندرہویں فصل: ایک نکتے کا بیان 222

چوتھا باب

	آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں	224
پہلی فصل:	اللہ ﷻ اپنے بندوں کو بغیر واسطہ کے اپنی ذات وصفات اور اسماء کا علم عطا فرما سکتا ہے	226
	نبوت کی لغوی تحقیق	227
	الرسول کی تحقیق	228
	وحی کی تحقیق	229
دوسری فصل:	معجزات کے بیان میں	230
تیسری فصل:	اعجازِ قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ	234
چوتھی فصل:	اعجازِ قرآن کی دوسری وجہ	240
پانچویں فصل:	اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ	243
چھٹی فصل:	اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ	246
ساتویں فصل:	اعجازِ قرآن بسبب تحیرِ قوم	248
آٹھویں فصل:	اعجازِ قرآن بسبب رعب ودبدبہ	250
نویں فصل:	قرآن ہمیشہ رہے گا	252
دسویں فصل:	اعجازِ قرآن کی مختلف وجوہات	253
گیارھویں فصل:	معجزہ شق القمر اور حبس الشمس	258
بارھویں فصل:	انگشتہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا زیادہ ہونا	261
تیرھویں فصل:	مزید معجزات	263
چودھویں فصل:	طعام میں زیادتی	266
پندرھویں فصل:	درختوں کا کلام کرنا، آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ ﷺ کی دعوت پر آنا	271
سولھویں فصل:	کھجور کی ٹہنیوں کا رونا	276
سترھویں فصل:	جمادات سے متعلق معجزات	278

اٹھارہویں فصل: حیوانات سے متعلق معجزات 281

انیسویں فصل: مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا، چھوٹے و شیر خوار بچوں سے کلام فرمانا اوران سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا 286

بیسویں فصل: بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا 290

اکیسویں فصل: اجابتِ دعا 293

بائیسویں فصل: حضور ﷺ کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ ﷺ سے مس کر گئی اس کی حقیقت کا بدلنا 297

تیئیسویں فصل: آپ ﷺ کو غیب پر اطلاع ہونا 302

چوبیسویں فصل: عصمتِ نبی ﷺ 311

پچیسویں فصل: آپ ﷺ کے روشن معجزات 319

چھبیسویں فصل: آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں 324

ستائیسویں فصل: دلائل و علامات نبوت و رسالت 327

اٹھائیسویں فصل: بوقتِ ولادت معجزات 328

انتیسویں فصل: قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ 331

جلد اوّل ختم شد

پہلے اسے پڑھیے

ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا کہ ہمارے ادارے نے سیرت رسول کریم ﷺ پر ایک ہر دلعزیز کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' اپنے قارئین کی نذر کی۔ اس سلسلے میں آپ تمام احباب نے جس طرح ہماری حوصلہ افزائی فرمائی وہ ناقابل بیان ہے یہ آپ کی بڑھائی ہوئی ہمتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے ادارے کی طرف سے آپ کی بارگاہ میں ایک ایسی کتاب پیش کر رہے ہیں کہ جو آج سے تقریباً 1000 سال قبل کی تصنیف ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے فرمائیں کہ سیرت کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس کا زمانہ تصنیف اس کتاب کے بعد ہو اور اُس میں اس کتاب سے حوالہ جات کوڈ نہ کیے گئے ہوں۔ اس کتاب سے ہماری مراد ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ'' ہے۔

اس کتاب کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب حقوق نبی ﷺ کے بیان میں ہے کیونکہ جس طرح حقوق العباد، حقوق اللہ ﷻ اور دیگر حقوق ہیں اسی طرح نبی ﷺ کے بھی حقوق ہیں ان کا جاننا اور ان کو ادا کرنا ایک اُمتی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا حقوق نبی ﷺ کے حوالے سے اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھنا ضروری ہے۔

ہم نے اس کتاب کو اپنے باذوق قارئین کے ذوق کے مطابق بنانے کے لئے اس کی طباعت کرتے وقت مندرجہ ذیل امور پر خصوصی توجہ دی۔

1. چھوٹے سائز کی دو جلدوں کو بڑے سائز کی ایک جلد میں جمع کر دیا تاکہ قاری کے لئے سہولت رہے۔
2. کمپوزنگ کا سائز بڑا رکھا تاکہ بآسانی مطالعہ کیا جا سکے۔
3. قارئین کی سہولت کے پیش نظر پیراگرف بنائے اس کے علاوہ پروف ریڈنگ، ٹائٹل اور بائنڈنگ پر خصوصی توجہ دی گئی۔
4. قرآن پاک کی آیات کے مکمل حوالہ جات لگائے گئے نیز ان کا ترجمہ کنز الایمان سے دیا گیا۔
5. تخریج احادیث چونکہ اس دور میں ایک اہم ضرورت ہے اسی لئے اپنے ایک محسن مفتی صاحب کے توجہ دلوانے پر ہم نے امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث شفاء کی تخریج پر مبنی تصنیف ''مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء'' کو اسی کتاب میں احادیث کے بعد نقل کر دیا ہے۔

اس سے ترجمہ کرتے ہوئے مصنف نے جو احادیث کی اسناد کا ذکر عوام کی سہولت کے پیش نظر ترک کیا تھا اُس کی کمی بھی پوری ہو گئی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں صرف کتب احادیث کے نام تحریر فرمائے جبکہ اس کتاب پر ''الشیخ سمیر القاضی'' نامی ایک محقق نے تحقیق کر کے کتب احادیث کے مکمل حوالہ جات بمع مطبوعہ نیچے حاشیے میں لکھے تھے

ہم نے دونوں سے استفادہ کرتے ہوئے دونوں کو یکجا کر کے نقل کر دیا ہے اور کتب احادیث کے مطبوعات کا حوالہ کتاب کے آخر میں دے دیا ہے۔

کئی مقامات پر محقق کو وہ احادیث کسی سبب سے نہ مل سکیں تو ہم نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج پر اعتماد کرتے ہوئے "مناہل الصفاء" کا حوالہ درج کر دیا ہے۔ بعض احادیث کی تخریج امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ فرمائی تو ہم نے بھی ویسا ہی چھوڑ دیا۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ اگر کوئی صاحب اس کے مکمل حوالہ جات کو تخریج کر کے دیں۔

یہاں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ تخریج کرتے ہوئے ہم نے دو انداز اپنائے ہیں بعض مقامات پر تو اوپر احادیث کے ختم ہونے کے بعد اس کا حوالہ لکھ دیا ہے جبکہ بعض جگہ اوپر حوالہ لکھنے سے قاری کے تسلسل میں فرق پڑتا تھا تو اس جگہ حوالہ نیچے فٹ نوٹ میں دے دیا ہے۔

6. عقیدت ومحبت کے اظہار کے لئے کوشش کی گئی ہے کہ ہر بزرگ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" اور صحابی کے نام ساتھ "ﷺ"، انبیاء کے ناموں کے ساتھ "ﷺ" اور نبی کریم کے نام کے آگے "ﷺ" اور جہاں کسی نے آپ کو مخاطب فرمایا وہاں "صلی اللہ علیک وسلم" جبکہ اللہ کے نام کے ساتھ "ﷻ" کا اضافہ کیا گیا اور پھر ان کو بڑے خوبصورت انداز میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

7. نیز اس کے حسن وتزئین کے کو چار چاند لگانے کے لئے اس کتاب کی ابتداء میں کچھ رنگین صفحات جن میں انتہائی خوبصورت کعبۃ اللہ شریف، جنت البقیع، ریاض الجنۃ، عمامہ جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی تصاویر لگائی گئی ہیں۔

8. مصنف کتاب کا تعارف اور مترجم کا تذکرہ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہم نے تحریر کر دیا ہے۔

اگرچہ ہم سے قبل بھی مختلف مکاتب فکر کے مختلف مکتبوں نے اس کتاب کو شائع کیا لیکن انشاء اللہ ﷻ آپ کو وہ خوبصورتی جو ہمارے ادارے کی طرف سے شائع ہوتے وقت اس کو دی گئی ہے شاید ہی کہیں مل سکے۔

آخر میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ہم نے حتی الوسع اس کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی خامی آپ محسوس فرمائیں یا کوئی مشورہ عطا فرمانا چاہیں تو ہمیں ضرور یاد فرمائیں۔ انشاء اللہ ﷻ اس معاملے میں آپ لوگ ہمارے دل کے دروازے ہمیشہ کھلے پائیں گے۔ ہمیں اللہ ﷻ کی ذات پاک سے قوی امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ کاوش ضرور پسند آئے گی۔ ہماری اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ تمام امت مسلمہ کو اس کتاب سے فیض یاب فرمائے۔

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت

محمد اجمل

۲۰ ذوالحجہ بروز جمعرات ۱۴۲۴ھ بمطابق 12 فروری 2004ء

تذکرۂ مصنف

نام:

عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی المالکی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت:

ابوالفضل

سن ولادت:

476ھ بمطابق 1083ء

مقام ولادت:

سبتہ

آباؤاجداد:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ ''اندلس'' کے رہنے والے تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مرحوم وہاں سے نقل مکانی کر کے ''فاس'' آ گئے پھر وہاں سے ''سبتہ'' تشریف لے گئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ ''سبتہ'' ہی میں گزرا اور یہاں کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ سے علم حاصل کیا۔ بیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث ابوعلی غسانی صدفی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو روایتِ حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ حضرت ابوعلی غسانی صدفی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ ''اندلس'' تشریف لے گئے۔

رسالہ ''نگار'' لکھنؤ کے علماء نمبر میں ہے کہ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ ''قرطبہ'' تشریف لے گئے وہاں سینکڑوں اساتذہ سے علوم فنون حاصل فرمائے۔

ابوالقاسم بن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الصلہ'' میں فرماتے ہیں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے لیے ''اندلس'' تشریف لے گئے تو انہوں نے ''قرطبہ'' میں علماء کی ایک بڑی جماعت سے علم حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ حدیث شریف کی طرف ان کی توجہ

زیادہ تھی اور وہ اس کے جمع کرنے میں بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجے کی ذہانت وفطانت اور بلند فہم وفراست کے مالک تھے۔ مسائل فقیہہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اس مذہب مالکی کے اساطین میں ہوتا ہے۔

عہدہ قضا:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کافی عرصہ "سبتہ" میں قضا کا کام کیا اور اپنے حسن سیرت سے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کرلیا پھر وہاں سے "غرناطہ" چلے گئے وہاں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قضاء کا کام سپرد کیا گیا لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "غرناطہ" میں زیادہ دیر قیام نہ فرمایا اور واپس "قرطبہ" آ گئے جہاں 531ھ بمطابق 1132ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "قرطبہ" میں عہد قضاء سپرد کیا گیا۔

محمد بن حماد سبتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ 21 سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور 35 سال کی عمر میں عہد قضاء پر فائز ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور تلامذہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا جن کے نام درجنوں تک پہنچتے ہیں جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہونے والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔

خصوصیات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ حدیث، علوم حدیث، لغت، نحو، کلام عرب اور ان کے ایام وانساب میں اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ شاعری بھی فرمایا کرتے تھے اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔

حضرت محمد بن حماد سبتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سبتہ میں ان سے زیادہ کوئی کثیر التصانیف نہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہر میں وہ بلندی اور برتری حاصل کی کہ جہاں تک ان کے شہر والوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچا مگر علم وفضیلت نے ان میں تواضع اور خوف الٰہی عزوجل ہی کو زیادہ کیا۔

شفاء شریف:

یوں تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد تقریباً 22 کے قریب ہے اور وہ تمام کی تمام علوم کا بیش بہا خزانہ ہیں اور تمام علماء ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

امام علامہ محی الدین بن شرف النووی رحمتہ اللہ علیہ اپنی ''شرح مسلم'' میں جگہ جگہ ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام بدرالدین رحمتہ اللہ علیہ ''عمدۃ القاری'' میں اور حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ ''فتح الباری'' میں جابجا ان سے فوائد و نکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شارحین حدیث میں جہاں ''قال القاضی'' کہتے ہیں وہاں قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ ہی مراد ہوتے ہیں۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ مقبولیت الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ کے حصہ میں آئی بلکہ دیگر تصانیف اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے نام کی بقاء کا سبب بھی یہی کتاب ہے۔

بارگاہِ رسالت ﷺ میں الشفاء کی مقبولیت:

تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواب میں قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سونے کے تخت پر تشریف فرما ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہو گئی۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے بھتیجے ''کتاب الشفاء'' کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے اپنے لئے دلیلِ راہ بناؤ۔

گویا کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ جو آج میرا یہ مقام تم دیکھ رہے ہو یہ ''الشفاء'' تحریر کرنے کے سبب سے ہے۔

الشفاء کا مقام:

بارگاہ رسالت ﷺ میں مقبولیت پانے کے بعد ہر زمانے کے علماء و صلحا کی نظر میں یہ کتاب ایک خصوصی مقام کی حامل ہو گئی اور انہوں نے نظم و نثر میں اس کی تعریف فرمائی ہے اُن میں کچھ اشعار ہم نے کتاب کے ٹائٹل پیج کے دوسری طرف بمعہ ترجمہ نقل کئے ہیں۔

اس کتاب کی آج تک تقریباً 26 کے قریب شروحات و تلخیصات ہو چکیں تھیں جن میں "شرح ملا علی قاری" اور "نسیم الریاض" حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقبول ہیں۔

الشفاء پڑھنے کی فضیلت:

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شفاء شریف" کا اسم اس کے مسمیٰ کے موافق ہے کیونکہ سلف صالحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں سے شفاء اور مشکلات کے حل کے لئے بہترین اور مجرب عمل ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کی برکت سے اس کتاب کے پڑھنے سے ڈوبنے، جلنے اور طاعون کی بیماریوں سے نجات رہتی ہے۔

غالباً اسی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو وہاں جادو اثر نہ کرے گا۔

وصال:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 9 جمادی الثانی 544ھ بمطابق 1145ء شب جمعہ کو وصال فرمایا آپ رحمۃ اللہ علیہ مراکش میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً 69 برس تھی۔

تذکرۂ مترجم

ولادت:

23 دسمبر 1923ء بمطابق 10 ربیع الثانی 1342ھ

جائے ولادت:

محلہ شہری سرائے، مرادآباد، انڈیا۔

اسم گرامی:

غلام معین الدین

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا نام:

صابر اللہ شاہ چشتی صابری اشرفی نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

خاندان:

گھرانہ سادات

بیعت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کے زیر سایہ شروع ہوئی پھر 1932ء میں مرادآباد انڈیا کی مشہور دینی درسگاہ "جامعہ نعیمیہ" میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی اور صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی رحمہما اللہ کے زیر سایہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل فرمائی۔ جب کہ اسی دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فن طب بھی پڑھا اور 1943ء کو دوباجیہ کالج لکھنؤ سے "الحکیم الفاضل" کی سند حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تمام درسی کتب بھی اساتذہ سے پڑھ لیں۔

پھر ساتھ ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ شدید بیمار ہو گئے اور بیماری کا یہ سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ سات مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے موتی جھارہ نکلی بعد میں فالج گرا جس کا حملہ شدید تھا۔ مرض کی شدت اور

دیرینہ علالت کے بعد کیفیت یہ تھی کہ کھال کے لفافے میں ہڈیوں کے سواء کچھ نظر نہ آتا تھا مگر زندگی باقی تھی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ شفایاب ہوئے۔ اس طرح دو سال کے وقفے کے بعد 1945ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی ہوئی۔

صدرالافاضل کی آپ رحمۃ اللہ علیہ پر عنایات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مکرم آپ رحمۃ اللہ علیہ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دینی خدمات میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ 1940ء میں جب صدرالافاضل نے اپنی تفسیر "خزائن العرفان" کو دوبارہ پرنٹ کرانے کا ارادہ فرمایا تو ترجمہ وتفسیر کے مسودات کی تصحیح کے کام میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شریک بنایا۔

پھر 1941ء میں جب "صدرالافاضل" کو دوسری دفعہ حبس بول کا مرض لاحق ہوا تو دو تین دن سعی کرنے کے بعد جب تمام اطباء مایوس ہو گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شدت مرض کے دوران مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے بڑے صاحبزادے حکیم سید ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ قرآن پاک کی طباعت کا کام مکمل نہیں ہوا۔ تصحیح کا کام شاہ جی (آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کو پیار سے اس نام سے مخاطب فرماتے) سے کرانا اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے مفتی احمد یار خان (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلا لینا۔ یہ دونوں طباعت کی تصحیح کریں۔

دوران تعلیم آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر نشر واشاعت کا کام کیا۔

مزید عنایت وشفقت ملاحظہ فرمایئے کہ جب صدرالافاضل کا وصال ہونے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد وشیخ کے سر کو دبا رہے تھے اور ان کا سر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا کہ اسی اثناء میں صدرالافاضل نے فرمایا شاہ جی میرے کمرے میں سے سب کو باہر جانے کے لئے کہہ دیجئے سوائے آپ کے میرے نزدیک کوئی نہ بیٹھے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹوں کو بھی باہر جانے کے لئے کہہ دیا پھر کچھ لمحوں کے بعد آپ کا وصال ہوا تو غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موصوف کی وصیت کے مطابق ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے بعد ان کے بیٹوں اور عزیز واقارب کو اندر بلا لیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ پر صدرالافاضل کی شفقتیں بعد از وصال بھی جاری رہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جب "الشفاء" کا ترجمہ فرما رہے تھے تو صدرالافاضل مسکراتے ہوئے آپ کے خواب میں تشریف لائے۔ یقیناً یہ آپ کے کام سے خوش ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

تحریک پاکستان میں کردار:

1945ء میں "تحریک پاکستان" زوروں پر تھی چونکہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے بانی اور "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے روح رواں تھے جب انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں اپنی کوششوں کو تیز کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو آل انڈیا سنی کانفرنس کے مرکزی دفتر کا منصرم مقرر فرمایا تو تمام تر مراسلات، مواصلات، تحصیل وترسیل وغیرہ کا نظام آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سپرد تھا۔ پھر جب مولانا صدر الافاضل قیام پاکستان کے لئے دورے پر تشریف لے گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔

بنارس کانفرنس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات:

1946ء کی آل انڈیا سنی کانفرنس کو "تحریک پاکستان" میں وہی اہمیت حاصل ہے جو قرارداد لاہور 1940ء کو حاصل ہے۔ 1946ء میں متحدہ ہندوستان میں جو جنرل الیکشن ہو رہے تھے اس میں مسلم لیگ کی مخالفت پر کانگریس کی حلیف جماعتیں جمعیت علمائے اسلام (ہند) جمعیت احرار، جمعیت خاکسار، خدائی خدمت گار اور نیشنلسٹ علماء جن کو خاص گاندھی کی آشیر باد حاصل تھی مسلم لیگ کے مقابلہ پر آ گئیں۔ اگر خدانخواستہ اس الیکشن میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت حاصل نہ ہوتی تو پاکستان کے قیام میں مزید پانچ سال تاخیر ہو جاتی۔

بنارس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے پانچ سو مشائخ سات ہزار علمائے حق اہل سنت و جماعت اور دو لاکھ سے زائد عام حاضرین نے حصہ لیا۔ اس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے اسلامیان پاکستان کے نمائندے شامل ہوئے۔ جنہوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب، حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت سید محمد محدث جیلانی کچھوچھوی اور پیر صاحب مانکی شریف رحمہم اللہ کی شرکت سے یہ کانفرنس بے حد مقبول ہوئی۔

افسوس کہ پاکستان کے قیام کے بعد مسلمانوں کی تحریک پاکستان کے حق میں اس قسم کی گراں قدر قربانیوں کو صفحۂ تاریخ پر جگہ نہ دی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کو ہماری نصابی کتب میں شامل کیا جا رہا ہے جنہوں نے دل کھول کر پاکستان کی مخالفت کی۔

اس کانفرنس کی کامیابی میں حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی کردار روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کانفرنس کے نائب

ناظم تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس تحریک میں علماء و مشائخ کے دوش بدوش کام کیا۔ جس نے مسلمانوں کو تحریک آزادی کی صف میں لا کھڑا کیا۔ بلاشبہ آپ رحمتہ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اسلامیان برصغیر کی مذہبی، سیاسی، ثقافتی، ادبی اور تعلیمی مشکلات کا حل تھے اور مسلمانوں کو جادہ حق پر گامزن کرنے میں آپ رحمتہ اللہ علیہ نے نمایاں کردار ادا فرمایا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کانفرنس کی مکمل روداد بعنوان "خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ" مرتب کر کے شائع کروائی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے بیشتر کارہائے نمایاں میں سے یہ کارنامہ بھی ہمیشہ روز روشن کی طرح عیاں رہے گا۔

مرشد و استاد کی آپ رحمتہ اللہ علیہ سے محبت:

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ چونکہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے استاد اور مرشد بھی تھے اسی وجہ سے آپ رحمتہ اللہ علیہ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی محبت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صدر الافاضل کا وصال آپ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہوا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اس وقت خدمت شیخ پر معمور تھے۔ یعنی اپنے مرشد کے سر کو دبا کر فیض یاب ہو رہے تھے کہ حضرت صدر الافاضل کی روح پرواز کر گئی۔

پاکستان میں آمد:

تقسیم ملک کے بعد آپ رحمتہ اللہ علیہ 1950ء میں پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں آنے کے بعد دوست احباب و اقارب اثاثہ، بیت و دیگر ضروریات زندگی کا فقدان ہونے پر آپ رحمتہ اللہ علیہ دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ اپنے مشائخ کے مشن کو جاری رکھنے اور اُسے کامیاب بنانے کے لئے کوشاں رہے۔

مرکزی جمعیت علماء پاکستان کے لئے خدمات:

آپ رحمتہ اللہ علیہ کے پاکستان آنے کے بعد غازی کشمیر حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو جمعیت کا نائب ناظم اعلیٰ مقرر کیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے 57-1956 تک جمعیت کا ترجمان رسالہ "ہفت روزہ جمعیت" نکالا اور اس کے لئے بڑی محنت اور جدوجہد فرمائی پھر بعض وجوہات کی بنا پر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے جمعیت سے استعفیٰ دے دیا۔

رسالہ سوادِ اعظم کا اجراء:

اس کے بعد آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و استاد حضرت صدر الافاضل کی یاد میں ہفتہ وار "سوادِ اعظم" لال کھوہ اندرون موچی دروازہ لاہور سے نکالا اور بڑی استقامت کے ساتھ جب تک زندہ رہے اس

کو شائع کرتے رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا غلام قطب الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ادارت جاری رہا اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بند ہوا۔ اس رسالے کی خصوصیات یہ تھیں کہ مسلک اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے لئے حتی الامکان کوشش فرماتے اور اسی کے ذریعے مخالفین کی فتنہ سازیوں کا سختی سے نوٹس لیتے۔

تصانیف:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً 45 کے قریب تصانیف و تالیفات اور عربی کتب کا ترجمہ انتہائی مشکل اور کٹھن حالات میں فرمایا اور اکثر کتابیں ایسی تھیں کہ اپنے علم و موضوع کے اعتبار سے وہ انتہائی اہم تھیں۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اس خوش اسلوبی سے فرماتے کہ بجائے ترجمہ کے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اصل کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ فنِ ترجمہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک زبان کو دوسری زبان کا جامہ پہنانا کس قدر مشکل امر ہے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے استاد تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے جو فہرست میسر ہو سکی وہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

1.	مدارج النبوت	2 جلد	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
2.	الخصائص الکبریٰ	2 جلد	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
3.	الشفاء	2 جلد	قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
4.	ماثبت من السنۃ		شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
5.	کشف المحجوب		حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
6.	بشری الکئیب بلقاء الحبیب		امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
7.	اردو ترجمہ بنام دیدارِ حبیب		
8.	الدر المنتثرہ فی احادیث المشتہرہ		امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
9.	الصواعق الٰہیہ الرد علی الوہابیہ		علامہ الشیخ محمد سلمان رحمۃ اللہ علیہ
10.	نعیم العرفان (اردو ترجمہ بنام تکمیل الایمان)		حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
11.	نعیم رسالت		مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
12.	فتاویٰ صدر الافاضل		مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
13.	نعیم البیان پہلا پارہ (تفسیر قرآن پاک)		مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
14.	احقاق حق		مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

15.	حیاتِ صدر الافاضل	مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
16.	فتوح الغیب (ترجمہ بنام شروح الغیب)	شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
17.	مسالک الحنفاء (ترجمہ بنام والدین مصطفیٰ ﷺ)	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
18.	مناقب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
19.	قرۃ العیون (ترجمہ بنام سرور خاطر)	فقیہہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ
20.	مواعظ حسنہ	حضرت علامہ امام صفوری رحمۃ اللہ علیہ
21.	المیلاد نبوی ﷺ	امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ
22.	شواہد النبوۃ	حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ
23.	اصول السماع (ترجمہ بنام مسئلۃ السماع)	حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
24.	العقائد (ترجمہ فقہ اکبر)	
25.	ترجمہ وصایا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	
26.	ترجمہ قصیدہ بدء الامالی	

وصال:

انتقال سے چار ماہ قبل آپ رحمۃ اللہ علیہ پر سحر کا حملہ ہوا بس اس وقت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ دن بدن علیل سے علیل تر ہوتے گئے۔ اور "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق کوئی دوا موثر ثابت نہ ہوئی۔ بڑے بڑے نامور معالج آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علاج کے لئے آئے ہر کسی نے یہی کہا کہ مرض کا کچھ پتہ نہیں چلتا بالآخر 13 اگست کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو میو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن 14 اگست 1971ء کو اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ آخری وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

چل دیئے باغ سے چمن پیرا
گل و گلزار کا خدا حافظ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ مفتی اعجاز ولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں میانی صاحب کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مقدمہ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلِّمْ

فقیہہ قاضی امام حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْفَرِدِ بِاسْمِهِ الْاَسْمٰى ٥ اَلْمُخْتَصِّ بِالْمُلْكِ الْاَعَزِّ الْاَحْمٰى ٥ اَلَّذِيْ لَيْسَ دُوْنَهٗ مُنْتَهٰى وَلَا وَرَاءَهٗ مَرْمٰى ٥ اَلظَّاهِرُ يَقِيْنًا لَا تَخَيُّلًا وَلَا وَهْمًا ٥ اَلْبَاطِنُ تَقَدُّسًا لَا عَدَمًا ٥ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ٥ وَاَسْبَغَ عَلٰى اَوْلِيَآئِهٖ نِعَمًا عُمًّا ٥ وَبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ عَرَبًا وَّعَجَمًا ٥ وَاَزْكَاهُمْ مَحْتِدًا وَمَنْمًى ٥ وَاَرْجَحَهُمْ عَقْلًا وَّحِلْمًا ٥ وَاَوْفَرَهُمْ عِلْمًا وَّفَهْمًا وَاَقْوَاهُمْ يَقِيْنًا وَّعَزْمًا ٥ وَاَشَدَّهُمْ بِهِمْ رَاْفَةً وَّرَحْمًا زَكَّاهُ رُوْحًا وَّجِسْمًا ٥ وَحَاشَاهُ عَيْبًا وَّوَصْمًا ٥ وَاٰتَاهُ حِكْمَةً وَّحُكْمًا ٥ وَفَتَحَ بِهٖ اَعْيُنًا عُمْيًا وَّقُلُوْبًا غُلْفًا وَّاٰذَانًا صُمًّا ٥ فَاٰمَنَ بِهٖ وَعَزَّرَهٗ وَنَصَرَهٗ مَنْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ فِيْ مَغْنَمِ السَّعَادَةِ قِسْمًا ٥ وَكَذَّبَ بِهٖ وَصَدَفَ عَنْ اٰيَاتِهٖ مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الشَّقَاءُ حَتْمًا ٥ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ٥ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً تَنْمُوْ وَتَنْمٰى ٥ وَعَلٰى اٰلِهٖ تَسْلِيْمًا۔

(ترجمہ) اللہ ﷻ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جو اپنے بلند نام میں یکتا' جو بلند نام کے ساتھ مخصوص ہے' وہی ہے جس کے سوا اور کوئی منتہی نہیں اور اس کے سوا کوئی مطلوب نہیں وہ حقیقتاً ظاہر ہے' وہمی وخیالی نہیں۔ وہ باطن ہے تقدس کے اعتبار سے' معدوم ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ رحمت وعلم سے تمام کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اپنے محبوبوں کو غایت کرم سے اپنی وافر نعمتوں سے نوازا۔

اس نے انہیں میں سے ان کی جانب ایسا بہترین رسول بھیجا' جو عرب وعجم میں بے مثل اور اصل ونسل' حسب ونسب اور اصالت میں ان میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ عقل وفراست ودانائی اور بردباری میں ان سے فزوں تر' علم وبصیرت میں ان سے زیادہ یقین محکم اور عزم راسخ میں ان سے

قوی تر رحم و کرم میں ان پر سب سے زیادہ رحیم و شفیق۔ (اللہ ﷻ نے ہر قسم کی بشری آلودگیوں سے) ان کے روح و جسم کو مُصفّٰی اور عیب و نقص سے ان کو منزہ رکھا۔ ایسی حکمت و دانائی سے ان کو نوازا کہ جس نے اندھی آنکھوں، غافل دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا۔

وہی شخص آپ پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی عزت و نصرت کرتا ہے جس کے نصیب میں اللہ ﷻ نے نیک بختی رکھی ہے اور وہی آپ کی تکذیب اور آپ کے معجزات سے روگردانی کرتا ہے کہ جس پر اللہ ﷻ نے بدبختی لازم کر دی ہے کیونکہ جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ اللہ ﷻ کا ان پر صلوٰۃ و سلام ہو اور ایسی رحمتیں ہوں جو ہمیشہ بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور ان کے آل و اصحاب پر بھی پورا سلام ہو۔

اما بعد! اللہ ﷻ نورِ یقین کے ساتھ میرے اور تمہارے دل کو منور کرے اور میرے اور تمہارے اوپر ایسی مہربانی کرے جیسی اپنے ان برگزیدہ محبوبوں پر فرماتا ہے جن کو اس نے اپنی مقدس مہمانی سے مشرف فرمایا اور اپنی محبت میں ایسا وارفتہ کیا کہ وہ مخلوق سے بیزار ہو گئے اور اپنی معرفت، ملکوت کے عجائب اور اپنی قدرت کے آثار کے مشاہدہ کے لئے ان کو مخصوص کر دیا۔ ان کے قلوب صافیہ کو مسرور کیا، ان کی عقلوں کو اپنی عظمت شان سے حیرت زدہ کر دیا۔ پس ان محبوبوں نے صرف ایک غم ہی لازم کیا ہے، وہ تیری ذات ہے۔ اور دین و دنیا میں تیرے جلووں کے نظارے کے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھا۔ صرف اسی کے جمال و جلال کے مشاہدہ میں مگن ہیں۔ اسی کے آثارِ قدرت، عجائبِ عظمت میں سرگرداں ہیں۔ اسی (ذات) سے لو اور اسی پر توکل کرنے میں معزز ہیں۔ اس کے اس سچے ارشاد کے شیدا ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ. اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا (پ ۷۔ الانعام ۹۱) (ترجمہ کنز الایمان)

پس تم نے مجھ سے بار بار یہ سوال کیا ہے کہ میں ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دوں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے حقوق اور آپ کی عزت و تکریم کے وجوب پر مشتمل ہو اور ان لوگوں کے حکم میں جو (بسبب غفلت کے) اس واجب التعظیم مرتبت کی معرفت سے غافل یا آپ کے منصب جلیل کے حقوق کی ادائیگی میں تراشۂ ناخن کے برابر قاصر ہیں۔

اور یہ کہ اس مجموعہ میں اپنے بزرگوں اور اماموں کے اقوال جمع کر کے ان کو صورتوں اور مثالوں میں بیان کروں۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو (اللہ ﷻ تمہیں محبوب بنائے) کہ جو کام میرے سپرد کیا ہے سخت

مشکل کام ہے اور دشوار تر ہے' وہ ایسی خطرناک مرتفع گھاٹی (بلند) ہے کہ میرا دل اس سے (انجام برآری میں) خوف زدہ ہے کیونکہ مقتضائے کلام مُتَدعی ہے کہ اصولی گفتگو ہو اور انداز بیان جامع مانع ہو جس میں حضور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے متعلق علم الحقائق کے رموز و کنایات اور اس کے غوامض و دقائق واضح طریقہ پر بیان کئے گئے ہوں' خواہ وہ آپ کی طرف منسوب کرنا جائز ہو یا اس کی نسبت شرعاً ممنوع ہو۔ (واضح کرنا ضروری ہے) اور یہ کہ نبی' رسول' رسالت' نبوت' محبت' خلت (دوستی) اور اس مرتبہ عالیہ کی خصوصیات کیا ہیں ان کی معرفت بھی کرا دی جائے۔ یہ وہ دشوار گزار وادی ہے کہ قطا جیسا پرندہ جو نہایت تیز بین اور سبک رفتار ہے' وہ بھی پرواز سے متحیر ہے' قدم ڈگمگاتے ہیں۔ وہ عقلیں پراگندہ و گمراہ ہوتی ہیں جو نشان علم اور درست فکر و نظر سے راہ یاب نہ ہوں۔ یہاں وہ مزاج الاقدام ہیں کہ اگر توفیق وتائید الٰہی پر اعتماد و بھروسہ نہ ہو تو قدم پھسل جائیں۔

لیکن میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ ﷻ سے بخشش و ثواب کا امیدوار ہوں کیونکہ یہ مقام مدح حضور ﷺ اور ان کے رتبۂ عالی کے بیان اور خُلق عظیم کی تعریف گاہ ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی ان خصوصیات وحقوق کا بیان ہے جو اس سے پہلے کسی مخلوق میں جمع نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کے حقوق کی معرفت اللہ ﷻ کی ایسی اطاعت ہے جو تمام حقوق سے بلند تر ہے تاکہ اہل کتاب بھی یقین کریں اور اس کو لوگوں میں واضح طور پر بیان کر کے کتمان حق نہ کریں (جیسا کہ ان سے یوم الست روز میثاق عہد لیا گیا تھا)۔

اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اس کو چھپایا تو اللہ ﷻ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالے گا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۳، سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۳۹، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۹۸)

پس میں نے (بخوف وعید حدیث بالا کے) ایسے نکات کی جلدی کی جو مطلب و مقصد کے لئے ضروری ہیں اور اس لئے بھی تعجیل کی کہ مرد اپنے ان گھریلو معاملات سے جو اس پر لازم کئے گئے ہیں کبھی بھی اپنے دل و دماغ کو فارغ نہیں پاتا۔ ہمیشہ ان کی انجام دہی میں سرگرداں رہتا ہے۔ اسی میں وہ اپنے فرض و نفل سے اکثر غافل رہتا ہے جس کے نتیجہ میں احسن تقویم سے بے پرواہ ہو کر ادنیٰ درجہ میں گر پڑتا ہے۔

اگر اللہ ﷻ انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اللہ ﷻ اس کے تمام شغل اور غم پورے (ختم) کر دیتا ہے اور کل قیامت کے دن ایسوں کی تعریف کی جائے گی اور ان کو کوئی برائی نہ پہنچے گی جبکہ وہاں سوائے جنت کی تروتازگی یا عذاب دوزخ کے کچھ نہ ہوگا۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کا بچاؤ

کرے اس کو برائی سے محفوظ رکھے اور عمل صالح کر کے اس کا درجہ بڑھائے۔ وہی علم کارآمد ہے جس کے ذریعہ خود بھی منتفع ہو اور دوسروں کو بھی نفع پہنچے۔

اللہ ﷻ ہمارے دلوں کی شکستگی دور کرے' کبیرہ گناہوں کو بخشے' ہماری تمام کدو کاوش کو آخرت میں ہمارا عمدہ توشہ بنائے' ہمارے مشاغل کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے' قرب خاص سے ہم کو نوازے اور اپنے رحم و کرم کے پردے میں ہمیں ڈھانپ لے۔ (آمین)

جب میں نے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے بابوں کی ترتیب دی' اصولوں کو مقرر کیا اور تفصیلات معین کیں اور اس کے حصر و تحصیل کی طرف مشغول ہوا تو میں نے اس مجموعہ کا نام "اَلشِّفَاءُ بِتَعْرِيفِ حُقُوقِ الْمُصْطَفٰى ﷺ" رکھا۔

اس کو میں نے چار قسموں پر منحصر کیا ہے۔

قسم اول: ان ارشادات الٰہیہ کے بیان میں جن میں خود اللہ ﷻ نے اپنے قول و فعل میں اپنے نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کی ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی پیدائش اور اخلاق کے بارے میں مناقب بیان کئے ہیں اور آپ ﷺ میں تمام دینی و دنیاوی فضائل جمع کر دیئے ہیں۔ اس میں چھبیس فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں وہ صحیح اور مشہور حدیثیں ہیں جن میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو بارگاہ الٰہی میں پائی جاتی ہے کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کو دارین کے فضائل میں جو خصوصیات مرحمت فرمائیں' ان کا بیان ہے۔ اس میں پندرہ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ہاتھ سے جو معجزات اور نشانیاں ظاہر فرمائیں اور وہ کہ جو آپ ﷺ کو خاص طور پر بزرگیاں عنایت فرمائیں ان کا بیان ہے۔ اس میں انتیس فصلیں ہیں۔

قسم دوم: اس میں حضور ﷺ کے ان حقوق کا بیان ہے جن کی بجا آوری ہر ایک پر واجب کی گئی ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ

کی سنت کا اتباع لازم ہے۔ اس میں چار فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی محبت لازم ہے اور آپ ﷺ سے عقیدت ضروری ہے۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کی عظمت کی جائے اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور خیر خواہی لازم ہے۔ اس میں چھ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام اور درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے، کے بارے میں بیان ہے۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

قسم سوم: اس میں ان امور کا بیان ہے کہ جو حضور ﷺ کے حق میں محال ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ کے لئے جائز ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ پر ممنوع ہیں اور وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہے۔

اور یہ "قسم سوم" اللہ ﷻ تمہیں عزت دے اس کتاب کا راز اور ان تمام ابواب کے پھلوں کا مغز ہے اور اس سے پہلے کی دونوں قسمیں دراصل ان (امور) کے لئے تمہید و دلائل کے مرتبہ میں ہیں جو ہم اس قسم میں واضح و روشن نکات بیان کریں گے اور یہی قسم مابعد کے لئے بھی حاکم ہوگی اور اس کتاب کی تالیف و تصنیف کا اصل سبب و وعدہ بھی یہی قسم ہے۔ جب ہم اس وعدہ کو پورا کریں گے تو ملعون دشمنوں کے سینے تنگ ہوں گے اور مومن مخلص کا دل یقین و عرفان سے روشن ہوگا اور فضائے صدر اس سے گنجینۂ انوار بنے گا اور ہوشمند دانا حضور سید عالم ﷺ کی قدر و منزلت کما حقہٗ بجالائے گا۔ اس میں دو باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے جو امور دینیہ میں مخصوص ہیں۔ اور جس میں عصمت رسول ﷺ کو خوب ثابت کیا جائے گا۔ اس کی سولہ فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں حضور ﷺ کے دنیوی حالات کا بیان ہے یعنی بشریت کی کیفیت کی بناء پر جو امور آپ ﷺ پر واقع ہوتے رہے۔ اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔

قسم چہارم: اس میں ان احکام کی وجوہات کا بیان ہے جو (معاذ اللہ) سبّ و تنقیص کر کے شان ارفع و اعلیٰ کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں تین باب ہیں۔

باب اول: اس میں وہ امور ہیں جن کی نسبت (اگر معاذ اللہ حضور ﷺ کی طرف کر دی جائے تو وہ) سبّ و نقص ہیں خواہ وہ اشارتاً ہوں یا صراحتاً (العیاذ باللہ)۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں آپ ﷺ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا حکم ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی وراثت کے بارے میں بیان ہے۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

باب سوم:

ہم نے اس کتاب کو باب سوم پر ختم کیا ہے۔ جس کو ہم نے اس مسئلہ کا ضمیمہ اور تکملہ قرار دیا ہے۔ جو اس کے پہلے دو بابوں میں ذکر ہے۔ یعنی اس شخص کے بارے میں حکم لگایا ہے جو کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور حضور سید عالم ﷺ کی آل و اصحاب کو (معاذ اللہ) برا بھلا کہتا ہے۔ ان امور کو اختصار کے ساتھ نو فصلوں میں بیان کیا ہے۔ اس پر کتاب کے ابواب و اقسام کا خاتمہ ہے جو اہل ایمان کی پیشانی کو ایمان سے پر انوار کر کے تراجم کے تاج پر چمکتا دُرِ شہسوار بنے گا اور ہر قسم کے شکوک و اوہام تخمین و تخیل کو دور کر کے مومنین کے سینہ کو شفاء اور حق کو ظاہر کرے گا۔ بے وقوف ہٹ دھرم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں اللہ ﷻ ہی سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوالفضل محمد عیاض مالکی غفرلہ

قسم اوّل

آیاتِ قرآنیہ ارشاداتِ الٰہیہ سے حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا ثبوت

فقیہہ قاضی امام ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ اس کو توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستہ پر گامزن رکھے۔ اس شخص پر کچھ پوشیدہ نہیں جس کو اللہ ﷻ نے تھوڑا سا بھی علم دیا ہے یا تھوڑی سی سمجھ بوجھ دی ہے کہ اللہ ﷻ نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کو بڑی قدر و منزلت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کو ایسے فضائل و محاسن اور مناقب کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں اور آپ کے مرتبۂ جلیلہ کو اتنا بڑھایا ہے کہ لوگوں کی زبان و قلم تھکتے ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کی تصریح اللہ ﷻ نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں فرمادی اور آپ کے مراتب عالیہ پر لوگوں کو خبردار کیا اور انہیں آپ کے اخلاق و آداب کی تعلیم دی اور بندوں کو ان پر اعتصام و التزام کے وجوب کی تلقین کی ہے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر بے حد و غایت فضل و کرم فرمایا اور آپ ﷺ کو طیب و طاہر کیا اور آپ ﷺ کی مدح و ثناء کی پھر اس پر پوری پوری آپ کو جزا دی۔ شروع و انجام میں اسی کی برتری ہے اور اللہ ﷻ کی اول و آخر میں تعریف و تحمید ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی مخلوق میں عَلٰی وَجْہِ الْکَمَال جاہ و جلال کے ساتھ ظاہر فرمایا اور محاسن جمیلہ، اخلاق حمیدہ، مناصب کریمہ، فضائل حمیدہ سے ممتاز فرمایا اور براہین واضحہ، معجزات باہرہ اور ان کرامات بیّنہ سے تائید کی جن کو معاصرین نے مشاہدہ کیا جس نے آپ ﷺ کی زیارت کی اس نے دیکھا اور بعد والوں کے لئے ان کا علم علم الیقین ہے۔ یہاں تک کہ حقیقت واقعیہ کا علم ہم کو حاصل ہوا۔ ہم پر آپ کے انوار کی بارش ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت عالی میں شب اسریٰ (شب معراج) براق پیش کیا گیا کہ جو لگام اور زین سے مزین تھا۔ براق نے حضور ﷺ کو سوار کرنے میں پس و پیش کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو (احمد مجتبیٰ) محمد (مصطفیٰ ﷺ) کے حضور شوخی کرتا ہے (خبردار) تجھ پر حضور ﷺ سے بڑھ کر مکرم ذات کوئی سوار نہیں ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر براق شرم وندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور گردن جھکا دی۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۶۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۸۲، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۲۸، جلد ۲ صفحہ ۲۰۸۔۲۰۷)

پہلا باب

حضور ﷺ کی ثناء بزبان باری تعالیٰ

جان لو! کہ کتاب مجید میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذکر جمیل کو بیان کرتی ہیں اور آپ کی خوبیوں کا شمار کراتی ہیں۔ آپ کے حکم کی تعظیم بیان کرتی ہیں، آپ کی عزت کو بلند کرتی ہیں۔ ہم نے یہاں صرف انہیں آیات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جن کے معانی ظاہر و باہر ہیں اور ان کی مراد و مفہوم واضح ہے۔ ہم نے ان کو دس فصلوں میں بیان کیا ہے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنی کا بیان

اس فصل میں ان آیتوں کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کی مدح وثناء اور خوبیوں میں وارد ہیں۔ جیسے کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. (پ ۱۱ التوبہ ۱۲۸) — بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول (ترجمہ کنز الایمان)

(حضرت فقیہ ابو اللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں لفظ مِنْ اَنْفَسِكُمْ کو فتح (زبر) فا کے ساتھ بعض قراء نے پڑھا ہے (یعنی مِنْ اَنْفَسِكُمْ تم میں سب سے زیادہ نفیس ذات) لیکن جمہور قراء نے ضم (پیش) فا سے پڑھا ہے۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)

فقیہ قاضی ابو الفضل فرماتے ہیں: اس کو اللہ ﷻ توفیق دے۔

جانو! کہ اللہ ﷻ نے مومنین کو یا تمام عرب کو یا اہل مکہ کو یا تمام لوگوں کو باختلاف مفسرین آیت بالا میں خطاب فرما کر آگاہ کیا ہے کہ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (پ ۴ آل عمران ۱۶۴) ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اس کے مرتبہ و مقام صدق

وامانت کو خوب جانتے ہیں اور (کسی حال میں بھی) کذب وعدم خیر خواہی سے متہم نہیں کر سکتے۔ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس میں حضور ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری نہ ہو۔ (در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اللہ ﷻ کے اس ارشاد اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی "مگر قرابت کی محبت" کے معنی ہی یہ ہیں (کہ سارا عرب حضور ﷺ کو خوب اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے)

(صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۰۷، طبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۳۵-۳۱۶)

اور فتح فاء کی قرأت کی بناء پر معنی یہ ہیں کہ آپ ان میں سب سے زیادہ اشرف، ارفع اور افضل ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی انتہائی مدح وتعریف ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے حضور کو دیگر اوصاف حمیدہ اور محامد کثیرہ سے یاد فرمایا اور ان (لوگوں) کے اسلام لانے، ہدایت پانے میں حضور ﷺ کے حرص و خواہش میں مبالغہ کی تعریف کی اور جو دنیا میں ان کو تکالیف پہنچتی ہیں یا آخرت میں پہنچیں گی اس پر حضور ﷺ کا دل تنگ ہونا ظاہر فرمایا ہے اور مومنین صادقین کے لئے حضور ﷺ کی مہربانی، کرم نوازی اور عزت افزائی فرمانا، اللہ ﷻ نے اس کی ثناء کی ہے۔

بعض علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو اپنے ناموں سے دو نام رؤف، رحیم خاص طور پر عنایت فرمائے ہیں۔

اسی طرح دوسری آیتوں میں حضور ﷺ کا ذکر ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. (پ۴ ال عمران ۱۶۴)
بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (پ۲۸ الجمعہ ۲)
وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت علی المرتضٰی بن ابی طالب ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے بارے میں دریافت کیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَّ حَسَبًا لَیْسَ فِیْ اٰبَائِیْ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ سَفَاحٌ "کُلُّهَا نِکَاحٌ" یعنی تمہارے حسب ونسب اور سسرال میں مبعوث فرمانا مراد ہے، میرے آباؤ اجداد میں آدم ؑ سے لے کر اب تک زنا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب نکاح سے پیدا ہوئے۔ (ابن ابی عمر ﷺ فی مسندہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۱)

ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پانچ سو امہات (کے حسب ونسب) کے حالات لکھے ہیں لیکن ان میں میں نے نہ زنا پایا اور نہ زمانہ جاہلیت کی رسمیں دیکھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمان الٰہی تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (پ۱۹ الشعراء ۲۱۹) "نمازیوں میں تمہارے دورے کو" (ترجمہ کنزالایمان) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مِنْ نَبِيٍّ اِلٰى نَبِيٍّ حَتّٰى اَخْرَجْتُكَ نَبِيًّا۔ نبی سے نبی تک یہاں تک کہ میں نے اے محبوب تم کو نبی پیدا کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۵، مسند بزار جلد ۳ صفحہ ۱۱۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۵۸)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنی مخلوق کو اس کی اطاعت میں عاجز ہونا جان لیا پھر ان کو اس کی معرفت کرائی تا کہ وہ جان لیں کہ وہ اس کی خدمت وعبادت صفائی قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ پس اللہ ﷻ نے اپنے اور ان کے درمیان صورتاً مماثلت کر کے ان کی جنس میں سے ایک ایسی مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) پیدا فرمائی کہ جن کا وصف ہی یہ ہے کہ وہ ان پر لطف وکرم کریں اور اس مخلوق (انبیاء کرام علیہم السلام) کو ان لوگوں کے لئے سفیر وواسطہ اور پیامبر بنایا اور ان کی فرمانبرداری کو اپنی اطاعت اور ان کی پیروی کو اپنی موافقت کہا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (پ۵ النساء ۸۰) جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہوا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ابوبکر محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اللہ ﷻ نے "رحمت" کے ساتھ مزین کیا۔ آپ سراپا رحمت ہیں اور آپ کے تمام خصائل وصفات مخلوق پر رحمت فرمانا ہے۔ جس نے بھی آپ ﷺ کی رحمت (عامہ) سے حصہ پایا وہی (درحقیقت) دین ودنیا میں ہر برائی سے نجات یافتہ اور دونوں جہان میں بامراد ہے۔ کیا تم اللہ ﷻ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ۱۷ الانبیاء ۱۰۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا حضور ﷺ کی حیات ظاہری بھی رحمت ہے اور حیات باطنی (وفات) بھی رحمت۔ جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں: حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ مَوْتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (بزار جلد ۱ صفحہ ۳۹۷)

میری یہ زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور یہاں سے کوچ کر جانا (وصال) بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔

نیز حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةً بِاُمَّةٍ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَّسَلَفًا. جب اللہ ﷻ کسی اُمت پر رحمت فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس اُمت کے نبی کی قبض روح کرتا ہے اس کے بعد ان پر حال و مستقبل میں مہربانی فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)

(حضرت فقیہ ابو اللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین میں عام جن وانس پر رحمت کرنا مراد ہے۔ ایک روایت میں اس سے تمام کائنات ومخلوقات پر رحمت فرمانا ہے۔ مومنین کے لئے رحمت' ہدایت کرنا ہے اور منافقین کے لئے رحمت' قتل سے محفوظ رکھنا ہے اور کافرین پر رحمت یہ ہے کہ ان پر عذاب میں تاخیر کی جائے۔ (کہ اب وہ دنیا میں عذاب عام سے محفوظ ہیں)

حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ مومنین وکافرین کے لئے رحمت ہیں کیونکہ پچھلی ان امتوں کی طرح جنھوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی' دنیا میں عذاب عام سے بچالئے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۷ صفحہ ۸۳ طبرانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۸۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل ؑ سے دریافت فرمایا: کیا میری رحمت سے تم کو بھی کچھ حصہ ملا ہے؟ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ كُنْتُ اَخْشَى الْعَاقِبَةَ فَاٰمَنْتُ لِثَنَاءِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى بِقَوْلِهٖ "ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ط" (پ۳۰۔ التکویر ۲۰-۲۱) "میں اپنے انجام وآخرت سے ڈرتا تھا۔ اللہ ﷻ نے میری مدح میں یہ آیہ کریمہ" جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے" (ترجمہ کنزالایمان) آپ ﷺ پر نازل فرمائی تو اب بے خوف ہوں۔"

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ سے اللہ ﷻ کے فرمان فَسَلٰمٌ "لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ. (پ۲۷۔ الواقعہ ۹۱) "اے محبوب تم پر سلام داہنی طرف والوں سے" (ترجمہ کنزالایمان) کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے سبب سے اصحاب یمین کی سلامتی ہے' بلاشک وتردد ان پر یہ سلامتی حضور سید عالم ﷺ کی رحمت ومہربانی کی وجہ سے ہے۔

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ (پ۱۸۔ النور ۳۵)

"اللہ نور (اجالا) ہے آسمانوں اور زمین کا۔" اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کعب احبار اور ابن جبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت بالا میں دوسرے لفظ "نور" سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ اللہ ﷻ کا فرمان کہ

مَثَلُ نُوْرِهٖ اَیْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَهْلُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْمَعْنٰی اللّٰهُ هَادِی اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ قَالَ مَثَلُ نُوْرِ مُحَمَّدٍ اِذَا کَانَ مُسْتَوْدَعًا فِی الْاَصْلَابِ کَمِشْکٰوةٍ صِفَتُهَا کَذَا وَاَرَادَ بِالْمِصْبَاحِ قَلْبَهٗ وَالزُّجَاجَةِ صَدْرَهٗ اَیْ کَاَنَّهٗ کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ لِمَا فِیْهِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْحِکْمَةِ یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اَیْ مِنْ نُوْرِ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَضَرَبَ الْمَثَلَ بِالشَّجَرَةِ الْمُبٰرَکَةِ وَقَوْلُهٗ یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ اَیْ تَکَادُ نُبُوَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَبِیْنُ لِلنَّاسِ قَبْلَ کَلَامِهٖ کَهٰذَا الزَّیْتِ وَقَدْ قِیْلَ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ غَیْرُ هٰذَا وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

اس کے نور کی مثال یعنی نور محمد ﷺ کی مثال اس کے بارے سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آسمانوں اور زمین والوں کا ہادی بنایا ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ نور محمد ﷺ کی مثال جبکہ آپ ﷺ آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے "طاقچہ" (طاق) کی طرح جس کا حال یہ ہے اور "مصباح" یعنی چراغ سے مراد آپ ﷺ کا قلب مبارک ہے۔ "زجاجہ" یعنی شیشہ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ انور ہے گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے کیونکہ اس میں ایمان و حکمت ہے۔ مبارک درخت سے مراد روشن کیا جاتا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے نور سے اور درخت مبارک کی مثال دی گئی۔ اللہ کا فرمان یَکَادُ زَیْتُهَا سے مراد یہ ہے کہ عنقریب محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ان کے کلام سے پہلے ظاہر ہوگی جیسا کہ یہ زیتون۔ اس آیت مبارکہ کے اس کے سوا اور بھی معنی بیان کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ ﷻ نے اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں بھی حضور ﷺ کا "نور" اور "روشن چراغ" نام رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ. (پ ٦۔ المائدہ ١٥) بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا. (پ۲۲۔الاحزاب ۴۶۔۴۵)	اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (پ۳۰۔الم نشرح ۱)	کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو کھول دیا اور وسیع کر دیا۔ صدر سے یہاں مراد قلب مبارک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کے سینہ مبارک کو نور اسلام کے لئے کھول دیا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۸ صفحہ ۵۴۷)

سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نور رسالت کے ساتھ کھول دیا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو علم و حکمت سے بھر دیا۔

بعض مفسرین نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ "کیا ہم نے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو پاک نہیں کیا؟ یہاں تک کہ وہ اب وسوسوں کو قبول ہی نہیں کرتا۔"

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ. (پ۳۰۔الم نشرح ۲۔۳)	اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ایک (مجروح) روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جو لغزشیں قبل اظہار نبوت ہوئی ہیں ان سے آپ ﷺ کا دل پاک کر دیا ہے۔ بعض زمانہ جاہلیت کا بوجھ مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے وہ بوجھ مراد ہے جو اظہار رسالت کے وقت آپ ﷺ کی کمر وحی رسالت کے بوجھ سے دب گئی تھی یہاں تک کہ آپ نے اس کو ادا فرمایا یعنی تبلیغ رسالت فرمادی۔ اسے ماوردی اور سلمی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا۔ اگر معصوم نہ کرتے تو یقیناً لغزشوں کے بوجھ سے کمر بھاری ہو جاتی۔ اس کو (فقیہ ابواللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

(پ۳۰۔الم نشرح ۴) (ترجمہ کنزالایمان)

یحییٰ ابن آدم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت سے) مراد نبوت (کا اعلان) ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اے محبوب جب (بندہ) مجھے یاد کرے گا تو میرے ساتھ تمہیں بھی یاد کرے گا (جس طرح) کلمہ طیبہ میں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور بعض اذان و اقامت میں (حضور ﷺ ذکر) مراد لیتے ہیں۔

فقیہہ قاضی (عیاض) ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ ﷻ کا یہ فرمان حضور ﷺ کے لئے اس کی بارگاہ میں عزت و عظمت، شرافت و منزلت اور آپ ﷺ کی بزرگی پر بڑی حجت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کو ایمان و ہدایت کے لئے کھول دیا، علم و حکمت کی صیانت و حفاظت کے لئے وسیع کر دیا اور جاہلیت کے بوجھ کو آپ ﷺ سے دور کر دیا اور جاہلیت کی عادات و خصائل کو جس پر یہ لوگ تھے ان کا دشمن بنا دیا۔ آپ ﷺ کے دین کو ان کے دینوں پر تبلیغ رسالت و نبوت فرما کر غالب کر دیا، اور آپ ﷺ کے اوپر سے رسالت و نبوت شدائد کو جو تبلیغ رسالت کی صورت میں پیش آتی تھیں محفوظ کیا اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا۔ آپ نے ان سب کو پہنچا دیا اور آپ کو اعلیٰ مرتبہ عنایت فرمایا۔ آپ ﷺ کے نام کے ذکر کو اتنا بلند کیا کہ اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام ملا دیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اتنا بلند کیا کہ کوئی خطیب یا کلمہ شہادت کہنے والا یا نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۶۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا:

اِنَّ رَبِّیْ وَرَبَّکَ یَقُوْلُ تَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ؟ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ۔

میرا اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محبوب جانتے ہو کس طرح تمہارے ذکر کو بلند کیا؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: جب میں یاد کیا جاتا ہوں تو میرے ساتھ آپ بھی یاد کئے جاتے ہیں۔

(ابن حبان جلد ۵ صفحہ ۶۲، مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۵۲۲، ۵۲۳)

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایمان کی تکمیل ہی میرے ساتھ آپ ﷺ کے ذکر سے ہوتی

ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ذکر ہی کو اپنا ذکر قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا اس نے میرا ہی ذکر کیا۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا یَذْکُرُکَ اَحَدٌ بِالرِّسَالَةِ اِلَّا ذَکَرَنِیْ بِالرَّبُوْبِیَّةِ۔ جو شخص تمہاری رسالت کا اقرار کرے گا اس نے میری ربوبیت کا اقرار کیا۔

بعض نے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ سے مقام شفاعت بھی مراد لیا ہے۔

اللہ ﷻ کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت کے ساتھ حضور کی اطاعت اور اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا نام ملا کر بیان کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ (پ۴ ال عمران ۱۳۲) اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو (ترجمہ کنز الایمان)

ایک اور جگہ فرمایا:

وَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔
(پ۵ النسآء ۱۳۶) (ترجمہ کنز الایمان)

ان دونوں کو واو عطف کے ساتھ جو مشترک ہوتی ہے جمع کیا ہے۔ کلام میں حضور ﷺ کے سوا کسی کو اللہ ﷻ کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بالاسناد حضرت حذیفہ ﷺ حضور ﷺ سے راوی ہیں:

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ فُلَانٌ وَلٰکِنْ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: "اللہ ﷻ اور فلاں شخص چاہے" بلکہ یوں کہو: "اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔"
(سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ عمل الیوم واللیلۃ صفحہ ۵۴۴)

خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ادب سکھایا کہ اللہ ﷻ کے ارادہ کو دوسروں پر مقدم کیا کرو۔ (اگر کسی کو ملانا ہی ہو تو پھر) دوسروں کو ثُمَّ کے ساتھ ملا سکتے ہو کیونکہ ثُمَّ ترتیب و تراخی کے لئے آتا ہے بخلاف واو عطف کے کہ وہ اشتراک کے لئے آتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خطیب نے کہا:

مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ خَطِیْبُ الْقَوْمِ اَنْتَ قُمْ اَوْقَالَ اِذْهَبْ۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۴)

جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہے اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی (اس پر) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو قوم کا برا خطیب ہے کھڑا ہو جا یا فرمایا چلا جا۔

ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں اسموں کو حرف کنایہ (ضمیر ھما) کے ساتھ جمع کرنے کو ناپسند فرمایا چونکہ اس میں مساوات کا ابہام ہے اور دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یَعْصِهِمَا پر وقف ناپسند کیا لیکن ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس نے وقوف نہیں کیا بلکہ یَعْصِهِمَا کے ساتھ فَقَدْ غَوٰی کہا تھا۔

مفسرین اور اہل معانی کا اس آیہ کریمہ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ (ترجمہ کنزالایمان) (پ ۲۲ الاحزاب ۵۶)

میں اختلاف ہے کہ آیا "یُصَلُّوْنَ" اللہ ﷻ اور فرشتوں دونوں کی طرف راجع ہے یا نہیں۔ بعض نے تو اس کو جائز رکھا ہے اور دوسروں نے شرکت کی وجہ سے منع کیا اور ضمیر جمع "یُصَلُّوْنَ" کو ملائکہ کے ساتھ خاص کر کے "یُصَلِّیْ" محذوف مان کر اِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّيْ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ تقدیر عبارت کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کے مرتبہ کی ایک یہ بھی شان ہے کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (ترجمہ کنزالایمان) (پ ۵ النساء ۸۰)

ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان) (پ ۳ آل عمران ۳۱)

چنانچہ ایک روایت کے مطابق جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو رب (خدا) بنالیں۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنالیا

ہے[1] تو اللہ ﷻ نے ان کو رسوا کرنے کے لئے یہ آیہ کریمہ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ. تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔

(پ۳ ۔ ال عمران ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

نازل فرما کر اپنی فرمانبرداری کو رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ ملا دیا۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ اس آیہ کریمہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. ہم کو سیدھا رستہ چلا رستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

(پ۱ فاتحہ ۶۔۵) (ترجمہ کنز الایمان)

کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ابو العالیہ اور حسن بصری رحمہما اللہ نے "صراط مستقیم" سے حضور ﷺ کی ذات کریمہ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے خیار (پسندیدہ) اور کبار اہل بیت لیے ہیں۔ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے ہیں۔ (حکاه عنهما ابو الحسن الماوردی رحمه الله) اور انہیں دونوں سے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ اور دونوں صحابہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے بارے میں اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۵۸، تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۴۰، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

جب اس کی اطلاع حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو فرمایا: خدا کی قسم ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل ٹھیک کہا اور خیر خواہی کی بات کی۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں عبد الرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علماء آیہ کریمہ

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى. اس نے بڑی محکم گرہ تھامی۔

(پ۳ ۔ البقرہ ۲۵۶) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ عروہ وثقیٰ (مضبوط گرہ) سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ بعض نے "اسلام" بعض نے "توحید" کی شہادت بھی مراد لی ہے۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا. اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔

(پ۱۴ ۔ النحل ۱۸) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "نِعْمَةُ اللّٰهِ" سے مراد حضور ﷺ ہیں اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

---

[1] اخرجہ ابن المنذر عن مجاہد وقتادہ رضی اللہ عنہما کما فی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۳۳

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں۔

(پ ۲۴، الزمر ۳۳) (ترجمہ کنزالایمان)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین رحمہم اللہ "جَآءَ بِالصِّدْقِ" سے حضور ﷺ مراد لیتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جس نے تصدیق کی وہ بھی وہی ہیں۔

صَدَقَ کو غیر مشدد یعنی تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور دوسروں نے کہا کہ اس سے حق کی تصدیق کرنے والے مومنین مراد ہیں اور ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مراد ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال مروی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. سن لو اللہ کی یاد ہی دلوں کا چین ہے۔

(پ ۱۳، الرعد ۲۸) (ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں "ذکر اللہ" سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

(تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۲ و تفسیر ابن جریر جلد ۱۳ صفحہ ۹۸)

دوسری فصل

اللہ عزوجل کا حضور ﷺ کو شاہد بنانا اور آپ ﷺ کی تعریف وثناء بیان کرنا

اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا o وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا. اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

(پ ۲۲، الاحزاب ۴۵، ۴۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں قسم قسم کے مراتب جلیلہ اوصاف حمیدہ آپ ﷺ کی مدح میں بیان فرمائے۔ منجملہ یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو شاہد (حاضر و ناظر) اپنی امت پر اپنی طرف سے تبلیغ رسالت کی بناء پر بنایا۔ یہ حضور ﷺ کی ہی خصوصیت ہے اور مبشر (بشارت و خوشخبری دینے والا) فرمانبرداروں کے لئے اور نذیر (ڈر سنانے والا) نافرمانوں کو اور داعی (بلانے والا) توحید الٰہی اور اس کی عبادت کی طرف

اور سراج منیر (چمکا دینے والا آفتاب) کہ حق کی (حق کے لئے) آپ ﷺ سے ہدایت لے‘ ان اوصاف حمیدہ سے یاد کیا۔

ابن یسار رحمتہ اللہ علیہ سے بالا سناد مروی کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے ایک ملاقات میں دریافت کیا کہ مجھے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی خبر دیجئے۔

انہوں نے کہا: ضرور! خدا کی قسم تورات میں حضور ﷺ کی بعض ایسی صفتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے کہ اے نبی بیشک ہم نے آپ ﷺ کو شاہد‘ مبشر‘ نذیر اور بے پڑھوں کا محافظ بھیجا۔ آپ ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں‘ میں نے تمہارا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا۔ نہ آپ ﷺ بدخلق‘ سخت دل‘ بازاروں میں چلانے والے اور نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والے ہیں بلکہ عفوو درگزر اور بخشنے والے ہیں۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کی اس وقت تک ہرگز قبض روح نہ فرمائے گا جب تک آپ ﷺ کی وجہ سے لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ باطل دین وملت کی درستگی نہ فرمادے۔ آپ کے سبب سے اللہ ﷻ اندھے‘ بہرے اور غافل دلوں کو کھولے گا۔ (صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۱۳)

اسی طرح عبداللہ بن سلام ؓ[1] وکعب احبار ؓ[2] سے بھی منقول ہے۔ بعض سندوں[3] سے ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ سے یہ بھی آیا ہے۔ اور نہ بازاروں میں چلائیں گے اور نہ بے حیائی کو اپنا لباس بنائیں گے اور نہ یاوہ گوئی کریں گے‘ میں آپ ﷺ کو ہر خوبی سے آراستہ کرلوں گا اور ہر کمال وخوبی عطا کروں گا۔ تسکین کو آپ ﷺ کا لباس‘ نیکی کو آپ ﷺ کا شعار بناؤں گا۔ آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں تقویٰ رکھوں گا اور حکمت آپ ﷺ کی عقل‘ صدق و وفا آپ ﷺ کی طبیعت‘ عفوو خیر خواہی آپ ﷺ کا خلق‘ عدل آپ ﷺ کی سیرت‘ حق آپ ﷺ کی شریعت‘ ہدایت آپ ﷺ کا امام‘ اسلام آپ ﷺ کی ملت اور احمد آپ ﷺ کا اسم مبارک ہوگا۔ آپ ﷺ کے ذریعہ (لوگوں کو) گمراہی سے ہدایت دوں گا اور آپ ﷺ کے سبب جہالت کے بعد علم سکھاؤں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے گمنامی سے نکال کر بلند کروں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے غیر معروف کو مشہور کروں گا اور آپ کی وجہ سے کمی کے بعد زیادتی کروں گا‘ تنگی کے بعد فراخی دوں گا‘ جدائی کے بعد جمع کروں گا۔ باہم مختلف قلوب‘ منتشر خواہشوں اور بکھری ہوئی امتوں کے درمیان محبت و وداد (ملاپ) پیدا کروں گا۔ آپ ﷺ کی اُمت کو بہتر اُمت بناؤں گا جو ان لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

---

1. صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۵۹‘ سنن داری جلد ا صفحہ ۵
2. سنن داری جلد ا صفحہ ۴
3. تفسیر ابن حاتم سورۃ الفتح عن وھب بن منبہ کما فی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۳۲

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ان صفات وتعریف کی خبر دی جو توریت میں مذکورہ ہیں۔ (توریت میں مذکور ہے کہ) میرا بندہ احمد مختار ہوگا' جس کی پیدائش کی جگہ (مولد) مکہ مکرمہ اور ہجرت کا مقام مدینہ منورہ یا طیبہ ہوگا۔ آپ ﷺ کی اُمت اللہ ﷻ کی ہر حال میں بہت حمد کرنے والی ہو گی۔ (سنن داری جلد ۱ صفحہ ۵، طبرانی کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۹، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۷۱)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ. (پ ۹۔ الاعراف ۱۵۷)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ. (پ ۴۔ ال عمران ۱۵۹)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے لوگوں پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مومنین پر رحیم (مہربان) روف (کرم فرما) ہر ایک سے نرمی کرنے والا بنایا ہے۔ اگر ہم حضور ﷺ کو بدخلق اور سخت گو بناتے تو یقیناً یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے نکل جاتے لیکن اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو درگزر کرنے والا' سخی' نرم دل' خوش رو' نیکوکار اور بڑا مہربان بنایا۔ ایسا ہی ضحاک ؓ کا بھی قول ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (پ ۲۔ البقرہ ۱۴۳)

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس آیت میں ہمارے نبی ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کی اُمت کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ. (پ ۱۷۔ الحج ۷۸)

اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور (اے امت محمد ﷺ) تم لوگوں پر گواہ بنو۔

اسی طرح اللہ ﷻ یہ بھی فرماتا ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (پ۵ النساء۴۱)

تو کیسی ہو گی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ کا یہ فرمان "وَّسَطًا" کے معنی عادل و پسندیدہ کے ہیں۔ اس طرح اس آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تمہیں ہدایت کی ہے۔ اسی طرح ہم نے تم کو خاص کر کے فضیلت دی ہے۔ بایں طور کہ ہم نے تم کو عادل و پسندیدہ اُمت بنایا تا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے لئے ان کی اُمت پر تم گواہی دو اور یہ رسول تمہاری سچائی (صدق) کی گواہی دیں۔

ایک روایت میں ہے۔ اللہ ﷻ (روز محشر) جب انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے تبلیغ کی؟ (میرا پیغام پہنچایا) انبیاء علیہم السلام جواب میں عرض کریں گے: ہاں۔ پھر ان کی اُمتیں کہیں گی۔ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔ تو اس وقت حضور ﷺ کی اُمت پیش ہو کر انبیاء علیہم السلام کی گواہی دے گی اور حضور ﷺ ان کو اس (الزام عدم بشیر و نذیر) سے پاک کریں گے۔ (صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۸)

بعض مفسرین یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تم ہر اس شخص پر حجت ہو جو تمہاری مخالفت کرے اور یہ رسول اللہ ﷺ تم پر حجت ہیں۔ اس کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ (پ۱۱ یونس ۲)

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

قَدَمَ صِدْقٍ کی تفسیر میں حضرت قتادہ اور حضرت حسن اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ لَهُمْ یعنی اس سے مراد حضور ﷺ ہیں کہ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ (ابن جریر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۹)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ان کی وہ مصیبت ہے جو ان کے نبی کے سبب سے دور ہوتی ہیں۔ (یعنی نبی کا وجود قدم صدق اور خوشی کا سبب ہوتا ہے کہ مصیبتیں ان کے وجود کی برکت سے دور ہوتی ہیں)۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۴۲)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے[1]

هِيَ شَفَاعَةُ نَبِيِّهِمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ شَفِيْعُ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

وہ ان کے نبی محمد ﷺ کی شفاعت ہے کہ اللہ ﷻ کے حضور سچے سفارشی ہیں۔

[1] عن ابی مردویہ عن ابی سعید کما فی تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۴۲

سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ وہ پہلی رحمت ہے جو حضور ﷺ کے وجود گرامی میں ودیعت کی ہے اور محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صادقین وصدیقین کے امام' شفیع' مطاع اور ایسے سائل کہ جن کی بات مانی گئی' محمد ﷺ ہے۔ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے سلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

تیسری فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو کمال دلجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا

اللہ ﷻ کے حضور ﷺ پر لطف ومہربانی میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ. اللہ تمہیں معاف کرے تم نے کیوں اذن دے دیا۔ (پ۱۰ التوبہ ۴۳) (ترجمہ کنزالایمان)

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (اس آیت کی تفسیر میں) یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کا عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ سے کلام کی ابتداء کرنا اس کا قائم مقام ہے کہ اللہ ﷻ نے اصلاح کرتے ہوئے عزت عطا فرمائی۔

عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو پہلے اس سے کہ لغزش کی خبر دیں عفو کی خبر دی ہے۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۱)

حضرت ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اے سلیم القلب اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عافیت دی ہے کیونکہ تم نے ان کو اذن دے دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو خطاب میں ابتداً کلام لِمَ اَذِنْتَ سے کیا جاتا تو یقیناً یہ اندیشہ تھا کہ ہیبت کلام سے آپ ﷺ کا قلب مبارک شق ہو جاتا ہے لیکن اللہ ﷻ نے اپنی رحمت سے حضور ﷺ کو پہلے ہی عفو کی خبر دے دی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو سکون قلب حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیوں آپ ﷺ نے انہیں تخلف (پیچھے رہنے) کی اجازت دے دی یہاں تک کہ عذر خواہی میں پتہ چل جاتا کہ کون صادق ہے اور کون کاذب۔

اس انداز خطاب میں اشارہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ منجملہ اس کے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی قدر ومنزلت کی ہو اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کیا ہوئیہ ہے کہ اس کی کُنہ کی معرفت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے قلب مبارک کی رگیں شق ہو جائیں۔

نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (فاہم) لوگ یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ اس آیت میں (معاذ اللہ) اللہ ﷻ نے عتاب فرمایا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ اس سے بری ہیں بلکہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔ پس جب حضور ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ اگر آپ ﷺ ان کو اذن نہ دیتے تو یقیناً یہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے گھر میں ہی بیٹھے رہتے۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی خبر دے دینا ہے کہ ان کو اذن دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (البتہ اگر اذن نہ دیتے تو نفاق علی الاعلان آشکارا ہو جاتا۔ مترجم غفرلہ)

فقیہہ قاضی (ابوالفضل عیاض "اللہ ﷻ ان کو توفیق دے) فرماتے ہیں کہ اس مسلمان پر جو اپنے نفس پر مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے اخلاق (عادات) زمام شریعت کے تابع ہیں واجب ہے کہ قرآنی آداب سے اپنے قول و فعل، معاملات اور محاورات میں ادب سیکھے کیونکہ ادب ہی معرفت حقیقی کی کنہ ہے اور ادب ہی دینی و دنیاوی گلدستہ ہے۔ اس بے مثال مہربانی پر خوب غور و فکر کرے۔ جو سوال میں اس رب الارباب (مالک الملک اللہ ﷻ) جو کائنات پر بے شمار انعام کرتا ہے اور ہر ایک سے بے نیاز ہے کی جانب سے ہے اور ان فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس میں پنہاں ہیں اور سمجھے کہ کس طرح اظہار ناپسندیدگی (عتاب) سے پہلے لطف و کرم کے ساتھ کلام کی ابتداء فرماتا ہے۔ اگر یہاں بالفرض (معاذ اللہ) کوئی گناہ ہو بھی تو گناہ کے ذکر سے پہلے عفو و بخشش کا ذکر کر کے محبت و انسیت کی باتیں کی ہیں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا.	اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔
(پ۱۵۔ اسراء ۷۴)	(ترجمہ کنز الایمان)

بعض متکلمین کہتے ہیں۔ انبیاء (سابقین) علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان کی لغزشوں کے بعد اللہ ﷻ نے عتاب فرمایا ہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کو لغزش کے واقعہ ہونے سے پہلے عتاب کیا ہے تاکہ اس کے صدور میں سخت رکاوٹ ہو جائے اور شرائط محبت کی حفاظت بھی ہو۔ (حضور ﷺ پر اللہ ﷻ کا) یہ انتہائی لطف و کرم ہے۔

اس کے بعد اس پر نظر و فکر کرو کہ عتاب اور اس کے خوف کے ذکر سے کہ آپ ﷺ اس کی طرف مائل ہوں، کس طرح اللہ ﷻ نے ثبات و سلامتی کا ذکر کیا ہے۔ دوران عتاب ہی میں برأت اور تخویف کے مابین آپ ﷺ کا مامون و محفوظ ہونا آپ کی بڑی بزرگی ہے۔ اسی طرح اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ. ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔

(پ۷۔الانعام ۳۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کی تفسیر میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ "ہم تم کو تو نہیں جھٹلاتے لیکن جو تم لائے ہو اس کی ہم تکذیب کرتے ہیں۔" اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کی قوم نے حضور ﷺ کو جھٹلایا تو اس پر آپ ﷺ کو حزن و ملال ہوا۔ اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ کس چیز کا غم کرتے ہیں؟

فرمایا: مجھ کو میری قوم نے جھٹلایا ہے۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہ کفار دل میں خوب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ سچے ہیں۔

اللہ ﷻ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔ اس آیہ کریمہ میں یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ ﷻ تسلی دیتا ہے اور خطاب میں یہ مہربانی فرماتا ہے کہ آپ ﷺ پر یہ بات ثابت کر دوں کہ آپ ﷺ ان کے نزدیک سچے ہیں وہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے نہیں۔ قول و اعتقاد میں آپ ﷺ کے صدق کے اقراری ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اظہارِ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو "امین" کہا کرتے تھے۔ اس کلام کے ذریعہ اللہ ﷻ نے آپ کے اس غبارِ خاطر کا ازالہ فرمایا ہے جو قوم کے انکار و تکذیب سے پیدا ہو گیا تھا۔ پھر کفار کی برائی بیان کی اور ان کو منکر، ظالم قرار دیا۔ (یہ مزید آپ ﷺ پر لطف و کرم ہے) جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ. بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

(پ۷۔الانعام ۳۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو اس سے بری کر دیا اور آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب اور اس سے دشمنی و عناد کا طوق ان (کفار) کو پہنا دیا۔ درحقیقت جحد و انکار اسی طرح ہوتا ہے کہ معلوم شے سے انکار کر دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ط اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر سے۔

(پ۱۹۔النمل ۱۴) (ترجمہ کنزالایمان)

پھر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عزت دی اور آپ ﷺ سے وحشت اس طرح دور کی کہ پہلے لوگوں کا حال بیان کیا' پھر ان پر غلبہ و نصرت کا وعدہ فرمایا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ. اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے۔

(پ۷ الانعام ۳۴) (ترجمہ کنزالایمان)

بعض قاریوں نے گزشتہ آیہ کریمہ میں "لَا یُکَذِّبُوْنَ" کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ اس طرح اس کے یہ معنی ہوتے ہیں: "تم کو جھوٹا نہیں پاتے۔" فراء و کسائی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ "کفار یہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹے ہو۔"

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ "آپ ﷺ کے کذب پر دلیل نہیں لاتے اور نہ اس کو ثابت ہی کرتے ہیں۔" اور جن قاریوں نے اس کو مشدد پڑھا ہے ان کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ "تم کو جھوٹ کی نسبت نہیں کرتے۔" بعض کہتے ہیں کہ "آپ ﷺ کی طرف کذب کی نسبت کا ان کو اعتقاد نہیں۔"

حضور ﷺ کی خصوصیات اور اللہ ﷻ کا بھلائی سے یاد فرمانے کے بارے میں سے ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اللہ ﷻ نے تمام نبیوں کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا اور ان کو "یَا اٰدَمُ" "یَا نُوْحُ" "یَا اِبْرَاهِیْمُ" "یَا مُوْسٰی" "یَا دَاوٗدُ" "یَا عِیْسٰی" "یَا زَکَرِیَّا" "یَا یَحْیٰی" کہہ کر پکارا لیکن حضور ﷺ کو "یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ" "یَاَیُّهَا النَّبِیُّ" "یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ" "یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" سے خطاب کیا' نام لے کر مخاطب نہ فرمایا۔

چوتھی فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ. اے محبوب تمہاری جان کی قسم بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

(پ۱۴ الحجر ۷۲) (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی عمر مبارک (حیات شریف) کی قسم کھائی ہے۔ "عمر" اصل میں عین کے ضمہ (پیش) سے ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے فتح (زبر) دیا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ

وَبَقَائِکَ یَا مُحَمَّد (صلی اللہ علیک وسلم) اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ کی بقاء کی قسم۔

اور ایک روایت میں وَعَیْشِکَ (آپ ﷺ کی زندگی کی قسم) اور وَحَیَاتِکَ بھی آیا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی انتہائی تعظیم اور بے حد و غایت اکرام و شرف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا ذَرَأَ وَمَا بَرَأَ نَفْسًا اَکْرَمَ عَلَیْہِ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا سَمِعْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی اَقْسَمَ بِحَیَاتِ اَحَدٍ غَیْرِہٖ۔[1]

اللہ ﷻ نے کسی مخلوق کو حضور ﷺ سے بڑھ کر اپنی بارگاہ میں مکرم پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے سوا کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔

ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہ کھائی کیونکہ حضور ﷺ بارگاہ الٰہی میں ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ۔ یٰس۔ حکمت والے قرآن کی قسم

(پ ۲۲۔ یٰسین ۱، ۲) (ترجمہ کنزالایمان)

کلمہ "یٰسٓ" کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خدا کی بارگاہ میں میرے دس نام ہیں۔ ان میں طٰہٰ اور یٰسٓ بھی ہیں۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۷)

ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جعفر صادق ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یٰسٓ سے مراد یَا سَیِّدُ ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یٰسٓ سے "یَا اِنْسَانُ" مراد لیتے ہیں[2] اور اس سے حضور ﷺ (مراد ہیں)۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ قسم ہے اور اسماء الٰہی میں سے یٰسٓ بھی ایک نام ہے۔[3]

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ اس کے معنی یَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیک وسلم ہیں اور بعض نے یَا رَجُلُ (اے مرد) بھی کہا ہے اور ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یَا مُحَمَّدُ مراد لی ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۶۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۸۸

[2] تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۴۱ (۳) تفسیر ابن جریر جلد ۲۳ صفحہ ۹۷

کعب احبار ﷺ سے مروی ہے کہ یٰسٓ قسم ہے کہ اللہ ﷻ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے آپ کی قسم کھائی۔ یعنی یَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ.

(اے محبوب بیشک تم رسولوں میں سے ہو)

پھر فرمایا:

وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ○ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ○ (پ۲۲۔یٰس۲،۳) حکمت والے قرآن کی قسم، تم رسولوں میں سے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اگر یہ تقدیر لی جائے کہ یٰسٓ آپ کے ناموں میں سے ہے اور یہ کہ یٰسٓ آپ کی قسم ہے تو اس میں آپ کی گزشتہ زمانہ کی تعظیم ہوگی اور دوسری قسم پہلی قسم پر عطف کر کے تاکید مزید ہو جائے گی۔ اور اگر یہ تقدیر لی جائے کہ یٰسٓ کے معنی میں نداء کے ہیں تو اس صورت میں دوسری قسم آپ ﷺ کی رسالت کی تحقیق میں ہو جائے گی جو کہ آپ کی ہدایت کی شہادت میں وارد ہے۔

خلاصہ مراد یہ کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے نام و کتاب کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں کہ بندوں کی طرف پیام الٰہی پہنچاتے ہیں۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. (پ۲۲۔یٰس۴) یعنی آپ اپنے ایمان سے ایسی سیدھی راہ پر ہیں کہ جس میں نہ ٹیڑھ ہے نہ حق سے عدول۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نقاش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کتاب مجید میں اللہ ﷻ نے کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی سوائے حضور ﷺ کے۔ اس میں حضور ﷺ کی بڑی تعظیم و توقیر ہے۔ یہ تکریم اس تقدیر (تاویل) کی بناء پر ہے جس نے یٰسٓ سے "یَا سَیِّدُ" مراد لیا ہے۔

اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ. (صحیح مسلم جلد۲ صفحہ۲۴۵) واقعتاً میں اولاد آدم کا سردار ہوں، یہ میں فخر سے نہیں کہتا۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ. (پ۳۰۔البلد۱،۲) مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کے باہر تشریف لے جانے کے بعد میں اس شہر کی قسم نہیں

کھاتا ہوں۔ اس کو مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ لَآ زائد ہے۔ یعنی میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ آپ ﷺ اس میں رونق افروز ہیں۔ آپ ﷺ کے لئے حلال ہے جو کچھ آپ ﷺ نے اس میں کیا ہے۔ ان سب کے نزدیک اَلْبَلَدْ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یعنی ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں جس میں زندگی (حیات ظاہری) میں قیام فرما کر اس کو شرف کیا اور بعد وصال (حیات باطنی) اپنی برکتوں سے اس کو نوازا یعنی مدینہ منورہ۔

اول توجیح زیادہ درست ہے کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور مابعد کی دوسری توجیح کو اللہ ﷻ کا فرمان "حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ" اس کی تصحیح کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ ﷻ کا فرمان "بِھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ" (پ التین ۳) کی تفسیر میں ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے قیام کی وجہ سے اس شہر کو مامون بنایا کیونکہ آپ ﷺ کا ہونا ہی امن ہے جہاں بھی آپ ﷺ رونق افروز ہوں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ○ (پ البلد ۳) — اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

جو شخص یہ مراد لیتا ہے کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں تو یہ ایک عام بات ہے اور بعض حضرات ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد لیتے ہیں۔

(لیکن بات یہ ہے کہ) ان شاء اللہ ﷻ یہ آیت حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ یہ سورۂ مبارکہ دو مقامات پر حضور ﷺ کی قسم پر مشتمل ہے۔

اور اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ. (پ البقرہ ۱-۲) — وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حروف قسم کے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ان سے قسم کھائی ہے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ا صفحہ ۶۸، تفسیر در منثور جلد ا صفحہ ۵۷)

ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے اور بھی اقوال مروی ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ الف سے اللہ ﷻ لام سے جبریل علیہ السلام میم سے محمد ﷺ مراد ہیں۔ اسی روایت کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ مگر اس کی نسبت حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نہیں کی ہے۔ اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ ﷻ نے جبریل علیہ السلام کو حضور ﷺ پر اس قرآن کے ساتھ اتارا جس میں کوئی شک نہیں۔

پہلی توجیہ احتمالِ قسم پر معنی یہ ہوں گے۔ بے شک یہ کتاب حق ہے کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ پھر اس میں یہ فضیلت ہے کہ آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کے فرمان

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ. (پ۲۶۔ق۱) عزت والے قرآن کی قسم۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کے قلب کی قوت کی قسم اس لئے کھائی کہ وہ خطاب اور مشاہدہ کے برداشت کی طاقت رکھتا ہے۔ درانحالیکہ یہ امر اپنے علوِ شان کے لحاظ سے مشکل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ق قرآن کا نام ہے۔ بعض اللہ ﷻ کا نام کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا پہاڑ ہے جو کل زمین کو محیط ہے اور اس کے سوا اور بہت سے اقوال ہیں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى. (پ۲۷۔النجم۱) اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وَالنَّجْمِ سے مراد حضور ﷺ ہیں اور فرمایا کہ نجم (ستارہ) حضور ﷺ کا قلب مبارک ہے۔ ھَوٰی (کی تفسیر میں کہا) کہ انوار الٰہی سے کھل گیا اور کہا کہ غیر اللہ سے (آپ کا دل) جدا ہو گیا۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کے فرمان

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ. (پ۳۰۔الفجر۲) اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ فجر سے مراد حضور ﷺ ہیں کیونکہ آپ ہی سے ایمان (کا اجالا) پھوٹ کر نکلتا ہے۔

پانچویں فصل

اللہ ﷻ کا اس مقام و مرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہِ الٰہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے: وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۝ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ۝ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۝ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۝ (پ۳۰۔ الضحیٰ)

اس سورۂ مبارکہ کی شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ حضور ﷺ نے کسی عذر کی بناء پر رات کے قیام کو ترک کر دیا تھا۔ اس پر ایک عورت (نازیبا) باتیں کہنے لگی تھی۔ بعض نے کہا کہ مشرکین نے تاخیر نزولِ وحی پر طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دی تھیں۔ (صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ (ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۱۲)

فقیہہ قاضی ابوالفضل (عیاض) "اللہ ﷻ ان کو توفیق دے" نے فرمایا: یہ سورۂ مبارکہ حضور ﷺ کی خاص قدر و منزلت اور عظمت و شان پر جو بارگاہِ الٰہی سے عنایت ہوئی تھیں، چھ وجہوں پر مشتمل ہے۔

اول یہ کہ اللہ ﷻ نے قسم کے ساتھ آپ ﷺ کے حال کو بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا:

وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ (پ۳۰۔ الضحیٰ ۱۔۲) قسم ہے چہرۂ انور اور زلفِ عنبریں کی جبکہ وہ ڈھلک کر آ جائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ربِ ضحیٰ کی قسم۔ یہ بزرگی کے اعظم درجات میں سے ہے۔

دوم یہ کہ بارگاہِ الٰہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ فرماتا ہے:

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ط (پ۳۰۔ الضحیٰ ۳) تمہارے رب نے تمہیں نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی نہ آپ کو ترک کیا اور نہ مبغوض جانا۔

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو پسند کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نہ چھوڑا۔

سوم یہ فرمایا:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ بیشک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔
(پ۳۰۔الضحیٰ ۴) (ترجمہ کنزالایمان)

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا حال آپ ﷺ کے انجام کار میں اللہ ﷻ کے نزدیک اس سے بڑا ہے جو دنیا میں آپ ﷺ کو عزت و کرامت مرحمت فرمائی ہے۔

سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ شفاعت اور مقام محمود کا ہم نے آخرت میں ذخیرہ رکھا ہے وہ آپ ﷺ کے لئے اس سے بہتر ہے جو ہم نے آپ ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا۔

چہارم میں یہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (پ۳۰۔الضحیٰ ۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ آیہ کریمہ دونوں جہان میں بہت سی بزرگیوں قسم قسم کی نیک بختیوں اور طرح طرح کے انعام و اکرام کے لئے جامع و مکمل ہے۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو دنیا میں فراخی اور آخرت میں ثواب سے راضی کرے گا۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو حوض کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

اہل بیت نبوت علی جدہم الصلوٰۃ والسلام سے بعض علماء نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس سے زیادہ امید افزا کوئی آیت ہے ہی نہیں اور رسول اللہ ﷺ اس بات سے راضی ہوں گے ہی نہیں کہ آپ ﷺ کا ایک اُمتی بھی دوزخ میں رہ جائے۔ (الحلیہ لابی نعیم مسند الفردوس للدیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۷)

پنجم یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر جو انعام و اکرام فرمائے ہیں ان کو شمار کرایا ہے اور آخر سورت تک اپنی جانب سے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے آپ ﷺ کو ہدایت یا آپ ﷺ کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت دی۔ بر بنائے اختلاف تفاسیر۔ اور آپ ﷺ کے پاس مال نہ تھا' مال دے کر آپ ﷺ کو غنی کر دیا یا آپ ﷺ کے قلب میں قناعت پیدا کر کے آپ ﷺ کے دل میں غنا ڈال دیا اور آپ ﷺ کو یتیم پایا تو آپ ﷺ کے چچا کو مہربان کر کے ان کے گھر میں آپ ﷺ کو سکونت کرا دی۔

بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے اپنی طرف رجوع کرا دیا۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو بے مثل پایا تو اپنا بنا لیا۔ بعض اس طرح تفسیر بیان کرتے ہیں کہ "کیا آپ ﷺ کو نہ پایا کہ آپ ﷺ کے سبب گمراہوں کو ہدایت دی اور فقیر کو آپ ﷺ کے سبب غنی کیا اور یتیم کو آپ ﷺ کے سبب جائے

پناہ ملی۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔“

اور معروف و مشہور تفسیروں کے مطابق یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو کسی حال میں نہ چھوڑا۔ خواہ آپ ﷺ کی صغرسنی (بچپنا) ہو یا آپ ﷺ کے افلاس و یتیمی کی حالت ہو۔ قبل اس کے کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو پہچانیں نہ آپ ﷺ کو چھوڑا اور نہ آپ ﷺ کو دشمن بنایا۔ تو بھلا اب جبکہ آپ ﷺ کو مرتبہ خصوصی مرحمت فرمایا اور اپنا پسندیدہ بنالیا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

ششم یہ کہ اللہ ﷻ نے جو نعمتیں آپ ﷺ پر کی ہیں ان کے اظہار کا حکم دیا اور جو بزرگیاں آپ ﷺ کو مرحمت ہوئی ہیں ان کے شکر پذیر ہونے اور اعلان کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے ذکر کو اس آیت سے مشہور کیا۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ. اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

(پ۳۰۔ الضحیٰ ۱۱) (ترجمہ کنزالایمان)

نعمت کا شکر یہی ہے کہ اس کی تحدیث یعنی چرچا کیا جائے کہ یہ حکم حضور ﷺ کے لئے تو خاص ہے لیکن اُمت کے لئے عام ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (الی قولہ تعالیٰ) لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى. اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے (یہاں تک کہ) بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

(پ۲۷۔ النجم ۱تا۱۸) (ترجمہ کنزالایمان)

النجم کی تفسیر میں مفسرین کے بکثرت اقوال مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ ”النجم“ اپنے ظاہری معنی پر ہے اور یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قلب محمد ﷺ ہے اور یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کے فرمان

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی قسم اور کچھ تم نے جانا اور وہ رات کو آنے والا کیا ہے۔ خوب چمکتا تارا۔

(پ۳۰۔ الطارق ۱۔۲۔۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اس میں بھی النجم سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا۔

یہ آیات کریمہ حضور ﷺ کے فضل و شرف میں اس حد تک پہنچتی ہیں کہ کوئی عدد اس کو گھیر نہیں

سکتا۔ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی ہدایت اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے بچنے' سچائی اور تلاوت قرآن اور یہ کہ یہ کتاب اللہ ﷻ کی ایسی وحی ہے جو آپ ﷺ کی طرف جبریل علیہ السلام لے کر آئے جو مضبوط طاقت والا ہے' کی قسم کھائی ہے۔

پھر اللہ ﷻ نے آپ کی فضیلت میں واقعہ معراج اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے اور جو کچھ قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں ان کی خبر دے کر آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور سورۂ اسریٰ کے شروع میں بھی اللہ ﷻ نے اس پر متنبہ کیا ہے اور جو کچھ حضور ﷺ پر عالم جبروت کا مکاشفہ اور عجائب ملکوت کا مشاہدہ ہوا ہے' ایسا ہے کہ جس کو نہ کوئی عبارت احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ادنیٰ سماع کی عقول عامہ طاقت رکھتی ہیں۔ اس لئے اللہ ﷻ نے اس کو ایسے اشارہ و کنایہ سے بیان کیا ہے جو تعظیم پر دلالت کرے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی. وحی فرمائی اپنے بندہ کو جو وحی فرمائی۔

(پ۲۷۔ النجم ۱۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اس قسم کے کلام کو پرکھنے والے بُـلَـغَـاء وحی و اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایجاز کا یہ اعلیٰ درجہ ہے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی. بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

(پ۲۷۔ النجم ۱۸) (ترجمہ کنزالایمان)

جو وحی فرمائی گئی اس کی تفصیل سمجھنے سے عقلیں ماند' ان آیات کبریٰ کی تعین میں فہمیں عاجز۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں اس پر مشتمل ہیں کہ حضور ﷺ کی ذات و صفات پاک و منزہ ہے اور شب معراج آپ ﷺ کی ذات کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ آپ ﷺ کے قلب مبارک' آپ ﷺ کی زبان اقدس اور آپ ﷺ کے اعضاء کو پاک کر دیا۔ مَـا كَـذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جو آنکھ نے دیکھا اس کو دل نے نہ جھٹلایا) سے آپ کا قلب مبارک اور وَمَـا يَـنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی (وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں) سے آپ ﷺ کی زبان اقدس اور مَـا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (آنکھ نہ کسی طرف پھیری اور نہ حد سے بڑھی) سے آپ ﷺ کی چشم انور کی حالت و کیفیت اللہ ﷻ نے بیان فرمائی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ (الی قولہ تعالی) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۝

(پ۳۰۔ التکویر ۱۵تا۲۵)

تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں، سیدھے چلیں، تھم رہیں (تا) اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لَآ اُقْسِمُ اَیْ اُقْسِمُ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ. یعنی لَآ اُقْسِمُ سے مطلب یہ ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں، بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھا ہوا ہے جو بھیجنے والے (اللہ ﷻ) کے نزدیک کریم ہیں۔ ذِیْ قُوَّۃٍ قوت والے ہیں اس پہنچانے میں جو آپ ﷺ پر وحی کے ذریعہ بار ڈالا جائے۔ مَکِیْنٍ یعنی اللہ ﷻ کے نزدیک آپ ﷺ بڑے درجہ والے بلند مقام ہیں۔ مُطَاعٍ ثَمَّ یعنی آسمان پر مطاع و متبوع ہیں کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اَمِیْنٍ یعنی آپ ﷺ وحی کے امانت دار ہیں۔

علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ سے اس جگہ پر حضور ﷺ مراد ہیں اور بعد کی تمام صفتیں آپ ﷺ کے لئے ہیں۔ دوسروں نے کہا: اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں اس بناء پر بعد کی تمام صفتیں ان کی ہوں گی۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ (بیشک انہوں نے اس کو دیکھا) یعنی حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا یا جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا۔ اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ.[1] (پ ۳۰۔ التکویر ۲۴) اور یہ نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں (ترجمہ کنزالایمان)

ظَنِیْنٍ کو اگر ظاء سے پڑھا جائے تو اس کے معنی متہم کے ہوں گے اور ضاد سے پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "آپ ﷺ لوگوں کو دعوت و تذکیر اور علم و حکمت کی باتوں کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔" یہ صفت بالاتفاق حضور ﷺ کی ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

نٓ. وَالْقَلَمِ. (پ ۲۹۔ القلم ۱) قلم کی قسم۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے ان آیات کریمہ میں جو بھی بڑی قسم کھائی ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کی پاکی بیان کی جائے جس کو کفار آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آپ کی وہ تکذیب کرتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے محبت کی باتیں کر کے مسرور کیا اور آپ کی امیدوں کو فراخ کیا۔ اپنے اس خطاب میں یہ فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ. تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

(پ ۲۹۔ القلم ۲) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ آیتیں آپ ﷺ کے خطاب میں انتہائی لطف و مہربانی کی حامل ہیں اور بولنے میں اعلیٰ درجہ کے آداب کا لحاظ ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان دائمی نعمتوں کی یاددہانی کرائی جو آپ ﷺ پر

[1] اصل کتاب الشفاء میں بظنین (بالظاء) مرقوم ہے لیکن ہمارے اطراف میں بضنین (بالضاد) ہے۔ (مترجم)

اس کی بارگاہ میں ہے اور وہ غیر منقطع ثواب بتائے جس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ احسان جتلانے کے لئے نہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے:

وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ. اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

(پ۲۹۔القلم ۳) (ترجمہ کنزالایمان)

پھر آپ ﷺ کی ان باتوں سے تعریف کی جو آپ ﷺ کو مرحمت فرمائی اور بتلائی ہیں اور آپ ﷺ کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لئے دو حرف تاکید سے کلام کو مستحکم کیا اور فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. اور بیشک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

(پ۲۹۔القلم ۴) (ترجمہ کنزالایمان)

"خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کی تفسیر میں بعض نے کہا قرآن اور بعض نے اسلام اور بعض نے آپ ﷺ کی عادت کریمہ مراد لی ہے اور بعض نے کہا کہ آپ کا ارادہ ہی نہیں مگر جو اللہ ﷻ چاہے۔

واسطی کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے حسن قبول کی تعریف کی ہے کہ آپ ﷺ کی طرف نعمتیں ارسال کر کے آپ ﷺ کو وہ فضیلت مرحمت فرمائی جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی فطرت میں ہی مہربانی ہے۔ پس پاکی ہے اس مہربان بخشش کرنے والے احسان کرنے والے بہت سخی (خدا) کی جس نے بھلائی اور ہدایت آپ کی ﷺ خُو بُو کر دی۔ پھر اس کے کرنے والے کی تعریف کی اور اس پر اس کو جزا دی۔ پاکی ہے خدا کی اس کی بخشش کیا ہی عام ہے اور اس کی مہربانیاں کس قدر وسیع ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ کو کفار کی بدگوئیوں پر تسلی دی کہ اس پر ان کو عذاب کا وعدہ دیا اور اس طرح ان کو ڈرایا۔

فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ o بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ o اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ o (پ۲۹۔القلم ۶)

تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا۔ بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر آپ ﷺ کی مدح و ثناء کے بعد آپ ﷺ کے دشمنوں کی مذمت کو عطف کر کے ان کی بری خصلتوں کو بیان کیا ان کے معائب شمار کئے اس میں آپ ﷺ کی فضیلت پیوست کی اور اپنے نبی ﷺ

کی نصرت وحمایت فرمائی اوران کی دس سے زائد برائیاں بیان کیں اور یہ فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ○ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ ۢ بِنَمِيْمٍ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ○ عُتُلٍّ ۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ○ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ○ (پ۲۹۔القلم ۸تا۱۵)

تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سننا' وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل' بہت طعنے دینے والا' بہت اِدھر اُدھر کی لگاتے پھرنے والا' بھلائی سے بڑا روکنے والا' حد سے بڑھنے والا گنہگار درشت خو' اس پر طرّہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا' اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے' جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں' کہتا ہے اگلوں کی کہانیاں ہیں۔" (ترجمہ کنزالایمان)

پھر اللہ ﷻ نے اپنی اس تجی وعید کو بیان کرنے کے بعد اس پر ختم کیا کہ:

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ○ (پ۲۹۔القلم ۱۶)

قریب ہے کہ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کی مدد کرنا' آپ ﷺ کے خود اپنے آپ ﷺ پر مدد کرنے کی نسبت سے بڑھ کر پوری مدد ہے اور اللہ ﷻ کا آپ ﷺ کے دشمنوں بدگوؤں کا رد کرنا بنسبت آپ ﷺ کے رد کرنے کے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ بات حضور ﷺ کی فضیلت میں بہت زیادہ ثابت ہے۔

چھٹی فصل

اللہ ﷻ کا حضور ﷺ کو موردِ شفقت و کرم بنانا

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

طٰهٰ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى○ (پ۱۶۔طٰہٰ ۲)

اے محبوب! ہم نے یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

طٰـہٰ کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کے ناموں سے ایک نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اللہ ﷻ کا اسم ہے اور بعض نے اس کے معنی یَا رَجُلُ (اے مرد) اور یَا اِنْسَان کہے ہیں اور یہ بھی

کہا گیا کہ یہ حروف مقطعات ہیں جو چند معنی میں ہیں۔

چنانچہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یَا طَاهِرُ یَا هَادِیُ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ (وطء) اور (ھا) سے کنایہ ہے یعنی زمین پر اپنے دونوں قدموں سے کھڑے ہوجایئے اور ایک قدم پر اعتماد کر کے اپنی جان کو مشقت میں نہ ڈالئے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ اے محبوب ہم نے یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑیں۔

یہ آیہ کریمہ اس وقت اتری جبکہ حضور ﷺ بیداری اور قیام لیل میں بڑی مشقت اٹھاتے تھے جیسا کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد یہ حدیث مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر دوسرا پاؤں اٹھا لیتے تھے۔ اس پر اللہ ﷻ نے طٰهٰ نازل فرمائی۔

یعنی اے محبوب آپ ﷺ زمین پر پاؤں رکھئے ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں' یہ سب کچھ آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام اور خیر خواہی میں ہے۔

اگر ہم طٰـــہٰ کو حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام مانیں' جیسا کہ منقول ہے یا اس کو قسم گردانیں تو یہ فعل ماقبل سے ملحق ہوگا۔

اسی طرح آپ ﷺ پر شفقت وعنایت میں سے اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا.	تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔
(پ ۱۵۔ الکہف ۶)	(ترجمہ کنزالایمان)

یعنی اے محبوب کیا آپ ﷺ اپنی جان کو غضب' غصہ یا گھبراہٹ سے ہلاکت میں ڈال دیں گے اور اسی طرح اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ. (پ ۱۹۔ الشعراء ۳)	کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر ارشاد فرمایا:

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ○ (پ ۱۹۔ الشعراء ۴)	اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی اتاریں کہ ان کے اونچے اونچے اس کے حضور جھکے رہ جائیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بھی اسی قبیل میں ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ o اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ o الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ o وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ o فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ o وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ o
(پ۱۴۔ الحجر ۹۴تا۹۹)

علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو بے شک ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔ تو جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو اب جان جائیں گے اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو۔ اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور سجدہ والوں میں ہو اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں ہو۔
(ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ.
(پ۷۔ الانعام ۱۰)

اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا۔
(ترجمہ کنزالایمان)

مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس ذکر سے آپ ﷺ کو تسلی دی اور مشرکوں کی سختیوں پر آپ ﷺ کو قوت برداشت مرحمت فرمادی اور آپ ﷺ کو خبردار کر دیا کہ جو (بدنصیب) شخص آپ ﷺ پر زیادتی کرے گا اس پر ایسا ہی عذاب ہوگا جیسا آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کے مکذبین (جھٹلانے والوں) پر ہوا ہے اور اسی تسلی و تشفی کی مثل اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ.
(پ۲۲۔ فاطر ۴)

اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے۔
(ترجمہ کنزالایمان)

اور اسی باب میں یہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ.
(پ۲۷۔ الذّٰریٰت ۵۲)

یوں ہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔
(ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو گزشتہ امتوں کے احوال کی خبر دے کر عزت افزائی فرمائی کہ آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ماجرا ہوا اور نبیوں کو بھی اسی طرح آزمایا گیا تھا۔ اللہ ﷻ نے

آپ ﷺ کو بھی کفار مکہ کی آزمائشوں پر اس طرح تسلی دی اور یہ کہ یہ آزمائشیں آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو خوش کر کے اس کا سبب بتا دیا۔

چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ. (پ ۲۷۔ الذّٰریٰت ۵۴) ''یعنی آپ ان سے منہ پھیر لیجیے۔'' (ترجمہ کنز الایمان)

فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ. (پ ۲۷۔ الذّٰریٰت ۵۴) ''اب آپ پر کچھ الزام نہیں۔'' (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ادائے رسالت اور اپنی تبلیغ میں جو آپ ﷺ کے سپرد کی گئی ہے اب آپ ﷺ پر کوئی ملامت نہیں۔ اسی طرح یہ بھی اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ○ اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

(پ ۲۷۔ الطور ۴۸) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی آپ ﷺ ان کی ایذا پر صبر کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ہماری نگہداشت میں ہیں۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس طرح بکثرت آیات میں تسلی دی ہے۔

ساتویں فصل

اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام پر حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور فضائل کی خبر دی

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (پ ۳۔ ال عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے اور تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے

اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ابوالحسن قابلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو ایسی فضیلت کے ساتھ خاص کیا جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو مرحمت نہ فرمائی اور اس کو اس آیت میں ظاہر بھی فرما دیا۔

مفسرین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے وحی کے ذریعہ عہد لیا اور کوئی نبی علیہ السلام ایسا نہ بھیجا کہ اس نے حضور ﷺ کی تعریف و توصیف نہ کی ہو۔ ان سے عہد لیا کہ اگر تم حضور ﷺ کا زمانہ پاؤ تو بالضرور حضور ﷺ پر ایمان لانا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد کو اپنی قوم پر بیان کر کے ان سے بھی یہ عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو اس کو بیان کرتے رہیں۔ اللہ ﷻ کا ارشاد ثُمَّ جَآءَكُمْ یہ حضور ﷺ کے ہم زمانہ اہل کتاب کو خطاب ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے آدم علیہ السلام سے لے کر ان کے بعد والے کسی نبی علیہ السلام کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ حضور ﷺ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر آپ ﷺ اس حال میں تشریف لائیں کہ تم زندہ ہو تو آپ ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور آپ ﷺ کی ضرور مدد کرنا اور فرمایا یہی عہد اپنی قوم سے بھی لینا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۳۶)

اسی طرح سُدی اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے بھی آیتوں کی تفسیر میں مروی ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے حضور ﷺ کی فضیلت پر مشتمل ہے۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۳۷-۲۳۶) اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ ○ (پ ۲۱۔ الاحزاب ۷)

اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔ (آخر آیت تک) (ترجمہ کنزالایمان)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ○ (الی قولہ) شَهِيْدًا (پ ۶۔ النساء ۱۶۳)

بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ نے روتے ہوئے اپنے کلام میں کہا تھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ، خدا

کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا مرتبہ یہاں تک ہے کہ آپ ﷺ کو آخر الانبیاء کر کے بھیجا اور پہلوں میں آپ ﷺ کا ذکر اس طرح فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ. میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ! دوزخی تمنا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے اور جب جہنم کے طبقوں میں ان پر عذاب ہو رہا ہو گا تو کہیں گے:

يَا لَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا. (پ۲۲۔الاحزاب ۶۶) ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

قتادہ ؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِيَآءِ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. خلق میں تو میں اول الانبیاء ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۴۲، فضیلۃ المناجیہ الحسنہ لابی حاتم صفحہ ۵۶۰)

اسی لئے تو آیت بالا میں اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ سے پہلے آپ کا ذکر فرمایا۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے ذکر سے پہلے ہمارے حضور ﷺ کا ذکر کرنا آپ ﷺ کی خصوصی فضیلت پر دال ہے حالانکہ حضور ﷺ بعثت کے لحاظ سے ان کے آخر میں ہیں۔ غرضیکہ اللہ ﷻ نے صلب آدم علیہ السلام سے ذریات انبیاء علیہم السلام کو نکال کر ان سے یہ عہد لیا۔ اور فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (پ۳۔البقرہ ۲۵۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین کرام رحمہم اللہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" (کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یعنی حضور ﷺ کو۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو سرخ وسیاہ (عرب وعجم) کی طرف بھیجا اور آپ ﷺ کے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور آپ کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوا اور نبیوں میں کوئی ایسا نہیں کہ اس کو جو فضیلت اور بزرگی دی گئی وہ حضور ﷺ کو بعینہ نہ ملی ہو۔

اور بعض نے کہا کہ حضور ﷺ کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو تو ان کے ناموں سے خطاب فرمایا لیکن حضور ﷺ کو قرآن مجید میں منصب نبوت ورسالت سے مخاطب فرمایا اور ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اور يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ.

فقیہہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کلبی ؓ سے اس آیت کریمہ

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ. اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے۔

(پ۲۳۔ الصّٰفّٰت ۸۳) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ ھا ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں یعنی بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام گروہ محمد ﷺ سے ہیں اور آپ ﷺ کے دین و مذہب پر ہیں اور فراء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو جائز رکھا اور مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی سے روایت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہیں۔

آٹھویں فصل

اللہ عزوجل کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا' آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب کو رفع کرنا

اللہ عزوجل اپنے محبوب ﷺ کو اس کی خبر دیتا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ کی مدد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے سبب سے ان پر سے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ط اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

(پ۹۔ الانفال ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی جب تک آپ ﷺ مکہ میں تشریف فرما ہیں اور جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لے آئے اور مکہ میں مسلمان کم رہ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

(پ۹۔ الانفال ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ اس کے اسی فرمان کی طرح ہے:

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا. (پ۲۶۔ الفتح ۲۵) اگر وہ نکل جاتے تو ضرور ہم عذاب دیتے۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ. اور اگر یہ نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان مرد ہیں۔

(پ۲۶۔ الفتح ۲۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور جب مسلمان بھی ہجرت کر کے نکل گئے تو یہ آیت اتری:

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ. انہیں کیا ہے کہ انہیں اللہ عذاب نہ کرے۔

(پ ۹ الانفال ۳۴) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ حضور ﷺ کی رفعت و مرتبت کے اظہار میں انتہائی بات ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کے سبب اور آپ ﷺ کے تشریف لے آنے کے بعد مسلمانوں کے سبب اہل مکہ پر نزول عذاب نہیں ہے۔ جب سب کے سب مکہ سے ہجرت کر گئے تو اللہ ﷻ نے ان پر مسلمانوں کو مسلط کر کے اور ان پر غلبہ دے کر عذاب دیا اور تلواروں نے ان کا فیصلہ کیا۔ ان کی زمینوں شہروں اور مالوں پر مسلمانوں کو وارث بنایا۔ اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہیں۔

ابو بردہ ﷺ کے والد سے بالاسناد مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لئے اللہ ﷻ نے مجھ پر دو امانتیں اتاری ہیں۔ ایک یہ کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ (جب تک اے محبوب آپ تشریف فرما ہیں اللہ عذاب نہ کرے گا) اور دوسری یہ کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (جب تک بخشش مانگنے والے (مسلمان) موجود ہیں اللہ عذاب دینے والا نہیں) اور جب میں وصال فرما جاؤں گا تو تم میں استغفار چھوڑ جاؤں گا۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۳۴ تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۵۷-۵۶)

اسی طرح اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

(پ ۱۷ الحج ۱۰۷) (ترجمہ کنزالایمان)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کے لئے امان ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ "بدعت" سے امان ہوں۔ بعض نے اختلاف اور فتنوں سے (امان میں ہونا) مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جب تک حضور ﷺ ہم میں (حیات ظاہری سے) موجود رہے تو آپ ﷺ کا وجود باوجود بڑا امان تھا۔ اب جب تک آپ ﷺ کی سنت زندہ و باقی رہے گی تو امان بھی باقی ہے اور جب سنت مردہ ہو جائے گی تو بلا اور فتنہ کا انتظار کرنا۔ اور اللہ ﷻ فرماتا ہے: (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۱)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ پر خود درود بھیج کر پھر فرشتوں کے ذریعہ درود بھیج کر اور مسلمانوں کو

آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا حکم دے کر آپ ﷺ کی بڑی فضیلت ظاہر کی ہے۔

ابوبکر بن خورک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ بعض علماء نے حضور ﷺ کے ارشاد وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃ (نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی) کی یہی تاویل کی ہے یعنی اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی قیامت تک درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ پر صلوٰۃ کی نسبت جب فرشتہ یا ہماری طرف سے ہو تو اس کے معنی درود اور دعا کے ہیں اور جب اللہ ﷻ کی طرف سے ہو تو اس کے معنی رحمت کے ہیں اور ایک روایت میں "صلوٰۃ" کے معنی برکت کے بھی ہیں۔

بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب خود پر درود بھیجنے کی تعلیم دی تب صلوٰۃ و برکت کے معنی کا فرق بھی بتا دیا تھا۔ عنقریب ہم آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے احکام بیان کریں گے۔

بعض متکلمین کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں کہ کاف سے حضور ﷺ پر اللہ ﷻ کی جانب سے کفایت مراد ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ. (پ۲۴۔الزمر۳۶)

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں (ترجمہ کنز الایمان)

اور "ھا" سے مراد اس کی ہدایت جو آپ ﷺ پر ہے۔ فرمایا:

وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا. (پ۲۶۔الفتح۲)

اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور "یا" سے مراد آپ ﷺ کی تائید ہے۔ فرمایا: وَاَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ. (پ۱۰ الانفال ۶۲)

"اپنی مدد سے آپ کی تائید کی"

اور عین سے مراد آپ کی عصمت ہے۔ فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. (پ۶۔المائدہ۶۷)

اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور "صاد" سے مراد آپ پر درود بھیجنا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ. (پ۲۲۔الاحزاب۵۶) اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ. (پ۲۸۔التحریم۴) اور اگر ان پر زور باندھو تو اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

"صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام یا ملائکہ مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یا حضرت علی ﷺ مراد ہیں۔ اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ مومنین اپنے ظاہر معنی پر ہے۔

نویں فصل

سورۂ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں

سورۂ فتح میں جس قدر کرامتیں اور بزرگیاں حضور ﷺ کی بیان کی گئی ہیں ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (اِلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی) یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ. (پ۲۶۔ الفتح ۱تا۱۰)

بیشک ہم نے آپ کے لئے روشن فتح رکھی ہے (یہاں تک کہ) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ آیتیں حضور ﷺ کی مدحت و ثناء اور اس مرتبہ و مقام کی آئینہ دار ہیں جو بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور جو قرب و منزلت آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کے نزدیک ہے اس کے انتہاء وصف کے بیان سے (قلم و زبان) قاصر ہے۔

اللہ ﷻ نے اپنے اس فیصلہ کی جو آپ ﷺ کے لئے اس نے مقرر کیا ہے آپ ﷺ کو خبر دی کہ میں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دشمنوں پر غلبہ دوں گا اور آپ ﷺ کا بول بالا کر کے آپ ﷺ کی شریعت کو بلند کروں گا اور یہ کہ آپ ﷺ ایسے بخشے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کو بخش دوں گا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے کردنی و ناکردنی امور سب مغفور ہیں۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے احسان کو سبب مغفرت بنایا ہے اور ہر وہ چیز جو اس خدا کی طرف سے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ احسان پر احسان اور فضل پر فضل ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ (پ۱۲ یوسف ۶) اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

بعض نے کہا کہ جو آپ ﷺ سے اکڑ کر (تکبر سے) پیش آئے گا اس کو عاجز کر دوں گا اور بعض نے کہا کہ مکہ و طائف کو فتح کرا کے غلبہ دوں گا اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کے ذکر کو دنیا میں بلند

کروں گا اور آپ ﷺ کی مدد کروں گا اور آپ ﷺ کے سبب بخشوں گا۔

پھر آپ ﷺ کو خبردار کیا کہ آپ ﷺ پر اپنی تمام نعمتیں اس طرح پوری کی ہیں کہ آپ ﷺ کے منکروں کو اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا اور آپ ﷺ پر ان بڑے بڑے شہروں کو فتح کرایا جو آپ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ ﷺ کے ذکر کو رفعت دی اور آپ ﷺ کو اس صراط مستقیم (سیدھے رستہ) کی ہدایت دی جو جنت و سعادت تک پہنچاتا ہے اور آپ کی مدد غالب نصرت سے کی اور آپ ﷺ کی اُمت مسلمہ کے دلوں میں تسلی و طمانیت پیدا کر کے ان پر احسان کا اظہار فرمایا اور بڑی کامیابی کے بعد اللہ ﷻ کے نزدیک جو ان کا انجام ہے اس کی بشارت دی' ان کو معاف کر کے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی' دنیا و آخرت میں ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور ان دشمنوں کو اپنی رحمت سے دور کر کے ان پر لعنت مسلط کی اور ان کو بری حالت میں بدل دیا۔ پھر اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا۔ اور بیشک ہم نے بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی و ڈر سناتا۔ (پ۲۶ الفتح ۸) (ترجمہ کنزالایمان)

پھر آپ ﷺ کے محاسن و خصائص شمار کرائے۔ آپ ﷺ کی شہادت اپنے لئے اور اپنی اُمت کے لئے ان پر تبلیغ رسالت کر کے بیان کی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ "شَاهِدًا" یعنی اُمت کے لئے توحید کا گواہ بنایا اور مُبَشِّرًا یعنی اُمت کے لئے ثواب آخرت کی خوشخبری دینے والا کیا۔ ایک روایت میں اُمت کے مغفور ہونے کا۔ نَذِيْرًا یعنی آپ ﷺ کے دشمنوں کو عذاب سے ڈرانے والا بھیجا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گمراہیوں سے بچانے والا بھیجا تا کہ اللہ ﷻ پر ایمان لائیں پھر اس ایمان پر وہ شخص سبقت کرے گا جس کو اللہ ﷻ کی طرف سے بہتری ملے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے: "وَتُعَزِّرُوْهُ" آپ ﷺ کی تعظیم کرو۔" بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مدد کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔ "وَتُوَقِّرُوْهُ" آپ ﷺ کی توقیر کرو۔" بعض قراء نے وَتُعَزِّزُوْهُ (بازاء) عزت سے پڑھا ہے یعنی آپ ﷺ کا خوب احترام کرو اور حضور ﷺ کے حق میں تعظیم و توقیر بہت زیادہ کرنا بالکل ظاہر ہے۔ پھر فرمایا: وَتُسَبِّحُوْهُ "اس کی پاکی بیان کرو" ھا کا مرجع اللہ ﷻ کی طرف ہے۔

ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس سورت میں حضور ﷺ کے لئے مختلف نعمتیں جمع کر دی ہیں۔ منجملہ (ان میں سے) فتح مبین ہے کہ یہ قبولیت کی خبر دینا ہے اور مغفرت ہے' یہ محبت کا

اظہار ہے اور نعمتوں کو پورا کرنا ہے یہ خصوصیت کی علامت ہے اور ہدایت ہے کہ یہ آپ ﷺ کی بزرگی کی علامت ہے۔

مغفرت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام عیب و نقص سے منزہ کر دیا اور اتمام نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو درجات کاملہ تک پہنچا دیا اور ہدایت یہ ہے کہ یہ ہدایت مشاہدہ کی طرف ہے۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اتمام نعمت'' یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو حبیب بنا کر آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی اور آپ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعتوں کو منسوخ کیا اور آپ ﷺ کو مقام ارفع کی طرف عروج مرحمت فرمایا اور آپ ﷺ کی معراج میں یہاں تک نگہداشت فرمائی کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (پ۲۷ النجم ۵) سے آپ ﷺ کی تعریف فرمائی اور آپ ﷺ کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف مبعوث کیا۔ آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی اُمت کے لئے غنیموں کو حلال فرمایا اور آپ ﷺ کو شفیع (سفارش کرنے والا) و مُشَفَّع (جن کی شفاعت قبول کی گئی وہ) بنایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار کیا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملا دیا اور آپ ﷺ کو توحید کا ایک رکن بنایا۔ پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ (پ۲۶ الفتح ۱۰)

بیشک وہ لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی بیعت رضوان کے وقت وہ خاص اللہ ﷻ ہی سے بیعت کر رہے تھے۔

اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۚ (پ۲۶ الفتح ۱۰)

ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی اسی کے ارادہ سے بیعت تھی۔ ایک روایت میں ''یَدُ اللّٰہِ'' سے مراد اللہ ﷻ کی طاقت ہے۔ بعض نے ''اس کا ثواب'' کہا اور بعض نے ''اس کا احسان'' اور بعض نے ''اس کا عہد'' کہا۔ یہ سب تاویلات مرادف المعنی (یک جنس) اور ان کی بیعت کی تاکید اور بیعت لینے والے حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ اسی قبیل سے یہ فرماتا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ ۪ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ (پ۹ الانفال ۱۷)

تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اگرچہ اول باب مجاز سے ہے اور یہ حقیقت ہے کیونکہ قتل کرنے والا اور پھینکنے والا حقیقتاً اللہ ﷻ ہی ہے وہی آپ ﷺ کے فعل قتل اور خاک پھینکنے اور اس کے اوپر قدرت کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے اور یہ اس کی مشیت ہی ہے کیونکہ یہ انسان کی قدرت میں ہے ہی نہیں کہ جہاں وہ پہنچانا چاہے پہنچا دے۔ یہاں تک کہ ایک کافر بھی ایسا نہ رہا کہ اس کی آنکھیں اس خاک سے نہ بھر گئی ہوں۔ اسی طرح فرشتوں کا ان کو قتل کرنا حقیقتاً ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آخری آیت میں جو مجاز ہے وہ لغت عرب کی بناء پر ہے جو لفظوں کے مقابلہ اور مناسبت کی بناء پر استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی مَا قَتَلْتُمُوْهُمْ ان کو تم نے قتل نہیں کیا وَمَا رَمَيْتَهُمْ جب تم نے ان کے چہروں پر کنکریاں اور خاک پھینکی تھی تو تم نے نہ پھینکی تھی لیکن اللہ ﷻ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا یعنی پھینکنے کا فائدہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہے پس معنی وہی قاتل (مارنے والا) اور رامی ہے آپ برائے نام تھے۔

دسویں فصل

کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکرِ مبارک

اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کی وہ رفعت و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے بیان فرمائی ہے۔ اُس کے علاوہ یہاں ذکر کی جاتی ہے جو نظم کتاب میں گزر چکی ہے۔ منجملہ (ان سے) فضائل و خصائص میں واقعہ معراج ہے جس کو اللہ ﷻ نے سورۂ اسرٰی (پ۱۵) سورۂ والنجم پ۲۷) میں بیان فرمایا۔

اس واقعہ معراج میں آپ ﷺ کی عظیم منزلت، قرب و مشاہدۂ عجائبات اور اللہ ﷻ کا لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط — اور تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

(پ۶۔ المائدہ ۶۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَاِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا — اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے۔

(پ۹۔ الانفال ۳۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ. اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔ (پ۱۰ التوبہ ۴۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اور جو کچھ اس واقعہ میں کفار نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانے اور حضور ﷺ کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تھا اور خفیہ مجلسیں کیا کرتے تھے اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی مدد کر کے ان کو دور کر دیا اور جب حضور ﷺ نے بوقت ہجرت کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ ﷻ نے ان کی آنکھوں کی بصارت سلب کر لی اور حضور ﷺ کی غار ثور میں ان کفار کی تلاش کو ناکام بنا دیا۔ اس سلسلہ میں اور بھی نشانیاں ظاہر ہوئیں' منجملہ (ان میں سے) آپ ﷺ پر تسلی کا نازل ہونا اور سراقہ بن مالک ﷺ کا وہ واقعہ جس کو محدثین و اہل سیر واقعہ غار میں بیان کرتے ہیں اور ہجرت کی تفصیل وغیرہ میں۔ نیز اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○

(پ۳۰ الکوثر ۱تا۳)

اے محبوب ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے اس میں اس کی خبر دی جو کچھ کہ آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا۔

اَلْكَوْثَرَ یعنی کوثر ایک حوض ہے یا وہ نہر ہے جو جنت میں جاری ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے یا شفاعت ہے۔ بعض نے کہا کہ کثیر معجزات' یا عطائے نبوت' یا معرفت الٰہی مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے دشمنوں کو جواب دے کر ان کی تردید فرمائی اور کہا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی آپ کا دشمن اور آپ سے بغض و عداوت رکھنے والا اَبْتَرُ یعنی حقیر و ذلیل ہے یا منقطع النسل ہے یا وہ ایسا (بدبخت) ہے کہ اس کے لئے کوئی خیر ہے ہی نہیں اور فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ اور بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

(پ۱۴ الحجر ۸۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ "سبع مثانی" سے وہ پہلی سات لمبی سورتیں مراد ہیں اور "قرآن عظیم" "ام القرآن" ہے اور یہ بھی کہا کہ سبع مثانی ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہے اور قرآن عظیم سے

اس کی تمام سورتیں مراد ہیں اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ سبع مثانی وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو قرآن میں امر' نہی' بشارت' انذار' مثالیں اور نعمتوں کے شمار کا ذکر ہے اور ہم نے آپ ﷺ کو قرآن کریم میں اصول عنایت فرمائے۔

بعض کہتے ہیں کہ اُم القرآن (سورۂ فاتحہ) کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور بعض نے یہ کہا بلکہ اللہ ﷻ نے اس کو حضور ﷺ کے لئے مستثنیٰ کر کے دوسرے نبیوں کے سوا آپ ﷺ کو رحمت فرمایا ہے اور قرآن کا نام مثانی اس لئے رکھا کہ اس میں واقعات و قصص دوبارہ (مکرر) آتے ہیں۔

بعض اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ "سبع مثانی" یعنی ہم نے آپ ﷺ کو سات کرامتوں سے بزرگی عنایت فرمائی یعنی ہدایت' نبوت' رحمت' شفاعت' ولایت' تعظیم' تسلی۔

اور اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ. (پ ۱۴۔ النحل ۴۴)

اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا. (پ ۲۲۔ سبا ۲۸)

اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے' خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. (پ ۹۔ الاعراف ۱۵۸)

تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات ہیں اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ. (پ ۱۳۔ ابراہیم ۴)

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف صاف بتائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پس ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے لئے خاص کیا لیکن حضور ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں: بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ. یعنی مجھ کو سرخ و سیاہ

(عرب وعجم) کی طرف بھیجا گیا۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (پ۲۱ الاحزاب ۶)

نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ. (پ۲۱ الاحزاب ۶)

اور ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین کرام رحمہم اللہ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ ﷺ ان کو حکم دیں وہ اسی طرح ان پر جاری ہے جس طرح سردار اپنے غلام کو دیتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کا اتباع اپنے نفس کی رائے سے بہتر ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ سب بیبیاں حرمت میں مثل ماؤں کے ہیں حضور ﷺ کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حضور ﷺ کی خاص تکریم ہے اور اس لئے بھی (ان سے نکاح حرام ہے) کہ وہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیبیاں ہوں گی اور ایک قرأت (شاذہ) میں "وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ" (یعنی حضور مسلمانوں کے باپ ہیں) وارد ہے مگر یہ قرأت متروک ہے کیونکہ قرآن کے نسخوں کے خلاف ہے۔

(تفسیر در منثور ۶، صفحہ ۵۶)

اور اللہ ﷻ (حضور ﷺ کی مدحت میں) فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا. (پ۵ النساء ۱۱۳)

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فَضْلُ اللّٰهِ کی تفسیر میں کہا گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت کے ساتھ فضل عظیم مراد ہے۔ بعض نے کہا جو کچھ ازل میں آپ ﷺ کے لئے فضیلت مقرر ہو چکی ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ اس رویت الٰہی کی برداشت رکھتے ہیں جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکتے تھے۔

دوسرا باب

حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی و دنیوی میں کامل ہیں

اس باب میں بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے محاسن کو خلقت اور عادت کے اعتبار سے مکمل کر کے آپ میں تمام فضائل دینیہ و دنیویہ ترتیب وار جمع فرمائے۔

اے وہ شخص جو حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کے فضائل جلیلہ کی تفصیل کا خواہاں ہے خبردار ہو کہ انسان میں جمال و کمال کی عادتوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک ضرورت دنیوی ہے جو انسان کی فطرت اور دنیاوی حیات کے لئے ضروری ہے اور دوسری مکتسب (کسب) دینی ہے وہ وہ ہے کہ اس کے کرنے سے اس کی تعریف ہو اور اللہ ﷻ کا قرب خاص میسر ہو۔

پھر اس کے بھی دو فن ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ کسی میں دو وصفوں میں سے ایک خالص (محض) ہو اور دوسرا یہ کہ دونوں وصف متمازج و متداخل (ملے جلے) ہوں لیکن ضروری محض یہ ہے کہ کسی مرد کو ان میں اختیار و کسب کی مجال نہ ہو جیسے امور عادی و فطری یعنی پیدائشی کمال حسن قوت عقل صحت فہم فصاحت زبان قوت حواس اور اعضاء معتدل حرکات شرافت نسب عزت قومی وطنی کرامت اور ہر وہ چیز جو زندگی سے ملحق اور اس کے ضروریات کی متقضی ہیں جیسے غذا نیند لباس مکان تزویج مال و جاہ وغیرہ (کہ یہ سب ضروریات محضہ میں شامل ہیں) اور کبھی یہ آخری خصلتیں آخرت کے ساتھ بھی ملحق ہو جاتی ہیں جبکہ ان سے مقصود تقویٰ اور بدن کی ایسی مدد ہو جو آخرت کے (پیش نظر) طریقہ پر ہو اور وہ ضرورت حدود و قواعد شریعت پر ہوں۔

لیکن اُخروی اعمال یہ ہیں کہ تمام اخلاق عالیہ اور آداب شریعہ دینیہ علم بردباری صبر شکر انصاف زہد تواضع عفو عفت سخاوت شجاعت حیاء مروت خاموشی سکون وقار مہربانی حسن آداب و معاشرت وغیرہ۔ یہی وہ خصائل ہیں جن کے مجموعہ کو حسن خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض خصلتیں تو کسی کی فطری عادت و جبلت ہوتی ہیں اور بعضوں میں نہیں ہوتیں ان کو حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات لازمی ہے کہ اصل پیدائشی شعبہ سے متعلق ہو جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ ﷻ ہم بیان کریں گے اور یہی اخلاق و خصائل جب ان سے اللہ ﷻ کی رضا اور آخرت کی فلاح مقصود و مراد نہ ہو تو دنیاوی بن جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ عقل سلیم کے نزدیک بالاتفاق

یہ سب کے سب محاسن وخوبیاں ہی ہیں' اگرچہ حسن وفضیلت کے موجبات واسباب کے بیان میں اختلاف کرتے ہوں۔

پہلی فصل

حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب خصائل کے کمال وجلال اس طرح پر ہیں جیسا کہ ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر اتفاق سے زمانہ میں کوئی شخص ایک یا دو وصف کا حامل مل گیا تو اس کو مشرف ومعزز مانا جاتا ہے۔ یہ شرافت یا تو نسب کی وجہ سے یا جمال سے یا قوت یا علم یا بردباری یا شجاعت یا سخاوت سے ہوگی' مگر اس کی قدر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے نام کو تمثیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اس وصف کی وجہ سے دلوں میں اس کے اثر وعظمت کا سکہ جم جاتا ہے اور یہ بات گزشتہ دیرینہ زمانہ سے چلی آتی ہے۔

پھر اس ذات اقدس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہو سکتا ہے' جس میں یہ تمام کے تمام محاسن وخصائل علیٰ وجہ الکمال اس طرح پر مجتمع ہوں کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اور نہ وہ احاطۂ بیان میں لائی جا سکتی ہوں اور نہ کسب وحیلہ کی گنجائش۔ صرف اللہ ﷻ ہی کسی کو یہ خاص طور پر مرحمت فرما دے۔ فضیلت نبوت' رسالت' خلت (محبوبیت)' محبت' برگزیدگی' اسریٰ (سیر ملکوت)' رویت وقرب ونزدیکی رب تبارک وتعالیٰ' وحی' شفاعت' وسیلہ' بزرگی' بلند درجہ' مقام محمود' براق' معراج' عرب وعجم (سرخ وسیاہ) کی طرف بعثت' انبیاء کے ساتھ نماز پڑھنا' اُمم سابقہ اور انبیاء کرام علیہم السلام پر گواہی دینا' اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری' لواء الحمد' خوشخبری دینا' ڈرسنانا' اللہ ﷻ صاحب عرش کی بارگاہ میں تمکن وطاعت' امانت' ہدایت' رحمۃ للعلمین' مقام رضا کا پانا' سوال کا قبول ہونا' کوثر' سماع قبول' اتمام نعمت' عفو گزشتہ وآئندہ' وضع وزر (بوجھ کا اٹھانا)' ذکر کی بلندی' مدد سے سرفراز کرنا' نزول سکینہ' ملائکہ سے تائید' کتاب وحکمت' سبع مثانی اور قرآن عظیم کو دینا' تزکیہ اُمت' اللہ ﷻ کی طرف بلانا' اللہ ﷻ اور فرشتوں کی جانب سے درود بھیجنا' لوگوں کو اس کا حکم دینا جس کا اللہ ﷻ نے مشاہدہ کرایا' ان سے تکلیف اور سخت وشدید عبادت کو دور کرنا' آپ کے نام کی قسم کھانا' آپ ﷺ کی دعاؤں کا قبول فرمانا' پتھروں اور گونگوں کا کلام کرنا' مردوں کا زندہ کرنا' گونگوں کو سنانا' آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا' کم کو زیادہ کرنا' چاند کو ٹکڑے کرنا' سورج کو واپس لوٹانا' اشیاء کو منقلب کرنا و بدلنا' رعب وہیبت سے مدد دیا جانا' غیب پر

اطلاع دینا' بادلوں کا سایہ کرنا' کنکریوں کا کلمہ پڑھنا' تکلیفوں سے نجات دینا' لوگوں کے شر سے بچانا' یہاں تک کہ کوئی عقل ان کو نہیں گھیر سکتی اور آپ ﷺ کو ایسا علم عطا فرمانا کہ اس کو سوائے اس علم کے عطا کرنے والے اور اس سے فضیلت دینے والے (خدا) کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ ہی ہے' جس نے آپ ﷺ کے لیے آخرت میں بڑے بڑے مرتبے اور مقدس درجے' سعادت حسنیٰ کے مرتبے میں وہ زیادتی مرحمت فرمائی کہ عقلیں ان کے نیچے ہی ٹھہر جاتی ہیں اور ان کے ادراک سے وہم وخیال تک متحیر ہو جاتے ہیں۔

دوسری فصل

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

اللہ ﷻ تم کو عزت دے' اگر تم یہ کہو کہ اس بیان سے مجملاً اتنا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ لوگوں میں سب سے بلند' عزت اور مرتبہ میں سب سے بڑے اور خوبیوں میں سب سے زیادہ کامل ہیں اور کمال خصائل کی تفصیل میں مذہب حسن کی طرف گئے ہو' تو مجھے اس بات نے شوق دلایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف وفضائل کی تفصیلات پر بھی مطلع ہو جاؤں۔

تو جان لو! اللہ ﷻ میرے اور تمہارے دلوں کو نور ایمان سے منور کرے اور نبی کریم ﷺ کی محبت مجھ میں اور تم میں اور دوگنی ہو۔ جب تم نے ان خوبیوں اور کامل خصلتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا' جو کسی انسان کے کسب واختیار سے باہر ہیں اور وہ پیدائشی ہیں تو تم نے حضور ﷺ کو ضرور ایسا پایا ہوگا کہ وہ ان تمام خصائل ومحاسن کے جامع ہیں اور مختلف اقسام کی نیکیوں کے احاطہ کرنے والے ہیں اور یہ کہ تمام ناقلینِ اخبار واحادیث کا اس بارے میں اتفاق ہے' اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ بعض تو ان میں قطعی اور یقینی درجہ تک پہنچ چکے ہیں۔ اب قدرے تفصیل سراپا ملاحظہ ہو۔

آپ ﷺ کی صورت اور اس کا جمال' اور آپ ﷺ کا اعضاء وقویٰ کے متناسب ہونے میں تو بہت سی احادیث صحیحہ ومشہورہ منقول ومروی ہیں' منجملہ (ان میں سے) ان کے ان صحابہ کرام ﷺ یعنی حضرت علی' حضرت انس بن مالک' حضرت ابو ہریرۃ' حضرت براء بن عازب' اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ابن ابی ہالہ' حضرت ابن ابی جحیفہ' حضرت جابر ابن سمرہ' حضرت اُم معبد' حضرت ابن عباس' حضرت معرض بن معیقیب' حضرت ابی طفیل' حضرت عداء بن خالد' حضرت خریم ابن فاتک' حضرت حکیم بن حزام وغیرہم ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے کہ

حضور ﷺ کا گورا رنگ، سیاہ و کشادہ آنکھیں، سرخ ڈورے والی لمبی پلکیں، روشن چہرہ، باریک ابرو، اونچی بینی (ناک)، چوڑے دانت، گول چہرہ، فراخ پیشانی، گھنی ریش مبارک جو سینہ کو ڈھانک لئے شکم و سینہ ہموار، چوڑا سینہ، بڑے کاندھے بھری ہوئی ہڈی، موٹے بازو، کلائیاں و پنڈلیاں، ہتھیلیاں فراخ، قدم چوڑے، ہاتھ پاؤں لمبے، بدن مبارک جب برہنہ ہو (جب کرتا وغیرہ اوپر سے اٹھا ہوتا) تو خوب چمکتا، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر، میانہ قد نہ زیادہ طویل نہ زیادہ قصیر، باوجود اس کے جو سب سے زیادہ لمبا شخص ہوتا اگر آپ کے برابر کھڑا ہوتا تو اس سے بلند معلوم ہوتے (یہ آپ کا معجزہ تھا)

آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے نہ بلدار، جب آپ ﷺ ہنستے تو دندان مبارک مثل بجلی کے چمکتے، بارش کے اولے کی طرح سفید و شفاف۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نور کی جھڑیاں آپ ﷺ کے دندان مبارک سے جھڑ رہی ہیں، گردن نہایت خوبصورت، نہ آپ ﷺ کا چہرہ بہت بھرا ہوا تھا نہ بہت لاغر، بلکہ بدن کے متناسب ہلکا گوشت تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۲۹۸)

حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی بالوں والے کو کہ اس کے بال کندھوں تک لٹکتے ہوں، سرخ لباس میں حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھا۔

(سنن داری جلد ا صفحہ ۳۵، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۳۱۵، شمائل ترمذی صفحہ ۳)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہ دیکھا، گویا آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۰، ابن حبان جلد ۸ صفحہ ۷۳)

حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے کسی نے کہا کہ آپ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا۔ آپ ﷺ نے کہا: نہیں بلکہ چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا اور آپ کا چہرہ گول تھا۔ (صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۲۳)

حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی تعریف کی رفعت میں کہا کہ آپ ﷺ دور سے بہت خوبصورت اور قریب سے نہایت شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۲۷۹)

حضرت ابن ابی ہالہ ؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مثل چمکتا تھا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۱)

حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے حضور ﷺ کی تعریف میں یہ آخری الفاظ بیان فرمائے کہ جو شخص اچانک آپ ﷺ کو دیکھتا، وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ سے ملاقات کرتا وہ حضور ﷺ سے محبت کرتا

تھا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۱)

ہر وہ شخص جو حضور ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہے' کہتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے مماثل ہو۔

غرضیکہ حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کتب احادیث میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ ہم ان سب کو لکھنے سے عاجز ہیں بلکہ ہم آپ ﷺ کی تعریف میں چند نکتوں پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ مجملاً وہ حدیث مقصد میں کفایت کر سکتی ہے جو ذکر کی ہے اور ان فصلوں کو ایک حدیث جامع پر ختم کر دیا جس پر تم انشاء اللہ ﷻ واقف ہو جاؤ گے۔

تیسری فصل

آپ ﷺ کی نظافت وپاکیزگی

حضور ﷺ کے جسم مبارک کی نظافت اور بدن اقدس اور اس کے پسینہ کی خوشبو اور اس کا میل کچیل اور عیوبات جسمانیہ سے پاک وصاف ہونا یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو وہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کسی میں پائی ہی نہیں جاتی۔

مزید برآں یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو شرعی نفاست وپاکیزگی اور دس فطری خصلتوں سے بھی مزین کیا۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: بُنِيَ الدِّيْنُ عَلَى النَّظَافَةِ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔ (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

حدیث: حضرت انس ﷺ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو سے بڑھ کر کسی عنبر' کستوری اور کسی چیز کی خوشبو کو نہ پایا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۴)

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ ﷺ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کے رخسار کو چھوا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دست اقدس میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا ابھی آپ نے عطار کے ڈبہ سے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۴)

حضرت جابر ﷺ کے علاوہ بھی مروی ہے کہ خواہ آپ نے خوشبو لگائی ہوتی یا نہیں لیکن آپ ﷺ جس سے بھی مصافحہ فرماتے تو وہ شخص سارے دن اس کی خوشبو سے معطر رہتا۔

اگر آپ ﷺ کسی بچہ کے سر پر (شفقت سے) اپنے دست اقدس کو پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو سے پہچانا جاتا (کہ اس پر حضور نے دست شفقت پھیرا ہے) (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۵)

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت انس ؓ کے گھر قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ حضرت انس ؓ کی والدہ ایک شیشی لائیں اور حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو جمع کرنے لگیں۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا: میں اس کو اپنی خوشبوؤں میں رکھوں گی کہ یہ سب سے عمدہ اور طیب خوشبو ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۸۲، سنن دارمی جلد ا صفحہ ۳۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "تاریخ کبیر" میں حضرت جابر ؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ جس کوچہ و بازار سے گزر فرماتے پھر کوئی شخص اس طرف سے گزرتا تو وہ خوشبو سے پہچان جاتا کہ آپ ﷺ ادھر سے گزرے ہیں۔

اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ کی خوشبو بلا خوشبو لگائے ہوتی تھی (یعنی آپ کے جسم کی ذاتی خوشبو ہوتی تھی)

حدیث : مزنی اور حربی رحمہما اللہ حضرت جابر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی سواری کے پیچھے مجھ کو بٹھا لیا۔ اس وقت میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا تو کستوری کی خوشبو مجھے معلوم ہوئی۔ (مختصر تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۳۶۱)

حضور ﷺ کے شمائل و اخبار میں بعض محدثین نے بیان کیا کہ جب حضور ﷺ رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین شق ہو کر آپ ﷺ کا بول و براز نگل جاتی۔ صرف وہاں خوشبو ہی خوشبو معلوم ہوتی۔

محمد بن سعد کاتب واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ بیت الخلاء جاتے ہیں لیکن وہاں پر ہم رفع حاجت کا کوئی نشان نہیں پاتے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم کو معلوم نہیں کہ زمین ان فضلات کو نگل جاتی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے نکلتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایسی چیز ہرگز نہ دیکھو گی۔ (حاکم جلد ۴ صفحہ ۷۲)

گو یہ حدیث مشہور نہیں لیکن اہل علم کا ایک طبقہ یہ ضرور مانتا ہے کہ حضور ﷺ کا بول و براز پاک تھا اور یہی بعض شوافع کا قول ہے۔ جس کو امام ابو نصر بن صباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شامل" میں نقل فرمایا اور دونوں قولوں کو علماء سے نقل کر کے ابو بکر بن سابق المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "البدیع فی فروع المالکیہ" اور اس سے قبل میں ان کی تخریج کو بھی بیان کیا جن مسائل میں مذہب مالکی پر شوافع کی تفریعات نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے وجود اقدس میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں جو مکروہ و ناپسندیدہ ہو۔

حدیث: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غسل دیا۔ پس میں دیکھنے لگا کہ کوئی ایسی چیز تو نہیں نکلی جو میت میں سے نکلتی ہے۔ میں نے وہاں کچھ نہ پایا۔ تب میں نے کہا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) آپ کی زندگی بھی طیب و طاہر اور آپ کی ممات (بعد وصال) بھی پاک و صاف۔ فرماتے ہیں کہ بدن اقدس سے ایسی خوشبو نکلی کہ میں نے اس سے قبل کبھی نہ پائی تھی۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۴۷، حاکم جلد ۳ صفحہ ۶۹)

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ جب آپ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد پیشانی کا بوسہ دیا تھا۔ (مراسیل ابوداؤد صفحہ ۷۷، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ مالک ابن سنان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں (آپ کے زخم سے) خون پی لیا تھا اور اس کو چوسا تھا اور اس کو حضور ﷺ نے ان کے لئے جائز قرار رکھتے ہوئے فرمایا: اس کو آگ ہرگز نہ پہنچے گی۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۷۰)

اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پچھنے (حجامت سینگی) کا خون پی لیا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: وَیْلٌ "لَکَ مِنَ النَّاسِ وَوَیْلٌ" لَھُمْ مِنْکَ افسوس ہے لوگوں پر تم سے اور افسوس ہے تم پر لوگوں سے اور اس پر انکار نہ فرمایا۔ (حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۵۴، بزاز جلد ۳ صفحہ ۱۴۵)

اسی طرح ایک عورت کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کا بول مبارک (پیشاب) پی لیا تھا۔ اس پر آپ نے اس عورت سے فرمایا: لَنْ تَشْتَکِیْ وَجَعَ بَطْنِکِ اَبَدًا یعنی کبھی بھی تجھ کو پیٹ کی بیماری نہ ہوگی اور ان میں سے کسی کو بھی حضور ﷺ نے منہ دھونے کا حکم نہ فرمایا نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا اور وہ حدیث جس میں عورت نے حضور ﷺ کا بول مبارک پی لیا تھا' صحیح ہے۔

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم و بخاری رحمہما اللہ کی طرح صحت میں التزام کیا ہے اور اس عورت کا نام "برکۃ" ہے اس کے حسب و نسب میں اختلاف ہے۔

ایک روایت میں وہ عورت اُم ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور ﷺ کی خدمت کرتی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو چارپائی (سرانے) کے نیچے رکھا تھا اور حضور ﷺ رات کو اس میں بول کیا کرتے تھے۔ پس ایک رات حضور ﷺ نے اس میں بول کیا۔ پھر (صبح کو) پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا۔ حضور ﷺ نے برکت سے اس بارے میں دریافت فرمایا۔ تو برکت نے عرض کیا: میں رات کو اٹھی تو پیاس لگ رہی تھی میں نے اس کو لاعلمی میں پی لیا۔ اس حدیث کو ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سوا دوسروں نے بھی روایت کیا۔

(ابوداود کتاب الطہارت جلد ۱ صفحہ ۲۸، نسائی فی البول ولادۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱، ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۳۳۸)

حضور اکرم ﷺ اس حال میں پیدا ہوئے کہ آپ ﷺ مختون (ختنہ شدہ) اور ناف بریدہ تھے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی صغیر و اوسط جلد ۸ صفحہ ۲۳۸)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسا پاک وصاف جنا کہ (عموماً پیدائش کے وقت جو آلائش نکلتی ہے) کسی قسم کی ناپاکی نہ تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۲)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور ﷺ کا ستر نہ دیکھا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۸۳، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)

حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا اور کوئی غسل نہ دے کیونکہ جو بھی میرے ستر پر نظر ڈالے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔

(بزار جلد ۱ صفحہ ۴۰۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۴۴)

عکرمہ ؓ کی وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ ہے کہ حضور ﷺ سو گئے یہاں تک کہ نیند کی آواز معلوم ہونے لگی۔ پس حضور ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے نماز شروع کر دی اور وضو نہیں کیا اس پر حضرت عکرمہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ محفوظ تھے (یعنی حضور کی نیند غفلت کی نہ تھی جو ناقض وضو ہوتی) (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۹، ۱۱۷، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۷۵)

چوتھی فصل

آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد

حضور ﷺ کی عقل کامل اور اس کی ذکاوت اور آپ ﷺ کے حواس مبارکہ کی قوت اور زبان کی فصاحت اور افعال و حرکات میں میانہ روی و مناسبت اور حسن و جمال میں ملاحت یہ ہے کہ یقیناً آپ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند ان میں سب سے زیادہ ذکی تھے۔

جو شخص حضور ﷺ کی تدابیر پر غور کرے گا خواہ وہ تدابیر آپ ﷺ کے باطنی یا ظاہری اخلاق کریمہ سے متعلق ہوں یا عام و خاص سیاست سے وابستہ ہوں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے حالات عجیبہ اور خصائل حمیدہ کے علاوہ آپ ﷺ کے ان علم و فضل پر جو اللہ ﷻ کی جانب سے آپ ﷺ پر علم کا اضافہ ہوا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے ثابت کیا ہے اور جن کو نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی سے سیکھا اور نہ

کبھی پہلے سے اس کی مشق کی اور نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آپ ﷺ کے مرتبہ وفضیلت پر دلالت کرنے والی پائے گا اور آپ ﷺ کے کمال عقل وبصیرت کا بالضرور قائل ہو کر رہے گا۔

اور یہ بات بالکل بدیہی ہی ہے اس کے لئے کسی ثبوت ودلیل یا بیان وتقریر کی قطعاً حاجت نہیں۔ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اکہتر پچھلی کتابوں میں پڑھا ہے ان سب میں یہی پایا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل میں اعلیٰ اور رائے میں افضل ہوں گے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان سب میں یہی پایا کہ اللہ ﷻ نے جب سے دنیا پیدا کی ہے اس وقت سے دنیا کے خاتمہ تک جس قدر عقل تمام لوگوں کو ملی ہے وہ حضور ﷺ کی عقل کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے تمام دنیا کے ریت کے ذرات کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ ہوتا ہے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے پیچھے مقتدیوں کی حالت بھی اس طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح کوئی سامنے ہو۔ اور یہی تفسیر تَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ. (پ ۱۹ النمل ۲۱۹) کے فرمان میں انہوں نے کی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۰، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۲۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۹ صفحہ ۷۴)

مؤطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بیشک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ کما فی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۲۵)

اسی طرح صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ وہ زیادتی ہے جس کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی (صحت نبوت کی) حجت کے لئے زیادہ فرمایا۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ اِنِّیْ لَاَ نْظُرُ مِنْ وَّرَائِیْ کَمَا اَنْظُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ. (بلاشبہ یقیناً میں اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو۔)

(مصنف عبد الرزاق، حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۳۶، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۸۹)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ اِنِّیْ لَاُبْصِرُ مِنْ قَفَایَ کَمَا اُبْصِرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ میں اپنی گردن کے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۹)

بقی بن مخلد رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ اندھیرے میں[1] اس طرح دیکھتے جس طرح روشنی میں اور بہت سی روایتوں میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرشتوں کو اور

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۷۵، الکامل لابن عدی جلد ۳ صفحہ ۱۵۳۲

شیاطین کو دیکھا ہے اور نجاشی (بادشاہ حبش) کا جنازہ آپ ﷺ کے پیش نظر کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی[1] اور بیت المقدس اس وقت پیش نظر کیا گیا جب قریش نے آپ ﷺ سے[2] اس کی توصیف بیان کرنے کی خواہش کی اور جب آپ ﷺ نے اپنی مسجد شریف کی تعمیر فرمائی تو کعبہ سامنے لایا گیا[3] اور حضور ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے دیکھ لیا کرتے تھے۔

یہ تمام روایتیں چشم مبارک سے ملاحظہ فرمانے پر محمول ہیں۔ یہی قول حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کا ہے لیکن بعض نے ان کو علم کی طرف پھیرا ہے حالانکہ ظاہر عبارات اس کے مخالف ہیں اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خصوصی فضائل ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو آپ علیہ السلام چیونٹی کو اندھیری رات میں سات فرسخ سے صاف دیکھ لیتے تھے۔ (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۲۲)

یہ کچھ دشوار نہیں ہے کہ یہ ہمارے نبی حضور ﷺ کو معراج کے بعد ان باتوں اور فائدوں کے ساتھ خاص کر دیا ہو جو اس باب میں ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے رب کی نشانیوں کو دیکھا۔

یہ تو حدیثوں میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے رکانہ (پہلوان) جو اپنے وقت کا مانا ہوا قوی پہلوان تھا کو زیر کیا اور آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور یہ کہ رکانہ کے باپ (ابو رکانہ) کو آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں زیر کیا حالانکہ وہ بہت قوی اور بہادر تھا لیکن تین مرتبہ آپ ﷺ نے اس کو پچھاڑا۔ (سنن ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۳۳۱، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ ۔ ۱۵۷)

حدیث: حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ چلنے میں تیز کسی کو نہ دیکھا۔ آپ ﷺ پر گویا آپ ﷺ کے نیچے زمین لپیٹی جاتی تھی۔ ہم چلنے میں دشواری محسوس کرتے تھے مگر حضور ﷺ اپنی سبک و نرم رفتار میں چلتے جاتے تھے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۰۹)

اور یہ بھی حضور ﷺ کی خاص صفت ہے کہ آپ ﷺ کی ہنسی (صرف) تبسم ہوتی تھی اور جب آپ ﷺ کسی کی طرف نظر التفات (توجہ) فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور جب آپ ﷺ چلتے تو اچھی رفتار چلتے۔ گویا کہ اوپر سے نیچے ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔

۱۔ مسند ابی یعلیٰ جلد ۷ صفحہ ۲۵۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۳۶/۲۵۶

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۶، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۷

۳۔ اخبار مدینہ ابن بکار رحمہ اللہ کما فی مناہل الصفاء صفحہ ۳۶

پانچویں فصل

آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت

آپ ﷺ کی زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ اس صفت میں سب سے افضل مقام پر ہیں اور ایسا ہر موقع پر ہوتا کہ کوئی غافل آپ ﷺ کی طبعی سلاست پر محمول کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ ﷺ کا کلام نکتہ رس لطیف اور مختصر مگر جامع (بلاغت) سے بھرپور' زوائد سے معری اور معانی میں صحیح ہوتا۔ بلاتکلف جوامع الکلم آپ ﷺ کو مرحمت ہوئے جو حکمت کے عجائبات سے پر ہوتے اور آپ ﷺ کو محاورات عرب پر پورا عبور حاصل تھا۔ عرب کے ہر قبیلہ سے اس کی زبان' اس کے محاورات' ان کی بولی میں ان پر (معارف) فرماتے یہاں تک کہ بسا اوقات صحابہ کرام ؓ کو بھی دشواری ہوتی اور آپ ﷺ سے اس کی شرح دریافت کرتے۔

جو شخص بھی آپ ﷺ کے ارشادات (احادیث کریمہ) پر غور وفکر کرے گا وہ اس کو جان لے گا اور اس کو تحقق ہو جائے گا کہ آپ ﷺ جس طرح قریش وانصار سے کلام فرماتے تھے ویسا اہل حجاز ونجد سے نہ فرماتے تھے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے ذی المشعار ہمدانی' طہفۃ النہدی' قطن بن حارثہ علیمی'[1] اشعث بن قیس' وائل بن حجر کندی وغیرہ جو حضر موت کے سردار اور یمن کے بادشاہ تھے کلام فرمایا۔

آپ ﷺ کے اس خط پر غور کرو جو ہمدان کی طرف لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے لکھا کہ تمہارے لئے چوٹیاں' پست زمین اور سخت زمین ہے۔ اس کی لاوارث زمین میں تم اپنے جانور چراؤ۔ ہمارے لئے ان کے جانوروں اور کھجوروں میں اتنا ہے جو وہ معاہدہ اور امانت سے دیں اور ان کے لئے زکوٰۃ میں وہ معاف ہے جو بوڑھے اونٹ اور اونٹ کے بچے اور بوڑھی گائے جو کہ چرنے کے لئے نہ جائیں اور سرخ رنگ کے مینڈھے ہیں اور ان سے اس کی زکوٰۃ لی جائے گی جو گائے اور اونٹ چھ سال کا ہو اور وہ گھوڑے جو پانچ سالہ ہوں۔ (غریب الحدیث جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)

اسی طرح آپ ﷺ کے اس فرمان پر غور کریں "جو نہد" سے فرمایا۔ اے اللہ ﷻ ان کے خالص دودھ اور لسی اور مکھن میں برکت دے۔ ان کے بادشاہ کو بہت سا مال دے اور ان کے تھوڑے پانی کو بہت سا کر دے۔ اے اللہ ﷻ ان کے مال واولاد میں برکت دے وہ مسلمان ہے جو نماز کو قائم

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۳۵

کرے اور وہ نیکوکار ہے جو زکوٰۃ ادا کرے اور وہ مخلص ہے جو گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔

اے اولاد وہند! حالت شرک کی امانتیں اور بادشاہوں کے وظیفے (تمہارے ہیں) اور زکوٰۃ کو نہ روکو زندگی میں حق سے تجاوز نہ کرو اور نمازوں میں سستی نہ کرو۔ حضور ﷺ نے نصاب زکوٰۃ میں لکھا کہ تمہارے لئے بوڑھے اونٹ اور گائے اور وہ جانور جو ابھی بچے ہیں اور وہ گھوڑا سواری کا لگام والا (جوارتا) ان کو تمہاری چراگاہ سے نہ روکا جائے گا۔ بڑے درخت نہ کاٹے جائیں گے دودھ والے جانور کو نہ روکا جائے گا اور جب تک تم دل میں نفاق نہ پیدا کرو اور بدعہدی کا اظہار نہ کرو گے۔ اس وقت تک بقیہ کھاؤ جو اقرار کرے اس پر عہد کی وفا اور ذمہ لازم ہے اور جو انکار کرے اس پر زیادتی (یعنی جزیہ) ہے۔ (حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۲۷)

اور آپ ﷺ کے اس خط پر بھی غور کرو جو وائل بن حجرؓ سرداران یمن اور ان کے خوبصورت نوجوانوں کو لکھا۔ اس میں تھا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک ایسی بکری جو دبلی ہو نہ موٹی بلکہ درمیانی دیا کرو۔ اگر دفینہ برآمد ہو تو اس میں پانچواں حصہ دو جو کنوارہ شخص زنا کرے اس پر سو (100) درّے لگاؤ اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دو (شہر بدر کا حکم مذہب حنفی میں منسوخ ہے مترجم) اور جو شادی شدہ زنا کرے اسے رجم کر دو (پتھروں سے مار ڈالو) دین میں سستی نہ کرو اور خدا کے فرائض میں لاپرواہی نہ برتو۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (غریب الحدیث جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ معجم صغیر ۱۳۱)

وائل بن حجرؓ سرداران یمن کے امیر تھے غور کرو۔ یہ خطوط اس خط سے کہاں ملتے ہیں جو حضرت انسؓ کو لکھ کر دیا تھا اور وہ فرائض میں مشہور ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی بول چال ہی ایسی تھی اور ان کی بلاغت ہی یہ تھی اور ان کے محاورات ہی یہ تھے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان کے لئے ان ہی کا طرز خطاب روا کیا تاکہ لوگوں پر وہ باتیں ظاہر کریں جو آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے نازل فرمائی ہیں اور یہ کہ لوگوں کو آپ ﷺ اسی طرح تعلیم دیں جس طرح ان کی بول چال ہے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۴۸)

جیسا کہ عطیہ سعدیؓ کی حدیث ہے کہ فَاِنَّ الْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْطِيَةُ وَالْيَدُ السُّفْلٰى هِيَ الْمُنْطَاةُ. اوپر کا ہاتھ دینے والا اور نیچے کا ہاتھ لینے والا ہے۔ عطیہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری لغت میں کلام فرمایا۔ (مستدرک جلد ۴ صفحہ ۳۲۷ سنن بیہقی کتاب الزکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۱۹۸)

اسی طرح حدیث عامریؓ میں ہے جب انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے سے سوال کر یعنی جو چاہے سوال کر۔ یہ بنی عامر کی بول چال ہے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۴۸)

لیکن حضور ﷺ کے عام ارشادات وہ فصاحت کے شاہکار جوامع الکلم اور حکمتوں سے بھرپور ہیں اور وہ زبان استعمال فرمائی ہے جس میں شاعروں کے بالعموم دیوان ہیں اور وہ عام کتب میں جاری وساری ہیں' ان میں سے حضور ﷺ کے بعض ارشادات تو ایسے ہیں کہ ان کا فصاحت وبلاغت میں کوئی موازنہ ہی نہیں کرسکتا۔ جیسے اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَؤُا دِمَاءُ وَهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى عَنْ سِوَاهُمْ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان میں سے ادنیٰ شخص کے ذمہ لینے سے سب پر وفا ہو جاتی ہے وہ سب ایک ہاتھ ہیں ان پر جو ان کا مخالف ہے۔ یعنی وہ سب متحد ومتفق ہیں اور یہ اتفاق ان کی زبردست طاقت ہے۔

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۹۵، سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۰، سنن نسائی جلد ۸ صفحہ ۲۴)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ "اَلنَّاسُ كَاَسْنَانِ الْمُشْطِ"[1] "وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ"[2] "وَلَا خَيْرَ فِيْ صُحْبَةِ مَنْ لَا يَرٰى لَكَ مَا تَرٰى لَهٗ"[3] "وَالنَّاسُ مَعَادِنُ"[4] "وَمَا هَلَكَ اِمْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ"[5] "وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ" "وَهُوَ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ"[6] "وَرَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا"[7] قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ اَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ.

یعنی لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح ہیں اور آدمی اس کے زمرہ میں ہے۔ جس سے وہ محبت رکھتا ہے اس شخص کی صحبت میں بھلائی نہیں جو تیرے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگ کانیں (معدن) ہیں اور وہ آدمی ہلاک نہیں ہوتا جو اپنی قدر پہچانتا ہے جس سے مشورہ طلب کیا جاتا' وہ امانت دار ہوتا ہے۔ وہ جب تک کلام نہ کرے مختار ہے۔ اللہ ﷻ اس پر رحم کرے جو اچھی بات کہے تو وہ غنیمت ہے یا خاموش رہا تو سلامتی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: اَسْلِمْ وَتَسْلَمْ اسلام لا سلامتی میں رہے گا۔ وَاَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ. اور اسلام لا کہ اللہ ﷻ تجھ کو دوگنا ثواب رحمت فرمائے گا۔

۱۔ مکارم الاخلاق لابن لال عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۹

۲۔ بخاری شریف جلد ۸ صفحہ ۳۳، مسلم شریف جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۲، ترمذی شریف جلد ۴ صفحہ ۳۴

۳۔ الکامل لابن عدی جلد ۳ صفحہ ۱۰۹۷

۴۔ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۳۲۔۱۳۳، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۱

۵۔ تاریخ ابن سمعانی کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۳۹

۶۔ ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۳۳۳، ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۳۳، دارمی جلد ۲ صفحہ ۲۱۹

۷۔ مسند الفردوس للدیلمی جلد ۲ صفحہ ۲۵۹، الاحیاء جلد ۳ صفحہ ۷، والفیض القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۴

(بخاری شریف جلد۲ صفحہ ۳۰، مسلم شریف جلد ۳۱ صفحہ ۱۳۹۶)

وَاِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ وَ اَقْرَبَکُمْ مِنِّی مَجَالِسَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنُکُمْ اِخْلَاقًا. اور بیشک تم میں وہ شخص مجھے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن وہ میرے زیادہ قریب ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ (سنن ترمذی شریف جلد ۳ صفحہ ۳۴۹)

اَلْمُوَطَّئُوْنَ اَکْنَافًا الَّذِیْنَ یَاْلَفُوْنَ وَیُؤْلَفُوْنَ. متواضع اور خاکسار وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ لَعَلَّهٗ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ. شاید کہ وہ لایعنی اور لغو باتیں کرتا رہا اور بے فائدہ کنجوسی کرتا رہا ہو۔ (سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۸۲)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ذُوْالْوَجْهَیْنِ (دو رخی) باتیں کرنے والا اللہ ﷻ کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد شریف جلد ۵ صفحہ ۱۹۱-۱۹۰)

اور حضور ﷺ نے قِیْلَ وَ قَالَ (کج بحثی) اور کثرت سوال اضاعت مال اور (جائز و ناجائز) جمع مال اور والدین کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری شریف جلد ۸ صفحہ ۸۴، مسلم شریف جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۰-۱۳۴۱)

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں: جہاں کہیں ہو اللہ ﷻ سے ڈرتا رہ برائی کے بدلے نیکی کر کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آ[1] بہترین کام میانہ روی ہے۔[2] اپنے دوست کو کم راز دار بنا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تیرا دشمن ہو جائے۔

(الادب المفرد صفحہ ۳۴۰، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۲۲۳)

ارشاد ہے سب سے بری اندھیری قیامت کی تاریکی ہے۔

(بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۱۱۲، مسلم شریف جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۶، ترمذی جلد ۴ صفحہ ۲۶۲)

حضور ﷺ نے بعض دعائیں اس طرح کی ہیں۔ اے اللہ ﷻ میں تجھ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو تیرے نزدیک میرے دل کی ہدایت کرنے والی ہو اور میرے کام مجھ پر آسان کر دے میری پراگندگی کو دور کر دے۔ میرے دل کی اصلاح فرما دے اور میرے ظاہر کو اس سے بلند کر دے اور میرے عمل سنوار دے۔ میری درستگی کو بتلا دے اور اس سے میری محبت وابستہ کر دے اور مجھ کو ہر برائی سے محفوظ رکھ۔

اے اللہ ﷻ! قضا و قت صحت و درستگی شہیدوں کا مرتبہ نیکوں کی زندگی اور دشمنوں پر فتح یابی

۱۔ سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۲۳۹، حاکم جلد ا صفحہ ۵۴

۲۔ تاریخ ابن سمعانی صفحہ ۵۱

کی دعا مانگتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۱۲۷)

محدثین کی ایک جماعت نے محدثین کے کثیر افراد سے حضور ﷺ کے مراتب و مقامات‘ آپ ﷺ کی مجالس‘ آپ ﷺ کے خطبے‘ آپ ﷺ کی دعائیں‘ آپ ﷺ کے جوابات‘ آپ ﷺ کے عہد و پیمان اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ان میں کسی کو اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات اس مرتبہ کے فصیح و بلیغ ہیں کہ کسی کے کلام کو ان پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس قدر لائق ہیں کہ کوئی اس کے ہم مثل لانے پر قادر ہی نہیں۔

بلاشبہ محدثین نے جو کلمات جمع کئے ان پر کوئی قدرت رکھتا ہی نہیں کہ ان کو دل میں سمو کر اپنے الفاظ میں ہم معنی و مطلب ڈھال کر بیان کر سکے۔ جیسے حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ حَمِيَ الْوَطِيْسُ[1] (تنور گرم ہوا) یعنی لڑائی بھڑکی مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهٖ[2] وہ اپنی موت مرا یعنی بغیر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے مرا اور فرمایا: وَلَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ.[3] مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ.[4] نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

اس قسم کے اور دوسرے ارشادات ہیں جن کے دیکھنے والے کو اس کے مضامین محو حیرت بنا دیتے ہیں اور وہ الفاظ کے مختصر ہونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔

بلاشبہ صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہم نے کسی کو آپ ﷺ سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے کون روک سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم صاف عربی میں میری زبان پر نازل ہوا۔[5] ایک اور مرتبہ فرمایا: میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں مگر یہ کہ میں قریشی ہوں اور بنی سعد میں پرورش ہوئی۔ (النھایہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

اسی سبب سے حضور ﷺ کے لئے بدری فصاحت‘ شیریں کلامی‘ دیرینہ خالص عربی بولی اور اس کی مضبوطی جمع کر دی گئی۔ پھر آپ ﷺ کے کلام میں جلا (رونق) تائید الٰہی ﷻ سے بھی ہوئی جو اس وحی کی مدد کے ذریعہ جس کے علم تک انسان کے علم کی رسائی اور اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

۱۔ مسلم شریف جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۹، دلائل النبوۃ جلد ۵ صفحہ ۱۳۷

۲۔ الشعب للبیہقی رحمہ اللہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۲

۳۔ بخاری شریف جلد ۸ صفحہ ۳۷

۴۔ الدیلمی عن عقبہ بن عامر رحمہ اللہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۳

۵۔ البیہقی فی الشعب من طریق عباد بن العوام کما فی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۵۲

ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی تعریف میں کہا کہ آپ شیریں کلام تھے نہ زیادہ بولتے (کہ سننے والے کو گراں گزرے) اور نہ کم بولتے (کہ سننے والے مفہوم ہی نہ سمجھے) آپ کا کلام ایک موتیوں کی لڑی ہوتا کہ موتی پرو دیئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ بلند آواز اور خوش گلو تھے۔

چھٹی فصل

آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور آپ ﷺ کی نشو و نما

ان کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور نہ ان کا بیان مشکل ہے۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ قبیلہ بنی ہاشم کے منتخب اور خالص نسل قریش میں سے ہیں۔ سارے عرب میں آپ ﷺ اشرف اور والدین کے لحاظ سے آپ ﷺ سب میں معزز ہیں اور آپ ﷺ اس شہر مکہ کے رہنے والے ہیں جو اللہ ﷻ اور اس کے بندوں کے نزدیک تمام شہروں میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ ؓ سے مرفوعاً بالاسناد مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیشک میں اولاد آدم علیہ السلام کے پے در پے بہتر زمانوں میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس میں کہ ہوں۔ (بخاری شریف کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵۱ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۸ جلد ۲ صفحہ ۳۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے مخلوق کو پیدا فرما کر مجھے ان کے بہتر زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میں پیدا فرمایا' پھر قبیلوں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا۔ پھر گھروں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں بنایا۔ اس لئے میں ان کے بہترین افراد اور بہترین گھروں میں سے ہوں۔ (سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۴۳' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۷۴)

واثلہ بن اسقع ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا' پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ بنی کنانہ کو منتخب کیا' پھر قبیلہ بنی کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی' پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اشرف کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو پسند کیا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۴۳ صحیح مسلم جلد ۵ صفحہ ۱۷۸۲)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنی مخلوق میں سے بنی آدم کو پسند کیا' پھر بنی آدم میں سے اہل عرب کو پھر عرب میں سے قریش کو پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو پھر ہاشم میں مجھ کو پسند فرمایا۔ اس لئے میں بہتروں میں سب

سے بہتر ہمیشہ رہا ہوں۔ پس جو عرب سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت کی بنا پر محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہے۔

(طبرانی جلد ۱۲ صفحہ ۴۰۰، حاکم جلد ۳ صفحہ ۸۷، ۸۶، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۷۶، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی روح اقدس حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نور تھی۔ وہ نور اقدس اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول تھا اور فرشتے آپ ﷺ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو وہ نور اقدس آپ ﷺ کی صلب میں رکھا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف صلب آدم علیہ السلام میں اتارا۔ پھر مجھ کو صلب حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل کیا۔ پھر صلب ابراہیم علیہ السلام میں مجھ کو (نار نمرود میں) ڈالا۔ اسی طرح ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھ کو معزز و مکرم پشتوں (اصلاب) اور طیب و پاکیزہ رحموں (رحم مادر) میں منتقل فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھ کو ان والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی زنا کے قریب تک نہ گئے تھے۔

(ابن عمر العدنی فی مسندہ کمافی مسالک الحنفاء للسیوطی صفحہ ۵۳)

اس حدیث کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ شعر گواہ ہے جو حضور ﷺ کی مدح و ثنا میں مشہور ہے۔

ساتویں فصل

ضروریات زندگی کی اقسام سے پہلی قسم

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زندگی کی ضروریات جس چیز کی خواستگار ہوتی ہیں' ان کی تین قسمیں ہیں۔ اول: کمی کی فضیلت' دوم: کثرت کی فضیلت' سوم: مختلف حالتیں

لیکن کمی کی مدح و کمال شرعاً اور عادتاً ہر طرح بالاتفاق محمود ہے جیسے غذا اور نیند (کہ کم غذا کھانا اور کم سونا تعریف کے لائق ہے) اہل عرب اور تمام حکماء اس میں کمی کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے ہیں اور ان میں زیادتی و کثرت کی برائی بیان کرتے رہے ہیں کیونکہ زیادہ کھانا پینا' نیند اور حرص و شہوت پر دلالت کرتا ہے اور شہوت کا غلبہ دنیا و آخرت میں نقصان دہ ہے اور جسم کی بیماریاں' سانس کی تنگی اور امتلاء دماغ کا موجب ہوتا ہے۔

اور کم کھانا پینا' قناعت' نفس پر بھروسہ' قاطع شہوت' موجب صحت' صفائے قلب اور ذہن کی

تیزی پر دلالت کرتا ہے۔ جس طرح نیند کی زیادتی سستی، کمزوری، کند ذہنی، ضعف اعصاب، کسلمندی، عاجزی کی عادت، بے فائدہ عمر کی اضاعت، قساوت قلب اور اس کی غفلت و موت پر شاہد ہے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے اور ہمارے مشاہدے میں ہے اور گزشتہ امتوں اور حکیموں اور شعرائے عرب کے کلاموں میں اور اخبار و احادیث صحیحہ آثار سلف و خلف میں تواتر منقول ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ ہم نے اس کو یہاں اختصار اور (اس کی) شہرت کی بناء پر اسی پر اکتفا کیا۔

حضور اکرم ﷺ ان دونوں (غذا و نیند کی) قسموں میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی وہ عادت کریمہ ہے جس پر کسی کو مجال انکار نہیں اور یہ وہی عادت ہے جس کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے۔ خصوصاً ان دونوں میں باہمی ربط ہے۔

حدیث : مقدام بن معد یکرب ﷺ سے مرفوعاً بالاسناد مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اولاد آدم ﷺ نے پیٹ سے بڑھ کر برا کوئی برتن نہیں پُر کیا حالانکہ اولاد آدم ﷺ کے لئے چند لقمے کافی تھے جو اس کی زندگی باقی رکھ سکتے تھے اور اگر وہ کھانے پر اتنا ہی مجبور ہے تو (بھوک کے تین حصے کرے) ایک ثلث غذا، ایک ثلث پانی اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے اور نیند کی زیادتی دراصل کھانے پینے کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۷ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۳۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھوڑا کھانا رات کی بیداری کا مالک بنا دیتا ہے۔ سلف کے بعض علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ نہ کھاؤ اور نہ زیادہ پانی پیو اور نہ زیادہ سوؤ ورنہ تم زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھاؤ گے۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ محبوب کھانا آپ ﷺ کے نزدیک وہ ہے جو مل کر کھایا جائے یعنی اس کھانے پر زیادہ ہاتھ پڑیں۔ (صحیح بخاری باب الطلاق جلد ۷ صفحہ ۳۱ صحیح مسلم باب العتق جلد ۲ صفحہ ۱۱۴۴)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کھانا شکم سیر ہو کر نہ ملاحظہ فرمایا۔ اگر آپ ﷺ کاشانۂ اقدس میں جلوہ فرما ہوتے تو کبھی ان سے کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ خواہش ہی ظاہر فرماتے۔ اگر وہ لوگ کھانا پیش کر دیتے تو ملاحظہ کر لیتے اور جو کچھ بھی وہ کھانا لاتے قبول فرما لیتے اور جو وہ پلاتے پی لیتے۔

اس پر حدیث ابو ہریرہ ﷺ[1] سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے میں ہنڈیا میں گوشت نہیں دیکھتا۔ دراصل آپ ﷺ کے اس سوال کا مقصد ان کے اس گمان کو

۱۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲

دور کرنا تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ (صدقے کا) گوشت بطور ہدیہ بھی حضور ﷺ کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ سنت کی تعلیم کے لئے سوال تھا۔ جب ان کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے پیش نہیں کرتے باوجودیکہ حضور ﷺ خوب جانتے تھے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو حضور ﷺ پر کسی طرح ترجیح نہیں دیتے تھے تو ان کے گمان کی تصدیق فرماتے ہوئے ان کو مسئلہ کی ناواقفیت پر آگاہ فرمایا اور یہ فرما دیا کہ ابو ہریرہ ﷺ کے لئے تو یہ صدقہ ہے لیکن ان کی طرف سے ہمارے لئے یہ ہدیہ ہے۔

حضرت لقمان ؑ کی حکمت میں ہے کہ اے میرے بیٹے جب تو معدہ کو بھرے گا تو تیری فکر سو جائے گی اور تیری حکمت گونگی ہو جائے گی اور تیرے خدا کی بندگی سے بیٹھ جائیں گے۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص کو علم فائدہ نہیں پہنچاتا جو اتنا کھائے کہ پیٹ بھر جائے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خبردار! میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۹۲، سنن ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۴۰، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۸۹)

ٹیک لگانا یہ ہے کہ کھاتے وقت سہارا لے اور بیٹھنے میں مکمل ٹیک لگانا یہ ہے کہ چوکڑی مار کر بیٹھے اور اسی کے مشابہ وہ نشست ہے جو بیٹھنے والا کسی پر تکیہ لگائے۔ ان صورتوں میں کھانے والا بہت کھا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کھانا اس طرح تناول فرماتے کہ آپ پاؤں کے بل بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے رکھتے[1] اور فرماتے ہیں

کہ میں بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے۔

(مسند الفردوس جلد ۱ صفحہ ۳۳، طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۸۱، مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۵، تاریخ ابن عدی جلد ۵ صفحہ ۱۹۷)

اور محققین کے نزدیک ٹیک لگانے کے یہ معنی نہیں کہ کسی پہلو پر جھک جائے۔

اسی طرح حضور ﷺ بہت کم سوتے تھے۔ اس پر بکثرت آثار صحیحہ شاہد ہیں۔ پھر بھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ. بیشک[2] میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا اور حضور ﷺ کی نیند اپنے پہلو پر ہوتی تھی۔ اس سے کم سونے پر مدد لیتے تھے۔

(شمائل ترمذی صفحہ ۲۱۹، عمل الیوم والیلہ صفحہ ۳۶۰)

کیونکہ بائیں طرف دل ہے اور وہ باطنی اعضاء ہیں (جن پر) بائیں طرف لیٹنے سے نیند میں خوشگوار

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۶

۲۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۰۹

اس کا دل معلق اور بے چین رہتا ہے تو جلدی وہ بیدار ہو جاتا ہے اور گہری نیند اس کو مستغرق نہیں کرتی۔

آٹھویں فصل

ضروریاتِ زندگی کی دوسری قسم

ضروریات زندگی کی دوسری قسم جس کی زیادتی و کثرت پر بالا تفاق تعریف کی جاتی ہے اور اس کی کثرت پر فخر کیا جاتا ہے جیسے نکاح اور بلند مرتبہ لیکن نکاح یہ تو شرعاً بالاتفاق محمود ہے کہ یہ کمال و صحت مردانگی کی دلیل ہے۔ اس کی کثرت پر عادتاً ہمیشہ فخر کیا جاتا ہے اس پر مدح کرنا پرانی خصلت ہے لیکن شریعت مطہرہ میں تو یہ سنت ماثورہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس بات میں وہ شخص افضل ہے جس کی زیادہ بیبیاں ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۳)

اس سے ان کا اشارہ حضور ﷺ کی طرف ہے۔

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نکاح کیا کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تم سے اور امتوں پر فخر کروں گا۔[1] آپ نے تبتُّل یعنی نکاح کر کے معلق چھوڑ دینے کو منع فرمایا۔[2] باوجودیکہ اس میں قطع شہوات اور غض بصر (آنکھوں کا پست کرنا) ہے۔ حالانکہ ان دونوں پر حضور ﷺ نے اپنے اس فرمان میں تنبیہ فرمائی ہے۔

کہ جب استطاعت ہو تو چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو پست کر دیتا ہے اور نظر و نگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔[3] حتیٰ کہ علماء کرام نے نکاح کرنے کو زہد کے خلاف نہیں دیکھا۔

سہل بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ کو بیویاں محبوب تھیں تو پھر اس میں زہد کیا ہو سکتا ہے (یعنی یہ زہد کے خلاف نہیں)۔

اس طرح ابن عُیَینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بلاشبہ صحابہ کرام ﷺ میں جو زاہد ہیں وہ بیویاں اور لونڈیاں رکھتے تھے یعنی وہ کثیر الزواج تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت ابن عمر ﷺ کثیر الازواج معروف ہیں۔

اکثر علماء نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ انسان خدا کے دربار میں اس حال میں پہنچے کہ وہ تا کتخدا

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۵۳

۲۔ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۰

۳۔ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۸، طبرانی کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹

(غیر شادی شدہ) ہو اگر یہ سوال کیا جائے کہ نکاح اور کثرت ازواج کیونکر فضیلت کا موجب بن سکتی ہے حالانکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے ان کے غیر شادی شدہ (حصورا) ہونے کے باوجود تعریف کی ہے پس وہ کیونکر ثنائے باری تعالیٰ کے مستحق ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس فضیلت سے عاجز تھے اور یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ وہ عورتوں سے الگ رہے اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ بیان کرتے ہو تو ضرور وہ نکاح کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حضور (غیر شادی شدہ) کی تعریف کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نامرد تھے یا ان کا سرِّ مرد (مردانہ شرم گاہ) تھا ہی نہیں بلکہ اس پر بڑے بڑے مفسرین اور علماء ناقدین کا انکار منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقص وعیب ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں۔ بلکہ حصوراً کے معنی یہ ہیں کہ وہ گناہوں سے معصوم تھے اور وہ گناہ نہ کرتے تھے بعض کہتے ہیں وہ گناہ (زنا) سے رکے ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ وہ نفسانی خواہشات سے مجتنب (الگ) تھے اور بعض نے کہا کہ ان کا عورتوں کی طرف میلان تھا ہی نہیں۔

اب تم کو یہ بات معلوم ہو گئی ہو گی کہ نکاح پر قدرت نہ ہونا عیب ونقص ہے اور فضیلت یہ ہے کہ نکاح پر قدرت ہو پھر (نفسانی شہوات کا) قلع قمع کرے یا تو مجاہدہ کے ساتھ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا یا خدا کی طرف سے کفایت ہو جیسا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ یہ ایک زائد فضیلت ہے کیونکہ بسا اوقات شہوت مشغول کر دیتی ہے اور اس کو دنیا میں ڈال دیتی ہے۔ پھر وہ شخص جس کو یہ قدرت بھی دی گئی ہو اور اس کا مالک بھی بنایا گیا ہو اور اس میں امور ضروریہ کو قائم بھی کرے پھر وہ اپنے رب تعالیٰ سے غافل نہ رہے اس کا بڑا درجہ ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کا یہی حال و مرتبہ تھا کہ آپ ﷺ کو بیویوں کی کثرت اپنے رب تعالیٰ کی عبادت سے نہ روکتی تھی بلکہ اس نے آپ ﷺ کی زیادتی میں اور زیادتی کی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ان بیبیوں کو پاک دامن عفیفہ بنا دیا۔ بلکہ آپ ﷺ بیویوں کے حقوق قائم فرماتے' ان کے معاش کی جستجو کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو یہ صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ اگرچہ بیویوں کی کثرت اہل دنیا کے لئے حظ (لذت) میں سے ہے مگر میرے لئے یہ دنیا کا حظ نہیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ. تمہاری دنیا میں سے مجھے یہ چیز پسند ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو عورتوں اور خوشبو کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا یہ دونوں اگرچہ اوروں کے لئے دنیاوی لذت ہے مگر حضور ﷺ کے لئے یہ دنیا کے لئے نہیں ہے بلکہ اخروی فوائد کے لئے ہیں۔ بسبب اس کے کہ ہم نے تزویج کے سلسلہ میں ذکر کیا اور خوشبو کا استعمال فرشتوں کی

ملاقات کے لئے تھا اور ایسے بھی کہ خوشبو کا استعمال جماع پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس کا مددگار ہے اور سبب جماع کا مہیج ومحرک ہے لیکن ان دونوں یعنی عورتوں اور خوشبو سے محبت ان کے مذکورہ فوائد کے لئے نہ تھی بلکہ کسی اور سبب کے لئے تھی نہ کہ قطع شہوت کے لئے۔

آپ ﷺ کی خالص محبت ذات الٰہی اور اپنے مولا کے مشاہدۂ قدرت اور اس سے مناجات میں تھی۔ اس لئے حضور ﷺ نے دونوں محبتوں کو جدا جدا بیان کر کے دونوں کی حالتوں کا فرق بتا دیا۔ پس فرمایا: نماز کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دی گئی۔ سو اب حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عورتوں کی آزمائش میں مبتلا ہونے سے باز رہنے میں برابر ہو گئے اور عورتوں کے ساتھ قیام فرمانے سے فضیلت میں ان سے بڑھ گئے۔ اسی لئے حضور ﷺ ان میں سے ہیں جن کو طاقت دی گئی اور بہت ہی دی گئی۔ اسی لئے حضور ﷺ کو آزاد عورتوں کو نکاح میں لانے کی تعداد مباح کر دی گئی۔ جو آپ ﷺ کے سوا کسی کے لئے مباح نہیں۔

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضور ﷺ ایک ہی وقت میں دن یا رات میں گیارہ عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ نسائی نے اس کی تخریج کی ہے۔ اسی طرح ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طاؤس سے مروی کہ حضور ﷺ کو جماع میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ اسی کے مثل صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضور ﷺ کی آزاد شدہ لونڈی سلمٰی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک رات نو بیویوں پر دورہ فرمایا اور دوسری کے پاس جانے سے قبل آپ ﷺ نے غسل کیا اور فرمایا: یہ بہت اچھا اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات سو عورتوں کے یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ انہوں نے ایسا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں سو آدمیوں کی طاقت تھی۔ حالانکہ ان کے حبالۂ عقد میں تین سو بیبیاں یا ان کی تحویل میں تین سو باندیاں تھیں (شک راوی ہے) نقاش رحمہ اللہ اور ان کے سوا دوسروں نے نقل کیا سات سو بیبیاں اور تین سو باندیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام باوجود کمال زہد اور اپنے ہاتھ سے کسب معاش کے آپ علیہ السلام کی ننانوے بیبیاں تھیں اور جب ایک اور عورت سے نکاح کر کے سو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ قف لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً۔ بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں۔ (پ۲۳۔ص۲۳) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ مجھ کو لوگوں پر چار باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: 1۔ سخاوت 2۔ شجاعت 3۔ کثرت جماع 4۔ قوت گرفت۔

(طبرانی اوسط بسند جید کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۵۶)

لیکن جاہ و مرتبہ۔ سو عقلاء کے نزدیک یہ عادتاً محمود ہے۔ اس کے جاہ و جلال کے موافق ہی لوگوں کے دلوں میں عظمت ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ﷻ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توصیف میں ارشاد فرمایا:

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (پ۳۔ال عمران ۴۵) باعزت ہوگا دنیا و آخرت میں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لیکن اس کی آفتیں بہت ہیں۔ پس وہ بعض لوگوں کے لئے آخرت کے فائدہ کے لحاظ سے مضر ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو برا کہا ہے اور اس کی ضد (گمنامی) کی مدح کی ہے۔

اور شریعت میں گمنامی کی مدح اور زمین پر اترانے کی مذمت آئی ہے۔ حضور ﷺ کو اللہ ﷻ نے وہ مرتبہ عنایت فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی بڑی عظمت و ہیبت تھی۔ حالانکہ کفار مکہ آپ ﷺ کو جھلاتے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذائیں پہنچاتے اور خود حضور ﷺ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔

مگر جب حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کی تعظیم کرتے اور حضور ﷺ کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ اس بارے میں بکثرت خبریں مشہور ہیں۔ عنقریب بعض حدیثیں آنے والی ہیں۔

بلاشبہ جس نے آپ ﷺ کو پہلے نہ دیکھا ہوتا وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ہیبت زدہ ترسیدہ ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ قیلہ نامی عورت سے مروی ہے کہ جب اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ لرزہ براندام ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے مسکین عورت تو تسلی رکھ۔ (سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۷۹ شمائل ترمذی ص ۱۱۸ طبقات ابن سعد)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک مرد حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ لرزنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اطمینان رکھ میں بادشاہ (یا فرشتہ) نہیں ہوں۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی جلد ۵ صفحہ ۶۹)

لیکن نبوت و شرافت، منزلت و رسالت اور اصطفاء و کرامت میں جو آپ ﷺ کا عظیم مرتبہ

دنیا میں ہے وہ تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ پھر آخرت میں تو آپ ﷺ اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اسی فصل کے معنی و مطلب کے لئے تو ہم نے اس تمام قسم کو تحریر کیا ہے۔

نویں فصل

ضروریات و مقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں

ضروریات زندگی کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ مختلف حالات جن کے ساتھ تعریف و توصیف کی جاتی ہے اور ان کو سبب فخر جانا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے فضیلت دی جاتی ہے۔ (ان میں سے ایک) مال کی زیادتی ہے۔ فی الجملہ مالدار عام لوگوں کے اعتقاد میں بڑا ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی حاجتیں پوری کر لیتا ہے اور اس کے سبب اس کے اغراض و مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں ورنہ فی نفسہ (مالدار میں) کوئی فضیلت نہیں ہوتی پس جب مال کی یہ صورت ہو اور مالدار جب اپنے مقاصد کے حصول اور ان لوگوں کی اغراض پر جو اس کے پاس امیدیں لے کر آئیں۔ ان پر مال خرچ کر لے اور اس کے ذریعہ مرتبت' تعریف اور نیک دل لوگوں میں عزت کا خریدار ہو تو وہ مالدار اہل دنیا کے نزدیک فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔

اور وہ مالدار جب اپنے مال کو نیکی کی راہوں میں خرچ کرے اور آخرت کی بھلائی کے لئے اس کو صرف کرے اور اس انفاق (خرچ کرنے) سے اس کا مقصد اللہ ﷻ کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی ہو تو یہ ہر حال میں سب کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے اور جب مالدار بخیل و کنجوس ہو اس کے مصارف میں اور اس کے جمع کرنے کا حریص ہو تو مال کی کثرت نہ ہونے کے برابر ہوئی' یہ مالدار کے لئے عیب و نقص ہوگا اور وہ مال اس کو سلامتی کی راہ پر گامزن نہیں رکھے گا بلکہ اس کو بخالت کے رذیل گڑھے اور کمینگی کی برائی میں ڈال دے گا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ فی نفسہ مال میں کوئی تعریف اور فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف اس لئے اس کی تعریف ہے۔ وہ دوسروں کو دیتا ہے اور اس کے مصارف پہ خرچ کرتا ہے۔ لہٰذا مال کا جمع کرنے والا اگر اس کی جگہ پر خرچ نہ کرے اور اس کو اس کے راستوں پر صرف نہ کرے تو وہ درحقیقت غنی (مالدار) نہیں اور نہ وہ مال اس کو بے پرواہ بناتا ہے اور نہ یہ بات کسی عقلمند کے نزدیک تعریف کے لائق ہے بلکہ وہ دائمی فقیر ہے (کہ ہر وقت مال کے حرص میں محتاج ہے) اور وہ اپنی کسی غرض تک نہ پہنچے گا کیونکہ جو مال اب اس کے ہاتھ میں ہے جو اس کو اغراض تک پہنچانے والا تھا وہ اس پر تسلط و غلبہ نہیں رکھتا (کہ

وہ ایسا شخص ہو گیا جو کسی غیر کے خزانہ کا محافظ و نگہبان ہو اور وہ مال و خزانہ اس کا اپنا نہ ہو۔ گویا کہ اس کے ہاتھ میں اس سے کچھ بھی نہیں ہے اور مال کا خرچ کرنے والا بھرپور غنی ہے کیونکہ اس نے مال کے فوائد حاصل کیے ہیں۔ اگرچہ اس کے ہاتھ میں مال میں سے کچھ نہ بچے۔

اب ذرا ہمارے نبی حضور ﷺ کی عادت کریمہ اور سیرت مبارکہ پر نظر ڈالو اور مال میں آپ کے اخلاق حسنہ پر غور کرو تو تم حضور ﷺ کو اس حال میں پاؤ گے کہ آپ ﷺ کو زمین کے خزانے دیئے گئے شہروں کی کنجیاں دی گئیں اور مال غنیمت آپ ﷺ کے لئے حلال کیا گیا۔ جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ملک حجاز یمن اور تمام جزیرۂ عرب اور جو اس کے قریب شام و عراق وغیرہ تھا فتح ہوئے۔ ان کا خمس (پانچواں حصہ) اور جزیہ اور صدقہ اتنا لایا گیا کہ اور بادشاہوں کے لئے اس سے بہت تھوڑا آتا تھا۔ پھر مختلف ملکوں کے بادشاہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحفہ جات بھیجتے لیکن ان میں سے کسی پر بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ترجیح نہ دی اور نہ ان میں سے ایک درہم بھی اپنے لئے نہ روکا بلکہ ان تمام کو ان کے مصارف کی جگہوں پر خرچ فرما دیتے اور دوسروں کو غنی بنا دیتے اور مسلمانوں کی طاقت اس سے بناتے۔

اور فرماتے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور رات کو اس میں سے ایک دینار بھی رہے۔ مگر وہ دینار جو قرض کے طور پر لیا ہو۔

(صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۶۸ ۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۲)

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بہت سی اشرفیاں آئیں آپ ﷺ نے ان کو تقسیم فرما دیا۔ ان میں سے چھ اشرفیاں باقی بچ گئیں۔ تو وہ ایک بیوی کو دے دیں۔ آپ ﷺ کو نیند نہ آئی یہاں تک کہ ان کو بھی تقسیم فرما دیا اور فرمایا: اب مجھے چین و سکون ملا۔

(ابن سعد عن عائشہ بحذا اللفظ کما فی مسائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۷)

آپ ﷺ نے دنیا سے اس حال میں کوچ فرمایا کہ آپ کی زرہ آپ ﷺ کے عیال کے خرچ میں گروی پڑی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۴۴ سنن نسائی صفحہ ۴۸۸) آپ ﷺ اپنے خرچ لباس اور رہائش میں اسی قدر پر اکتفا کیا ہوا تھا۔ جتنے سے آپ ﷺ کی ضرورت پوری ہو سکے۔ ماسوا میں آپ ﷺ زاہد تھے۔ جو بھی آپ ﷺ کو لباس مل جاتا اسی کو پہن لیتے۔ اکثر آپ ﷺ کا لباس عمامہ اور گاڑھے کپڑے کی چادر اور گھنا تہبند ہوتا اور دیباج کی سنہری قبائیں حاضرین پر تقسیم فرما دیتے اور جو موجود نہ ہوتا اس کے لئے اٹھا رکھتے۔

کیونکہ لباس میں اور زیب و زینت میں کوئی شرافت اور جاہ و جلال نہیں ہے۔ یہ تو عورتوں کی زینت ہے اور بہتر وہ لباس ہے جو کہ پاک وصاف اور درمیانہ ہو اور وہ لباس ایسا ہو کہ اس کے ہم جنس پہنتے ہوں۔ اپنے ہم جنسوں کی مروت کو نہ توڑے اور نہ اعلیٰ وادنیٰ کے کناروں کی شہرت تک پہنچے اور بیشک شریعت نے اس کی مذمت کی ہے۔ لوگوں کے نزدیک عادتاً لباس میں فخر کرنا یہ ہے کہ اپنے آپ میں یہ فخر کرے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے اور میں خوشحال ہوں۔

یہی حال عمدہ مکان، کشادہ منزل، زیادتی سامان وخدمتگار اور سواریوں پر فخر کرنے کا ہے۔

جو شخص زمین کا مالک ہو اور اس کی طرف ہر جانب سے مال غنیمت، جزیہ اور صدقات وغیرہ آتے ہوں پھر وہ ان سب کو زہد کی بناء پر چھوڑ دے وہی شخص مال کی فضیلت کا جائز حقدار ہے۔ اس خصلت کی بنا پر وہ مالک فخر ہے اگر چہ فضیلت اس پر فخر کو زیادہ کر سکے (حالانکہ حضور ﷺ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے) مال میں فی نفسہ کیا فضیلت ہے۔

اور حضور ﷺ کی ذات اقدس تو مدح و توصیف کی قسموں میں فضائل کا نچوڑ ہیں اور آپ ﷺ کا زہد تو فانی ہونے والی چیزوں میں ہے اور جہاں لوگ بخل کرتے ہیں وہاں حضور ﷺ خرچ کرتے ہیں۔

دسویں فصل

آپ ﷺ کے خصائل مکتسبہ

اخلاق حمیدہ اور آداب شریفہ کی وہ خصلتیں جو حاصل کی جا سکتی ہوں اور ایسے خلیق کی فضیلت پر تمام عقلمند متفق ہوں اور ان میں سے کسی ایک وصف کا بھی وہ متصف ہو اس کی عزت و تکریم کرتے ہوں تو اس کا کیا مرتبہ جو ایک سے زائد فضائل کا مجموعہ ہو۔

شریعت نے ان تمام اخلاق کی تعریف کی ہے اور ان کا حکم دیا ہے اور جو ان اخلاق کا پیکر ہو اس کو ہمیشگی کی سعادت کا مژدہ دیا ہے اور بعض کی تو یوں تعریف کی ہے کہ وہ نبوت کے جزو میں سے ہے۔ اس کا نام "حسن خلق" ہے۔ وہ قوائے نفسانی میں معتدل اور اس کے اوصاف میں متوسط ہو کہ اس میں نہ کسی طرف سے جھکاؤ ہو اور نہ کسی طرف سے انحراف، یہ تمام اخلاق حمیدہ ہمارے نبی مکرم ﷺ میں انتہائے کمال پر اور توسط و اعتدال کی آخری حد تک موجود تھے۔ حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے اس کی یوں تعریف فرمائی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ٥ (پ ۲۹۔ القلم ۴) بیشک تمہاری خوبُو بڑی شان کی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی اور اس کی ناراضگی پر ناراض رہتے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۱۰)

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ. میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں۔ (موطا امام مالک صفحہ ۷۰۸، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خلق میں سب سے زیادہ بہتر تھے۔ حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بھی اسی کے مثل کہتے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۲، جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۵)

محققین نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی خلقت میں ہی اس طرح (کے) جبلی اور فطری اخلاق تھے جو کسب و ریاضت سے بغیر عطیۂ الٰہی اور خصوصیات ربانی حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔ یہی حال باقی تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ جس نے ان کے بچپن سے لے کر مبعوث ہونے تک کے حالات دیکھے ہوں اس پر یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی۔ جس طرح حضرت عیسیٰ و موسیٰ و یحییٰ و سلیمان وغیرہ علیہم السلام کے حالات سے معلوم ہوئے ہیں بلکہ یہ اخلاق جبلی طور پر پیدائشی تھے اور ان میں فطری طور پر علم و حکمت ودیعت و امانت تھی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ (پ ۱۶۔ مریم ۱۲) اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کتاب الٰہی کا علم ان کے بچپن میں ہی دے دیا گیا تھا۔ معمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی عمر ابھی دو یا تین سال کی تھی کہ بچوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں کھیل کود کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ (القصص صفحہ ۹۰)

اللہ ﷻ کے فرمان

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ. اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا۔

(پ ۳۔ ال عمران ۳۹) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ ابھی تین سال کے بچے تھے اور فرمایا کہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ شکم مادر میں تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے فرماتی تھیں کہ میں ایسا پاتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ سجدۂ تحیت کر رہا ہو۔ اس کی جو تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔ بلا شبہ یہ تو اللہ ﷻ

کی نص ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ (مریم) سے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا اور کہا کہ **لَا تَحْزَنِیْ**.
(پ۱۶۔ مریم ۲۴) "غم نہ کھا۔" اس قرأت پر جس میں کہ **مِنْ تَحْتِهَا** ہے۔ یعنی اس نے جو اس کے نیچے تھا اور اس روایت کی بنا پر کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پکارنے والے تھے۔ اس میں مہد (جھولے) میں آپ علیہ السلام کے کلام فرمانے پر نص ہے۔ پس آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِیَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۝ (پ۱۶۔ مریم ۳۰)

میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) بنایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا. (پ۱۷۔ الانبیاء ۷۹)

ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس حکم کا ذکر ہے جب کہ آپ علیہ السلام بچے تھے اور ایک سنگسار عورت اور بچے کا مقدمہ پیش آیا تھا اور آپ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی پیروی کی تھی۔ (تاریخ ابن عساکر، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۴۴ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۳۰)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب آپ علیہ السلام کو ملک عطا فرمایا گیا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر بارہ سال کی تھی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نے بچپن میں اس کی داڑھی پکڑی تھی۔ مفسرین اللہ عزوجل کے اس فرمان

وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ. (پ۱۷۔ الانبیاء ۵۱)

اور بیشک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ان کی نیک راہ عطا کر دی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ کہ آپ علیہ السلام کو صغر سنی میں ہی ہدایت دے دی تھی۔ اس کو مجاہد رضی اللہ عنہ اور اس کے سوا دوسروں نے نقل کیا۔

ابن عطا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو پیدا ہونے سے پہلے ہی چن لیا تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ایک فرشتہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں اللہ عزوجل نے بھیجا کہ وہ اللہ عزوجل کا حکم سناتا' دل میں اس کی معرفت کراتا اور آپ علیہ السلام کی زبان پر اس کا ذکر جاری کراتا۔ اس وقت آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں نے کیا اور یہ نہ فرمایا کہ میں اسے کروں

گا۔ یہ آپ علیہ السلام کا رُشد تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور آپ علیہ السلام کی آزمائش کی اس وقت آپ سولہ سال کی عمر کے تھے اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام (بقول صاحب شفاء ورنہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہے مترجم) ذبح کی آزمائش میں ڈالے گئے تو اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کواکب اور چاند سورج سے استدلال کیا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر پندرہ مہینے تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بچپن کی حالت میں ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا (پ۱۲۔ یوسف ۱۵)

اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث میں اس قسم کے ذکر ہیں۔

اہل سیر رحمہم اللہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سنایا ہمارے نبی ﷺ جب پیدا ہوئے تو پیدا ہوتے ہی آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ زمین پر پھیلائے اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابتداء ہی سے بتوں کی پرستش اور شعر گوئی سے نفرت و دشمنی تھی[1] اور میں نے جاہلیت کی باتوں کا جو جاہلیت کے زمانہ کے لوگ کرتے تھے۔ سوائے دو دفعہ کے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ سو خدا نے مجھے ان دونوں سے بھی بچا لیا پھر وہ کام نہ کیا۔
(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۲۶)

پھر یہ امر ان کے لئے مضبوط ہو جاتا ہے اور پے در پے ان پر خدا کی مہربانیاں ہونے لگتی ہیں اور ان کے قلوب میں انوار عرفانیہ تاباں ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبوت کے ساتھ ان خصائل شریفہ کے انتہائی مقام تک بغیر مزاولت و مشقت کے پسند کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ (پ۱۲۔ یوسف ۲۲)

اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم عن شداد بن اوس کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۹

ہم ان انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کو پاتے ہیں کہ وہ ان اخلاق میں سے بعض پر پیدا ہوئے نہ کہ تمام اخلاق پر اور بعض ان اخلاق پر پیدا کیے جاتے ہیں تو ایسوں کو تمام اخلاق کا حصول و اکتساب خدا کی عنایت سے آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خدا کی مخلوق میں سے بعض بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذہین، فطین، راست گو اور جوانمرد ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس، پس کسب کے ذریعہ ناقص کامل ہو سکتا ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے امرِ معدوم کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کا منحرف (ادنیٰ و اعلیٰ کا) معتدل بن جاتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کی حالتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ ہر ایک کو اس کی توفیق دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔ اسی لئے سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ خلق پیدائشی ہے یا کسبی۔

بعض علماء سلف نے طبری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خلق حسن بندہ میں جبلی اور پیدائشی ہے۔ اس کو عبداللہ بن مسعود ﷛ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ صحیح وہی بات ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت سعد بن وقاص ﷛ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر خصلت پر مومن کی تخلیق ہوتی ہے۔ مگر خیانت و کذب پر (کہ یہ انسان کا خود کسبی عمل ہے)

(مصنف ابن شیبہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۹)

اور حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ شجاعت اور بزدلی یہ دونوں پیدائشی ہیں۔ ان کو اللہ ﷻ جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔

(تفسیر ابن جریر تفسیر ابن حاتم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۵۹)

یہ اخلاق محمودہ اور خصائل جمیلہ و شریفہ بہت ہیں لیکن ہم اس جگہ اصولی تذکرہ اور جمیع اخلاق کی طرف صرف اشارہ کر کے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی تحقیق کریں گے۔ انشاء اللہ ﷻ۔

گیارھویں فصل

آپ ﷺ کے مختلف فضائل

اخلاق و خصائل کے فروع کی اصل، ان کے چشموں کا عنصر اور ان کے دائروں کا مرکز وہ عقل ہے جس سے علم و معرفت پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے اصابت رائے، تیزیٔ ذہن، درستگی، حسن ظن، عاقبت اندیشی، مصالح نفس، مجاہدۂ خواہشات، حسن سیاست و تدبیر، فضائل کی طلب، رذائل سے احتراز

وغیرہ اور اوصاف حمیدہ متفرع ہوتے ہیں اور ہم نے اس کا اشارہ کر دیا ہے کہ یہ تمام خوبیاں حضور ﷺ میں موجود ہیں۔

اور علم میں حضور ﷺ کی رسائی اس انتہائی بلند مقام تک ہے کہ کوئی بشر آپ ﷺ کے سوا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے آپ ﷺ کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے اور جتنی بھی اس سے شاخیں نکل سکتی ہیں اس شخص پر ثابت ہو جائیں گی جو آپ ﷺ کے حالات و سیرت کا متلاشی ہے اور جو آپ ﷺ کے جوامع کلمات کا مطالعہ کرے۔ آپ ﷺ کی خوبو اور آپ ﷺ کی نرالی سیرت اور آپ ﷺ کے کلام کی حکمتیں اور آپ کے اس علم کو جو تورات و انجیل اور کتب سماویہ میں موجود ہیں۔

عقلمندوں کی حکمتوں اور گزشتہ اُمتوں کی تاریخوں اور ان کے واقعات و حوادث اور ضرب الامثال اور لوگوں کی سیاست شریعتوں کے احکام نفیس آداب کے اصول اور پسندیدہ خصائل اور مختلف علوم وغیرہ میں موجود ہیں۔

تو ان علماء نے حضور ﷺ کے کلام کو ان میں پیشوا پایا اور آپ ﷺ کے اشادات کو حجت بنایا۔ جیسے خواب میں آپ ﷺ کی تعبیر بتانا، طب، حساب، فرائض اور نسب وغیرہ کا جاننا۔ ان سب کو انشاء اللہ ﷻ ہم آپ ﷺ کے معجزات میں بیان کریں گے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے نہ کہیں (حسد اول طریقہ پر) تعلیم پائی اور نہ کسی مدرسہ میں پڑھا اور نہ گزشتہ کتابوں کا مطالعہ کیا نہ ان کے علماء کی مجلسوں میں بیٹھے بلکہ آپ ﷺ ایسے نبی و اُمی تھے کہ ان میں سے کسی علم میں مشہور و معروف نہ تھے یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو کھول دیا اپنے امور ظاہر کئے آپ ﷺ کو علم سکھایا پڑھایا اور یہ بات بدیہی طور پر بحث و مطالعہ کے بعد سمجھی جاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات آپ ﷺ کی نبوت پر برہان قاطع ہے۔

پس ہم تمام قصوں کے بیان اور بعض قضیوں کے ذکر سے طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ان کا مجموعہ اس قدر ہے کہ کوئی اس کو حصر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے جمع کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ آپ کی عقل کے موافق ہی آپ ﷺ کے معارف تھے۔ جن کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات اور خدا کے عجائبات قدرت و ملکوت اعلیٰ پر اطلاع بخشی۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًاo (پ۵۔ النساء ۱۱۳)	تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

آپ ﷺ پر فضل کے اندازہ کرنے میں عقلیں متحیر ہیں اور زبانیں گنگ ہیں کہ آپ ﷺ کے اوصاف کا احاطہ کر سکیں یا وہاں تک ان کی رسائی ہو سکے۔

بارہویں فصل

آپ ﷺ کا حلم اور بردباری

حضور ﷺ کا حلم' بردباری اور باوجود قدرت کے عفو و کرم اور ناگوار امور پر آپ ﷺ کے صبر فرمانے کے بیان میں۔ ان لقبوں میں باہم فرق ہے۔

کیونکہ ''حلم'' ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اسباب محرکہ یعنی برانگیختہ کرنے والے اسباب کی موجودگی میں ثابت و برقرار رہے۔

اور ''تحمل'' یعنی بردباری ایسی حالت کا نام ہے جو مصائب و آلام کے وقت اپنی جان کو روک لے اور ان کو برداشت کرے اور اسی کے ہم معنی و مطلب ''صبر'' ہے۔

اور ''عفو'' اس حالت کو کہتے ہیں جو (بدلہ لینے کے وقت) بدلہ کو ترک کر دے یعنی معاف کر دے۔

یہ وہ اوصاف ہیں کہ اللہ ﷻ نے ان کے ساتھ اپنے نبی ﷺ کو متصف کیا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ. اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو۔
(پ ۹۔ الاعراف ۱۹۹) (ترجمہ کنز الایمان)

مروی ہے کہ جب یہ آیت حضور ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے اس کا مطلب دریافت کیا۔ عرض کیا: میں اللہ ﷻ سے پوچھ کر عرض کروں گا۔

چنانچہ وہ گئے اور آئے۔ پھر عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو اللہ ﷻ حکم دیتا ہے کہ آپ اس سے ملیں جو آپ کو چھوڑتا ہے اور اس کو عطا فرمائیں جو آپ کو محروم رکھتا ہے اور اس کو معاف فرما دیں جو آپ پر ظلم کرتا ہے اور یہ ارشاد فرمایا:[1]

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کرے۔
(پ ۲۱۔ لقمٰن ۱۷) (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۱۰۵' تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۶۲۸' اخلاق النبی صفحہ ۲

اور فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. (پ۲۶۔الاحقاف ۳۵)

تو تم صبر کرو جیسے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط (پ۱۸۔النور ۲۲)

اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (پ۲۵۔الشوریٰ ۴۳)

اور بیشک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس میں خفا نہیں کہ آپ ﷺ کا حلم و تحمل بکثرت منقول ہے۔ ہر حلیم میں کوئی غلطی اور کوئی بے فائدہ بات معلوم ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کا یہ حال ہے کہ کثرت ایذا کے باوجود آپ ﷺ کا صبر ہی بڑھتا اور بیوقوفوں کی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم ہی زیادہ ہوتا رہتا۔

حدیث: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی حضور ﷺ کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات پر اختیار دیا جاتا تو ان میں سے آسان کو پسند فرماتے جب تک گناہ نہ ہو مگر گناہ کی بات ہوتی تو اس سے لوگوں کی نسبت بہت دور رہتے۔ آپ ﷺ نے اپنے لئے کبھی انتقام نہ لیا۔ سوائے اس کے کہ وہ حدود الٰہی کی بے حرمتی کرے تب آپ ﷺ اللہ ﷻ کی حدود کیلئے بدلہ لیتے۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۹ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۳ موطا امام مالک صفحہ ۷۸۷)

مروی ہے کہ غزوۂ احد میں جب آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرۂ انور لہولہان ہو گیا۔ یہ بات صحابہ کرام ﷺ پر سخت گراں گزری۔ سب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ان پر بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنِّىْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّلٰكِنِّىْ بُعِثْتُ دَاعِيًا وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[1]

میں لعن کرنے والا نہیں بھیجا گیا لیکن مجھ کو اللہ کی طرف بلانے والا اور رحمت فرمانے والا بھیجا ہے۔ اے خدا میری قوم کو ہدایت دے وہ مجھ کو نہیں جانتے۔

حضرت عمر ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک

ا۔ شعب الایمان میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل ہے۔ جیسا کہ مناہل الصفاء امام سیوطی صفحہ ۶۰ پر فرماتے ہیں۔

وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے یوں دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا. اے میرے رب کافروں میں سے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ (پ۲۹۔الجن۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اگر آپ ﷺ بھی اسی طرح ہم پر بددعا فرماتے تو ہم آخر تک ہلاک ہو جاتے کیونکہ آپ ﷺ کی کمر دوہری کی گئی اور آپ کا چہرۂ انور زخمی کیا گیا اور آپ ﷺ کے اگلے چاروں دانت شہید کئے گئے۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے کلمۂ خیر کے سوا بددعا سے انکار ہی فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اے خدا میری قوم کو معاف فرما دے۔ یہ نا سمجھ ہیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے۔ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد پر غور کرو کہ اس میں کس قدر فضیلت، درجات، احسان، حسن خلق، کرم نفس، غایت صبر اور حلم جمع ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے صرف ان سے سکوت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ معاف بھی فرما دیا۔ پھر شفقت و محبت فرماتے ہوئے ان کے لئے دعا اور سفارش بھی فرمائی۔

پس فرمایا:

اے خدا ان کو بخش دے یا فرمایا کہ ان کو ہدایت دے۔ پھر اس شفقت و رحمت کا سبب بھی بیان فرما دیا کہ لِقَوْمِي کہ یہ میری قوم ہے۔ پھر ان کی عذرخواہی کے طور پر ان کی جہالت کی وجہ میں فرمایا: فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. "یہ نا سمجھ ہیں۔"

اور اس پر بھی غور کرو کہ جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا کہ انصاف فرمایئے۔ یہ تقسیم خدا کی خوشنودی کے لئے نہیں ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ فرمایا اور اس کو اس کی جہالت و نافہمی پر خبردار کیا اور اس کو نصیحت کی۔

فرمایا:

تجھ پر افسوس ہے۔ اگر میں انصاف نہ کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں نے ہی انصاف نہ کیا تو میں ناکام و ناقص رہوں گا اور جو صحابی اس کے قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۰۷ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۹)

اور (یہ بھی مقام فکر ہے) کہ جب غوث بن حارث نے حضور ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنے کا قصد کیا۔ درآنحالیکہ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے تنہا آرام فرما تھے۔

ناقلین واقعات غزوات میں سے ایک شخص نقل کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ کہا

اور آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوئے جب وہ تلوار سونت کر آپ کے سر پر کھڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ اب کون تم کو میری تلوار سے بچائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ۔ تب اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے تلوار پکڑ کر فرمایا: بتا کون اب تجھ کو میرے وار سے روکے گا؟ اس نے کہا:

آپ اچھے پکڑنے والے بنیں۔ پس آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ پھر وہ اپنی قوم میں آیا اور کہا: میں تمہارے پاس ایسے شخص سے مل کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۷۷،۳۷۶)

آپ ﷺ کی بڑی مہربانیوں اور عفو و درگزر کے واقعات میں سے اس یہودیہ کا قصہ ہے جس نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا تھا۔ صحیح روایت میں ہے کہ اس نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الھبۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۳، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۱)

آپ ﷺ نے لبید بن الاعصم پر جبکہ اس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا' کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ تمام حالات کا علم ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر عتاب تک نہ فرمایا چہ جائیکہ سزا دیتے۔ (سنن نسائی جلد ۷ صفحہ ۱۱۳، مسند امام جلد ۴ صفحہ ۳۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۱۹)

ایسے ہی عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین پر باوجودیکہ ان کے قول و عمل سے بڑی زیادتیاں پہنچیں۔ آپ ﷺ نے مواخذہ نہیں فرمایا حتیٰ کہ بعض نے ان کے قتل کا بھی اشارہ کیا تھا۔ ان کو بھی منع کر دیا اور فرمایا: ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) تو اپنے اصحاب ہی کو قتل کرنے لگے۔

(کتاب المناقب' صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۸، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ پر ایک گاڑھے کی چادر حاشیہ دار تھی۔ اس کو ایک اعرابی نے شدت و سختی سے کھینچا۔ یہاں تک کہ چادر کے حاشیہ کا اثر آپ ﷺ کے گردن پر نمودار ہو گیا۔

پھر اس نے کہا: اے محمد (ﷺ) میرے ان دونوں اونٹوں پر وہ مال جس کو خدا نے تمہیں دیا ہے لاد دو' کیونکہ تم مجھے نہ اپنے مال اور نہ اپنے باپ کے مال میں سے دیتے ہو۔

نبی کریم ﷺ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ مال تو اللہ ﷻ ہی کا ہے۔ میں تو اس کا بندہ ہوں۔ پھر فرمایا:

اے اعرابی تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ جو تم نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس نے کہا:

نہیں۔آپ ﷺ نے پوچھا: کس سبب سے؟

اعرابی نے کہا: اس لئے کہ آپ ﷺ کی یہ عادت کریمہ ہے ہی نہیں کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے لیں۔تب حضور ﷺ اس پر مسکرا دیئے۔ پھر حکم دیا کہ اس کے ایک اونٹ کو جَو سے اور دوسرے کو کھجور سے بھر دو۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۳۶' صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۷' ادب للبیہقی ص ۱۲۶' ۱۲۵)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ظلم کا بدلہ لیتے نہیں دیکھا۔ جب تک کہ وہ اللہ ﷻ کے محرمات کی بے حرمتی نہ کرے اور کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہ مارا۔ سوائے اس صورت کے کہ آپ ﷺ جہاد فی سبیل اللہ فرما رہے ہوں۔ نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۲۳۰' ادب للبیہقی جلد ۸ صفحہ ۳۶)

ایک شخص گھسیٹ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور اس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: تو مت ڈر' تو مت ڈر۔ اگر تیرا یہ ارادہ ہے تو ہرگز اس پر قادر نہ ہوگا۔ (طبرانی ومسند امام احمد عن جعدۃ کمافی الصفا للسیوطی صفحہ ۶۲)

حضور ﷺ کی خدمت میں زید بن سعنہ اسلام لانے سے قبل آیا اور اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ ﷺ کے کپڑے کو آپ ﷺ کے کندھوں سے کھینچ لیا اور کپڑے کو اکٹھا کر کے پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ کلام کیا۔ پھر کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند تم دیر کرنے والے وعدہ خلاف ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جھڑکا اور سختی سے جواب دیا اور نبی کریم ﷺ مسکرا رہے تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! ہم اس سے سوا اور بات کرنے کے خواہشمند تھے۔ یعنی یہ کہ مجھ کو اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اس کو اچھے تقاضے کی نصیحت کرتے۔ پھر فرمایا:

اس کی مدت میں ابھی ایک تہائی وقت باقی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا مال ادا کر دو اور اس کو بیس صاع مزید دے دو کیونکہ تم نے اس کو خوفزدہ کیا ہے۔

پس یہی سبب زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا بنا۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں نے حضور ﷺ کے چہرۂ انور سے تمام علامات نبوت معلوم کر لی تھیں۔ صرف دو باقی تھیں کہ میں نے ان کا امتحان نہ کیا تھا۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے امی ہونے پر بڑھ جائے گا اور آپ ﷺ کی (ظاہری) شرف لاعلمی آپ ﷺ کے حلم ہی کو اور زیادہ کرے گی۔ سو میں نے اس کو بھی آزما لیا اور ویسا ہی پایا جیسا کتب سابقہ سماویہ میں آپ ﷺ کی تعریف لکھی تھی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۹۱' مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۳۲' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۷۸)

احادیث میں حضور ﷺ کی باوجود قدرت و طاقت آپ ﷺ کے حلم وصبر اور عفو کے واقعات اس کثرت سے ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم نے تصنیفات معتبرہ سے صحیح حالات کا ذکر کیا ہے جو تواتر اور یقین کی حد تک ہیں۔

آپ ﷺ کو قریش کی ایذاؤں اور جاہلوں کی تکالیف اور مصیبتوں کا ہر وقت سامنا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ان پر مظفر و فتح یاب کیا اور ان پر حاکم کر دیا۔ حالانکہ وہ اپنی جماعت کے استیصال اور اپنے گروہ کی ہلاکت میں شک نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے سوائے معافی و درگزر کے کچھ نہ کیا اور فرمایا: تم کیا گمان کرتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟

انہوں نے کہا: آپ ﷺ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ﷺ سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے فرزند ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. (پ۱۳۔ یوسف ۹۲) تم پر کچھ ملامت نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (سبحان اللہ)

(تحفۃ الاشراف جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۸۵)

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ مقام تنعیم میں صبح کی نماز کے وقت اسی مرد اترے۔ تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مقاتلہ کریں۔ پس وہ سب کے سب گرفتار کر لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

(صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۴۴۲، سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۶۲، سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۷۳، تحفۃ الاشراف جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)

اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ. اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

(پ۲۶۔ الفتح ۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

وہ ابوسفیان جب گرفتار کر کے لائے گئے جنہوں نے مختلف قبیلوں کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ پر چڑھائی کی تھی اور انہوں نے حضور ﷺ کے چچا اور صحابہ کرام ﷺ کو شہید کر کے ان کا مثلہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرما دیا اور نرمی سے کلام کیا اور یہ فرمایا:

اے ابوسفیان! افسوس کیا ابھی تم پر وہ وقت نہیں آیا کہ تم کہو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. انہوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ ﷺ کتنے حلیم ہیں اور کیسے ملانے والے ہیں اور کس قدر

کریم ہیں؟ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۳، مکارم الاخلاق صفحہ ۱۷)

حضور ﷺ لوگوں کی نسبت غصہ سے بہت دور اور خوشی میں سریع الیسیر (خوشی کی طرف جلدی کرنے والے) تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۳، مکارم الاخلاق صفحہ ۱۷ بالفاظ دیگر)

تیرہویں فصل

آپ ﷺ کا جود وکرم اور سخاوت

جود وکرم، سخاوت و جوانمردی یہ قریب قریب ہم معنی ہیں لیکن بعضوں نے ان میں کچھ فرق بھی کیا ہے۔

کرم کے معنی یہ ہیں کہ خوشی دل سے ان کاموں میں خرچ کرنا جتنی مرتبہ اور نفع ہو۔ اس کو جرأت بھی کہتے ہیں اور یہ خست (کنجوسی) کی ضد ہے۔

اور سماحت یعنی سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ خوشی دل سے اپنے اس حق سے جو دوسرے کے پاس ہے باز رہنا۔ یہ شکاسہ یعنی بخل کی ضد ہے۔

اور سخاوت یہ ہے کہ بسہولت خرچ کرے اور غیر پسندیدہ باتوں سے دور رہے۔ یہ جوُد ہے جو تنگی کی ضد ہے۔

ان اخلاق کریمہ میں بھی حضور ﷺ کا کوئی برابر نہ تھا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کا معارض۔ جو بھی آپ کو پہچانتا تھا وہ تعریف کرتا تھا۔

حدیث: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ کہتے کہ حضور ﷺ سے جب بھی کوئی سوال کرتا تو آپ "لا" یعنی نہیں کبھی نہ فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۵، شمائل ترمذی صفحہ ۲۷۹)

حضرت انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۵، سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۳۴، مسند الطیالسی صفحہ ۲۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر سخی تھے اور رمضان المبارک میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے اور جب بھی جبرئیل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوتے تو آپ تیز ہوا سے زیادہ بھلائی میں سخاوت فرماتے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۲، ۱۸۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ دو پہاڑوں کے درمیان کی برابر بکریاں عنایت فرما دیں۔ جب وہ اپنی قوم میں گیا۔ اس نے کہا: مسلمان ہو جاؤ

بیشک محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ کبھی فاقہ کا خوف رہتا ہی نہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۷)

بہت لوگوں کو آپ ﷺ نے سو اونٹ تک دیئے۔ صفوان کو آپ نے سو دیئے پھر سو دیئے۔[1]

یہ اخلاق تو آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے تھے۔ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل نے کہا: آپ ﷺ سب دیتے ہیں اور معدوم یعنی اخروی بھلائی کماتے ہیں۔[2] آپ نے ہوازن کو ان کے قیدی لوٹا دیئے۔ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۹، مغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۶)

آپ ﷺ نے حضرت عباس ﷺ کو اتنا سونا دیا کہ وہ اس کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری باب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۷۶) آپ ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم آئے۔ آپ اس کو بورے پر رکھ کر کھڑے ہو گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے کسی سائل کو نہ لوٹایا یہاں تک سب تقسیم فرما دیئے۔ (ابوالحسن بن الضحاک فی الشمائل عن الحسن مرسلا کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۲)

اس وقت ایک سائل نے حاضر ہو کر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اب میرے پاس کچھ نہیں۔ لیکن تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس آ جائیں گے میں ادا کر دوں گا۔

حضرت عمر ﷺ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اتنی تکلیف نہیں دی جس پر آپ ﷺ قادر نہ ہوں۔ حضور ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۱)

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ خرچ کیجئے۔ عرش کے مالک اللہ ﷻ سے کمی کا خوف نہ کیجئے۔ حضور ﷺ مسکرا دیئے اور خوشی کے آثار آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نمودار ہو گئے اور فرمایا: مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

معوذ بن عفراء ﷺ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک طباق کھجور اور ککڑی لایا تو آپ نے لپ بھر کے زیور اور سونا مرحمت فرمایا۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۸۵، مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۶۳، ۱۲۵، ۱۰۸، ۲۷۳، ۲۶۹)

بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کل کے لئے کبھی کوئی چیز جمع کر کے نہ رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰، شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۰)

غرضیکہ حضور ﷺ کے جود و کرم کے واقعات بکثرت ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سوال کیا تو اس کو آپ نے نصف وسق یعنی تیس صاع عطا فرمائے۔ ایک اور شخص نے آ کر تقاضہ کیا۔ آپ

۱۔ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۶

۲۔ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۳، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۳

نے اس کو ایک وسق یعنی ساٹھ صاع دیئے اور فرمایا: نصف تیرے قرضہ میں اور نصف تم کو بخشش میں۔

چودہویں فصل

آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری

شجاعت اور نجدہ ایک فضیلت ہے۔

شجاعت یہ ہے کہ غضب کی قوت ہوتے ہوئے اس کو عقل کے تابع کر دیا جائے۔

نجدہ یہ ہے کہ موت کے وقت نفس مطمئن ہو اور اس کے اس فعل کی تعریف کی جائے۔ یہ خوف کی ضد ہے۔

حضور ﷺ کی شجاعت و بہادری اس مرتبہ تک تھی کہ کوئی اس سے ناواقف نہ تھا۔ یعنی مشہور تھی۔ آپ ﷺ کو بہت سے سخت مواقع پیش آئے کہ بڑے بڑے بہادر شجاع نہ ٹھہر سکے۔ مگر آپ ﷺ ثابت قدم رہے اور نہ ہٹے۔ مقابلہ کیا مگر پیٹھ نہ دکھائی۔ نہ وہاں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوئے۔ کوئی شجاع ہو مگر وہ بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے، وہ دور شمار میں آتا ہے اور اس کے ٹل جانے کی یاد باقی رہتی ہے لیکن حضور ﷺ ہر مقام پر ثابت قدم ہی رہے۔

حدیث : حضرت براء ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا غزوۂ حنین کے دن تم لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ کہا لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے۔ پھر کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو سفید دراز گوش پر دیکھا اور ابوسفیان ﷺ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ درآنحالیکہ حضور ﷺ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ۔ یعنی میں وہ نبی ہوں جو جھوٹا نہیں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔

پس اس دن حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بہادر نہ دیکھا گیا۔ ایک راوی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ اپنے دراز گوش (خچر) سے اتر گئے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۳۶، صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۰)

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس ﷺ سے نقل کیا۔ جب مسلمان اور کافر گتھم گتھا ہو گئے اور مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو حضور ﷺ اپنے دراز گوش (خچر) کو ایڑی لگا کر کفار کی طرف بڑھتے تھے اور میں اس کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور آپ ﷺ کو روکتا تھا کہ جلدی نہ کریں یہاں تک کہ ابوسفیان ﷺ نے آپ ﷺ کی رکاب پکڑلی۔ پھر پکارا: اے مسلمانو! (آخر حدیث تک) (صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غصہ فرماتے۔ حالانکہ آپ ﷺ کا غضب صرف اللہ ﷻ کے لئے ہوتا۔ تو کوئی چیز آپ ﷺ کے غضب کی تاب نہ لا سکتی تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کو بہادر، صاحب حوصلہ، سخی اور ہر معاملہ میں خوش نہ دیکھا۔ (مقدمہ داری جلد ۱ صفحہ ۳۰)

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو ہم رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کی فکر کرتے۔ لیکن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔

بدر کے دن بیشک تم نے مجھ کو دیکھا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں تھے اور آپ ﷺ ہم سے آگے دشمن کے قریب تھے اور اس دن سب سے بڑھ کر آپ ﷺ لڑائی میں تھے اور کہتے ہیں کہ بہادر وہی گنا جاتا تھا جو دشمن کے قریب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نزدیک ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۴، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۸، جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے بہتر، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے اور لوگ آواز کی جانب چل پڑے تو دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس جانب سے واپس آ رہے ہیں۔ گویا آپ ﷺ اس آواز کی طرف پہلے ہی پہنچ گئے تھے اور خیر کی خبر لائے تھے۔ آپ ابو طلحہ ؓ کے گھوڑے پر بلا زین و کاٹھی سوار ہو کر تلوار گلے میں لٹکا کر تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے ہرگز خوفزدہ نہ ہو۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰، صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)

عمران بن حصین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کسی لشکر کے مقابل ہوتے تو مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حملہ کرتے۔ (مکارم اخلاق صفحہ ۵۱)

اور جب ابی ابن خلف (منافق) نے یوم احد حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ کہتا تھا: کہاں ہیں محمد! اگر وہ بچ گئے تو میری خیر نہیں۔ بدر کے دن جب نبی کریم ﷺ آئے اور اس سے فدیہ لیا گیا تو اس نے کہا تھا: میرے پاس ایک گھوڑا ہے اس کو روزانہ ایک رطل بھر چنے کا ٹوکرا کھلا کر پالوں گا تاکہ اس پر سوار ہو کر آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کر دوں۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: (او بدبخت) انشاء اللہ ﷻ میں ہی تم کو قتل کروں گا۔

پس جب جنگ اُحد میں اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے گھوڑا بڑھا کر حضور ﷺ پر

حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو۔

اسی طرح حضور ﷺ نے حارث بن صمہ سے مبازرت فرمائی۔

تو آپ ﷺ نے اس کو اس طرح جھنجھوڑا کہ کفار ایسے بھاگے جس طرح اونٹ کی کمر سے مکھی بھنبھناتی اڑتی ہے جب اونٹ حرکت کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا مقابلہ فرمایا اور اس کی گردن میں اس شدت سے نیزے کی انی ماری کہ وہ گھوڑے پر قلابازی کھاتا' لڑکھڑاتا گرا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک پسلی توڑ دی۔

جب قریش کی طرف واپس لوٹا تو وہ کہتا تھا: مجھ کو محمد (ﷺ) نے قتل کر دیا اور قریش کہتے تھے: کچھ مضائقہ نہیں۔ اس پر اس نے کہا: اگر وہ لوگ اس درد کا احساس کرتے جو مجھ کو ہوا تھا تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ کیا یہ نہ کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے تو یقیناً وہ مجھ کو قتل کر دیتے۔ غرضیکہ وہ مقام شرف میں مکہ واپس آتے آتے مر گیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۸ 'طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۶ 'مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ '۳۵۷)

پندرھویں فصل

آپ ﷺ کی حیاء و چشم پوشی

حیا وہ ایک ایسی رقت ہے جو انسان کے چہرے پر اس وقت نمودار ہوتی ہے جب وہ کسی مکروہ عمل کو دیکھے جس کا نہ کرنا بہتر ہو۔

اِغْضَاءُ یعنی چشم پوشی۔ یہ ایک وہ صفت ہے جب انسان کسی ایسی چیز کو دیکھے جس کو اپنی طبیعت سے برا جانتا ہو پھر اس سے منہ پھیرے۔

تو اس میں بھی حضور نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حیا فرمانے والے اور سب سے بڑھ کر غض بصر یعنی چشم پوشی کرنے والے تھے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِىَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ. (پ ۲۲ الاحزاب ۵۳) بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے زیادہ حیا والے تھے۔ جب حضور ﷺ کسی چیز سے کراہت فرماتے تو ہم حضور ﷺ کے چہرہ انور سے پہچان جاتے۔ حضور ﷺ کا چہرۂ انور لطیف تھا۔ ظاہری جلد باریک تھی۔ آپ ﷺ حیا کی وجہ سے

جس بات کو مکروہ سمجھتے اس سے رُوبرُو (بالمشافہ) کلام نہ کرتے۔ یہ آپ ﷺ کی شریف النفسی تھی۔
(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۹ شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۳)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی کی طرف سے کوئی ناگوار اطلاع ملتی تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ فلاں کا کیا حال ہے وہ ایسا کہتا ہے۔ بلکہ آپ یہ فرماتے: فلاں قوم کیا کرتی ہے یا فلاں قوم کیا کہتی ہے۔ اس سے ان کو باز رہنے کی تلقین فرماتے اور ایسا کرنے والے کا نام نہ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد شریف جلد ۵ صفحہ ۱۴۳)

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ فرمایا اور آپ ﷺ کسی کی موجودگی میں ناگوار بات کی نسبت کلام نہ فرماتے تھے۔ پس جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے کہہ دیتے کہ اس کو دھو ڈالو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم اس کو کہہ دیتے کہ اس کو اتار دے۔ (تو وہ اتار دیتا)
(سنن ابوداؤد صفحہ ۵ صفحہ ۱۴۳ شمائل ترمذی صفحہ ۲۷۷)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ عمداً فحش بات کہتے اور نہ بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے۔ بلکہ اس کو معاف کر دیتے اور گزر فرماتے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۷۴ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶)

بروایت عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما توریت میں ایسا ہی مروی ہے۔ انہیں سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ حیاء کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر باتیں نہ فرماتے تھے۔ اور آپ کسی کی مکروہ بات کو اضطراراً کنایتاً فرما دیتے تھے۔
(سنن ابن ماجہ کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۹۸)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کبھی حضور ﷺ کا ستر نہ دیکھا۔
(ابن ماجہ جلد ۱ باب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۳)

سولہویں فصل

آپ ﷺ کا حسن ادب و معاشرہ اور اخلاق

حضور اکرم ﷺ کا حسن معاشرہ، آپ ﷺ کا ادب اور لوگوں سے آپ ﷺ کے وسعت اخلاق کے بارے احادیث صحیحہ بکثرت مذکور ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ ﷺ حضور ﷺ کے وصف جمیل میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اور لوگوں سے زیادہ کشادہ سینہ اور سب سے بڑھ کر صادق القول اور سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے برتر معاشرہ و برتاؤ تھا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ شمائل ترمذی صفحہ ۲۸۰ صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۵)

حدیث : قیس ابن سعد ﷺ سے بالا سناد مروی ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا۔ اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے آخر میں کہا کہ جب آپ ﷺ نے لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد ﷺ نے اپنا دراز گوش (خچر) پیش کر کے اس پر ایک کمبل ڈال دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔

حضرت سعد ﷺ نے قیس ﷺ سے کہا: تم حضور ﷺ کی مصاحبت میں ساتھ جاؤ۔ قیس ﷺ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ میں مجبوراً واپس آ گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم آگے بیٹھ جاؤ کیونکہ سواری کا مالک اس کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ آگے بیٹھے۔ (سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۸۳ عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے الفت فرماتے اور ان سے نفرت نہ کرتے تھے اور آپ ﷺ ہر قوم کے با اخلاق فرد کی تکریم کرتے اور ان کو ان پر حاکم مقرر کرتے (بدخلق) لوگوں کو خوف خدا دلاتے اور ان سے احتراز فرماتے نہ یہ کہ ان سے منہ پھیر لیں یا بدخلقی کریں۔ اپنے اصحاب کی نگرانی فرماتے اور اپنے ہمنشیں کو اس کا حصہ مرحمت فرماتے۔ حاضر مجلس میں کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے۔ جو شخص بھی آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی ضرورت سے زیادہ قریب ہوتا تو حضور ﷺ صبر فرماتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اٹھ کر چلا جائے تو چلا جائے اور جو شخص بھی اپنی حاجت کے لئے آپ ﷺ سے سوال کرتا تو اس کو دے کر بھیجتے یا اس سے نرم بات کرتے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کا اخلاق اس قدر وسیع تھا کہ تمام لوگوں پر وہ محیط تھا۔ گویا ﷺ آپ سب کے باپ (بلکہ اس سے بڑھ کر) تھے اور تمام مسلمان آپ ﷺ کے نزدیک حق میں مساوی تھے۔

ابن ابی ہالہ ﷺ بھی آپ کی یہی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ خوش رو خوش خلق اور نرم دل رہتے اور آپ ﷺ سے کبھی بھی بدخلقی، بدکلامی، بازار میں چلا کر بولنا، بدگوئی اور عیب چینی صادر نہ ہوئی اور نہ آپ ﷺ خواہ مخواہ کسی کی مدح سرائی کرتے۔ جس چیز کو نہ چاہتے اس سے تغافل کرتے اور کوئی آپ ﷺ سے مایوس نہ ہوتا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۷)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ص (پ۴۔ اٰل عمران ۱۵۹)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو بیشک وہ تمہارے گرد سے پریشان ہوتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. (پ۲۴۔ حم سجدہ ۳۴) برائی کو بھلائی سے ٹال۔ (ترجمہ کنز الایمان)

جو آپ ﷺ کو بلاتا آپ ﷺ اس کی سنتے' جو ہدیہ پیش کرتا قبول فرماتے تھے۔ اگر چہ ایک ٹکڑا گوشت ہی کا ہوتا اور آپ ﷺ اس کا بدلہ دیتے۔

(سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۹۷' صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۳۷' ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۸۰۶)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی مجھ سے اُف نہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کسی کام کو کہا کہ یہ کیوں کیا اور نہ کسی کا کے نہ کرنے پر یہ فرمایا: یہ کیوں نہ کیا؟ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۴' الادب المفرد صفحہ ۷۱' صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۰)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اخلاق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا اور آپ ﷺ کے صحابہ یا گھر والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کو بلاتا تو آپ ﷺ لبیک ہی فرماتے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۶۹)

جریر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی مجھے نہ روکا اور جب بھی مجھے دیکھتے تو آپ مسکرا دیتے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۳۳' صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۹۲۶)

حضور ﷺ اپنے صحابہ سے خوش کلامی بھی فرماتے اور ان سے مل کر بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کے بچوں کو پیار کرتے' گود میں بٹھاتے اور آزاد مرد' غلام باندی اور غریب کی دعوت قبول فرماتے[1] اور عیادت (بیمار پرسی) شہر کے آخر کونے تک جا کر کرتے اور کسی معذور کا عذر قبول فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری باب غزوہ تبوک جلد ۶ صفحہ ۵)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جس نے کان میں بات کی تو آپ ﷺ اس وقت اس کی سماعت فرماتے جب تک وہ خود علیحدہ نہ ہو جاتا اور جو کوئی بھی آپ کا دست مبارک پکڑ لیتا۔ آپ ﷺ اس سے اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے ہمنشین سے آگے گھٹنے کر کے بیٹھے ہوں[2] اور جو بھی حضور ﷺ سے

۱۔ سنن ابن ماجہ باب التجارات جلد ۲ صفحہ ۷۷۰' شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۳

۲۔ سنن ابوداؤد باب الادب جلد ۵ صفحہ ۱۲۷' کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۵۸

ملاقات کرتا تو اس سے پہلے سلام کرتے اور اپنے صحابہ سے پہلے خود مصافحہ فرماتے[1] اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے سامنے پائے اقدس پھیلا کر بیٹھے ہوں[2] کہ اس سے جگہ میں کسی کے لئے تنگی ہو اور آپ ﷺ اس کی عزت کرتے جو بھی حاضر بارگاہ ہوتا اور بسا اوقات اس کے لئے اپنا کپڑا یا اپنے نیچے کا بستر بچھا دیتے اور اس کو اس پر بیٹھنے کی تاکید فرماتے اگرچہ وہ انکار کرتا۔

اپنے صحابہ کی کنیت مقرر فرماتے اور ان کو ان کے اچھے ناموں سے مخاطب کرتے۔ یہ ان کی عزت افزائی تھی۔ آپ ﷺ کسی کی بات کو قطع نہ فرماتے اگر اس کی بات لمبی ہو جاتی تو یا تو منع کر دیتے یا کھڑے ہو جاتے اور یہ بھی مروی ہے کہ یا تو انتہا تک سماعت فرماتے یا خاموش بیٹھے رہتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں آیا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نماز کو مختصر کر کے اس سے آنے کا مطلب پوچھتے۔ جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر نماز شروع کر دیتے۔ آپ ﷺ لوگوں سے زیادہ تبسم فرماتے اور ان سے پاکیزہ تر تھے۔ جب تک کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل نہ ہوتا یا وعظ و خطبہ نہ فرماتے ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کا حضور ﷺ سے بڑھ کر تبسم نہ دیکھا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۸۹ مسند امام احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نماز فجر کے بعد مدینہ منورہ کی باندیاں پانی بھرا برتن لاتیں اور حضور ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے اور بسا اوقات سردی کا موسم بھی ہوتا تھا اور اس سے لوگ تبرک حاصل کرتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۲)

سترھویں فصل

آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت

حضور ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت تمام مخلوق پر اس کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم	ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝	بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر
(پ ۱۱ التوبہ ۱۲۸)	کمال مہربان رحم فرمانے والے (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ سنن ابوداؤد باب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۷۹

۲۔ دار قطنی کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۷۰

اور فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ (پ۱۷۔ الانبیاء، ۱۰۷) (ترجمہ کنزالایمان)

بعض علماء حضور ﷺ کی فضیلت میں کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے ناموں سے دو نام اس آیت کریمہ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ میں عطا فرمائے۔

اور اسی کی مثل ابوبکر بن فواک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

حدیث :ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ فرمایا اور غزوہ حنین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو سو اونٹ غنیمت دیئے۔ پھر سو اونٹ پھر سو اونٹ۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب ﷺ نے ہم سے کہا۔ صفوان ﷺ کہتا تھا کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا بہت عطا فرمایا۔ حالانکہ میں حضور ﷺ کو مخلوق میں سب سے برا سمجھتا تھا لیکن حضور مجھے برابر عنایت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مخلوق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے آ کر حضور ﷺ سے کچھ مانگا۔ حضور ﷺ نے اس کو عنایت فرما دیا۔ پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اور نہ تم نے کچھ احسان کیا۔

اس پر مسلمان غضبناک ہوئے اور اس کے مارنے کو کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے روک دیا۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور اس کی طرف مزید مال بھیجا۔ پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو اہل و عیال کی جانب سے برکت دے۔ پھر اس سے حضور ﷺ نے فرمایا:

تو نے مجھ سے جو کہا کہا لیکن میرے صحابہ کے دل میں تیری طرف سے انقباض ہے اگر تو پسند کرے تو تو ان کے سامنے بھی وہی کہہ دے جو تو نے مجھ سے کہا ہے تا کہ تیری طرف سے ان کے دل بھی صاف ہو جائیں۔

اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب دوسرا دن آیا یا شام آئی تو وہ اعرابی آیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ وہی دیہاتی ہے۔ اس نے جو کچھ کہا کہا پس میں نے اس کو کچھ

اور دیا۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں راضی ہو گیا' کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اس دیہاتی نے کہا: ہاں اللہ ﷻ آپ ﷺ کو اہل وعیال کی جانب سے برکت دے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: میری اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی اونٹنی ہو اور وہ بھاگ جائے۔ پھر لوگ اس کے پیچھے دوڑیں مگر وہ اونٹنی قریب ہونے کی بجائے دور ہی بھاگتی جائے۔ اس وقت اس کا مالک ان سے کہے کہ میرے اور اونٹنی کے معاملہ میں تم دخل مت دو۔ میں اس کے لئے تم سے زیادہ نرم ہوں اور وہ خوب جانتی ہے۔ پس وہ اونٹنی کے آگے سے آیا اور زمین کی سبزی دکھا کر اس کو پکڑ لیا اور لوٹا لایا۔ یہاں تک کہ وہ آ گئی اور بیٹھ گئی اور اس کے اوپر کجاوہ باندھ دیا اور اس پر سیدھا بیٹھ گیا اور اگر میں تم کو چھوڑ دیتا جیسا کہ اس نے کہا تھا تو تم اس کو قتل کر دیتے اور وہ جہنم میں جاتا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۔۱۵' کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۶۰' ۱۵۹)

حضور ﷺ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم میں سے کوئی میرے صحابہ کے بارے میں کچھ نہ پہنچائے۔ پس میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا تمہاری طرف گزر ہو تو میرا دل صاف ہو۔ (سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۳۶۹' سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۸۳)

حضور ﷺ کو امت پر شفقت' تخفیف اور ان پر آسانی اس قدر منظور تھی کہ بعض وہ باتیں ناپسند فرماتے تھے جس میں یہ خوف ہو کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر اُمت کے بارے مجھے یہ بات شاق نہ ہوتی تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے ساتھ مسواک ضرور کریں[1] اور رات کی نماز (تہجد)[2] اور صوم وصال (پے در پے روزے رکھنا)[3] سے صحابہ کو منع فرمانا اور عمارت کعبہ میں داخل ہونے کو اس لئے ناپسند فرمانا[4] کہ کہیں اُمت دشواری میں نہ پڑ جائے اور اللہ ﷻ سے اس کی آرزو کرنا کہ میرا سبّ اور لعنت (کفار پر) کرنا اُمت کے لئے رحمت کر دے اور حضور ﷺ کا یہ حال مبارک کہ جب کسی بچے کے رونے کی آواز کو نماز میں سنا تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے۔

(یہ سب حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے ہے) (صحیح بخاری کتاب الاذان جلد ۱ صفحہ ۱۱۸' صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اپنے رب ﷻ سے دعا مانگی اور اس کا عہد لیا کہ میں جس شخص کو بھی برا کہوں یا لعنت بھیجوں تو اے مولا تو اس کو اس شخص کے لئے سبب پاکیزگی' رحمت' دعا' طہارت اور ایسی قربت جو قیامت کے دن مجھ سے نزدیک کر دے' بنا دے۔[5]

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۴' مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۲۰

۲۔ صحیح بخاری کتاب الوضو جلد ۱ صفحہ ۴۴' صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۴۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۳ صفحہ ۴۴' صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷۶

۴۔ سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۲۶' سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۸۰

۵۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۶۵' صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۹' ۲۰۰۸' ۲۰۰۷' مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۹۰

اور جب کوئی قوم حضور ﷺ کو جھٹلاتی تو حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حق میں آپ کی قوم کی وہ باتیں جو آپ کی تردید کرتی ہیں سنی ہیں اور بیشک پہاڑوں کے فرشتہ کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کا حکم بجالائے جو کچھ آپ کی مرضی ہو۔

پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو پکارا اور حضور پر سلام عرض کیا اور کہا: مجھے جو چاہے حکم دیجئے۔ اگر آپ چاہیں تو دونوں پہاڑ ان پر الٹ دوں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلکہ میں تو اس کی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں وہ کسی کو شریک نہ کریں۔

ابن منکدر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی اُمت (دعوت) کو ڈھیل دیتا ہوں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ نصیب کرے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۰)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کبھی بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو پسند فرمایا۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری حالت وطبیعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بخوف اس بات کہ کہ ہم اُکتا نہ جائیں۔

(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۶، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جو سخت مزاج تھا۔ اس کو آگے پیچھے کرتیں (تاکہ وہ سدھر جائے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نرمی اختیار کرو۔

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۴)

اٹھارہویں فصل

آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی

حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ میں وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی یہ ہے کہ

حدیث: عبداللہ بن حساء رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعثت یعنی اظہار نبوت سے

قبل میں نے حضور ﷺ سے ایک معاملہ خرید و فروخت کا کیا تھا۔ اس کا کچھ روپیہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ آ کر آپ ﷺ کو روپیہ ادا کروں گا۔ میں بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں آیا اور دیکھا کہ حضور ﷺ ہنوز اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے جوان! تو نے مجھے تکلیف دی تین دن سے اسی جگہ تیرا انتظار کر رہا ہوں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۲۶۸)

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی ہدیہ لاتا تو آپ فرماتے: اس کو فلاں عورت کے گھر لے جاؤ۔ جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے۔ وہ عورت ان کو بہت محبوب رکھتی تھی۔ (ابن حبان جلد ۹ صفحہ ۴۷)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت کھائی ہے کسی عورت پر اتنی غیرت نہ کھائی۔ میں نے حضور ﷺ کو ان کا ذکر کرتے سنا ہے۔ جب بھی آپ بکری ﷺ ذبح فرماتے تو ان کی سہیلیوں کو ضرور ہدیہ ارسال فرماتے۔ آپ ﷺ سے ان کی بہن نے اجازت مانگی تو آپ ﷺ ان کے آنے سے خوش ہوئے۔

ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی۔ آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اچھی طرح خیریت دریافت کی۔ جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں آتی تھی۔ ایمان کی خوبیوں میں سے حسن سلوک بھی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۴۳، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۸)

بعض علماء نے آپ ﷺ کی یوں تعریف بیان کی ہے کہ آپ ﷺ اپنے قرابت داروں سے ملتے تھے بغیر اس تخصیص کے کہ کون ان میں افضل ہے۔ (یعنی ہر ایک سے ملتے تھے)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فلاں کی اولاد میرے ورثاء میں نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان سے قرابت ہے۔ سو اس کی برتری سے ان کو ترجیح دیتا ہوں یعنی ملتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۸ صفحہ ۷، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

بیشک حضور ﷺ نے امامہ بنت زینب (نواسی رسول ﷺ) کو اپنے کندھے پر اٹھا کر نماز پڑھی ہے۔ پس جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو ان کو نیچے اتار کر سجدہ کرتے پھر جب کھڑے ہوتے تو ان کو اٹھا لیتے۔

ابوقتادہ ؓ سے مروی کہ نجاشی (بادشاہ حبش) کی طرف سے ایک وفد بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر استقبال کیا اوران کی تواضع کی۔ آپ ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ہم حضور ﷺ کی طرف سے خدمت کے لئے کافی ہیں۔

فرمایا: یہ ہمارے صحابہ کی (بوقت ہجرت از مکہ تا حبش) خاطر کرتے رہے ہیں۔ اب میری خواہش ہے کہ میں ہی ان کی خاطر کروں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)

اور جب آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء ہوازن کے قیدیوں میں آئی اور اس نے حضور ﷺ کو پہچان لیا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے چادر شریف بچھا دی اور فرمایا: اگر تم میرے پاس عزت و محبت سے رہنا چاہو تو رہ سکتی ہو۔ ورنہ میں تمہیں کچھ سامان دے کر تمہاری قوم کی طرف لوٹا دوں۔ تو انہوں نے اپنی قوم میں جانا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے سامان دے کر واپس کر دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۳، ۳۶۴)

ابوالطفیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بچپن میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ ایک عورت آئی۔ جب حضور ﷺ کے نزدیک ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے لئے چادر بچھائی۔ میں نے کہا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی والدہ ہیں جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)

عمرو بن السائب ؓ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے چادر کا تھوڑا حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ ﷺ کی (رضاعی) والدہ آ گئیں تو آپ نے چادر کا دوسرا حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آ گئے تو حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھالیا۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰۰)

حضور ﷺ ثوبیہ باندی ابولہب کو اپنے دودھ پلائی کے صلہ میں کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ پھر جب وہ فوت ہو گئی تو آپ ﷺ نے اس کے قرابت داروں کو دریافت کیا: کہا گیا کہ کوئی باقی نہیں ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۰۹، ۱۰۸)

حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ خوش ہیں؟ خدا کی قسم اللہ جل شانہ ہرگز آپ ﷺ کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کُل کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کھلاتے اور مہمان کی تواضع کرتے ہیں اور مصیبتوں پر

حق کی مدد کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۴، بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)

انیسویں فصل

آپ ﷺ کا تواضع فرمانا

حضور ﷺ کا تواضع کرنا باوجود یکہ آپ ﷺ جلیل المنصب اور رفیع المرتبت ہیں۔ پس لوگوں میں سب سے بڑھ کر متواضع تھے اور تکبر آپ ﷺ سے معدوم تھا۔

اس خصوص میں تم کو صرف یہ حدیث کافی ہے کہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ کیا آپ ﷺ نبی بادشاہ ہونا پسند کرتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ ﷺ نے نبی بندہ ہونا پسند فرمایا۔ اس وقت آپ ﷺ سے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اسی تواضع کی بنا پر اللہ ﷻ قیامت کے دن آپ ﷺ کو تمام اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری مرحمت فرمائے گا اور آپ ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو شفاعت کریں گے۔ (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۶۹)

حدیث: أبی أمامہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصاء مبارک پر ٹیک لگائے جب ہم پر تشریف لائے۔ تو ہم آپ ﷺ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو کہ وہ ایک دوسرے کی یونہی تعظیم کرتے ہیں اور فرمایا: میں تو ایک بندہ ہوں۔ اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۹۸، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۱)

حضور ﷺ دراز گوش (خچر) پر سوار ہوتے تو کسی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے تھے اور مسکینوں کی عیادت کرتے اور غریبوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول کرتے اور اپنے صحابہ میں مل جل کر اس طرح بیٹھ جایا کرتے کہ جہاں جگہ ملتی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بڑھایا (کہ انہوں نے خدا کا بیٹا مان لیا معاذ اللہ) میں تو بندہ ہی ہوں تو مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ کہو۔

(بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ صفحہ ۱۴۲، ابوداؤد کتاب الرقاق، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۶۰-۵۵-۴۷-۴۲-۲۳-۲۴-۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت جس کی عقل میں خلل تھا آئی۔ اس نے کہا: مجھے آپ ﷺ سے ایک حاجت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام فلاں! تو مدینہ کے جس راستہ پر

چاہے بیٹھ جاؤ میں بیٹھ کر تیری ضرورت پوری کروں گا۔ وہ بیٹھ گئی تو حضور ﷺ بھی بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو گئی۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دراز گوش (خچر) پر سوار ہوتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ بنی قریظہ کے دن آپ ﷺ دراز گوش پر سوار تھے جس کی مہار کھجور سے بنی ہوئی رسی کی تھی اور اس پر پالان تھا۔ (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کی روٹی اور باسی سالن پر بلائے جاتے تو بھی دعوت قبول فرما لیتے تھے[1] اور کہا کہ حضور ﷺ نے پرانے کجاوہ پر حج فرمایا۔ اس پر جو صوف کی چادر تھی وہ چار درہم سے زیادہ کی نہ تھی[2]۔ اسی حال میں آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اے اللہ ﷻ اس کو خالص حج بنا جس میں ریا و نمود نہ ہو۔ حالانکہ یہ حج آپ ﷺ نے اس وقت کیا تھا جب آپ پر زمین کے خزانے کھول دیئے گئے تھے اور اس حج میں سو اونٹ ہدی (قربانی) کے لئے ساتھ لے گئے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ جلد ۲ صفحہ ۸۸۶)

اور جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور آپ ﷺ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کے حضور میں عاجزی و تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ کا سر لگ جائے۔

(دلائل للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۶۹۔۶۸ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۷ مسند ابی یعلی جلد ۶ صفحہ ۱۲۰)

حضور ﷺ کے متواضعانہ حالات میں سے ایک آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مجھ کو یونس ابن متی[3] علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور نہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت دو اور نہ مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر پسند کرو[4] اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے مستحق ہیں۔ جتنی دیر حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں رہے اتنے دن میں رہتا تو بلانے والے کی پکار کو مان لیتا[5] اور آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے آپ کو یا خَیْرُ الْبَرِیَّه کہا تھا۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے۔[6]

۱۔ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۵ شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۳

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۶۵ شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۳ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۳۳

۳۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۶

۴۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۳

۵۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۱۷ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۹

۶۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۹

عنقریب ان احادیث پر اس کے بعد انشاء اللہ ﷻ بحث آئے گی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حسن اور ابی سعید وغیرہ رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کی تعریف میں مروی ہے اور بعضوں نے کچھ زیادہ بھی کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کا کام میں ہاتھ بٹاتے اور اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے' اپنی نعلین گانٹھتے' اپنی خدمت آپ کرتے اور گھر کی صفائی کرتے اور اونٹ کے عقال ڈالتے اور اس کو چارہ دیتے اور خادم کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے اور خادمہ کے ساتھ آٹا گندھواتے اور بازار سے اپنا سامان خود لاتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۳ شمائل ترمذی صفحہ ۲۰۷ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی باندیوں سے کوئی باندی حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیتی تو حضور ﷺ کو جہاں چاہتی لے جاتی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا کام کر دیتے۔

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔ حضور ﷺ کے رعب سے اس کے بدن پر رعشہ آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خوفزدہ نہ ہو' میں بادشاہ نہیں ہوں' میں قریش کی ایک عورت کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (صحیح بخاری باب الکبر جلد ۸ صفحہ ۱۸' ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۸)

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ بازار گیا۔ آپ ﷺ نے قبا خریدی اور تولنے والے سے کہا: اس کو جھکتا تول۔ پورا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وزن کرنے والا جلدی اٹھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دینے لگا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: ایسا ہی عجمی اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں' میں تو تم میں سے ایک مرد ہوں۔ پھر آپ نے قبا لے لی۔ میں آگے بڑھا کہ حضور ﷺ سے یہ بوجھ لے لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شے کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے کہ وہی اس کو اٹھائے۔ (طبرانی اوسط' مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۷۶)

بیسویں فصل

آپ ﷺ کا عدل' امانت' عفت اور صدق قال (راست گوئی)

حضور ﷺ کا عدل وانصاف' امانت و پاکبازی اور سچائی کا حال یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار' سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کا انصاف اور ان میں سب سے زیادہ پاکباز اور راست گو تھے۔ جب سے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے' ان اوصاف کا آپ ﷺ کے سخت سے سخت تر دشمن اور مخالف کو بھی اعتراف تھا اور اظہار نبوت سے قبل آپ ﷺ کو امین کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو امین اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ میں اللہ ﷻ نے اخلاق صالحہ جمع فرما دیئے تھے۔ اللہ ﷻ کے فرمان مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿ (پ۳۰۔التکویر۲۱) کی تفسیر میں اکثر مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔

جب قریش کا خانہ کعبہ کی تعمیر میں اختلاف ہوا کہ کون حجر اسود کو نصب کرے تو انہوں نے فیصلہ کیا صبح جو سب سے پہلے داخل ہو وہ نصب کرے۔ چنانچہ حضور ﷺ داخل ہوئے۔ یہ واقعہ قبل اظہار نبوت کا ہے۔ قریش نے بیک زبان کہا کہ یہ تو محمد ﷺ ہیں یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں۔

ربیع ابن خثیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مقدمات فیصلے کے لئے حضور ﷺ کے پاس لے جاتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین۔

حدیث :حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالاسناد مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ابوجہل نے کہا: ہم آپ ﷺ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیہ کریمہ

لَا يُكَذِّبُوْنَكَ. (پ۷۔الانعام۳۳)(النمل۱۰) وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نازل فرمائی۔ اس کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا کہ ہم آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ ہم میں آپ ﷺ جھوٹے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق' ابوجہل سے بدر کے دن ملا۔ اس نے کہا:

اے ابوالحکم! اس وقت میرے اور تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سنے مجھے بتلاؤ کہ کیا محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم بلاشبہ محمد (ﷺ) بالکل سچے ہیں اور انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۱۱۶ و دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷,۲۰۶)

ہرقل (بادشاہ روم) نے حضور ﷺ کے بارے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اظہار نبوت سے پہلے جھوٹا پاتے تھے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۳)

نضر بن حارث نے قریش سے کہا: کیا تم میں حضور ﷺ نے بچپن نہیں گزارا، کیا تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور تم سب سے زیادہ راست گو اور تم میں سب سے بڑھ کر امانت دار نہ تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے ان کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی دیکھی اور تمہارے پاس خدا کا کلام لائے تو تم

کہنے لگے کہ وہ ساحر جادوگر ہیں۔ نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۰۱)

حضور ﷺ کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں نے کبھی اس عورت کے ہاتھوں کو نہ چھوا جو آپ ﷺ کی ملک میں نہ ہو (یعنی بیوی یا باندی نہ ہو) (صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۲۶)

حضرت علی مرتضٰی ﷺ کی حدیث میں جو حضور ﷺ کی تعریف میں ہے' ذکر ہے کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر راست گو تھے اور صحیح حدیث میں ہے کہ تجھ پر افسوس ہے کہ اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا۔ اگر میں عدل نہ کروں تو میں نقصان وخسارہ میں ہوں۔

(شمائل ترمذی صفحہ ۲۱)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب بھی حضور ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کے اختیار کرنے کو کہا گیا۔ تو آپ ﷺ نے جب تک اس میں گناہ نہ ہو آسان کو اختیار کیا اور اگر اس میں گناہ ہوتو اور لوگوں سے زیادہ اس سے بچتے تھے۔

ابوالعباس مُبَرَّد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسریٰ (ایران کے بادشاہ نوشیرواں) نے اپنے دنوں کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا اور کہتا کہ ہوا کا دن سونے کے لئے' ابر کا دن شکار کے لئے' بارش کا دن پینے کھیلنے کے لئے اور سورج یعنی روشنی کا دن ضروریات کے لئے مناسب ہے۔ ابن خالویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ (نوشیرواں) ان میں دنیاوی سیاست کا بہترین جاننے والا تھا۔ (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے)

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ○ جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(پ۲۱۔ الروم ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ اللہ ﷻ کے لئے اور ایک حصہ اپنے اہل کے لئے اور ایک حصہ اپنے لئے۔ پھر اپنے حصہ کو بھی اپنے اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پس آپ ﷺ خاص لوگوں سے عام لوگوں کی مدد لیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تم لوگ ان محتاج وغریب لوگوں کی حاجتیں مجھ تک پہنچاؤ' جو میرے پاس تک نہیں آسکتے ہیں کیونکہ جو شخص ایسے لوگوں کی حاجت پہنچاتا ہے جو خود نہیں پہنچا سکتا' اللہ ﷻ اس کو بڑی گھبراہٹ والے دن (قیامت) میں امن دے گا۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۵)

حضرت حسن ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کسی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑا کرتے تھے اور نہ کسی کی تصدیق دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔ (مراسیل لابی داؤد حدیث ۳۶۸)

ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی ﷺ سے اور وہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ میں نے کبھی جاہلیت کے دور میں اہل جاہلیت کے کاموں کے کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ سوائے دو مرتبہ کے پھر ان دونوں کاموں میں اللہ ﷻ میرے اور میرے ارادہ میں حائل ہو گیا۔ پھر میں نے کبھی ارادہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے مجھ کو رسالت سے مشرف کیا۔ مزید فرمایا

میں نے ایک رات اپنے ساتھی لڑکے سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا' اگر تو میری بکریاں سنبھال لے تو میں مکہ میں جا کر جوانوں کی طرح وہ باتیں کروں جو وہ کرتے ہیں۔ پس میں اس ارادہ میں نکلا یہاں تک کہ میں مکہ کے پہلے مکان میں آیا تو میں نے کسی کی شادی کے سلسلہ میں وہاں دف اور باجہ بجنے کی آواز کو سنا۔ میں وہاں بیٹھ گیا کہ دیکھوں کیا گاتے ہیں؟ میرے کانوں پر غیبی طور پر کسی نے تھپکنا شروع کر دیا اور میں سو گیا۔ پھر میں دن چڑھے ہی بیدار ہوا اور لوٹ آیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ پھر ایک دفعہ ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳ دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۱۴۳ البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۹)

اکیسویں فصل

آپ ﷺ کا وقار' خاموشی' مروّت اور نیک سیرتی

حدیث: خارجہ بن زید ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ مجلس میں باوقار تھے۔ آپ کے اعضاء سے کوئی چیز نہ نکلتی (جو وقار کے خلاف ہو)

(مراسیل ابوداؤد باب الادب صفحہ ۲۳۱)

ابوسعید خُدری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس میں تشریف رکھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء کر لیتے تھے۔ (یعنی گھٹنوں کو کھڑا کر کے ان کو ہاتھوں یا کپڑے سے گھیر لینے کو احتباء کہتے ہیں)

حضور ﷺ کی اکثر نشست احتباء پر ہوتی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱۹ سنن ابوداؤد باب الادب جلد ۵ صفحہ ۱۷۵)

جابر بن سَمُرہ سے ﷺ مروی ہے کہ آپ ﷺ چہار زانو بیٹھتے اور کبھی بغیر احتباء تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۶۲-۳۶۳۔ اسی کی مثل نسائی جلد ۳ صفحہ ۸۰ ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۷۸)

یہ قَیلہ کی حدیث میں ہے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۱۸)

اور آپ ﷺ خاموش طبیعت تھے کہ بلاضرورت کلام نہ فرماتے تھے۔ جو اچھی بات نہ کہے اس سے پہلوتہی فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا ضحک (ہنسنا) صرف مسکرانا ہوتا۔ آپ ﷺ کی مجلس علم وحیاء

اور خیر و امانت کی مجلس ہوتی۔ اس میں زور زور سے بولنا نہ ہوتا اور بے پردہ عورتیں نہ بیٹھتیں۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو آپ ﷺ کے صحابہ سر جھکا دیتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی تعریف میں ہے کہ آپ ﷺ آگے کو جھک کر اور نرمی سے چلتے تھے۔ گویا کہ اوپر سے نیچے کی طرف چل رہے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ چلتے تو اپنے تمام اعضاء کو سمیٹ کر چلتے۔ اس شان کے ساتھ کہ نہ اس میں گھبراہٹ ہوتی اور نہ سستی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہتر طریقہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔

(صحیح بخاری باب الادب جلد ۸ صفحہ ۲۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ترتیل و ترسیل تھی یعنی ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خاموشی چار صفتوں پر مبنی تھی۔ علم، قوت، تقدیر، تفکر۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح باتیں کرتے کہ اگر شمار کرنے والا شمار کرنا چاہے تو کر سکے۔ آپ ﷺ عطر اور عمدہ خوشبو کو پسند فرماتے اور ان دونوں کو اکثر استعمال فرماتے اور دوسروں کو ان کی تلقین کرتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۹۸)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا میں سے عطر اور بیوی محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۹۸)

حضور ﷺ کی مروت میں سے یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونکنے سے منع فرمایا اور اپنے سامنے جو قریب ہو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ مسواک کرنے اور انگلیوں کے جوڑوں کو صاف کرنے اور خصال فطرت یعنی ختنہ کرنے، موئے زیر ناف لینے، مونچھوں کے کترنے، ناخنوں کے کاٹنے، بغلوں کے بال لینے، کلی کرنے، داڑھی بڑھانے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۷، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۲۲-۲۲۱، ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۱۹۳)

۱۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۰۹، طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۸۰، ابوداؤد باب الاشربہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۵، ترمذی جلد ۳ صفحہ ۲۰۳، ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۴-۱۱۳۳

۲۔ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۵۹، مسلم شریف جلد ۳ صفحہ ۱۵۹۹-۱۶۰۰

بائیسویں فصل

آپ ﷺ کا زہد و تقویٰ

دنیا میں آپ ﷺ کے زہد و تقویٰ کا حال اخبار و احادیث سے پہلے گزر چکا ہے۔ جو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بیان میں اس کتاب میں آ چکی ہیں۔ وہ تمہارے لئے بہت کافی ہیں۔ اب یہاں مختصر سا بیان کافی ہے۔

آپ ﷺ دنیا میں تھوڑے پر قناعت کرتے اور اس کی نمود و نمائش سے اجتناب فرماتے تھے۔ حالانکہ تمام دنیا آپ ﷺ کی وجہ سے پیدا کی گئی اور آپ ﷺ پر فتوحات بکثرت ہوئیں۔ باوجود اس کے آپ ﷺ نے جب وصال فرمایا تو آپ ﷺ کی ایک زرہ یہودی کے یہاں گھریلو اخراجات کے سلسلہ میں گروی پڑی ہوئی تھی اور آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً. اے اللہ ﷻ رزق کو اولاد محمد (ﷺ) کے لئے توشہ بنا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۲ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۸۱)

حدیث : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی تین دن متواتر شکم سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہ کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وصال فرمایا۔

(صحیح بخاری باب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۶۵ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۸۱ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹)

دوسری روایت میں ہے کہ جو کی روٹی دو دن متواتر شکم سیر ہو کر نہ کھائی۔ اگر چاہتے تو یقیناً اتنا ملتا کہ کسی کے دل میں خطرہ ہی نہ رہتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ ﷻ سے وصال فرمایا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں نہ دینار تھے نہ درہم اور نہ بکری تھی نہ اونٹ۔ (صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۶)

عمرو بن حارث ؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا سوائے ہتھیاروں اور ایک خچر اور تھوڑی زمین کے وہ بھی صدقہ کر دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ صفحہ ۳۶)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے میرے گھر میں اس حال میں انتقال فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو کوئی جگر والا کھاتا صرف ایک طاقچہ میں کچھ جو تھے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے فوراً مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ پر یہ پیش کش کی گئی تھی کہ مکہ کے میدان کو میرے لئے سونا کر دیا جائے۔

میں نے عرض کیا: نہیں اے میرے رب ﷻ! ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ جس دن میں بھوکا رہوں اس دن تیری بارگاہ میں مناجات کروں اور تجھ سے دعا مانگوں اور جس دن کھاؤں اس دن تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۱ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۸۳۔۲۲۸۲)

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ ﷻ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ان پہاڑوں کو سونا کر دوں۔ جہاں آپ ﷺ تشریف لے جائیں آپ ﷺ کے ساتھ جائیں۔ آپ ﷺ نے تھوڑی دیر سر کو نیچا رکھا پھر فرمایا:

اے جبریل علیہ السلام! دنیا تو اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کہیں مال نہ ہو۔ اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ﷻ اس قول ثابت پر آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۷۱)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک مہینہ گھر میں آگ تک روشن نہ ہوتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حال میں وصال فرمایا کہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھرا تھا۔ حضرت عائشہ اور ابوامامہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مع اہل خانہ متواتر کئی کئی راتیں یونہی گزارتے کہ کوئی چیز کھانے کی نہ پاتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۹۵ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۲۸۱ ترمذی جلد ۴ صفحہ ۱۰۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نہ دسترخوان پر کھایا نہ پیالیوں میں اور نہ پتلی روٹی (چپاتی) اور نہ مسلّم بکری آپ ﷺ کے لئے کبھی تیار ہوتی۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۲)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے چمڑے کا ہوتا جس میں کھجور کے ریشہ (چھال) بھرے ہوتے۔

(صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۸۲ شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۱ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۰ ابوداؤد کتاب اللباس)

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر

اپنے گھر میں کمبل کا ہوتا جس کو دوہرا کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس پر آرام فرماتے۔ ایک رات میں نے اس کی چار تہہ کر دی۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: تم نے رات میرے لئے کیا بستر بچھایا تھا؟

میں نے اس کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس پر نیند نے مجھے رات کی نماز سے روک دیا[1] اور آپ ﷺ کبھی کھجور کے چھلکوں سے بنی ہوئی چارپائی پر بھی آرام فرماتے جس سے آپ کے پہلو میں نشان پڑ جاتے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۸ 'سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۰ 'صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۱۹۳۴)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا شکم مبارک کبھی بھی نہ بھرا اور نہ کبھی کسی سے اس کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ کو شکم سیر ہونے سے فاقہ زیادہ پسند تھا۔ بلاشبہ آپ ﷺ ساری ساری رات بھوکے رہتے مگر یہ بھوک اگلے دن کے روزے کو نہ روکتی۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو روئے زمین کے خزانے' پھل' میوے اور فراخ زندگی اپنے رب ﷻ سے مانگ لیتے اور جب میں آپ ﷺ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی تو آپ کی اس حالت اور بھوک کو دیکھ کر رحم آتا اور رو پڑتی تھی۔

اور میں عرض کرتی: میں آپ ﷺ پر قربان اگر آپ ﷺ دنیا میں سے اتنی غذا لے لیا کریں جو آپ ﷺ کی بھوک کے لئے کافی ہو (تو کیا مضائقہ) آپ ﷺ فرماتے: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائی اولوالعزم رسولوں نے اس سے زیادہ شدائد و مصائب پر صبر کیا ہے۔ وہ اسی حال میں گزر گئے اور اپنے رب ﷻ کے حضور پہنچ گئے۔ سو اللہ ﷻ نے ان کو عمدہ ٹھکانہ دیا اور بہترین جزا عطا فرمائی اور میں حیا کرتا ہوں کہ اگر یہاں خوشحالی میں رہوں تو کل ان سے کم درجہ میں رہوں۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں (رسولوں) کے ساتھ جا ملوں۔ فرماتی ہیں: اس کے بعد ایک مہینہ بھی قیام نہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی حیات ظاہری پوری کر لی۔

تیئسویں فصل

آپ ﷺ کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت

حضور ﷺ کا خوف و طاعت الٰہی کرنا اور اس کے لیے عبادت میں مشقت برداشت کرنا یہ اپنے ﷻ رب کے علم و معرفت کے موافق تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا۔

[1] شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۱

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ حضور ﷺ کو اللہ عزوجل کا علم وعرفان حاصل ہے۔ اگر تم جانتے تو یقیناً تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ ہماری روایت میں ابوعیسیٰ ترمذی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ زیادہ کیا ہے کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چلاتا ہے اس کو چلانا ہی چاہئے اس میں چار انگلی کی بھی ایسی جگہ نہیں جس میں کوئی فرشتہ اللہ عزوجل کے لئے سجدہ نہ کرتا ہو۔ خدا کی قسم اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم ہنستے کم اور روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور جنگل میں نکل جاتے اور اللہ عزوجل سے پناہ مانگتے اور کہتے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹا جاتا۔ یہ کلام ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[1] اور یہ ہی صحیح ہے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پھول گئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم متورم ہو جاتے تھے۔ آپ سے کہا گیا: آپ ﷺ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے سبب اگلے پچھلوں کے تمام ذنوب معاف فرمادیے ہیں۔ فرمایا:

کیا میں اللہ عزوجل کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔[2]

اسی کے مثل حضرت ابوسلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل ہیشگی کا ہوتا تھا۔ تم میں سے کون ہے کہ وہ طاقت رکھے جو حضور ﷺ رکھتے تھے۔ فرماتی ہیں: روزہ رکھتے تھے تو ہم کہتے اب کبھی افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تھے تو ہم کہتے اب روزہ نہیں رکھیں گے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۳ صفحہ ۳۷، صحیح مسلم صلوۃ المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۲۱)

اسی کے مثل ابن عباس، اُم سلمہ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ چاہو کہ حضور ﷺ کو رات میں نماز پڑھتا دیکھو تو نماز پڑھتے ملتے۔ اگر تم چاہو کہ حالت خواب میں محو استراحت دیکھو تو آپ ﷺ سوتے ملتے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۳ صفحہ ۳۳، صحیح مسلم کتاب الصوم جلد ۲ صفحہ ۸۱۱، شمائل ترمذی صفحہ ۲۲۳، ۲۲۵

سنن ابن ماجہ کتاب الصوم جلد ۱ صفحہ ۵۳۶، صحیح بخاری کتاب الصوم جلد ۱ صفحہ ۳۳)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ آپ نے مسواک کی پھر وضو کیا، کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

۱۔ سنن ترمذی کتاب الزہد جلد ۳ صفحہ ۳۸۱، سنن ابن ماجہ کتاب الزہد جلد ۲ صفحہ ۱۴۰۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۸۷، صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۲

آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ شروع کی۔ جب آپ ﷺ کسی آیت رحمت کی تلاوت فرماتے تو کچھ وقفہ کرتے اور دعا مانگتے اور جب کسی آیت عذاب کو پڑھتے تو آپ ﷺ وقفہ کرتے اور اس سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ ﷺ نے قیام کی برابر طویل رکوع کیا۔ اس میں پڑھا: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظَمَةِ. پاک ہے وہ ذات جو صاحب شوکت و ملک اور عظمت والی ہے۔ پھر سجدہ کیا اور یہی پڑھا۔ دوسری رکعت میں آل عمران پڑھی پھر سورت پھر سورت پڑھی۔ اسی طرح آپ ﷺ کرتے رہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۹، شمائل ترمذی صفحہ ۲۵۰، نسائی باب الدعاء فی السجود جلد ۲ صفحہ ۲۲۴)

حضرت حذیفہ ﷺ سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور کہا کہ پھر سجدہ کیا قیام کے برابر اور اسی کے برابر دو سجدوں کے درمیان جلسہ کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ اور آل عمران اور نساء اور مائدہ پڑھی۔ (صحیح مسلم باب الاستحباب تطویل القراءۃ فی صلوۃ اللیل جلد ۱ صفحہ ۵۳۶)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور ایک ہی آیت قرآن کو پڑھتے پڑھتے رات تمام کر دی۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۳۴)

عبداللہ بن شخیر ﷺ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے شکم پاک سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی پکتی ہے۔

(شمائل ترمذی صفحہ ۲۵۵، ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۳، سنن نسائی باب البکاء فی الصلوۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳)

ابن ابی ہالہ ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے تھے۔ کسی آن آپ ﷺ کو راحت نہ تھی اور حضور ﷺ نے فرمایا: میں ہر روز سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ ایک روایت میں ستر مرتبہ آیا ہے۔ (سنن ابوداؤد باب الوتر جلد ۱ صفحہ ۲۲۷، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۵۰)

حضرت علی ﷺ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معرفت (الٰہی) میری اصل پونجی ہے اور عقل میرے دین کی جڑ ہے اور محبت میری بنیاد ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکر الٰہی میرا غمخوار ہے اور پاکبازی میرا خزانہ ہے اور غم میرا ساتھی ہے اور علم میرا ہتھیار ہے اور صبر میری چادر ہے اور رضا میری غنیمت ہے اور فقر میرا فخر ہے اور زہد میری حرفت ہے اور یقین میری طاقت ہے اور صدق میرا مددگار ہے اور طاعت میرا حسب ہے اور جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میرے دل کا پھل اس کے ذکر میں ہے اور میرا غم اپنی اُمت کے لئے ہے اور میرا شوق میرے رب ﷻ کی طرف ہے۔

چوبیسویں فصل

انبیاء علیہم السلام کے کمالِ خلق اور محاسنِ جمیلہ

آگاہ ہو اور اللہ ﷻ ہمیں تمہیں توفیقِ خیر مرحمت فرمائے کہ بلاشبہ تمام نبی و رسول علیہم الصلوۃ والسلام صفات کے علی وجہ الکمال ولادت، حسن صورت، نسبی شرافت، پاکیزہ اخلاق اور تمام خوبیوں کے حامل تھے۔ ان صفتوں میں تمام خوبیاں آ جاتی ہیں کیونکہ یہ ہی کمال کی صفات ہیں اور انسانی کمال و اکمال اور تمام فضیلتوں کے وہی جامع تھے۔ اس لئے کہ ان کا رتبہ تمام مرتبوں میں بزرگ اور ان کا درجہ تمام درجات میں اعلیٰ و ارفع ہے لیکن اللہ ﷻ نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ فرماتا ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ. (پ۳ ال عمران) وہ رسول ہیں ہم نے ایک کو ایک پر فضیلت دی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○ (پ۲۵ الدخان ۳۲) بیشک ہم نے ان کو پسند کیا ہے علم کے لئے تمام جہان والوں پر۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضور ﷺ فرماتے ہیں: سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی صورت والے ہوں گے۔ پھر آخر حدیث میں فرمایا:

(وہ گروہ) ایک ہی آدمی کی خلقت پر جوان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی صورت ہوں گے۔ ان کا طول ستر ہاتھ آسمان میں ہے۔ (صحیح بخاری باب بدء الخلق جلد ۲ صفحہ ۹۳، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۹۔۲۱۷۸)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (شب معراج) دیکھا۔ پس وہ ایک ایسے مرد تھے جن کی ناک اونچی باریک اور درمیان میں اٹھی ہوئی تھی۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ میں سے تھے۔

میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ معتدل جوان اور ان کے چہرہ پر جھریاں، سرخ رنگ تھے گویا کہ وہ حمام میں سے نکلے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام لاغر بدن مثل تلوار کے تھے اور فرمایا: میں اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ان (ابراہیم علیہ السلام) سے زیادہ مشابہ ہوں۔ ایک اور حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا: گندم گوں مردوں میں جن کو تم دیکھتے ہو وہ سب

سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے بعد نبیوں کو ان کی قوم کی شریف نسلوں میں سے بھیجتا رہا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ صاحب ثروت یعنی مال ومنال میں زیادہ ہوتے تھے۔ (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۶۱)

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ سے اور دار قطنی نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز پیدا فرمایا اور تمہارے نبی ﷺ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۵۴)

حدیث ہرقل (بادشاہ روم) میں ہے۔ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں صاحب نسب (شریف) ہیں اور یونہی ہر رسول علیہ السلام ان کی شریف نسلوں میں تشریف لاتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ (پ ۲۳۔ ص ۴۴)	بیشک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ (الی قوله) وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ○ (پ ۱۶۔ مریم ۱۲ تا ۱۵)	اے یحیٰی کتاب مضبوط تھام لے (یہاں تک کہ) اور جس دن زندہ اٹھایا جائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ. (پ ۳۔ آل عمران ۳۹)	بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحیٰی کا جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لئے حقارتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۙ○ (پ ۳۔ آل عمران ۳۳)	بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا. (پ۱۵۔الاسرٰی۳)

بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔

اور فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ق اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصَّالِحِينَ. (پ۳۔ال عمران۴۶۔۴۵)

اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم کا بیٹا رودار (باعزت) ہوگا دنیا اور آخرت میں قرب والا اور لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں اور پکی عمر میں اور وہ خاصوں میں سے ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ قف آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ ص وَأَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ (پ۱۶۔مریم۳۱۔۳۰)

بچہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں دینے والا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز اور زکوۃ کی تاکید فرمائی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسٰى. (پ۲۲۔الاحزاب۶۹)

اے ایمان والو! ان جیسا نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام مرد باحیا اور انتہائی ستر پوش تھے کہ وہ کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ حیا کی وجہ سے نہ دکھاتے تھے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا. (پ۱۹۔الشعرا۲۱)

تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ان میں سے ایک جماعت کی تعریف میں فرمایا:

إِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ۔ (پ۱۹۔الشعراء ۱۴۳)

بیشک میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ ۝ (پ۲۰۔القصص ۲۶)

بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور امانت دار ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (پ۲۶۔الاحقاف ۳۵)

پس آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ط كُلًّا هَدَيْنَا (الی) فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ط (پ۷۔الانعام ۸۴تا۹۰)

اور ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب عطا کئے۔ ان سب کو ہم نے راہ دکھائی (یہاں تک کہ) تو تم انہیں کی راہ چلو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے بعد اللہ ﷻ نے انبیاء علیہم السلام کی اصلاح ٗہدایت ٗاجتباء (پسندیدگی) حکم اور نبوت کے اوصاف کی بڑی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۔ (پ۲۶۔ع ۱۹)

تو ہم نے اس کو مژدہ دیا جاننے والے بچے کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ (پ۲۳۔الصّٰفّٰت ۱۰۱)

بردبار کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ اَنْ اَدُّوْا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ط اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ لا (پ۲۵۔الدخان ۱۷۔۱۸)

اور بیشک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سپرد کر دیے بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (پ۲۳۔الصّفٰت۱۰۲)

خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّہٗ کَانَ مُخْلِصًا (پ۱۶۔مریم۵۱)

بیشک وہ چنا ہوا تھا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے فرمایا:

نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ ۝ (پ۲۳۔ص۳۰)

کیا اچھا بندہ' بیشک وہ رجوع لانے والا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ ۝ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ۔ (پ۲۳۔ص۴۵تا۴۷)

اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ۔ (پ۲۳۔ص۳۰)

بیشک وہ بڑا رجوع لانے والا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر فرمایا:

وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (پ۲۳۔ص۲۰)

اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ (پ۱۳۔یوسف۵۵)

مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا۔ (پ۲۳۔الصّفٰت۳۷)

خدا نے چاہا عنقریب مجھ کو صابر پائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ○ خدا نے چاہا عنقریب مجھ کو نیکو کاروں میں پاؤ گے۔ (پ۲۰۔القصص ۲۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَاۤ اَنۡهٰکُمۡ عَنۡهُ ؕ اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے میں تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو جہاں تک بنے سنوارنا چاہتا ہوں۔ (پ۱۲۔ھود ۸۸) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

وَلُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّعِلۡمًا (پ۱۷۔الانبیاء ۷۴) اور لوط کو ہم نے حکم اور علم دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِنَّهُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ۔ بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ (پ۱۷۔الانبیاء ۹۰) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت سُفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دائمی علم تھا جن کا ذکر بہت سی آیتوں میں ان کی عادتوں اور خصلتوں اور اخلاق کی نسبت کیا گیا۔ جن سے ان کا کمال معلوم ہوتا ہے اور بہت سی احادیث میں ان کا تذکرہ آ چکا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بلا شک و تردد میں کریم ابن کریم ابن کریم ہوں۔ یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جو نبی ابن نبی ابن نبی ہیں۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام ہیں جن کی آنکھیں تو سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ صفحہ ۱۵۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجودیکہ ان کو بڑا ملک و سلطنت عطا فرمائی ہوئی تھی مگر اللہ عزوجل کی جناب میں ان کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ وہ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے اور لوگوں کو قسم قسم کے لذیذ کھانے کھلاتے اور خود جو کی روٹی کھاتے تھے۔[2]

آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اے عابدوں کے سردار! اے زاہدوں کے پیشوا کے فرزند! آپ کا حال یہ تھا کہ ایک بڑھیا اس حالت میں آپ کو روک لیتی تھی کہ آپ ہوا کے دوش پر اپنے لشکر کے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۳ صفحہ ۱۱۹ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۷۱۔۵۷۰

۲۔ الزھد و امام احمد بن حنبل صفحہ ۹۱

ہمراہ پرواز کررہے ہوں۔ آپ علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تو ہوا ٹھہر جاتی۔ پھر اس کی ضرورت پر غور فرماتے پھر روانہ ہو جاتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کا کیا حال ہے کہ زمین کے خزانوں کے مالک ہوتے ہوئے پھر بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ خوف دامن گیر ہے کہ میں اگر شکم سیر ہو گیا تو کہیں کسی بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی قرأت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ حکم دیتے کہ سواری پر زین کسی جائے۔ قبل زین کسنے کے آپ زبور کی تلاوت کر لیتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی ہی کھاتے تھے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ o اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ. (پ۲۲، سبا:۱۰۔۱۱)	اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنائیں اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے عرض کیا تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ کی کمائی کا اتنا رزق دے کہ وہ بیت المال سے مستغنی کر دے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا۔ وہ آدھی رات کو سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔[1] صوف کا لباس پہنتے اور بالوں کا بستر ہوتا اور جو کی روٹی نمک و ریت ملی ہوئی کھاتے تھے۔ اپنے پانی کو آنسوؤں سے ملاتے۔ بعد لغزش کسی نے ان کو ہنستا ہوا نہ دیکھا۔ اپنے رب عزوجل کے حیاء کی وجہ سے کسی نے آسمان کی طرف نظر اٹھاتے نہ دیکھا۔ اپنی ساری عمر روتے ہوئے ہی گزاری۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام اتنا روئے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی تھی۔ حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے رخساروں پر انہوں نے لکیریں ڈال دی تھیں۔[2] بعض نے کہا کہ آپ علیہ السلام چھپ کر گھر سے نکلتے اور اپنی عادت و خصلت کی معلومات حاصل کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنی تعریف سنتے تو تواضع و انکسار اور زیادہ کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کسی نے کہا: اگر آپ گدھا رکھتے تو اچھا تھا۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۲۸، صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۱۶

۲۔ کتاب الزہد صفحہ ۷۱

آپ نے فرمایا: میں اللہ ﷻ کے نزدیک اس سے برتر ہوں کہ میں گدھے کے ساتھ وقت گزاروں۔[1] آپ اُون کا لباس پہنتے' درختوں کے پتے کھاتے اور آپ کوئی مکان نہ رکھتے تھے۔ جہاں بھی نیند آ جاتی وہیں سو جاتے۔ آپ کے نزدیک سب سے پیارا نام یہ تھا کہ کوئی مسکین کہہ کر یاد کرے۔

(کتاب الزہد صفحہ ۵۵)

بعض کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو کمزوری کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے پیٹ سے سبزی کے دانے نظر آتے تھے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے تمام نبیوں کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ کسی کو فقر سے' کسی کو جوؤں سے اور یہ ان کے لئے تمہارے تحفے سے زیادہ محبوب تھا۔ (مستدرک کتاب الرقاق جلد ۴ صفحہ ۳۰۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خنزیر (سؤر) سے کہا جب وہ آپ کو ملا۔ "سلامتی کے ساتھ جا۔" اس بارے میں آپ سے کہا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں مکروہ جانتا ہوں کہ اپنی زبان کو بری بات سے آلودہ کروں۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھانا تر گھاس تھی اور خشیت الٰہی سے اتنے روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کے رخساروں پر گڑھے پڑ گئے تھے اور آپ علیہ السلام وحشی جانوروں کے ساتھ کھاتے تا کہ آپ علیہ السلام لوگوں سے نہ ملیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ا صفحہ ۱۳۹)

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تختوں سے سایہ لیتے اور پتھر کے گڑھے میں کھاتے اور جب پینے کی خواہش ہوتی تو پتھر کے گڑھے سے پانی اس طرح پیتے جس طرح ولیہ (چوپایہ) پیتا ہے۔ یہ اللہ ﷻ کے حضور میں تواضع تھا۔ اسی وجہ سے اللہ ﷻ نے اپنے شرف ہمکلامی سے نوازا۔

انبیاء علیہم السلام کی یہ سب خبریں لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اوصاف کمالیہ' اخلاق جمیلہ' عادات و شمائل حسنہ مشہور و معروف ہیں۔ ہم ان کے بیان سے کلام کو طویل نہیں کرتے اور ان کی طرف توجہ نہ کرو جو بعض جاہل مورخین و مفسرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ان کی شان کے مخالف ہے۔

پچیسویں فصل

آپ ﷺ کی مختلف امور میں عادت مبارکہ

اللہ ﷻ تم کو عزت دے' ہم نے حضور ﷺ کے چند اخلاق حمیدہ' فضائل جلیلہ اور خصائل جمیلہ

---

[1] مصنف ابی شیبہ کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۸۷

بتا دیئے ہیں اور ان سب کی صحت و تطابق بھی دکھا دی ہے۔ یہ سب کچھ آثار و احادیث سے ہم نے بیان کیا ہے۔ بروجہ قناعت و کفایت ورنہ حضور ﷺ کا مقام بڑا وسیع ہے۔

حضور ﷺ کے حقوق کا باب تو اتنا دراز ہے کہ اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی دلائل منقطع ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی خصوصیات کے علم کا سمندر اتنا وافر ہے کہ کوئی ڈول اسے مکدر کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہم نے ان میں سے صرف وہ چیزیں بیان کی ہیں جو معروف ہیں اور اکثر صحاح اور مشہور کتابوں میں مروی ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کل میں سے قلیل اور بہت میں سے تھوڑے پر اکتفا کیا ہے۔ اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان فصلوں کو ابن ابی ہالہ ؓ کی حدیث حسن ختم کر دیں کیونکہ وہ حدیث حضور ﷺ کے شمائل و اوصاف کا وافر مجموعہ ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و فضائل پر پورا پورا ذخیرہ ہے۔ ہم اس کے ساتھ آخر میں ایک ایسی تنبیہ بھی جو الفاظ و معانی کے لطیف نکتوں پر مشتمل ہوگی ملائیں گے۔

حدیث : بروایات متعددہ بالا سناد حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ ؓ سے حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کے بارے سوال کیا۔[1] کیونکہ وہ آپ ﷺ کی بہت تعریفیں کرتے تھے۔ میں نے خواہش کی کہ مجھے بھی وہ کچھ بیان کر دیں تاکہ میں اس کو حفظ کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ

رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر خوب بھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند جگمگاتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد نہ زیادہ لمبا تھا نہ پست' آپ ﷺ کا سر مبارک بڑا' آپ ﷺ کے بال متوسط تھے کہ نہ بالکل سیدھے اور نہ خمدار' اگر بالوں کو دو طرف نہ کرتے تو مانگ نکل آتی ورنہ نہیں' آپ ﷺ کے بال کانوں کی لو سے بڑھے ہوتے اگر آپ ﷺ ان کو چھوڑتے' آپ ﷺ کا رنگ گورا' پیشانی کشادہ' ابرو باریک اور لمبے باہم ملے ہوئے نہ تھے' دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت بھر جاتی' آپ ﷺ کی ناک باریک اور اونچی' اس میں نور تھا جو بلند تھا' جو شخص بلا تامل دیکھتا وہ گمان کرتا کہ درمیان میں حصہ اونچا ہے' آپ ﷺ کی داڑھی گھنی' آپ ﷺ کی آنکھیں سیاہ' رخسار پتلے' فراخ دہن' چمکتے ہوئے کھلے دانت' آپ ﷺ کی گردن شفاف گویا صاف چاندی کی خوبصورت صراحی' آپ ﷺ کے اعضاء معتدل بھرے ہوئے گوشت والے باہم ملے ہوئے' پیٹ اور سینہ ہموار' چوڑا سینہ' دونوں کندھوں کے مابین فاصلہ' فربہ جوڑوں والے' برہنہ بدن[2] کی حالت میں

۱۔ شمائل ترمذی صفحہ ۲۶۵' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

۲۔ برہنہ سے مراد جب ستر کے علاوہ بدن کے کسی حصے سے کپڑا اٹھتا ہوتا۔

بدن چمکتا' گلے سے ناف تک بالوں کی لکیر مثل ایک خط کے نظر آتی' پستان بالوں سے خالی' اس کے سوا کلائی' مونڈھے اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے' بازو لمبے' ہتھیلی چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی' دونوں قدم بھی بھرے ہوئے' انگلیاں لمبی' اعصاب لمبے' آپ ﷺ کے دونوں قدم درمیان سے قدرے بلند صاف و نرم کہ ان دونوں پر سے پانی فوراً بہہ جائے جب ان پر پانی ڈالا جائے۔

چلنے میں اطمینان سے قدم اٹھاتے' وقار کے ساتھ جھک کر چلتے' قدم لمبا رکھتے' جب آپ ﷺ چلتے تو گویا آپ ﷺ اوپر سے نیچے اتر رہے ہیں' جب آپ ﷺ کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے انہماک سے متوجہ ہوتے' نگاہ نیچی رکھتے' زمین پر آپ ﷺ کی نظر بہ نسبت آسمان کی طرف نظر کرنے سے زیادہ تھی' آپ ﷺ کی نظر اکثر گوشۂ چشم سے ہوتی' اپنے صحابہ کے پیچھے چلتے' جو ملاقات کرتا اس کو اس سے پہلے آپ ﷺ سلام کرتے۔

میں نے کہا: حضور ﷺ کے گفتار کی صفت بیان کیجئے۔

کہا: رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے' آپ ﷺ کے لئے کوئی لمحہ چین و راحت کا نہ تھا' بلا ضرورت کلام نہ کرتے' خاموشی طویل ہوتی۔ گفتگو کی ابتداء و اختتام جبڑوں کے ساتھ ہوتی۔ آپ ﷺ جوامع الکلم تھے جس میں وضاحت ہوتی نہ فضول ہوتا نہ کمی' نرمی ہوتی سختی نہ ہوتی' نہ کسی کی تذلیل ہوتی۔ نعمت کو بڑی سمجھتے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ کسی چیز کی برائی نہ کرتے' کسی ذائقہ کی مذمت نہ کرتے اور نہ خواہ مخواہ اس کی تعریف کرتے' آپ ﷺ کے غضب کے سامنے کوئی کھڑا نہیں رہ سکتا۔ جبکہ کسی حق کے لئے کوئی مانع ہوتا یہاں تک کہ اس حق کی مدد کرتے اور اپنے نفس کے لئے کبھی آپ ﷺ غضب نہ کرتے اور نہ اس کی حمایت کرتے۔

جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کا اشارہ فرماتے اور جب تعجب کرتے تو اس کو پلٹتے اور جب بات کرتے تو اس کو ہتھیلی سے ملا لیتے اور اپنے داہنے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے اور جب آپ ﷺ خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور الگ ہو جاتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہیں نیچی کرتے۔ آپ ﷺ کا ہنسنا مسکرانا ہوتا۔ اس حالت میں آپ ﷺ کے دندان مبارک مثل اولے کے شفاف نظر آتے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے بھائی) حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے ایک عرصہ تک اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔ پھر جب میں نے ان کو یہ بیان کی تو وہ مجھ سے پہلے ہی سبقت لئے ہوئے تھے اور ان کو یاد تھی۔ پھر اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور ﷺ کے حالات معلوم کئے کہ کس طرح آپ ﷺ کا شانۂ اقدس میں داخل ہوتے' کس طرح اس سے نکلتے' کس طرح

بیٹھتے اور کیا حالت تھی؟ تو بیان میں سب کچھ بتلا دیا۔

حضرت امام حسین ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہونے کی کیفیت دریافت کی۔ تو فرمایا:

آپ ﷺ اپنے کاشانہ میں دخول کے مجاز و ماذون تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مکان میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو دخول کے تین حصے کرتے۔ ایک حصہ اللہ ﷻ کے لئے اور ایک حصہ اپنے اہل کے لئے اور ایک حصہ اپنے لئے۔ پھر اپنے حصہ کو اپنے اور دوسرے عام لوگوں میں تقسیم فرما دیتے۔ پس اس کو عام پر خواص کے ذریعہ لوٹا دیتے۔ غرضیکہ کوئی بات عوام سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ اُمت کے حصہ میں اپنی مرضی سے اہل فضل کو ترجیح دیتے اور ان کا حصہ دین میں ان کے مرتبہ کے مطابق ملتا۔ ان میں کوئی ایک ضرورت والا' کوئی دو ضرورت والے' کوئی کئی ضرورت والے ہوتے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور ان کو ان کی اصلاح میں مشغول رکھتے اور امت کی ان کا حال معلوم کر کے اصلاح فرماتے اور ان کو وہ خبریں سناتے جو ان کے لئے مفید ہوتیں اور فرماتے:

تم میں ہر ایک موجود و حاضر کو چاہئے کہ وہ تم میں جو غائب ہے اور مجھ تک اپنی حاجت پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا' اس کی حاجت مجھ تک پہنچائے کیونکہ جو شخص بادشاہ تک اس شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ ﷻ قیامت کے دن اس کے دونوں قدموں کو ثابت (قائم) رکھے گا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اس قسم کی باتیں ہوتیں اور نہ آپ ﷺ اس کے سوا کچھ کسی سے قبول فرماتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سفیان بن وکیع ﷛ کی حدیث میں فرمایا: صحابہ آپ ﷺ کی مجلس میں حاجت مند ہوتے اور شکم سیر ہو کر جدا ہوتے اور فقیہہ بن کر نکلتے۔

میں نے کہا: آپ ﷺ کے نکلنے کی مجھ کو حالت بیان فرمایئے آپ ﷺ اور کیا کرتے تھے۔

فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنی زبان مبارک کو قبضہ میں رکھتے۔ وہی فرماتے جو اُمت کے لئے نفع بخش ہوتا۔ ان سے محبت کرتے ان کو جدا نہ کرتے' ہر قوم کے کریم کی عزت فرماتے اور اس کو ان پر حاکم مقرر کرتے' (برے) لوگوں سے حذر (خوف) کرتے اور ان سے بچتے نہ یہ کہ ان سے منہ پھیر لیتے یا بد خلقی کرتے۔ اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے اور لوگوں سے لوگوں کے حال پوچھتے' اچھی چیز کی تعریف و خوبی بیان کرتے اور بُری چیز کی برائی اور اس کی رسوائی بیان کرتے۔ آپ ﷺ کا حکم متوسط ہوتا نہ کہ

مختلف یعنی زیادہ نرم و سخت نہ ہوتا۔ آپ ﷺ اس خوف سے غافل نہ رہتے کہ لوگ کہیں غافل نہ ہو جائیں یا سست نہ پڑ جائیں۔ آپ ﷺ ہر حالت کے لئے تیار تھے۔ آپ ﷺ حق میں کمی نہ کرتے اور غیر حق کی طرف تجاوز نہ کرتے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوتے وہ بہتر لوگوں میں سے ہوتے۔ آپ ﷺ کے نزدیک ان میں وہ افضل تھا جو خیر خواہی کی باتیں زیادہ کرتا اور آپ ﷺ کے نزدیک وہ بڑے مرتبہ والا ہوتا جو لوگوں کے لئے نفع رساں اور موجب تقویت ہوتا۔

اس کے بعد میں نے مجلس کی کیفیت معلوم کی کہ آپ ﷺ اس میں کیا کرتے تھے؟

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست اللہ ﷻ کے ذکر کے لئے ہی ہوتی اور کسی جگہ کو اپنے لئے وطن نہ بناتے اور دوسروں کو وطن بنانے سے منع فرماتے۔ جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اس کا حکم بھی دیتے۔ ہر مصاحب کو اس کا حصہ دیتے یہاں تک کہ کوئی مصاحب یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے۔ جو شخص بھی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ رُکے رہتے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی چلا جاتا۔ جو شخص بھی آپ سے اپنی حاجت کے لئے سوال کرتا' آپ ﷺ یا تو اسے کچھ دیتے یا نرم بات کچھ فرما دیتے۔ آپ ﷺ کا دست مبارک اور آپ ﷺ کا خلق کریم لوگوں کے لئے وسیع تھا گویا آپ ﷺ ان کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک حق میں سب برابر تھے۔ البتہ تقویٰ ان (لوگوں) کو زیادہ قریب اور بڑھانے والا تھا۔

دوسری روایت میں صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک وہ سب حق میں برابر تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیاء اور صبر و امانت کی مجلس تھی۔ کوئی شخص اس میں آواز اونچی نہ کرتا اور اس میں عورتیں بے پردہ نہ ہوتیں اور نہ اس میں کوئی یاوہ گوئی ہوتی اور یہ فقرہ ان دونوں روایتوں کے علاوہ ہے کہ صحابہ ﷺ باہم تقویٰ کی بنا پر مہربانی اور انکساری کرتے۔ بڑوں کی عزت کی جاتی اور چھوٹوں پر لطف و کرم' حاجت مندوں کی مدد کرتے اور مسافروں پر مہربانی۔

پھر میں نے مصاحبوں' ہم نشینوں پر حضور ﷺ کے ساتھ سلوک کا حال دریافت کیا۔

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خندہ رو' خوش خلق اور متواضع رہتے۔ آپ ﷺ نہ بد خلق' نہ سخت طبیعت' نہ چلانے والے' نہ یاوہ گو اور نہ عیب لگانے والے تھے اور نہ خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنے والے' جس کی حاجت نہ ہوتی اسی سے تغافل کرتے اور آپ ﷺ سے کوئی مایوس نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے اپنے پر تین چیزیں ترک کر دی تھیں: (1) ریا' (2) ذخیرہ اندوزی اور (3) فضول باتیں۔ لوگوں پر تین

باتیں ترک کر رکھی تھیں: (1) کسی کی برائی نہ کرتے (2) کسی کو عار نہ دلاتے (3) اس کے عیوب تلاش نہ کرتے۔

آپ ﷺ وہی بات کہتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ ﷺ کلام فرماتے ہوتے تو صحابہ ﷺ سر جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں اور جب حضور ﷺ خاموش ہو جاتے تب بات کرتے اور حضور ﷺ کی مجلس میں کبھی جھگڑا نہ کرتے۔ جب آپ ﷺ سے کوئی بات کرتا تو سب خاموش ہو جاتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا۔ ان کی باتیں ایسی تھیں گویا وہ پہلا ہی شخص ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کی ہنسی پر آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے اور ان کے تعجب پر آپ بھی متعجب ہو جاتے۔ کسی مسافر کی سخت کلامی پر آپ ﷺ صبر فرماتے اور فرماتے:

جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو اور کسی کی تعریف پسند نہ فرماتے۔ مگر یہ کہ وہ گرویدہ ہو۔ کسی کی بات نہ کاٹتے اگر وہ بات لمبی کر دیتا تو یا تو اشارہ سے روک دیتے یا کھڑے ہو جانے سے قطع فرما دیتے۔ یہاں سفیان بن وکیع ﷺ کی حدیث ختم ہو گئی۔

دوسری حدیث میں اتنا اور ہے کہ میں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے سکوت کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا: آپ کا سکوت چار باتوں پر تھا: (1) حلم (2) حذر یعنی خوف (3) تقدیر (4) تفکر۔ لیکن تقدیر کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں پر نظر کرتے اور ان کے احوال سننے میں برابری کرتے اور تفکر کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ ان چیزوں پر غور فرماتے جو باقی رہیں اور فنا ہو جائیں۔ حضور ﷺ کے لئے آپ کے صبر ﷺ میں حلم جمع کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کو کوئی چیز اتنی غضب میں نہ لاتی کہ آپ ﷺ کو ہلکا کر دے اور آپ ﷺ کے لئے حذر میں چار باتیں جمع کر دی گئیں:

1. اچھی بات کو آپ لیتے تا کہ لوگ آپ ﷺ کی پیروی کریں۔
2. بری بات ترک فرما دیتے تا کہ لوگ اس سے باز رہیں۔
3. اصلاح اُمت کے لئے رائے میں کوشش فرماتے اور آپ ﷺ اس پر قائم رہتے۔
4. جو اُمت کے لئے دنیا و آخرت میں مفید و کار آمد ہو۔ انتھی الوصف بحمد اللّٰہ وعونہ۔

چھبیسویں فصل

احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں

اس باب کی آخری فصل میں احادیث کے غریب اور مشکل الفاظ کا ترجمہ صاحب کتاب

الشفاء نے کیا ہے۔ چونکہ ترجمہ میں وہ گزر چکی ہیں اس لئے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ (مترجم)

باب سوم

آپ ﷺ کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں

یہ باب ان احادیث صحیحہ مشہورہ کے بیان میں ہے جن میں حضور ﷺ کی خدا کی بارگاہ میں عظیم قدر و منزلت ہے اور آپ ﷺ کی ان مکرم خصوصیات کا ذکر ہے جو دونوں جہان میں آپ ﷺ کو حاصل ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ نوع بشر میں سب سے زیادہ بزرگ، اولاد آدم علیہ السلام کے سردار اور اللہ ﷻ کے نزدیک مرتبہ میں تمام لوگوں سے افضل اور آپ ﷺ کا درجہ سب سے اعلیٰ اور قرب میں سب سے بلند ہے۔

اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ احادیث کریمہ جو آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام کے اظہار میں ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ ہم نے صرف ان میں سے صحیح و مشہور پر اکتفا کیا ہے اور ہم نے ان کے معانی و مفہوم کو بارہ فصلوں پر منحصر کر دیا ہے۔

پہلی فصل

آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں

اس بارے میں کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جو آپ ﷺ کی منزلت و برگزیدگی اور آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت و بزرگی اور اولاد آدم میں آپ ﷺ کی سرداری ہے اور ان خصوصیات کے ذکر میں جو دنیا میں آپ ﷺ کے مرتبہ کی زیادتی اور آپ ﷺ کے اسم مبارک کی برکت ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کر کے ان میں سے مجھے بہتر قسم میں کیا۔[1]

یہ اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے کہ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ط

(پ ۲۷۔ الواقعہ ۴۱۔ ۲۷)

1. دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۷۰

یعنی داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے پس میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور میں ان میں سب سے بہتر

پھر اللہ ﷻ نے ان دو قسموں کو تین کیا اور مجھ تینوں میں سب سے بہتر میں رکھا۔ یہ اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے۔ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ. (پ۲۷ الواقعہ ۸-۱۰)

تو دا ہنی طرف والے اور کیسے داہنی طرف والے اور بائیں طرف والے اور کیسے بائیں طرف والے جو سبقت لے گئے وہ سبقت ہی لے گئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر اللہ ﷻ نے تینوں کے قبائل بنائے۔ پس مجھے ان میں سے بہتر قبیلہ میں کیا اور یہ اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ. (پ۲۶ الحجرات ۱۳)

اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو اللہ ﷻ کے نزدیک اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے بڑھ کر متقی و مکرم ہوں یہ فخر نہیں اظہار حال ہے۔ پھر ان قبیلوں کے گھر بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر گھر میں کیا۔ یہ اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ. (پ۲۲ الاحزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم پر سے ناپاکی دور فرما دے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے نبوت کب ضروری قرار دی گئی؟

فرمایا: اس حالت میں کہ آدم علیہ السلام ابھی روح و جسد کے مابین تھے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۴۵)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ ﷻ کے نزدیک میں اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔

حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل

علیہ السلام آئے اور کہا کہ میں نے زمین کے تمام مشارق و مغرب روند ڈالے میں نے محمد ﷺ سے بڑھ کر کسی مرد کو افضل نہیں پایا اور کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ دیکھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم طبرانی اوسط کمافی مسالک الحنفاء للسیوطی صفحہ ۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شب معراج حضور ﷺ کی خدمت میں براق لایا گیا۔ تو اس نے شوخی کی۔ جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا حضور ﷺ کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔ حالانکہ تجھ پر آپ ﷺ سے زیادہ خدا کا مکرم کوئی سوار نہ ہوا۔ تو وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

(ترمذی تفسیر سورۃ بنی اسرائیل جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے صلب میں رکھ کر زمین پر اتارا اور مجھ کو حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں رکھ کر کشتی کو پار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں مجھ کو رکھ کر آگ میں اتارا۔

پھر ہمیشہ یونہی اصلاب مکرمہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھ کو اپنے والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی برائی (زنا) کے قریب تک نہ گئے۔

(الحدیث ابن ابی عمر العدنی سندہ کمافی مسالک الحنفاء للسیوطی صفحہ ۹۰)

اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:۔

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِي مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

حضور ﷺ ولادت سے پہلے (صلب آدم میں) سایوں میں تھے اور استقرار (آدم و حوا علیہم السلام) میں تھے۔ جہاں ورق بدن پر لپیٹے جاتے ہیں۔ (یعنی جنت میں)

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ أَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقٌ

پھر آپ شہروں کی طرف اترے درانحالیکہ نہ آپ بشر تھے نہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) اور نہ خون بستہ تھے۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِينَ وَقَدْ أَلْجَمَ نَسْرًا وَأَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ ایک نطفہ تھے جو کشتی میں سوار ہوئے اور نسر کو لگام دی درانحالیکہ کشتی کے باہر قوم نوح علیہ السلام غرق تھی۔

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ إِلَى رَحِمٍ إِذَا مَضَى عَالَمٌ بَدَا طَبَقٌ

آپ اصلاب (پشت پدر) رحم (مادر) کی طرف منتقل ہوئے۔ جب ایک زمانہ گزر گیا اور دوسرا

زمانہ آیا۔

بعض نسخوں میں ان شعروں کا بھی اضافہ ہے۔

ثُمَّ احْتَوٰی بَیْتُکَ الْمُهَیْمِنُ مِنْ خِنْدِفَ عَلْیَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

پھر آپ کے گھر کو شاہد نسب خندف (ابن مضر کی بیوی کا نام ہے) نے بلندی کو گھیر لیا جس کے پٹکے تھے۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ

اور آپ جب پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آفاق جگمگائے۔

نَحْنُ فِی ذَالِکَ الضِّیَاءِ وَفِی النُّوْرِ وَسُبُلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اب ہم اس روشنی اور نور وہدایت کے راستہ میں داخل ہو گئے ہیں۔

یَا بَرْدَ نَارِ الْخَلِیْلِ یَا سَبَبًا لِعِصْمَةِ النَّارِ وَهِیَ تَحْتَرِقُ

اے حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ ٹھنڈی کرنے والے اور آگ سے بچنے کا سبب بحال یہ کہ وہ آگ جل رہی تھی۔

حضور ﷺ سے حضرت ابوذر اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو پانچ اور ایک روایت میں چھ چیزیں دی گئیں۔ جو کسی نبی علیہ السلام کو مجھ سے پہلے نہیں ملیں۔

1. ایک مہینہ کی مسافت تک رعب ودبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی۔
2. میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاک بنادی گئی۔ اب میری اُمت کا ہر شخص جہاں بھی ہو نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔
3. مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔
4. مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔
5. مجھے منصب شفاعت مرحمت فرمایا گیا

اور ایک روایت میں اس عبارت کی جگہ یہ ہے کہ مجھ سے کہا گیا سوال کیجئے دیا جائے گا[1] اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت مجھ پر پیش کی گئی اب مجھ پر تابع ومتبوع کوئی مخفی نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے احمر واسود (عرب وعجم) کی طرف بھیجا گیا۔[2] بعض کہتے ہیں کہ ''اسود'' سے مراد

۱۔ صحیح بخاری باب التیمم جلد ا صفحہ ۶۲ (مزید حوالاجات کے لئے مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۱

۲۔ صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث جابر جلد ا صفحہ ۳۷۱

عرب ہے۔ اس لئے کہ ان کے رنگوں پر گندم گوئی رنگ غالب ہوتا تھا جو سیاہی کی قسم کا ہے اور احمر سے مراد عجم ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے امتوں کی سفیدی و سیاہی مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جن ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی اور جوامع الکلم مجھے دیا گیا اور میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں اور ایک روایت میں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ (صحیح مسلم جلد کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۷۲-۳۷۱)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے آگے جانے والا (فرط) ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور بیشک میں خدا کی قسم یقیناً اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی اور بیشک مجھے خدا کی قسم تم سے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن تم سے اس کا خوف ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۰۱ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ سنن نسائی کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۹۴ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں محمد نبی اُمی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھ کو جوامع الکلم اور اس کی مہریں دی گئیں اور مجھ کو دوزخ کے خزانچی اور حاملین عرش بتائے گئے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے قیامت کے سامنے بھیجا گیا۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۹۲، ۵۰)

ابن وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

سوال کیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عرض کی:

اے رب ﷻ میں کیا سوال کروں۔ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے نوازا، حضرت نوح علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ ملک عطا فرمایا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا: جو چیز اے محبوب تم کو دی ہے وہ ان سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ کو میں نے کوثر عطا فرمائی۔ آپ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ اس کے ساتھ آسمان کے درمیان پکارا جاتا ہے اور آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے زمین کو پاک بنایا اور آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کئے۔ آپ تو لوگوں میں مغفور

چلتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ سے پہلوں کے لئے نہیں کی ہیں۔ آپ کی امت کے دلوں کو مصاحف بنایا (کہ وہ قرآن کو حفظ کرتے ہیں) اور آپ کے لئے آپ کی شفاعت کو پردہ میں رکھا ہے۔ آپ کے سوا کسی نبی ﷺ کے لئے میں نے نہیں چھپایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)

دوسری حدیث میں ہے جس کو حذیفہ ؓ نے روایت کی ہے۔ مجھ کو رب العزت ﷻ نے بشارت دی ہے کہ میرے ساتھ جنت میں میری امت میں سے سب سے پہلے جو داخل ہوں گے وہ ستر ہزار ہیں اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا اور مجھے یہ عنایت کیا کہ میری امت نہ بھوکی رہے گی اور نہ مغلوب ہوگی اور مجھ کو عطا فرمائی نصرت' عزت' رعب جو کہ میری امت کے سامنے ایک مہینہ کی مسافت تک جاری ہے۔ میرے لئے اور میری امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا۔ ہم پر بہت سی وہ چیزیں حلال کیں جو ہم سے پہلوں کے لئے حلال نہ تھیں اور ہم پر دین میں تنگی نہ رکھی گئی۔ (تاریخ ابن عساکر کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۲)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نبیوں میں کوئی نبی ایسا نہیں جس کو ایسی نشانیاں نہ دی گئی ہوں جن کو دیکھ کر ایمان لائے۔ لیکن مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی قرآن ہے کہ اللہ ﷻ نے مجھ پر وحی فرمائی۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح بخاری باب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۷۵ صحیح مسلم فی کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۴۱/۴۵۱)

محققین اس حدیث کے معنی میں کہتے ہیں۔ جب تک دنیا باقی ہے آپ ﷺ کے معجزات باقی رہیں گے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے تمام معجزات اسی وقت جاتے رہے۔ حاضرین کے سوا کسی نے ان کو نہ دیکھا اور قرآن ایسا معجزہ ہے کہ اس پر قیامت تک زمانہ کے بعد زمانہ گزرتا جائے' لوگ کھلے طور پر واقف رہیں گے نہ کہ خبر کے طور پر۔ اس سلسلہ میں بہت طویل بحث ہے۔ یہ صرف خلاصہ ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آخر میں کتاب کے باب المعجزات میں کچھ مزید بیان کریں گے۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے مروی ہے کہ ہر نبی کو سات نجباء یعنی صاحب شرافت وزیر دیئے گئے لیکن تمہارے نبی ﷺ کو چودہ نجیب (وزیر) دیئے گئے۔ ان میں سے ابوبکر' عمر' ابن مسعود اور عمار ؓ ہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۹)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے مکہ سے ہاتھیوں کو تو روک لیا مگر اہل مکہ پر اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ بات میرے بعد کسی کے لئے حلال نہیں اور میرے لئے بھی صرف

دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال کیا گیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم جلد ا صفحہ ۲۸' صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۸۸)

عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ﷻ کا بندہ اور نبیوں کا آخر (خاتم) اس وقت سے ہوں جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وعدہ ہوں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی بشارت۔

(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۷' ابن حبان جلد ۸ صفحہ ۱۰۶' مستدرک جلد ۸ صفحہ ۴۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے تمام آسمان والوں اور انبیاء علیہم السلام پر محمد ﷺ کو فضیلت دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آسمان والوں پر کیا فضیلت ہے؟ فرمایا: یہ کہ اللہ ﷻ آسمان والوں سے فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ — اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ میں اس کے سوا معبود ہوں' اس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔

(پ ۱۷۔ الانبیاء ۲۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ نے محمد ﷺ سے فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ — بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی۔

(پ ۲۶۔ فتح ۱) (ترجمہ کنز الایمان)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: انبیاء علیہم السلام پر کیسے فضیلت ہے؟ فرمایا: اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (پ ۱۳۔ ابراہیم ۴)

اور محمد ﷺ کے لئے فرماتا ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (پ ۲۲ سبا ۲۹) — ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے بھیجا۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اب آپ اپنے بارے میں خبر دیجئے۔

اسی کے مثل ابوذر اور شداد بن اوس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1]

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ہاں میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں کہ انہوں نے کہا ہے:

۱۔ داری' ابونعیم کما فی مسائل الصفا للسیوطی صفحہ ۹۳

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ. اے رب ہمارے بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے۔ (پ۱ البقرہ۱۲۹) (ترجمہ کنزالایمان)

اور میری بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔ میری پیدائش کے وقت میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس کی روشنی سے بصرہ کے محل اور شام کی زمین روشن ہوگئی اور سعد بن بکر کی اولاد میں مجھے دودھ پلایا گیا۔

انہی ایام میں میں اپنے (رضاعی) بھائی کے ساتھ اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک دو مرد سفید لباس میں میرے قریب آئے۔ دوسری حدیث میں ہے تین مرد آئے۔ ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لائے اور مجھ کو پکڑ کر میرے پیٹ کو چاک کیا۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیث میں ہے کہ گردن سے لے کر پیٹ کے نرم حصہ تک چاک کیا۔ پھر میرا دل نکال کر اس کو چیرا اور اس سے سیاہ خون جما ہوا (علقہ) نکال کر دور کیا۔ اس کے بعد میرے دل اور میرے پیٹ کو اسی سرد پانی (برف) سے دھویا اور صاف کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ پھر ان دونوں مردوں نے کوئی چیز لی دیکھا تو وہ نور کی انگوٹھی ان کے ہاتھ میں تھی کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جائے۔ انہوں نے اس سے میرے دل پر مہر لگائی اور اسے ایمان وحکمت سے پر کیا۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ دوسرے مرد نے شق شدہ جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرا پس وہ درست ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ دل سخت ہے۔ اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔[1] پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

امت کے دس مردوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بڑھ گیا۔ پھر کہا کہ امت کے سو مردوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا۔ پھر کہا کہ امت کے ہزار مردوں سے وزن کرو۔ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا۔ پھر کہا کہ آپ کو چھوڑ دو اگر تم ان کو ساری امت کے ساتھ بھی وزن کرو گے تب بھی بھاری ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ پھر انہوں نے مجھے سینہ سے لگا کر میرے سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا: اے حبیب اللہ ﷺ آپ ڈریئے نہیں۔ اگر آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیسی بھلائی کی گئی تو آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

اس حدیث کے بقیہ میں ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ ﷻ کے نزدیک آپ ﷺ کا بڑا اعزاز و

---

[1] سنن دارمی جلد۱ صفحہ ۲۹

اکرام ہے۔ بیشک اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس کے بعد وہ چلے گئے۔ اب میں اس امر کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔

ابومحمد مکی اور فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہما اللہ علیہم اور دیگر علماء رحمہم اللہ نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے وقت بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَ یُرْوٰی وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ۔[1] اے خدا حضور ﷺ کے طفیل مجھ کو خطا سے معاف فرما۔

اور ایک روایت میں کہ میری توبہ قبول فرما۔ اللہ ﷻ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کہاں سے محمد ﷺ کو جانا؟

عرض کیا: میں نے جنت کے ہر مقام پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ اسی سے میں نے جانا کہ تیرے نزدیک تیری تمام مخلوق میں آپ ﷺ ہی سب سے برتر عزت والے ہیں۔ پس اللہ ﷻ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔ اسی قائل کے نزدیک یہ تفسیر اس آیہ کریمہ کی ہے:

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کلمات سیکھے۔ (پ البقرہ ۳۷) (ترجمہ کنز الایمان)

دوسری روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے اپنے سر کو تیرے عرش کی طرف اٹھایا۔ تب میں نے اس میں لکھا دیکھا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اسی وقت میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک آپ کے سوا (ان جیسا) کوئی عظیم المرتبت نہیں ہے جبھی تو تو نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک ملایا۔

پس اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ قسم ہے مجھے اپنے عزت وجلال کی بیشک آپ ﷺ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں۔ وَلَوْلَاہُ مَا خَلَقْتُکَ۔ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو اے آدم علیہ السلام میں تم کو پیدا نہ فرماتا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابومحمد ﷺ تھی اور ایک روایت میں ابوالبشر تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۸۹)

سُرَیج بن یونس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ ﷻ کے چند فرشتے

[1] طبرانی صغیر جلد ۲ صفحہ ۸۲ ، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۸۹

گشت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت یہ ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کا کوئی مرد ہو تو ئے سے اسی مناسبت کی بناء پر (اس کا) اعزاز واکرام کریں۔

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابی الحمراء ﷺ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو عرش پر لکھا دیکھا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. اس مرتبہ کے ساتھ میری رفعت سے تائید فرمائی گئی۔ (معجم اصحابہ وطبرانی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی)

تفسیر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیہ کریمہ

وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا.[1] اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا۔

(پ۱۶۔الکہف ۸۲) (ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختیاں تھیں جس پر لکھا تھا:

اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے وہ کیونکر رنج اٹھاتا ہے اور اس شخص پر جو جہنم کا یقین رکھتا ہے وہ کیونکر ہنستا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا اور اہل دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے وہ کیونکر دنیا میں مطمئن ہے۔

اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِيْ میں اللہ ﷻ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ﷺ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر مکتوب ہے۔ اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. "میں ہی اللہ ﷻ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ہیں میں اس کو عذاب نہ دوں گا جو اس کا قائل ہو۔

منقول ہے کہ ایک پرانے پتھر پر یہ مکتوب پایا گیا۔ مُحَمَّدٌ تَقِيٌّ مُصْلِحٌ وَ سَيِّدٌ اَمِيْنٌ. محمد ﷺ پرہیزگار اصلاح کرنے والے اور سردار وامین ہیں۔

سمظاری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ خراسان کے ایک شہر میں ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے پہلو میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے پہلو میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. مکتوب تھا۔

مورخین نے ذکر کیا ہے۔ ہندوستان کے کسی شہر میں ایک سرخ گلاب کا پھول ہے۔ اس پر سفید خط سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. مکتوب ہے۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا کہے گا جس کا نام "محمد" ہے وہ کھڑا ہو جائے تا کہ حضور ﷺ کے نام کی برکت سے جنت میں داخل ہو

۱۔ شعب الایمان للبیہقی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۴

جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سماع" میں اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جامع" میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اہل مکہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس گھر میں "محمد" نام کا کوئی شخص ہو وہ ضرور بڑھے گا اور ان کو رزق (وافر) دیا جائے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں "محمد" نام کے ایک یا دو یا تین شخص ہوں ان کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ (طبقات ابن سعد کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۹۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے دل مصطفی ﷺ کو پسند فرمایا اور اپنی بارگاہ میں برگزیدہ کیا۔ اب آپ ﷺ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۳)

نقاش رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط (پ۲۲ الاحزاب ۵۳)

اور تمہیں یہ نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو حضور نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور خطبہ دیا۔ فرمایا: اے گروہ مومنین! بیشک اللہ عزوجل نے مجھ کو تم پر بہت فضیلت دی اور میری بیویوں کو تمہاری بیویوں پر بہت فضیلت دی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

دوسری فصل

آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شب معراج عطا فرمائے گئے

حضور ﷺ کے ان فضائل میں جو شب معراج بزرگیاں عطا فرمائی گئیں اور مناجات رویت الٰہی امامت انبیاء علیہم السلام سدرۃ المنتہیٰ تک عروج اور اپنے رب عزوجل کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ فرمانے میں مرتبہ دیا گیا۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے واقعہ معراج ہے۔ جس میں آپ کی رفعت درجات اور ترقی منازل مضمر ہیں۔ جن کی قرآن کریم نے خبر دی اور احادیث صحیحہ نے ان کی تشریح کی۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى. (پ۱۵۔ بنی اسرائیل)

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی (الی) لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی. (پ۲۷۔ النجم ۱۔۱۸)

اے چمکتے تارے (محمد) کی قسم جب معراج سے اترے (یہاں تک کہ) بیشک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

صحت واقعہ معراج ﷺ میں مسلمانوں میں اصلاً اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ جو حضور ﷺ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے اور اس کے عجائبات اور ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات کی تشریح احادیث کثیرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان میں جو کامل تر ہیں ان کو پہلے بیان کریں۔ اسی ضمن میں اشارتاً ان احادیث کا بھی ذکر کر جائیں جن کا ذکر کرنا محلاً ضروری ہو۔

حدیث: حضرت انس ابن مالک ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے پاس براق لایا گیا۔ جو ایک چوپایہ سفید رنگ، نسبتاً گدھے سے اونچا خچر سے پست تھا۔ وہ اپنے قدم وہاں رکھتا جہاں نظر کی انتہا ہے۔ فرمایا: میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اس کو اس حلقہ سے باندھ دیا جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ جب باہر نکلا تو جبریل علیہ السلام نے ایک پیالہ میں شراب اور دوسرے میں دودھ پیش کیا۔ میں نے دودھ کو پسند فرمایا۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ پھر مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

پوچھا گیا: تم کون ہو؟ جواب دیا۔ جبریل علیہ السلام۔

پھر پوچھا گیا: کون تمہارے ساتھ ہے؟ کہا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کیا ان کو حکم ہوا ہے؟ کہا: انہیں حکم ہوا ہے۔ تو ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔

پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سوال

ہوا کہ کون؟ کہا: جبریل علیہ السلام۔ سوال ہوا: کون تمہارے ساتھ ہے؟ جواب دیا: محمد ﷺ پھر پوچھا: ان کو حکم ملا ہے؟ جواب دیا: انہیں حکم دیا گیا ہے۔ پس دروازہ کھل گیا۔

اس وقت کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی جبریل علیہ السلام سے اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھلا تو دیکھا کہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوں۔ جن کو ساری دنیا کا نصف حسن دیا گیا ہے۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر چوتھے آسمان پر بھی یونہی سوال جواب کے بعد دروازہ کھلوایا۔ دیکھا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ انہی کی نسبت اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿پ۱۶ مریم ۵۷﴾ ہم نے ان کو بلند مکان دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا اور وہی سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھلا تو دیکھا وہاں ہارون علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر چھٹے آسمان پر بھی یہی ہوا۔ تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔

پھر ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں بھی وہی کچھ ہوا۔ دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں۔ اس جگہ کا حال یہ ہے کہ ستر ہزار ایسے فرشتے روزانہ آتے ہیں جن کی دوبارہ آنے کی باری نہیں آتی۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ (ایک بیری کا درخت ہے) کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے اور اس کے پھل (بیر) مٹکوں کے برابر۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب اس کو اللہ ﷻ نے ڈھانپ لیا تو وہ بدل گیا۔ تو مخلوق میں کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے حسن و خوبی کی تعریف کر سکے۔ پس اللہ ﷻ نے میری طرف وحی فرمائی اور دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد جب میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انہوں نے پوچھا: اللہ ﷻ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟

فرمایا: پچاس نمازیں۔ عرض کیا: آپ اپنے رب کی طرف واپس ہو کر تخفیف (کمی) کی درخواست کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ میں نے اپنی امت بنی

اسرائیل کو آزمالیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب ﷻ کی طرف واپس آیا اور عرض کیا: اے رب ﷻ میری امت پر کمی کیجئے۔ تو اس اللہ ﷻ نے پانچ کم کر دیں۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا اور ان سے کہا کہ پانچ کی کمی ہوگئی۔ تو عرض کیا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر واپس جا کر کمی کی درخواست کیجئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ ﷻ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین آنا جانا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اے محمد (ﷺ) دن رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز دس کے برابر ہے۔ گویا وہ پچاس نمازیں ہی محسوب ہوں گی اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر وہ اس کا مرتکب ہو ہی گیا تو صرف ایک ہی بدی لکھی جائے گی۔ فرمایا: جب میں نے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر دی۔ تو انہوں نے کہا: اپنے رب ﷻ کی طرف جایئے اور کمی کی درخواست پھر کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام میں رب ﷻ کی طرف بار بار جاتا رہا ہوں اب حیا معلوم ہوتی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمتہ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہایت عمدہ صحیح بیان کیا ہے اور کوئی دوسرا اس سے بہتر بیان نہیں کر سکا۔ دوسروں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بہت کچھ غلط ملط کیا ہے۔ خصوصاً شریک ابن نمیر کی روایت کہ انہوں نے اس کے شروع میں حضور ﷺ کی خدمت میں فرشتے کا آنا اور آپ ﷺ کے بطن مبارک کا شق کرنا اور آب زم زم سے اس کا دھونا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ تو وحی سے قبل آپ ﷺ کے عہد طفولیت کا ہے۔ بلاشبہ شریک ابن نمیر نے اپنی حدیث میں اس کو مانا ہے کہ یہ واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے اور واقعہ معراج کا تذکرہ کیا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ نزول وحی کا واقعہ ہے اور بہت سوں نے کہا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ نزول وحی سے پہلے کا ہے۔

ثابت نے ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے بیان کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں ایام رضاعت میں بچوں کے ساتھ تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کے قلب مبارک کو شق کیا۔

یہ واقعہ معراج کی حدیث سے بالکل علیحدہ ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور

دونوں قصوں کی تصحیح کی ہے اور واقعہ معراج میں بیت المقدس تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک جانا یہ علیحدہ واقعہ بیان کیا ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ بیت المقدس تک گئے اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھے ہیں۔ اس نے ان تمام اشکال کو دور کر دیا جن کا اوروں نے وہم ڈالا تھا۔

(صحیح بخاری المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵۲ کتاب توحید جلد ۹ صفحہ ۱۲۰ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۴۸)

یونس رحمتہ اللہ علیہ نے ابن شہاب اور شریک بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ ابوذر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی۔ جبریل علیہ السلام اترے میرے سینے کو چاک کیا۔ پھر آب زم زم سے اس کو دھویا پھر ایمان وحکمت سے پر ایک سونے کا طشت لائے۔ اس سے میرے سینے کو بھرا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف لے گئے۔ اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا۔ قتادہ ؓ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۹۶ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۴۸)

حضرت انس ؓ نے مالک بن صعصعہ ؓ سے جو روایت کی ہے اس میں تقدیم وتاخیر ہے اور کچھ زیادتی وکمی ہے اور آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی ترتیب میں اختلاف ہے۔

(سنن نسائی کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۱۸۔۲۱۷)

حضرت ثابت ؓ کی وہ حدیث جو حضرت انس ؓ سے مروی ہے وہ زیادہ عمدہ اور صحیح ہے۔

واقعات معراج کی احادیث میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے مفید نکتے پیدا ہوتے ہیں ان کو ہم اپنے مقاصد ومطالب میں بیان کریں گے۔

منجملہ ان میں سے حدیث ابن شہاب رحمتہ اللہ علیہ ہے کہ اس میں ہر نبی کا یہ قول ہے کہ مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ۔ یعنی مرحبا ہو اے نبی صالح اور صالح بھائی سوائے آدم وابراہیم علیہم السلام کے کہ انہوں نے کہا: وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ۔ یعنی اے صالح فرزند!

اور اس میں طریق ابن عباس ؓ سے ہے کہ پھر مجھے اوپر لے گئے۔ یہاں تک کہ ایک کشادہ ہموار مقام پر پہنچا کہ اس میں قلموں کے چرچرانے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت انس ؓ کی روایت میں ہے کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ اس کو ایسے رنگوں نے ڈھانپ لیا کہ میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں۔ فرمایا: پھر جنت میں داخل کیا گیا۔

مالک بن صعصعہ ؓ کی حدیث میں ہے۔ جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو

وہ روئے۔ ندا کی گئی: کیوں روتے ہو؟ عرض کیا کہ اے میرے رب ﷻ یہ وہ شخص ہے جس کو میرے بعد تو نے بھیجا اور ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہو گی۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد صفحہ نمبر ۱۴۹ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۲۱ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء میں دیکھا کہ نماز کی تیاری کی جا رہی ہے۔ تو میں نے ان کی امامت کی۔ ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ داروغہ دوزخ مالک علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام سے نوازیئے۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے مجھے سلام پیش کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر چلے کہ یہاں تک کہ بیت المقدس آئے۔ براق سے اتر کر اس کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز ختم ہو چکی تو کہنے لگے: اے جبریل علیہ السلام یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول خاتم النبیین ہیں۔

انہوں نے کہا: کیا تم ان کی طرف بھیجے گئے ہو؟

کہا: ہاں۔ سب نے کہا: اللہ ﷻ آپ کو حیات دے یہ بھائی اور خلیفہ ہیں۔ کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں۔ پھر انہوں نے ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور اپنے رب ﷻ کی حمد بجا لائے۔ ان میں سے ہر ایک کی گفتگو کا ذکر کیا۔ وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام ہیں۔

پھر نبی کریم ﷺ کے کلام کا ذکر کیا کہ بلاشبہ محمد ﷺ اپنے رب ﷻ کی حمد بجا لائے۔

فرمایا: تم سب نے اپنے رب ﷻ کی تعریف کی اور میں اپنے رب ﷻ کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ پاکی ہے اس اللہ ﷻ کی جس نے مجھے رحمۃ اللعالمین اور تمام لوگوں کی طرف بشیر و نذیر کر کے بھیجا اور اس نے مجھ پر وہ قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو بہتر امت کیا اور میری امت کو درمیانی امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی اول اور آخر ہے اور میرے سینہ کو کھول دیا اور ہر برائی کو مجھ سے دور کیا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسی وجہ سے تم پر محمد ﷺ فضیلت پا گئے۔ پھر ذکر کیا کہ حضور ﷺ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جیسا کہ گزرا۔ (صحیح مسلم نسائی ترمذی بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۱)

حضرت ابن مسعود ﷺ کی حدیث میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔ وہ چھٹے آسمان پر ہے۔ جو کچھ زمین سے اوپر چڑھتا ہے۔ وہاں اس کی انتہا ہو جاتی ہے اور وہاں روک لئے جاتے ہیں اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی وہیں ختم ہوتی ہے' وہاں سے قبض کر لی جاتی ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

(پ ۲۷ النجم ۱۶) (ترجمہ کنزالایمان)

فرمایا کہ وہ سونے کے پتنگے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۵۷' مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۴۲۸)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی روایت میں جو کہ ربیع بن انس ﷺ کے واسطہ سے ہے' مروی ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جہاں آپ ﷺ کی امت کے ہر ایک عمل جو آپ ﷺ کے راستہ پر فوت ہوتا ہے پہنچتے ہیں۔

یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے جس کی جڑ میں سے چار نہریں جاری ہیں۔ ایک نہر صاف پانی کی' دوسری نہر دودھ کی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا' تیسری نہر شراب کی جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہے' چوتھی نہر صاف شہد کی۔

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار ستر سال تک چل سکتا ہے۔ اس کا ایک پتہ مخلوق کو ڈھانکنے والا ہے۔ اس کو نور اور فرشتوں نے ڈھانک لیا ہے۔ خدا کے فرمان اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی (پ ۲۷ النجم ۱۶) کا یہی مفہوم ہے۔

اللہ ﷻ نے حضور ﷺ سے فرمایا: مانگئے؟ آپ ﷺ نے عرض کیا۔

تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا کر ان کو بڑا ملک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو نے کلام فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑا ملک دیا' لوہے کو ان کے لئے نرم کیا اور پہاڑوں کو ان کے لئے تابع فرمان کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم دے کر جن وانس' شیاطین اور ہوا کو ان کا تابع فرمان بنایا اور ان کو ایسا ملک دیا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت وانجیل سکھائی اور ان کو مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست بنانے والا کیا۔ ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی اور وہ مردود ان دونوں پر کوئی راہ نہیں پاتا۔

تب اللہ ﷻ نے حضور ﷺ سے فرمایا: میں نے تم کو خلیل اور حبیب بنایا اور یہ توریت میں

مکتوب ہے کہ محمد ﷺ رحمٰن کے حبیب ہیں۔ اور میں نے تم کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور تمہاری امت کو ایسا کیا کہ وہی اول اور وہی آخر ہیں اور میں نے تمہاری امت کو ایسا کیا کہ ان کے لئے خطبہ جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں۔ تم میرے بندے اور میرے رسول ہو اور اے محبوب میں نے تم کو خلقت کے اعتبار سے تو پہلے اور بعثت کے لحاظ سے آخر بنایا اور میں نے تم کو سبع مثانی دیا جو کہ میں نے کسی نبی کو تم سے پہلے نہیں دیا اور میں نے تم کو سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (خاص طور پر) دیں۔ وہ میرے عرش کے نیچے کا خزانہ ہے جو تم سے پہلے کسی نبی کو نہ دیا اور میں نے تم کو شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔

اور دوسری روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں (خاص طور) پر دی گئیں۔ یعنی پانچ نمازیں سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کو ہلاک کرانے والے گناہ کبیرہ سے بخشش جنہوں نے کبھی خدا کا شرک نہ ٹھہرایا اور فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (پ۲۷۔ النجم ۱۱) دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا (ترجمہ کنز الایمان)

جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔

شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان میں دیکھا فرمایا۔ ان کو یہ مرتبہ ان کے کلیم ہونے کی وجہ سے ملا۔

فرمایا: پھر مجھے اس سے اوپر لے گئے۔ اس مقام کو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا یہ گمان تھا کہ کوئی مجھ سے بڑھ کر ہوگا۔ (یہ راوی کا تصرف معلوم ہوتا ہے حالانکہ توریت میں اس کی فضیلت مذکور ہے۔) (نسیم الریاض کما فی مناہل الصفا للسیوطی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور میرے دونوں کندھوں کو ہلایا بس میں کھڑا ہوا اور اس درخت کی طرف جو وہاں تھا بڑھا اور اس میں پرندوں کے دو گھونسلے کی مانند ایک میں میں بیٹھا اور دوسرے میں وہ (جبرائیل علیہ السلام) پھر وہ بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ اس نے مشرق اور مغرب کو ڈھانپ لیا اور اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا میں ادھر ادھر دیکھتا رہا اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گویا ایک باریک کپڑا ہے جو زمین سے ملا ہوا ہے۔ میں نے ان کے مرتبہ علم کو جان لیا جو اللہ عزوجل نے مجھ پر دیا ہے۔ (یہ ان کی جزوی فضیلت ہے ورنہ کلی

فضیلت حضور ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ مترجم) میرے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے گئے اور میں نے نور اعظم کو دیکھا اور میرے پیچھے پردہ ڈالا گیا کہ اس کی دوڑیں موتی اور یاقوت کی تھیں۔ پھر اللہ ﷻ نے جو چاہا مجھے وحی فرمائی۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی مرتضٰی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی کہ جب اللہ ﷻ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے رسول ﷺ کو اذان سکھائے تو جبریل علیہ السلام ایک جانور لائے۔ جس کو براق کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی۔

جبریل علیہ السلام نے کہا: ٹھہر جا۔ خدا کی قسم تیرے اوپر حضور ﷺ سے بڑھ کر خدا کی بارگاہ میں کوئی مکرم بندہ سوار نہیں ہوا۔

پھر آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے یہاں تک کہ اس پردے کے قریب تک لے گیا جو اللہ ﷻ کے قریب تھا۔ آپ ﷺ اس حالت میں تھے کہ پردے یعنی حجاب کے پیچھے سے ایک فرشتہ نکلا۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے جبریل علیہ السلام یہ کون ہے؟

کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ خدا کی بارگاہ میں بہت مقرب ہوں لیکن اس فرشتہ کو جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس سے پہلے نہ دیکھا۔

فرشتے نے کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اس کو پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں۔ پھر فرشتے نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اس سے پردے کے پیچھے سے کہا گیا: میرے بندے نے سچ کہا۔ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بقیہ کلمات اذان کو اسی طرح ذکر کیا گیا مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ○ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جواب کا ذکر نہیں کیا اور کہا پھر فرشتے نے حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور آپ ﷺ کو آگے لے گیا تب آپ ﷺ نے آسمان والوں کی امامت فرمائی جس میں آدم و نوح علیہما السلام بھی تھے۔

(مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۹)

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ اس کے راوی نے کہا کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی شرافت کو تمام آسمان و زمین والوں پر کامل کر دیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حجاب (پردے) کا جو ذکر ہے وہ پردہ مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے حق میں۔ وہ لوگ محجوب ہیں اور اللہ ﷻ جل اسمہٗ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کو چھپائے۔ اس لئے کہ پردہ میں وہ چیز ہو سکتی

ہے جو اندازہ میں آئے اور وہ ہمارے حواس خمسہ میں آنے والی ہو لیکن اس کے پردے مخلوق کی آنکھوں' عقلوں اور فہموں پر ہیں۔ جس کے ساتھ وہ چاہے جیسا چاہے اور جب چاہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ خود فرماتا ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ؕ (پ۳۰ المطففین ۱۵) ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس پردہ والی حدیث کے' کہ فرشتہ پردے میں سے نکلا واجب ہے کہ یہ معنی کئے جائیں کہ وہ ایک پردہ تھا کہ دوسرے فرشتے اس فرشتہ کے سوا اللہ ﷻ کی عظمت وسلطنت' عجائب ملکوت وجبروت پرآگاہ نہ تھے۔ حدیث کے اس معنی پر جبریل علیہ السلام کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ فرشتہ جو پردے کے پیچھے سے نکلا ہے۔ وہ ہے جس کو اپنی خلقت سے لے کر اس وقت تک اس سے پہلے نہ دیکھا۔ یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ پردہ ذات الٰہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اس پر کعب احبار رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی دلیل لائی جاسکتی ہے۔ جو انہوں نے سدرۃ المنتہٰی کی تفسیر میں بیان کی ہے۔ کہا کہ اس کی طرف فرشتوں کا علم منتہی ہوتا ہے اور اس کے نزدیک سے خدا کا حکم پاتے ہیں۔ اس سے آگے ان کا علم بڑھتا نہیں۔

لیکن اس حدیث میں یہ قول کہ رحمٰن (اللہ ﷻ) سے متصل ہے تو یہ حذف مضاف اللہ ﷻ پر محمول کیا جائے گا یعنی عرش رحمان سے متصل ہے یا اس کی بڑی آیات کے کسی امر سے یا اس کے معارف کے حقائق کے مبادی سے۔ جس کو وہی زیادہ جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ. (پ۱۳ یوسف ۸۲) اور اس بستی سے پوچھ دیکھئے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حدیث میں یہ قول کہ پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا میں اکبر ہوں۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس جگہ سے حضور ﷺ نے کلام الٰہی کو سنا لیکن پردے کے پیچھے سے جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ. (پ۲۵ الشوریٰ ۵۱) کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی رویت سے بشر کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات بالکل درست ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو (بے حجاب) دیکھا تو ہوسکتا ہے کہ

آپ ﷺ اس مقام کے علاوہ کسی اور وقت میں دیکھا ہو یا اس سے پہلے دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ آپ نے رویتِ الٰہی کی۔ وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

تیسری فصل

آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

علماء سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی۔ اس میں تین قسم کی روایتیں ہیں۔

ایک گروہ اس طرف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی اور یہ نیند میں دیکھنا ہے۔ باوجودیکہ اس بات میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی خواب حق اور وہ وحی ہے۔ اس طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے حکایت کی ہے اور انہیں سے اس کے خلاف بھی مشہور ہے۔ اس کی طرف محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ — اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا آزمائش کو۔

(پ۱۵۔ الاسریٰ ۶۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اور وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کو گم نہیں کیا اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ایک دن میں سو رہا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے بموجب کہ حضور ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور قصہ معراج بیان کیا۔ پھر اس کے آخر میں کہا جب بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا (یہ دلائل معراج منامی کے قائلین کے ہیں)

اکابر علماء سلف اور تمام مسلمان اس طرف گئے ہیں کہ حضور ﷺ کی معراج بیداری میں جسمانی تھی اور یہی قول حق ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابی ہریرہ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابوحبہ بدری، حضرت ابن مسعود، حضرت ضحاک، حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے اور یہی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر حجت ہے اور یہی مذہب طبری، امام ابن حنبل رحمہما اللہ اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کا ہے اور یہی مذہب اکثر فقہائے متاخرین، محدثین، متکلمین اور مفسرین رحمہم اللہ کا ہے۔

اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسمانی معراج بیت المقدس تک ہوئی اور آسمانوں تک روحانی ہوئی۔ وہ اللہ ﷻ کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی۔

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو لے گیا ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک راتوں رات۔

(پ۱۵۔ الاسرٰی ۱) (ترجمہ کنزالایمان)

پس وہ مسجد اقصیٰ تک اس معراج کی انتہا کو مانتے ہیں جس میں تعجب وحیرت واقع ہے اور اس میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و مدح' وہاں تک تشریف لے جانے اور معراج ہونے کی کرامت نکلتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی مسجد اقصیٰ سے آگے تک بھی ہوتی تو اس کو اللہ ﷻ ذکر فرماتا۔ اس کا ذکر حضور ﷺ کی مدح میں اور اضافہ کرتا۔ پھر یہ دونوں گروہ اس میں مختلف ہیں کہ کیا حضور ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی یا نہیں۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی حدیث پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم آپ اور جبریل علیہ السلام براق کی پشت پر سوار تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ اور وہ واپس آ گئے۔

(تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۱۶ سورۃ الاسرٰی)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے کہتے ہیں کہ حق و صحیح بات انشاء اللہ ﷻ اس میں یہی ہے کہ حضور ﷺ کو معراج جسم و روح دونوں کے ساتھ شب معراج میں ہوئی اور اسی پر آیہ کریمہ اور معتبر اخبار صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف عدول نہیں کرنا چاہئے۔

سوائے امر محال کے اور حضور ﷺ کی معراج جسمانی اور حالت بیداری میں کوئی استحالہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر منامی (خواب میں) ہوتی تو اللہ ﷻ ''رُوْحُ عَبْدِهٖ'' فرماتا ''بِعَبْدِهٖ'' نہ فرماتا اور یہ کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

(پ۲۷۔ النجم ۱۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اگر خواب میں ہوتی تو یہ نہ نشانی ہے اور نہ معجزہ اور نہ کفار اس سے تعجب کرتے اور نہ اس کو

جھٹلاتے اور نہ ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہوتے اور نہ فتنے میں پڑتے۔ اس لئے کہ ایسی خوابوں کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ بلکہ یہ انکار اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے جسم و بیداری کی حالت میں معراج کی خبر دی ہے۔ کیونکہ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھنے کا حدیث میں ذکر ہے۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دوسروں کی روایت کے بموجب آسمانوں میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

پھر جبریل علیہ السلام کا براق لانا' معراج کی خوشخبری دینا' آسمانوں کے دروازے کھلوانا اور یہ کہا جانا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اور یہ کہنا کہ محمد ﷺ اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرنا ان کی ساری باتیں' ان کا مرحبا کہنا' نمازوں کا فرض ہونا اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا جانا اور بعض حدیثوں کے مطابق جبریل علیہ السلام کا میرا ہاتھ پکڑنا' آسمان پر لے جانا' پھر اتنا اونچا لے جانا کہ ہموار میدان آ جائے وہاں قلموں کے چرچرانے کی آواز سننا' سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا' وہاں کی سیر کرنا۔ یہ سب احادیث میں مذکور ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ معراج آنکھوں دیکھا حال ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے آنکھوں سے دیکھا خواب نہ تھا۔ (صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۷ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۷)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے اور پیچھے سے مجھے ہلایا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے نظر نہ آیا پھر لیٹ گیا۔ تین دفعہ یوں ہی ہوا۔ تیسری مرتبہ میرے کندھوں کو پکڑ کر اس نے ہلایا اور مجھے مسجد کے دروازے تک لے گیا تو وہاں ایک جانور تھا اور براق کی خبر دی۔ (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۶)

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میرے گھر سے ہی معراج کرائی گئی۔ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر ہمارے درمیان حضور ﷺ سو گئے۔ جب صبح فجر سے کچھ قبل حضور ﷺ نے ہم کو جگایا۔ جب آپ ﷺ اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

اے اُم ہانی! میں نے تمہارے ساتھ عشاء کی نماز جیسا کہ تم نے دیکھا اس وادی میں پڑھی۔ پھر بیت المقدس میں جا کر اس میں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز اب تمہارے ساتھ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو پڑھی ہے۔ یہ حجت ہے اس بات پر کہ آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شداد بن اوس ایک روایت میں اُن سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شب معراج کی صبح حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے رات کو کاشانہ اقدس میں

تلاش کیا۔ آپ کو نہ پایا؟ ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام اٹھا کر بیت المقدس لے گئے تھے۔ (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے شب معراج مسجد اقصیٰ کے سامنے نماز پڑھی۔ پھر میں صخرہ میں داخل ہوا تو ایک فرشتے کو تین برتن لئے کھڑا پایا۔ (الی اخر الحدیث) (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۶)

یہ تصریحات بالکل ظاہر ہیں۔ ان میں کوئی استحالہ نہیں اور اپنے ظاہری معنیٰ میں ہی محمول ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا:

میرے مکان کی چھت پھاڑی گئی۔ اس وقت میں مکہ میں تھا۔ پس جبریل علیہ السلام اترے اور میرا شرح صدر کیا۔ پھر آب زم زم سے غسل دیا۔ آخر قصہ تک۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپر لے گئے۔ (معراج کرائی) (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے پاس (آنے والے) آئے اور مجھ کو زم زم تک لے گئے اور میرا شرح صدر کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رکاوٹ محسوس کی جب قریش مجھ سے معراج کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وہ مجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کو میں نے محفوظ نہ کیا تھا۔ تو میں نے سخت ہچکچاہٹ محسوس کی جو کہ اس سے پہلے کبھی مجھے محسوس نہ ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھا کر میرے پیش نظر کر دیا۔ اسی کے مثل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۲ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۷،۱۵۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس آیا' بحالیکہ انہوں نے اپنا پہلو بھی بدلا نہ تھا۔

چوتھی فصل

معراج روحانی کے دلائل کا رد

یہ فصل ان دلائل کے ابطال میں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ معراج (نوم) خواب میں تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو حجت میں لاتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ۝ (پ۱۵ اسرٰی ۶۰)

اور ہم نے کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دیکھا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس کو اللہ ﷺ نے رؤیا قرار دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کا فرمان سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ (پ۱۵ اسرٰی ۱) اس کو رد کرتا ہے۔ اس لئے کہ اسریٰ حالت نوم کے لئے بولا ہی نہیں جاتا اور فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ رؤیا عینی مشاہدہ تھا۔

اور معراج جسمانی (شخصی) تھی۔ اس لئے کہ خواب میں دیکھنا تو فتنہ ہے ہی نہیں اور نہ اس کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے خواب میں اس کی مثل کائنات میں ایک گھڑی کے اندر مختلف اطراف میں چلا جاتا ہے۔ علاوہ بریں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت قصہ حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اس سے واقع ہوا اس کو بیان کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لیکن ان کی یہ دلیل کہ حضور ﷺ نے حدیث میں مَنَامًا (خواب) کہا ہے اور دوسری حدیث میں بَیْنَ النَّائِمِ وَالْیَقْظَانِ (میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا) آیا ہے اور یہ قول کہ وَهُوَ نَائِمٌ (درآنحالیکہ سو رہا تھا) اور یہ قول کہ ثُمَّ اسْتَیْقَظْتُ (پھر میں بیدار ہوا) اس کو حجت میں نہیں لایا جا سکتا۔

اس لئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں سب سے پہلے فرشتہ اس حالت میں پہنچا ہو کہ آپ ﷺ سوتے ہوں یا شروع اٹھانے کے وقت آپ ﷺ سوتے ہوں۔ حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ معراج کے سارے واقعات میں آپ سوتے رہے ہوں۔ البتہ آپ کا یہ فرمانا کہ پھر میں بیدار ہوا تو مسجد حرام میں تھا۔ شاید کہ اسْتَیْقَظْتُ بمعنی اَصْبَحْتُ (یعنی صبح کی میں نے) مراد ہو یا واپسی کے بعد آ کر سو گیا۔ پھر جاگا تو مسجد حرام میں تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ معراج لمبی رات تک نہ تھی۔ بلکہ وہ تو رات کے کچھ حصہ میں تھی اور کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ میں بیدار ہوا تو مسجد حرام میں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کے عجائبات کے مطالعہ نے ڈھانک لیا تھا اور آپ کے باطن کو ملاء اعلیٰ کے مشاہدہ نے اور اپنے رب کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ نے وارفتہ کر دیا تھا۔ آپ بشری حالت میں اسی وقت لوٹے جب مسجد حرام میں واپس آ گئے۔

اور تیسری وجہ یہ کہ آپ کی نیند اور بیداری حقیقی معنی میں ہو جو الفاظ کا ظاہری اقتضاء ہے لیکن معراج جسمانی ہوئی اس حال میں کہ آپ کا قلب حاضر تھا۔

اور انبیاء علیہم السلام کی نیند (خواب) حق ہوتی ہے۔ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے قلوب بیدار ہوتے ہیں۔

بعض اصحاب کے اشارات اس طرف مائل ہوئے ہیں اُن میں سے بعض کہتے ہیں۔آپ کا آنکھوں کو بند کرنا اس لئے تھا کہ کوئی محسوس چیز آپ کو اللہ ﷻ سے نہ روک سکے۔ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے لئے نماز کے وقت صحیح نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے کہ اس معراج میں آپ کی یہ حالت ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ نیند سے مطلب یہ ہو کہ سونے والوں کی طرح سیدھے لیٹے ہوں اور اس تاویل کو آپ کا یہ فرمان قوی بناتا ہے جو عبد بن حمید رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں ہمام رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں سوتا تھا اور بعض دفعہ فرمایا کہ لیٹا تھا۔

ھُد بہ رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں آپ سے منقول ہے کہ میں حطیم میں سو رہا تھا اور بعض دفعہ فرمایا: حجر اسود کے پاس لیٹا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا۔ پس اس حالت کو نیند کہہ دیا کیونکہ سونے والی حالت غالب تھی۔

بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ اضافات یعنی سونا' شکم کا چاک کرنا' اللہ ﷻ سے قریب و بعید ہونا صرف شریک ﷺ کی روایت میں ہے۔ جو حضرت انس سے مروی ہے۔ لیکن یہ روایت منکر ہے۔ اس لئے کہ شکم کا چاک ہونا احادیث صحیحہ میں اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ عہد طفولیت میں تھے جو نبوت سے پہلے کا وقت کا ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث میں قبل بعثت کا ذکر ہے اور معراج باتفاق بعثت کے بعد ہوئی ہے۔ پس یہ سب دلائل حضرت انس کی روایت کو کمزور کرتے ہیں۔ باوجودیکہ حضرت انس ﷺ نے متعدد طریقوں سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت دوسروں سے منقول ہے۔ حضور ﷺ سے اس کو نہیں سنا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ تو مالک بن صعصعہ ﷺ سے نقل کیا اور کتاب مسلم میں کہا کہ شاید یہ مالک ابن صعصعہ سے ہے۔ یعنی شک کے لفظ روایت کیا اور ایک دفعہ کہا کہ ابوذر ﷺ حدیث بیان کرتے تھے۔

لیکن اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ میں نے حضور ﷺ کے جسد اقدس کو گم نہیں کیا۔

اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے مشاہدہ سے نہیں بیان کرتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس وقت تک آپ کی بیوی نہیں ہوئی تھیں اور نہ آپ کی ایسی عمر تھی کہ اس میں کوئی یاد رہ سکے اور شاید کہ وہ

اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئی تھیں کیونکہ وقوع معراج کے تعین میں اختلاف ہے۔ پس جبکہ وقوع معراج اگر اول اسلام میں ہو جیسا کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جو اس کی موافقت کرتے ہیں کہ بعثت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے وقت آٹھ سال کی بچی تھیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقوع معراج ہجرت سے پانچ سال قبل اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی۔ قرین صحت پانچ سال ہی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دلیل طویل ہے جو ہماری غرض سے متعلق نہیں۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود مشاہدہ نہیں کیا تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے دوسروں سے سن کر بیان کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسروں کی خبر پر ان کی روایت کو ترجیح دی جائے۔ حالانکہ ان کے سوا دوسرے اس کے خلاف کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث اُم ہانی رضی اللہ عنہا میں صاف طور پر بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اوروں نے بھی روایت کیا ہے۔

اب نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ثابت نہیں اور دوسری احادیث زیادہ ثابت اور صحیح ہیں۔ ہماری اس سے مراد اُم ہانی کی حدیث ہے اور نہ وہ جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ حضرت عائشہ کی حدیث رضی اللہ عنہا میں ہے کہ "میں نے جسم اقدس کو گم نہیں کیا" حالانکہ حضور ﷺ ان سے مدینہ میں ملے ہیں۔ یہ تمام دلیلیں ان کی روایت کو کمزور کر رہی ہیں۔ بلکہ آپ کا جسم کے ساتھ تشریف لے جانے پر انہیں کا صحیح قول دلالت کرتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے آنکھ سے دیدار الٰہی کی روایت کا انکار کرتی ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہ خواب میں ہوتا ہے تو اس کا انکار نہ کرتیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (پ۲۷۔ النجم ۱۱) جو دیکھا دل نے نہ جھٹلایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس سے دل کا دیکھنا مراد ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ خواب کا دیکھنا اور وحی تھی نہ کہ آنکھ اور حواس سے مشاہدہ کرنا۔ تو ہم اس کے جواب اور مقابلہ میں یہ آیت پیش کریں گے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ (پ۲۷۔ النجم ۱۷) آنکھ نہ پھری نہ حد سے بڑھی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس میں دیکھنے کی نسبت آنکھ کی طرف کی ہے اور مفسرین آیت کریمہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دل نے آنکھ کو حقیقت کے سوا وہم میں نہ ڈالا بلکہ اس کی رویت کی دل نے تصدیق کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے دل نے انکار نہ کیا جو آپ ﷺ کی آنکھ نے دیکھا۔

پانچویں فصل

آپ ﷺ کا اللہ ﷻ کو دیکھنا

علماء سلف نے حضور ﷺ کا رب تبارک وتعالیٰ کی رویت (دیکھنے) میں اختلاف کیا ہے۔ اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا۔

حدیث: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے[1] کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: یا ام المومنین! کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟

تو فرمایا: تمہارے اس سوال سے میرے بال کھڑے ہو گئے۔ تین باتیں ایسی ہیں جو تم سے کہے وہ جھوٹا ہے۔ ایک یہ کہ جو تم سے کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ. (پ ۷۔ الانعام ۱۰۳) "آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں" (ترجمہ کنزالایمان)

آخر حدیث تک بیان کیا اور ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی قائل ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔[2]

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[3] وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور اس کے خلاف بھی ان سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کے انکار کے ساتھ دنیا میں رویت الٰہی ناممکن فرمایا ہے۔ اس کی محدثین فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت قائل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے رویت الٰہی کی۔ انہیں سے عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے اس کو دیکھا۔ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھے کہ کیا حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کا دیدار کیا۔ فرمایا: ہاں۔ اور ان سے یہی زیادہ مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو اپنی آنکھ سے

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۶۰ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۴ صفحہ ۹۱

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۶۱ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۴ صفحہ ۹۱

۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۵۸

دیکھا۔ یہ ان سے متعدد طریقوں سے مروی ہے۔ (تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۴۸، سورۃ النجم)

اور فرمایا: بیشک اللہ ﷻ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلعت سے اور حضور ﷺ کو رویت سے خاص فرمایا۔ ان کی دلیل یہ فرمان الٰہی ﷻ ہے:[1]

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ (پ ۲۷، النجم ۱۱-۱۳)

دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا کو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے وہ جلوہ دو بارہ دیکھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کے مابین تقسیم فرمایا ہے۔ پس حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب ﷻ کو دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنے رب ﷻ سے کلام فرمایا۔

ابو الفتح رازی اور ابو اللیث سمرقندی رحمہما اللہ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے حکایت نقل کرتے ہیں جو عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس اور کعب رضی اللہ عنہما ایک دفعہ جمع ہوئے۔ تب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔ کعب رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی' یہاں تک کہ پہاڑوں نے اس کا جواب دیا اور کہا: بیشک اللہ ﷻ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقسیم کر دیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام سے تو کلام کیا اور حضور ﷺ کو آپ ﷺ کے قلب کے ساتھ دیدار کرا دیا۔ (تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۴۷)

شریک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: کیا آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کا دیدار کیا؟

فرمایا: میں نے اس کو دل سے دیکھا' آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

(جامع البیان جلد ۲۷ صفحہ ۴۷' تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۴۸)

مالک بن یخامر رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا اور اس نے کہا کہ فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ (مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۹۰_۲۸۵)

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کی قسم کھاتے تھے کہ

۱۔ سنن نسائی' مستدرک' بحوالہ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۴۷

یقیناً حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دیکھا۔

ابو عمر طلمنکی ؓ نے عکرمہ ؓ سے اس کو روایت کیا اور بعض متکلمین نے اس مذہب کو ابن مسعود ؓ سے منسوب کیا ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مروان ؓ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے پوچھا: کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا قائل ہوں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو اپنی آنکھ سے دیکھا' دیکھا' دیکھا آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے گئے یہاں تک کہ آپ کا سانس ختم ہو گیا۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا۔

ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کو دل سے دیکھا اور دنیا میں آنکھوں سے دیکھنے کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

سعید ابن جبیر ؓ کہتے ہیں کہ میں نہ تو یہ کہتا ہوں کہ دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ نہ دیکھا۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ' حسن اور ابن مسعود ؓ کا آیت کی تاویل میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اللہ ﷻ کو اپنے دل سے دیکھا اور حضرت حسن اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے دیدار الٰہی کیا۔

ابن عطا سے اللہ ﷻ کے ارشاد

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝ (پ۳۰۔الم نشرح۱) کیا ہم نے آپ کا انشراح صدر نہ کیا۔ کی تفسیر میں مروی ہے کہ کہا کہ حضور ﷺ کا شرح صدر رویت الٰہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر کلام ہے۔

ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ اللہ ﷻ کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور اپنے سر کی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا: ہر نشانی جو انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی نبی کو دی گئی۔ بلاشبہ اس کی مثل ہمارے نبی ﷺ کو دیا گیا اور انہیں رویت الٰہی سے فضیلت دے کر خاص کیا۔

اور بعض ہمارے مشائخ نے اس میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ یہ ہوا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ حق الامر جس میں کوئی شک و شبہ نہیں یہ ہے کہ دنیا میں اللہ ﷻ کی رویت عقلاً جائز ہے اور عقلاً اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ دنیا میں دیدارِ الٰہی جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدارِ الٰہی کی خواہش و طلب کی اور امر محال سے بے خبری نبی کی شان سے بعید ہے اور اس کا سوال و طلب کرنا اللہ ﷻ کے نبی کے لیے جائز نہیں۔ نبی علیہ السلام اسی کا سوال کرتا ہے جو جائز و غیر مستحیل ہو لیکن اس کا وقوع و مشاہدہ ان امورِ غیبیہ میں سے ہے جس کو اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جب ہی تو اللہ ﷻ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لَنْ تَرٰنِیْ (پ ۹ الاعراف ۱۴۳) (مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) یعنی تم میں اتنی طاقت نہیں ہے اور نہ اتنا تحمل کہ میری رویت برداشت کر سکو۔ پھر اللہ ﷻ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کا مثل جوان سے زیادہ قوی و ثابت ہو کر دیا' وہ کوہ طور ہے۔

ان تمام باتوں میں ایسی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں اس کی رویت کو محال بتائے۔ بلکہ فی الجملہ اس کا جواز ہی نکلتا ہے اور شریعت میں بھی کوئی دلیل قاطع ایسی نہیں جو رویت الٰہی کے محال و ممتنع پر ہو۔ اس لئے ہر موجود کی رویت جائز ہے' مستحیل و متعذر نہیں۔ یہ کوئی دلیل نہیں ہے جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ. (پ ۷ الانعام ۱۰۳) آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں (ترجمہ کنزالایمان)

کیونکہ اس آیت کریمہ کی مختلف تاویلیں ہیں اور یہ بھی کہ جو اس کی رویت کو دنیا میں ممتنع کہتا ہے۔ مطلق محال کا مقتضی نہیں (بلکہ دنیا کی تخصیص ہی ان کا پتہ دے رہی ہے کہ آخرت میں ان شاء اللہ ﷻ ضرور رویت ہوگی۔ شرح شفاء)

بلاشبہ اسی آیت سے بعض علماء رویت الٰہی کے جواز و عدم محال پر فی الجملہ استدلال کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اللہ ﷻ کو کفار کی آنکھیں نہیں پا سکتیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا احاطہ (گھیر) نہیں کر سکتیں۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ بعض نے کہا کہ آنکھیں تو اس کا ادراک نہیں کر سکتیں مگر دیکھنے والے اس کو پا سکتے ہیں [1] یہ تمام تاویلیں نہ تو منع رویت کی مقتضی ہیں اور عدم محال کی۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ بھی نہیں ہو سکتی جو اللہ ﷻ نے فرمایا: لَنْ تَرٰنِیْ. (پ ۹ الاعراف ۱۴۳) (مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) اور نہ یہ کہ تُبْتُ اِلَیْكَ (تیری طرف رجوع کیا) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ یہ عموم پر دلالت نہیں کرتی اور یہ کہ جو اس کے معنی یہ بتاتا ہے کہ "تم دنیا میں نہیں دیکھ

۱۔ تفسیر ابن جریر سورۃ الانعام جلد ۷ صفحہ ۱۹۹

سکتے۔'' یہ بھی تو ایک تاویل ہے۔ نیز اس میں ممانعت کی کوئی صراحت نہیں اور یہ کہ یہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔

جب کسی کلام میں بہت سی تاویلیں اور بکثرت احتمالات پیدا ہو جائیں تو اس سے کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ نہیں ہوتا۔ (خواہ وہ جواز کا ہو یا امتناع کا)

اور ان کی دلیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول کہ تُبْتُ اِلَیْکَ (تیری طرف رجوع ہوتا ہوں) کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے سوال سے رجوع کرتا ہوں۔ جب تک تو اس کی قدرت وطاقت نہ دے۔

ابوبکر ہذلی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''لَنْ تَرَانِیْ'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کسی بشر کو یہ طاقت نہیں کہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو بھی میری طرف نظر کرے گا مر جائے گا۔

میں نے بعض علمائے سلف اور متاخرین کو اس کے یہ معنی بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا میں اس لئے ممتنع ہے کہ دنیا والوں کی ترکیب اور ان کے قوامی (اعضاء) کمزور ہیں۔ آفتوں اور فنا کے عوارض سے وہ متغیر ہوتے رہتے ہیں پس وہ دیکھنے کی طاقت رکھتے ہی نہیں لیکن آخرت' تو ان کی وہاں ترکیب دوسری طرح پر ہوگی اور ان کو ایسا رزق دیا جائے گا جو قوی' ثابت اور باقی رکھنے والا ہوگا۔ ان کی آنکھوں اور دلوں کے نور پورے ہوں گے تو ان کو رویت کی طاقت دے دی جائے گی۔

اس طرح میں نے مالک ابن انس رضی اللہ عنہ کا قول دیکھا ہے۔ کہا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ باقی ہے اور باقی کو فانی کے ساتھ نہیں دیکھا جاتا اور جب آخرت ہوگی اور آنکھیں باقی رہنے والی دی جائیں گی تو باقی کو باقی کے ساتھ دیکھ لیں گے۔

یہ کلام عمدہ اور نفیس ہے۔ اس میں کوئی دلیل استحالہ پر نہیں البتہ ضعفِ قدرت کی وجہ اس کا دیدار نہیں کر سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کو چاہے قوی کر دے گا اور رویت الٰہی کو برداشت کرنے کی جب وہ طاقت دے گا تو اس کے حق میں وہ محال نہ رہے گا۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بصر کی قوت وطاقت کتنی تھی اور قوت الٰہیہ سے ان دونوں کی کیسی قوت وادراک تھی جس کو انہوں نے جانا اس طرح جانا اور جو دیکھا کیسے دیکھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں آیتوں کے جواب اور اس کے معنی بیان کرنے کے

دوران میں فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اسی وجہ سے وہ تو بے ہوش ہو کر زمین پر آ گئے اور پہاڑ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے ادراک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول سے انہوں نے احتیاط کیا ہے کہ

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ (پ ۹ الاعراف ۱۴۳)

ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا (ترجمہ کنز الایمان)

وَاللہ اعلم۔ پھر فرمایا:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ ○ (پ ۹ الاعراف ۱۴۳)

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش (ترجمہ کنز الایمان)

پہاڑ پر تجلی کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس کا ظہور ہوا حتیٰ کہ اس کو دیکھا۔ یہ اس قول (ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ) کے موافق ہے۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ کی طرف متوجہ کر کے تجلی فرمائی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً وہ فوت ہو کر زمین پر آ جاتے' پھر ہوش میں نہ آتے۔ یہ قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بیشک پہاڑ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے اور پہاڑ کے دیکھنے سے قائل استدلال کرتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا کیونکہ اس نے اس کو جواز کی دلیل ٹھہرایا ہے اور جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس لئے کہ آیات میں منع پر کوئی نص نہیں۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ کے لیے دیدار الٰہی تعالیٰ کا واجب ہونا اور یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس میں بھی کوئی دلیل قطعی اور نص نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں معتبر تو سورۃ النجم کی دو آیتیں ہیں اور ان دونوں میں اختلاف منقول ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے اور نہ کوئی قطعی' متواتر حدیث حضور ﷺ سے اس بارے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث وہ ان کے اعتقاد کی خبر ہے۔ انہوں نے اس کی اسناد نبی کریم ﷺ کی طرف نہیں کی تا کہ ان کے ظنی اعتقاد پر (عمل) واجب ہے۔ اسی طرح آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ محتمل تاویل ہے اور اس کی سند اور متن دونوں

مضطرب ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث بھی مختلف، محتمل اور مشکل ہے۔ کیونکہ مروی ہے کہ وہ نور ہے میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں[1] اور ہمارے بعض بزرگوں نے کہا کہ وہ نورانی ہے جو مجھے دکھائی دیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو فرمایا: میں نے نور دیکھا۔[2] لہٰذا صحت رویت الٰہی پر ان میں سے کسی ایک سے بھی حجت پکڑنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو کہ میں نے نور دیکھا تو بلاشبہ آپ ﷺ نے اس کی خبر دی کہ آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کو نہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے تو نور دیکھا اس نے اس سے روک دیا اور رویت الٰہی میں حجاب بن گیا[3] اور اسی طرف یہ قول بھی لوٹتا ہے کہ وہ نور ہے کیونکر دیکھ سکتا ہوں یعنی میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ آنکھوں کے سامنے تو نور کے پردے ڈھکے ہوئے تھے اسی کی مثل وہ دوسری حدیث بھی ہے کہ "اس کا حجاب نور ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو نہ دیکھا۔ لیکن اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے[4] اور یہ آیہ کریمہ پڑھی:

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی. (پ۲۷، النجم ۸) پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا اور پھر خوب اتر آیا (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ عزوجل اس پر قادر ہے کہ جو ادراک آنکھ میں ہے وہ دل میں پیدا فرما دے یا وہ جیسا چاہے اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی صریح حدیث اس بارے میں وارد ہو تو اس پر اعتقاد رکھا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں کوئی امر محال نہیں ہے اور نہ کوئی مانع قطعی ہے جو کہ اس کو رد کیا جائے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ.

چھٹی فصل

واقعہ معراج میں حضور ﷺ کا اللہ عزوجل سے مناجات کرنا اور کلام کرنا

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی. (پ۲۷، النجم ۱۰)

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

۳۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۲

۴۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۲۷

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ جبریل علیہ السلام کو وحی فرماتا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے' سوائے شاذ حالتوں کے۔ اس کے ساتھ جو احادیث شامل ہیں۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی طرف بلاواسطہ وحی فرمائی اور یہی واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور اسی طرف بعض متکلمین گئے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ سے شب معراج کلام کیا۔ اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے۔

اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں نے نقل کیا ہے اور دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں۔ نقاش رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ شب معراج میں حضور ﷺ سے اللہ ﷻ کے اس قول دَنٰی فَتَدَلّٰی (قریب ہوئے اور قریب ہوئے) کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ مجھ کو جبریل علیہ السلام نے چھوڑ دیا۔ تب مجھے تمام آوازیں (آنا) ختم ہو گئیں۔ اس وقت اپنے رب ﷻ کا کلام سنا وہ فرماتا تھا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا خوف جاتا رہے قریب آؤ قریب آؤ! اسی کے مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس میں انہوں نے اس آیت سے دلیل لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ (پ ۲۵ الشوریٰ ۵۱)

کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

علماء فرماتے ہیں کہ اس کی یہی تین قسمیں ہیں۔ یا تو پردے کے پیچھے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا یا فرشتہ کو بھیج کر ہو جیسے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہوا اور اکثر حالتوں میں ہمارے نبی ﷺ پر ہوتا رہا۔ اب رہی تیسری قسم' وحی کے طور پر باتیں کرنا۔ سو کلام کی تقسیم میں اس کے سوا کوئی صورت نہیں باقی رہی کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ بالمشافہ کلام ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وحی یہاں پر یہ ہے کہ نبی کے دل میں کلام کا القا کر دیا جائے بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے۔

ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے واقعہ شب معراج میں ذکر کیا ہے جو کہ کلام الٰہی کو حضور ﷺ کے سننے میں آیت سے زیادہ واضح ہے۔ اس میں ذکر کیا ہے کہ فرشتے نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا۔ پردے کے پیچھے سے مجھ سے کہا گیا: میرے بندے نے صحیح کہا میں اکبر ہوں' میں اکبر ہوں اور اذان کے تمام کلمات کا اسی طرح ذکر کیا۔ ان دونوں حدیثوں کے مشکلات' بعد کی فصل میں اور جو اس کے مشابہ ہیں اگلے باب کی فصل اول میں کلام آئے گا۔

حضور ﷺ سے اللہ ﷻ کا کلام فرمانا اور ان مخصوص نبیوں سے کلام کرنا جس کو وہ خاص کرتے

جائز ہے۔ عقلاً محال و ممتنع نہیں اور نہ شریعت میں مخالفت پر کوئی دلیل ہے۔ پھر اگر اس میں کوئی حدیث صحیح ثابت ہے تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ ﷻ کا کلام فرمانا یقیناً حق ہے اور کتاب مجید میں اس کی صراحت کی گئی ہے اور اس کو مصدر سے ذکر کیا ہے تاکہ حقیقت پر دلالت کرے اور آپ ﷺ کا مرتبہ بڑھایا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ساتویں آسمان پر بسبب کلام الٰہی ﷻ کے ہیں۔

اور حضور ﷺ کو ان سب میں اوپر لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ مقام استویٰ تک پہنچے اور قلموں کے چلنے کی آواز سنی۔ یہ کیونکر آپ ﷺ کے حق میں محال ہوگا یا کلام الٰہی کا سننا بعید ہوگا۔ پس پاکی ہے جس کو بھی جیسا چاہے نوازے اور اس نے ایک کو ایک پر درجات دیئے۔

ساتویں فصل

شب معراج آپ ﷺ کا قرب

لیکن وہ جو حدیث معراج اور ظاہر آیت میں قرب و نزدیکی کا ذکر اللہ ﷻ کے فرمان ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ۝ وَ کَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (پ۲۷۔النجم ۹۔۸) میں ہے۔

اس میں اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ قرب و نزدیکی منقسم ہے حضور ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے مابین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہے یا سدرۃ المنتہیٰ مراد ہے۔ اس کو رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے حضور ﷺ کا اللہ ﷻ سے قرب و نزدیکی مراد ہے۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ دَنٰی یعنی قریب ہوئے اور تَدَلّٰی بہت قریب ہوئے۔ یہ روایت ہے کہ قرب کے معنی میں دونوں لفظ واحد ہیں۔ اس کو مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ ہے جو حضور ﷺ سے قریب ہوا۔ فَتَدَلّٰی اور حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے یعنی اس کے امر (حکم) سے قریب ہوئے۔

نقاش نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ دَنٰی قریب ہوا اپنے بندہ محمد ﷺ سے فَتَدَلّٰی۔[1] پس حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے تو دیکھا جو چاہا اور اپنی قدرت و عظمت حضور ﷺ کو دکھائی۔

1۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۲۶

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ شب معراج حضور ﷺ کے قریب رف رف ہوا۔ اس پر آپ نے تشریف رکھی پھر وہ بلند ہوا۔ پس حضور ﷺ اپنے رب ﷻ کے قریب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب جبریل علیہ السلام جدا ہو گئے اور آوازیں منقطع ہو گئیں۔ تب اپنے رب ﷻ کے کلام کو میں نے سنا۔

صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے اور اللہ رب العزت قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ یہاں تک کہ دو کمان کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ آپ ﷺ کی طرف اللہ ﷻ نے جو چاہا وحی فرمائی۔ منجملہ ان کے پچاس نمازوں کی وحی ہے اور حدیث اسراء کا ذکر کیا۔

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ ہیں جو اپنے رب ﷻ سے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کے قریب کی کوئی حد نہیں اور بندوں کے قریب کی حد ہوتی ہے۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرب سے ''کیفیت'' منقطع ہو گئی تھی۔ (یعنی وہاں کیف و کم کا گزر ہی نہیں)

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کس طرح جبریل علیہ السلام قریب سے حجاب میں رہے اور حضور ﷺ معرفت و ایمان سے کتنے قریب ہوئے۔ پھر سکون قلب کے ساتھ وہاں تک اترے جہاں تک کہ آپ ﷺ کو قریب کیا گیا اور آپ ﷺ کے دل سے تمام شک و شبہات دور ہو گئے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے فرماتے ہیں کہ جانو! وہ جو قریب و نزدیک کی نسبت اللہ ﷻ کی جانب سے ہے یا اللہ ﷻ کی طرف ہے وہ قرب مکانی نہیں اور نہ قرب اس کی انتہا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ ''قرب کی کوئی حد نہیں'' اس سے یہی مطلب ہے کہ حضور ﷺ کا اپنے رب ﷻ سے قریب ہونا اور اس کا آپ ﷺ سے قریب ہونا۔ اس سے آپ ﷺ کی بڑی منزلت' آپ ﷺ کے رتبہ کی شرافت' انوار معرفت کی نورانیت' اسرار غیبیہ کا مشاہدہ اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت کا اظہار ہے اور اللہ ﷻ کی جانب سے آپ ﷺ کے لئے نیکی' محبت' خوشی اور اکرام ہے اور اس میں وہ تاویل کی جاتی ہے جو اس فرمان نبوی میں تاویل کی جاتی ہے کہ

يَنْزِلُ رَبُّنَا اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَاءِ. ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔

(ان کی) وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اتر نا فضیلت وخوبصورتی اور قبول واحسان کے لئے ہے۔

واسطی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ وہم کرتا ہے کہ اللہ ﷻ بنفسہٖ قریب ہوا تو وہ مسافت کو مانتا ہے۔ (حالانکہ بعد وقرب مسافت کے لحاظ سے ممتنع ہے) بلکہ جو چیز بنفسہٖ خدا سے قریب ہوگی' اتنا ہی وہ بعد کے قریب ہوگی۔ یعنی اس کی حقیقت کے ادراک سے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے لئے نہ قرب ہے اور نہ بُعد۔

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (پ۲۷۔ النجم ۹) اس میں جو شخص ضمیر کو اللہ ﷻ کی طرف لوٹاتا ہے اور جبریل علیہ السلام کی طرف نہیں کرتا۔ تو اس وقت اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ سے نہایت قرب' مہربانی کا مقام' ظہور معرفت اور حقیقی شرافت کے ساتھ ہے اور یہ بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ وہ قرب آپ ﷺ کی رغبت ومطلب کو پورا کرنا' اظہار نیکی اور رفعت منزلت و مرتبت اللہ ﷻ کی جانب سے آپ پر ہو۔

اس میں بھی وہی تاویل ہے جو حضور ﷺ کے اس فرمان میں ہے جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس سے ایک گز قریب ہوں گا اور جو میرے پاس چل کر آئے گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا۔[1] سو یہ قرب' اجابت' قبول دعا' احسان اور مقصد کا پورا کرنا ہے۔

آٹھویں فصل

حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت سے مکرم ہوں گے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے باہر آؤں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ جمع ہو کر آئیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔ جب وہ مایوس ہو جائیں گے' میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور میں اپنے رب ﷻ کے حضور تمام اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور یہ فخر نہیں۔ (اظہار واقعہ ہے) (سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۴۵ کتاب المناقب)

ابن زفر رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں جو ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس کے الفاظ حدیث یہ ہیں کہ میں لوگوں سے سب سے پہلے باہر آؤں گا جب وہ اٹھائے جائیں گے اور ان کا سردار ہوں گا۔ جب وہ آئیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ خاموش ہو جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید جلد ۹ صفحہ ۱۲۶

گا جب وہ روک لئے جائیں گے اور میں ان کا خوشخبری دینے والا ہوں گے جب وہ حیران ہوں گے بزرگی کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولاد آدم میں سب سے بڑھ کر اللہ ﷻ کے حضور مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔ میرے گرداگرد ایک ہزار خدمتی ہوں گے گویا وہ چمکتے موتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی لباس میں سے مجھے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا۔ میرے سوا کوئی مخلوق میں سے اس جگہ کبھی کھڑا نہ ہوا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولاد آدم کا علیہ السلام سردار ہوں گا۔ میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے سوا تمام نبی علیہم السلام میرے جھنڈے ہی کے نیچے ہوں گے۔ میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو زمین سے باہر آئے گا اور یہ فخر نہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۴۶ سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: بروز قیامت میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے نکلے گا اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ہی بروز قیامت لواء الحمد کا اٹھانے والا ہوں گا۔ اس میں فخر نہیں اور میں ہی پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فخر نہیں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو جنت میں شفاعت کرے گا اور میرے اُمتی سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بروز قیامت سید الناس ہوں گا۔ تم جانتے ہو یہ کیوں ہوگا؟ اللہ ﷻ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور حدیث شفاعت کا ذکر کیا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ حدیث ۱۸۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں خواہش رکھتا ہوں کہ بروز قیامت میرا اجر تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ بروز قیامت تم میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ پھر فرمایا: یہ دونوں بروز قیامت میری امت میں ہوں گے لیکن حضرت

ابراہیم علیہ السلام وہ فرماتے ہوں گے آپ تو میری دعا اور میری اولاد ہیں مجھ کو اپنی امت میں شمار فرمایئے اور عیسیٰ علیہ السلام اس لئے امتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام باہم علاتی بھائی ہیں کہ ان کی مائیں تو مختلف ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی نہیں ہے اور میں لوگوں کی نسبت ان کے ساتھ زیادہ حقدار ہوں۔

اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بروز قیامت لوگوں کا سردار ہوں گا۔ آپ ﷺ دنیا میں بھی ان کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی۔ لیکن (قیامت کے ساتھ) آپ ﷺ کا ارشاد فرمانا اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کی سیادت وشفاعت منفرد ہے۔ کوئی اس میں دوسرا مزاحم نہیں۔ جب لوگ آپ ﷺ کی طرف التجائیں کریں گے اور آپ ﷺ کے سوا کسی کو نہ پائیں گے اور آپ ﷺ ایسے سردار ہوں گے کہ آپ ﷺ کی طرف لوگ اپنی ضروریات میں پناہ لیں گے۔ تو آپ ﷺ اس وقت لوگوں میں تنہا سردار ہوں گے۔ اس میں کوئی آپ ﷺ کا دعویدار اور مزاحم نہ ہوگا۔

جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ (پ۲۴۔المومن ۱۶)

آج کس کی بادشاہی ہے (ترجمہ کنزالایمان)

(پھر خود ہی فرمائے گا) لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (پ۲۴۔المومن ۱۶)

ایک اللہ سب پر غالب کی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ دنیا اور آخرت اسی کا ملک ہے لیکن آخرت میں چونکہ دنیا میں جو دعوے کرتے تھے ان کے دعوے ختم ہو جائیں گے۔ (اس لئے اس نے یہ فرمایا)

اسی طرح تمام لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کریں گے تو آخرت میں بغیر کسی دعویدار کے ان کے سردار ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا حدیث ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت جنت کے دروازہ پر آ کر دروازہ کھلواؤں گا۔ خازنِ جنت (داروغہ) کہے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا: محمد ﷺ کہے گا مجھے آپ ﷺ ہی کے لئے حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا (لمبا) ہے اور اس کے کونے برابر کے ہیں۔ اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے۔ اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پیاری۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جو اس کو پیئے گا کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۰۱ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۷۹۳)

حضرت ابوذر ﷺ سے اسی کی مثل مروی ہے۔[1] اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی عمان سے ایلہ تک ہے۔ اس میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں۔

ثوبان ﷺ سے اس کے مثل مروی ہے ان میں سے ایک نے کہا سونے کا۔ دوسرے نے کہا چاندی کا۔

اور حارثہ بن رہب ﷺ کی روایت ہے کہ اس کی مابین مدینہ اور صنعا کے برابر ہے اور انس ﷺ نے کہا: مرایلہ اور صنعا کے برابر ہے۔ ابن عمر ﷺ نے کہا: کوفہ اور حجر اسود کے مابین لمبائی ہے اور حوض کی حدیث کو حضرت انس[2] جابر سمرہ ابن عمر عقبہ ابن ارقم ابن مسعود عبداللہ بن زید سہل بن سعد سوید بن جبلہ ابوبکر عمر بن خطاب ابن بریدہ ابوسعید خدری عبداللہ صابحی ابوہریرہ براء جندب عائشہ اسماء ابوبکر کی صاحبزادیاں ابوبکرہ خولہ بن قیس وغیرہم ﷺ نے بھی روایت کیا ہے۔

نویں فصل

آپ ﷺ کی محبت وخلت کا بیان

ان احادیث صحیحہ کا ذکر جن میں محبت وخلت کی وجہ سے حضور ﷺ کو فضیلت حاصل ہے اور مسلمانوں کی زبان پر آپ ''حبیب اللہ ﷺ'' کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید ﷺ سے بالاسناد مروی ہے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اللہ ﷻ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق ﷺ کو بناتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ تمہارا صاحب اللہ ﷻ کا دوست ہے اور عبداللہ بن مسعود ﷺ کے طریقہ سے ہے کہ بیشک اللہ ﷻ نے تمہارے صاحب کو خلیل بنالیا۔

حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی آپ ﷺ کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ ﷺ نکلے یہاں تک کہ جب ان کے نزدیک ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے ان کی باتیں سنیں جووہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سنا کہ ایک ان میں کہہ رہا تھا۔

تعجب ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا: کیا یہ زیادہ عجیب بات نہیں؟ کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ ﷻ نے کلام فرمایا۔ ان میں سے دوسرے

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۸

۲۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۷۔ مزید حوالہ جات کے لیے مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۰۲

نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ ﷻ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ ایک نے کہا کہ آدم علیہ السلام اللہ ﷻ کے صفی اور برگزیدہ ہیں۔

تب حضور ﷺ ان کے سامنے آئے اور سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور کلماتِ تعجب سنے۔ بیشک اللہ ﷻ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور موسیٰ علیہ السلام کو نجی اللہ کیا وہ اسی کے لائق تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ بنایا وہ اسی کے لائق تھے اور آدم علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ نبی بنایا وہ اسی کے لائق تھے۔ خبردار! میں حبیب اللہ ہوں۔ یہ فخر سے نہیں کہتا اور میں ہی بروز قیامت حامل لواء الحمد ہوں میں فخر سے نہیں کہتا۔

میں پہلا شفاعت کرنے والا اور قبولِ شفاعت ہوں اس میں فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اللہ ﷻ میرے لئے کھولے گا پھر وہ مجھے داخل کرے گا درانحالیکہ میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے۔ یہ فخر نہیں، میں اکرم الاولین والآخرین ہوں، یہ فخر نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا پس آپ کا اسم مبارک توریت میں حبیب الرحمٰن مکتوب ہے۔ (وفی حدیث الاسراء مرۃ)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ خلت کی تفسیر و اشتقاق میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں خلیل وہ ہے جو یکسو ہو کر ایسا اللہ ﷻ کی طرف ہو جائے کہ اس کے انقطاع و محبت میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں خلیل وہ جو خاص ہو جائے۔ اس قول کو بہت سوں نے اختیار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خلت کی اصل استصفاء یعنی پاکیزگی محبت میں اختیار کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اللہ اس لئے رکھا گیا کہ وہ اس کی راہ میں دوستی کرتے اور اس کی ہی راہ میں دشمنی کرتے تھے۔ ان کے لئے اللہ ﷻ کی خلت ان کی مدد و نصرت ہے اور بعد والوں کے لئے ان کو امام بنایا۔

بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلیل وہ ہے جو فقیر محتاج اور یکسو ہو۔ یہ خلت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حاجت و ضرورت کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کے ساتھ یوں نام رکھا گیا کہ انہوں نے اپنی تمام حاجتیں اللہ ﷻ پر موقوف رکھی ہوئی تھیں اور اسی کی طرف اپنے تمام ارادے کئے ہوئے تھے اس کے غیر سے ان کا علاقہ تھا ہی نہیں۔ جس وقت آپ علیہ السلام منجنیق (گوپھن) میں تھے کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جائے۔ تو جبریل علیہ السلام حاضر آئے اور کہا: "ما لک حاجۃ"۔ (کیا کوئی حاجت

ہے) فرمایا: اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا۔ (بندہ سراپا حاجت ہے مگر تجھ سے نہیں) (الحلیہ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۰)

ابوبکر بن خورک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خلت یہ ہے۔ محبت میں ایسی پاکیزگی ہو کہ اسرار کے درمیان اختصاص کو واجب کر دے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلت محبت ہے اور اس کے معنی ہمدردی، مہربانی، رفع درجات اور شفاعت کرنا ہے۔ اللہ ﷻ نے اس کو اپنی کتاب مجید میں بیان فرما دیا ہے:

قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ ؕ

یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ تم فرماؤ پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔

(پ ۶۔ المائدہ ۱۸) (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا محبوب کے لئے یہ واجب و ضروری ہے کہ اس کے گناہوں سے مواخذہ نہ کیا جائے۔

کہا کہ اس کو یاد رکھ! خلت بنوت سے اقوی ہے کیونکہ بنوت میں کبھی عداوت بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔

بیشک تمہاری بیویاں اور تمہارے اولاد تمہارے دشمن ہیں۔ تو ان سے بچو۔

(پ ۲۸۔ التغابن ۱۴) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ صحیح نہیں کہ خلت کے ساتھ عداوت ہو۔ پس اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور ﷺ کو خلت کے ساتھ نام رکھنا یا تو اللہ ﷻ کی طرف پورے پورے یکسو ہو جائے اور اپنی حاجتوں کو اسی کی طرف موقوف رکھنے اور اس کے غیر سے علیحدگی اختیار کر لینے اور وسائط و اسباب سے اعراض کر لینے کی وجہ سے ہے یا یہ اختصاص میں زیادتی ہے۔ ان دونوں کے لئے اللہ ﷻ کی جانب سے اور پوشیدہ مہربانیاں ہیں ان دونوں پر اور ان دونوں کے دلوں پر اسرار الٰہیہ اور مخفی غیوبات ربانیہ اور معرفت حقانیہ کے سوا کسی اور کی آمیزش نہ کی۔ یا اللہ ﷻ نے ان دونوں کو اپنا برگزیدہ کر لیا یا ان کے دلوں کو اپنے غیر سے ایسا پاک وصاف کر دیا کہ اس میں کسی غیر کی محبت کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اسی وجہ سے بعضوں نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کا دل ماسوا اللہ ﷻ کے لئے گنجائش نہ رکھے۔

ان کے نزدیک اس فرمان نبوی ﷺ کے بھی معنی یہ ہیں کہ فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔ لیکن وہ میرے اسلامی بھائی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۸۲، صحیح مسلم فضائل صحابہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)

علماء کرام اور ارباب قلوب صوفیائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کس کا درجہ

بڑا ہے؟ آیا خلت کا درجہ یا محبت کا درجہ؟

پس بعضوں نے تو ان دونوں کو برابر کہا۔ ان کے نزدیک حبیب ہی خلیل ہے اور خلیل ہی حبیب ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ اور حضور ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کیا اور بعضوں نے کہا کہ خلت کا درجہ اور ہے اور انہوں نے اس فرمان نبوی ﷺ سے دلیل پکڑی "اگر میں کسی کو خلیل بناتا' اپنے رب ﷻ کے سوا" پس آپ نے نہیں بنایا۔ آپ نے محبت کا اطلاق (اپنی صاحبزادی[1] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں صاحبزادے[2] (حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما) اور اسامہ[3] رضی اللہ عنہ وغیرہم پر کیا ہے۔

اکثر علماء کرام کہتے ہیں کہ خلت سے بڑھ کر محبت کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ کا درجہ حبیب حضرت خلیل علیہ السلام کے درجہ خلیل سے بلند ہے۔

محبت دراصل ایک ایسا میلان ہے جو محبت کرنے والا کسی کی طرف موافقت کرے لیکن اس کا اطلاق اس کے حق میں ہے کہ اس سے میلان صحیح ہو سکے اور موافقت سے نفع حاصل ہو۔ یہ درجہ مخلوق کا ہے لیکن خالق ﷻ ان اغراض سے منزہ ہے۔

اس کا اپنے بندے سے محبت کرنا یہ ہے کہ اس کو سعادت' عصمت' توفیق' اسباب قرب مہیا کرتا اور ان پر اپنی رحمت کے فیضان سے عزت دیتا ہے۔ اس کی غایت یہ ہے کہ اس کے قلب سے حجابات کھول دے یہاں تک وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اور اپنی بصیرت کے ساتھ اس کی طرف نظر کرے۔ پس وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔

جب اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں[4] جس سے وہ بولے اور اس نے سوا اس کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ محض اللہ ﷻ کے لئے مجرد ہو جاتا ہے اور اس کی طرف یکسو ہو کر ہو جاتا ہے۔ غیر اللہ سے اس کو اعراض ہو جاتا ہے اور اللہ ﷻ کے لئے دل مصفیٰ ہو جاتا ہے اور تمام حرکات خالص اللہ ﷻ کے لئے ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اس کی رضا پر راضی' اس کی ناراضگی پر ناراض۔ اسی وجہ سے بعضوں نے خلت کی یہ تعبیر کی ہے۔

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۶۲

۲۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲

۳۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۲۱' صحیح مسلم فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۶

۴۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۳ صفحہ ۸۹

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَکَ الرُّوْحِ مِنِّیْ وَبِذَا سُمِّیَ الْخَلِیْلُ خَلِیْلًا

بیشک تم مجھ میں اس طرح سرایت کر گئے ہو جیسے روح نے سرایت کی ہے۔ اسی لئے خلیل کو خلیل کہتے ہیں۔

فَاِذَا مَا نَطَقْتُ کُنْتَ حَدِیْثِیْ وَاِذَا مَا سَکَتُّ کُنْتَ الْغَلِیْلَا

پس جب میں بات کرتا ہوں تو تم میری بات ہوتے ہو اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو تم دل میں ہوتے ہو۔

پس اب خلت کی زیادتی اور محبت کی خصوصیت ہمارے نبی ﷺ کے لئے حاصل ہے۔ جس پر آثار صحیحہ مشہور مقبولہ امت دلالت کرتی ہیں اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کافی ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ. اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو (پ۳۔ ال عمران ۳۱) (ترجمہ کنز الایمان)

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے کہا تھا کہ (محمد) حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو معبود بنا لیں جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بنالیا ہے تو اللہ ﷻ نے ان پر اظہار غضب اور ان کی بکواس کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ. تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا (پ۳۔ ال عمران ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

پس اللہ ﷻ نے آپ کی شرافت کو زیادہ فرمایا ان کو یہ حکم دے کر کہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں اور یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ پیوستہ کیا۔ پھر ان کو آپ ﷺ کی نافرمانی پر ڈرایا۔ فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ. اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔ (پ۳۔ ال عمران ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

بیشک امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کلام بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ محبت اور خلت میں فرق ہے۔ ان کے تمام ارشادات خلت پر مقام محبت کی زبان میں طویل ہیں۔ لیکن ہم ان میں صرف اتنا بیان کریں گے جو مابعد کی طرف ہدایت کرے۔ منجملہ ان کے اقوال میں سے یہ ہے کہ خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے۔ اللہ ﷻ کے اس فرمان سے دلیل لی ہے کہ

وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی (پ۷۔ الانعام ۷۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حبیب اس کی طرف بلاواسطہ راہ راست پہنچتا ہے ان کا ماخذ یہ ہے کہ

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. (پ۲۷۔النجم۹)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد طمع میں رہتی ہے۔ان کا ماخذ یہ ہے:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ. اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں

(پ۱۹۔الشعراء۸۲) قیامت کے دن بخشے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حبیب وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد یقین میں ہوتی ہے۔ان کا ماخذ یہ ہے کہ

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ. (پ۲۶۔الفتح۲)

اور خلیل نے کہا کہ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ. (پ۱۹۔الشعراء۸۷)

اور مجھے رسوانہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ. (پ۲۸۔التحریم۸)

جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

آپ کو سوال سے پہلے ہی بشارت دے دی گئی اور خلیل نے امتحان کے وقت کہا

حَسْبِیَ اللّٰهُ (پ۱۱۔التوبہ۱۲۹) مجھے اللہ کافی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حبیب کے لئے کہا گیا۔حَسْبُکَ اللّٰهُ (پ۱۰۔الانفال۶۴)

اللہ تمہیں کافی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

خلیل نے کہا: وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ. (پ۱۹۔الشعراء۸۴)

میری زبان کو سچا بنا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حبیب سے کہا گیا: وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ط (پ۳۰۔الم نشرح۴)

ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔یہ چیزیں بغیر سوال مرحمت فرمائی گئیں (ترجمہ کنزالایمان)

خلیل نے کہا: وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. (پ۱۳۔ابراہیم۳۵)

مجھے اور میری اولاد کو بچا کہ ہم بت پرستی کریں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حبیب سے کہا گیا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ — اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والوں کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔ (پ ۲۲۔ الاحزاب ۳۳) (ترجمہ کنز الایمان)

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اصحاب مقال کے مقصد یعنی مقامات و احوال کی فضیلت پر ایک تنبیہ ہے اور ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ پس تمہارا رب ﷻ ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستہ پر ہے۔

دسویں فصل

حضور ﷺ کی فضیلت و شفاعت اور مقام محمود کا ذکر

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ — قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

(پ ۱۵۔ اسریٰ ۷۹) (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ گروہ در گروہ ہو جائیں گے۔ ہر امت اپنے نبی علیہ السلام کے تابع ہوگی و رعرض کرے گی:

اے فلاں نبی ہماری شفاعت کیجئے۔ اے ہمارے نبی ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ وہ سب مجتمع ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں اللہ ﷻ آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ الاسراء جلد ۶ صفحہ ۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پس میں اور میری امت ایک ٹیلہ پر ہوں گے۔ اللہ ﷻ مجھ کو سبز جوڑا پہنائے گا پھر مجھے اذن شفاعت دے گا۔ جو خدا چاہے گا کہوں گا۔ یہی مقام محمود ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حضور ﷺ چلیں گے یہاں تک جنت کے دروازہ کا حلقہ (زنجیر) پکڑیں گے۔ پس اس دن اللہ ﷻ آپ ﷺ کو وہ مقام محمود عطا فرمائے گا جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود ﷺ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ عرش کی دائیں جانب ایسے مقام پر کھڑے ہوں گے کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی وہاں کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اس وقت آپ ﷺ پر اگلے پچھلے سب رشک کریں گے۔ اسی کی مثل کعب اور حسن رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ وہ مقام ایسا ہے جس میں اپنی امت کے لئے شفاعت کروں گا۔

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مقام محمود پر کھڑا ہونے والا ہوں گا۔ عرض کیا گیا: وہ کیا ہے؟

فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کرسی (عدالت) پر جلوہ گر ہوگا۔

(مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۸)

حضرت ابو موسیٰ ﷺ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں اپنی آدھی امت (بلاحساب وکتاب) جنت میں داخل کروالوں گا یا شفاعت کو قبول کروں۔ تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ عام سود مند ہے۔ کیا تم اس کو متقیوں کے لئے خیال کرتے ہو؟ نہیں' بلکہ یہ گناہگاروں اور خطا کاروں کے لئے ہے۔ (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴۱)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ﷺ پر شفاعت کے بارے میں کیا حکم ملا؟

فرمایا: میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہے جو کہ اخلاص کے ساتھ گواہی دے کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اس کی زبان اور دل اس کی تصدیق کرے۔

(حاکم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۷۰)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میری امت کا حال دکھایا گیا جو میرے بعد کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی اور گزشتہ امتوں کا عذاب دکھایا گیا جو ان سے پہلے ان پر سبقت کر چکا ہے۔ تو میں نے اللہ ﷻ سے سوال کیا کہ مجھے ان کی شفاعت بروز قیامت دے۔ سو اللہ ﷻ نے عطا فرمایا۔

(حاکم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۸)

حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا جہاں ان کو منادی سنائی دے گی۔ ان کی آنکھ دیکھتی ہوگی درآنحالیکہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں

گے۔ جیسے کہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ خاموشی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی جان بغیر اذن بات تک نہ کر سکے گا۔

اس وقت حضور ﷺ کو ندا دی جائے گی۔ حضور ﷺ فرمائیں گے۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرِ فِیْ یَدَیْکَ (حاضر ہوں نیک بختی اور بھلائی تیرے آگے ہے) اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے۔ تو ہی ہدایت دینے والا ہے جو تجھ سے ہدایت چاہے اور تیرا بندہ تیرے سامنے ہے۔ ہر امر تیرا ہے اور تیری طرف سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا' کوئی بچا نہیں سکتا۔ سوائے تیرے تو بابرکت اور بلند ہے۔ تیری پاکی ہے اے رب کعبہ۔ (سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۴۳)

حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ ﷻ نے ذکر فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جنتی جنت میں اور ایک گروہ جنتیوں کا اور ایک گروہ دوزخیوں کا باقی رہ جائے گا تو اس وقت دوزخی گروہ جنتی گروہ سے کہے گا۔ تمہارے ایمان نے تم کو کیا نفع دیا۔ پس وہ اپنے رب ﷻ کو پکاریں گے اور چلائیں گے۔ جنتی ان کی آوازیں سنیں گے۔

پس وہ آدم ؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے ان کی شفاعت کے لئے عرض کریں گے۔ ہر ایک عذر کرے گا یہاں تک کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے۔ سو آپ ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہی مقام محمود ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۲)

اس کے مثل حضرت ابن مسعود نیز مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اسی کا ذکر کیا علی بن حسین ؓ نے حضور نبی کریم ﷺ سے اور جابر بن عبداللہ ؓ نے یزید فقیر ؓ سے کہا۔

تم نے سنا حضور ﷺ کے اس مقام کو جس میں آپ کو اللہ ﷻ مبعوث فرمائے گا۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ کہا: یہ آپ کا وہ مقام محمود ہے کہ اللہ ﷻ آپ کے ذریعے جہنمیوں کو نکالے گا۔ جہنمیوں کے اخراج کے سلسلے میں انہوں نے حدیث شفاعت بیان کی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۷۹)

اسی طرح حضرت انس ؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۱۴۴)

اور حضرت انس ؓ حضرت ابوہریرہ ؓ اور ان دونوں کے سوا دوسروں کی حدیث ایک دوسرے میں داخل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت اللہ ﷻ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا۔ پھر وہ گھبرائیں گے یا فرمایا: انہیں الہام ہوگا۔ پس وہ کہیں گے۔ کاش ہم اپنے رب ﷻ کی طرف شناخت لے جاتے۔

دوسرے طریق سے حضور ﷺ سے مروی ہے کہ لوگ ایک دوسرے میں گھستے پھریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج ان کے بہت قریب ہوگا اور ان کو ایسا غم لاحق ہوگا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ اس کو برداشت کر سکیں گے۔ پس وہ کہیں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کیوں اپنے لئے کسی شفیع کی تلاش نہیں کرتے؟

پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ بعضوں نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ آپ آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور آپ کے لئے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور ہر چیز کے نام آپ کو سکھائے۔ آپ اپنے رب تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ وہ ہم کو یہاں راحت دے۔ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب تعالیٰ نے آج کے دن وہ غضب فرمایا ہے جو اس سے پہلے نہ کیا اور نہ آئندہ کرے گا۔ مجھ کو درخت سے منع کیا میں نے اس کی نافرمانی کی۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے اپنی ہی فکر ہے) تم میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔

تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر آ کر کہیں گے۔ آپ علیہ السلام زمین میں پہلے رسول ہیں اور آپ علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے عَبْدًا شَكُوْرًا (شکر گزار بندہ) رکھا۔ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرماتے ہم کس حال میں ہیں؟ اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا پہنچ رہا ہے؟ کیوں اپنے رب تعالیٰ کی جناب میں ہماری شفاعت نہیں کرتے؟

تو حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب تعالیٰ نے آج وہ غضب فرمایا ہے جو نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ ایسا بعد میں ہوگا۔ نَفْسِیْ' نَفْسِیْ (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں کہا کہ اس وقت آپ علیہ السلام اپنی اس خطا کا ذکر فرمائیں گے جو بغیر علم (الہی) کے آپ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ (آپ فرمائیں گے) میرے لئے صرف ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کے لئے مانگ لی۔

اب تم دوسرے کے پاس جاؤ۔

اب تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ پس وہ آپ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام اور اس کے خلیل ہیں

زمین والوں کے لئے اپنے رب ﷻ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے؟ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟

وہ فرمائیں گے: بے شک میرے رب ﷻ نے آج بڑا اظہار غضب کیا ہے اور مثل سابق فرمایا اور تین "کذب" کا ذکر کیا۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ (مجھے اپنے ہی فکر ہے) لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ کلیم اللہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ان کو توریت دی اور ان سے کلام فرمایا اور قرب بخشا۔

راوی نے کہا کہ پس وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں اور اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو ان سے ایک نفس قتل ہوا تھا۔ نَفْسِیْ نَفْسِیْ (مجھے اپنی ہی فکر ہے) لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ بے شک وہ اللہ ﷻ کے روح اور کلمہ ہیں۔ پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر آئیں گے۔ وہ بھی یہی فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں۔ لیکن تم حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ۔ وہی ایک ایسے بندے ہیں جن کے سبب اللہ ﷻ آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے گا۔

پس وہ میرے پاس حاضر ہوں گے۔ میں فرماؤں گا: ہاں ہاں میں ہی اس قابل ہوں۔ پھر میں جاؤں گا اور اپنے رب ﷻ سے اذن حاضری چاہوں گا۔ وہ مجھے اجازت مرحمت فرمائے گا۔ جب میں اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں عرش کے نیچے آؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس کی حمد کروں گا ایسے الفاظ کے ساتھ کہ اس وقت میں اس پر قادر نہیں ہوں۔ اللہ ﷻ وہ مجھے الہام فرمائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ ﷻ مجھ پر اپنی تعریفوں اور حمد وثنا کے وہ دروازہ کھولے گا کہ مجھ سے پہلے وہ کسی پر نہ کھلا ہوگا۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کہا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اپنے سر کو اٹھایئے سوال کیجئے وہ عطا فرمایا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پس میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب ﷻ میری امت' اے رب ﷻ میری امت۔ وہ فرمائے گا: اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جنت کے دروازہ میں داہنے دروازے سے داخل فرماؤ جن پر کوئی حساب نہیں ہے اور وہ اور لوگوں کے دوسرے دروازوں میں شریک ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی جگہ انہوں نے یہ بیان

کیا ہے کہ پھر میں سجدہ کروں گا۔ مجھ سے فرمایا جائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھایئے اور کہیے آپ ﷺ کی سنی جائے گی۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا۔

پھر میں عرض کروں گا۔ اے میرے رب ﷻ! امتی امتی۔ فرمائے گا: جایئے جس کے دل میں گندم کے دانے یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو نکال لیجئے۔ پھر میں جاؤں گا اور یہ کروں گا۔ اس کے بعد اپنے رب ﷻ سے رجوع کروں گا اور اس کی ان تعریفوں سے حمد کروں گا جیسے پہلے کیا تھا۔

اللہ ﷻ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم اور کم اور بہت کم ایمان ہو اس کو بھی نجات دے دیجئے۔ پس میں یہ کروں گا۔ چوتھی مرتبہ مجھ سے فرمایا جائے گا۔ اپنے سر مبارک کو اٹھایئے اور کہئے' سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ سوال کیجئے دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا:

اے میرے رب ﷻ! مجھے ہر اس شخص کی اجازت دیجئے جس نے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہو۔
اللہ ﷻ فرمائے گا: اے محبوب یہ بات تمہارے متعلق نہیں لیکن قسم ہے مجھے اپنی عزت اور بڑائی اور اپنی عزت و جبروت کی یقیناً میں اس کو جہنم سے نکال دوں گا۔ جس نے کہا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

(صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۷' صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۹۲' ۱۹۳)

قتادہ ؓ کی روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پس میں نہیں جانتا' تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ میں عرض کروں گا: اے میرے رب ﷻ! وہ جو جہنم میں باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے یعنی ان پر خلود جہنم واجب ہے۔

حضرت ابوبکرؓ' عقبہ بن عامر' ابوسعید و حذیفہ ؓ سے اسی کے مثل مروی ہے۔ کہا کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے۔ ان کو اجازت دی جائے گی اور آپ ﷺ کی امانت اور رحم اور وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف کھڑی ہو جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ مالک ؓ نے حذیفہ ؓ سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے۔ پس آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے پھر صراط مستقیم قائم کی جائے گی۔ پس ان میں پہلی جماعت بجلی کی طرح پھر ہوا کی طرح پھر پرندوں کی طرح اور تیز رو مردوں کی طرح گزر جائے گی۔

درآنحالیکہ تمہارے نبی ﷺ پل پر موجود ہوں گے اور یہ فرماتے ہوں گے: اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ اے خدا انہیں سلامتی عطا فرما' سلامتی عطا فرما۔ یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے اور آخری

۱۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۴

جماعت کے گزرنے کا حال بیان فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں سب سے پہلے گزروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے منبر رکھے جائیں گے۔ ان پر وہ تشریف رکھیں گے۔ میرا منبر باقی رہے گا۔ میں اس پر نہیں بیٹھوں گا اور اپنے رب جل جلالہ کی جناب میں برابر کھڑا رہوں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا چاہتے ہو کہ میں تمہاری امت کے ساتھ کیا کروں؟ میں عرض کروں گا: اے رب جل جلالہ ان کا حساب جلدی چکا دیا جائے۔

پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب کتاب ہوگا۔ پس ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جن کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور کچھ وہ ہوں گے جن کو میری شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل کرے گا۔ میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی بچالوں گا جن کو جہنم میں جانے کا پروانہ مل چکا ہوگا۔ یہاں تک کہ خازنِ جہنم کہے گا:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ ﷺ نے تو اپنی امت سے کسی کو بھی خدا جل جلالہ کے غضب کا سزاوار نہیں رہنے دیا۔ (حاکم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۴)

زیاد نمیری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کا سر زمین سے نکلے گا (یعنی زمین سے اٹھوں گا) اور یہ فخر نہیں اور میں سید الناس ہوں گا بروز قیامت' یہ فخر نہیں۔ پس میں آؤں گا اور جنت کی زنجیر پکڑوں گا۔

کہا جائے گا: کون؟ میں کہوں گا: محمد (ﷺ) پس میرے لئے کھولا جائے گا اور اللہ جل جلالہ میرا استقبال فرمائے گا۔ تو اس وقت سجدہ کناں ہو جاؤں گا اور ذکر کیا جیسا گزرا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا کہ میں بروز قیامت ضرور زمین کے پتھروں اور درختوں سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۹)

باختلاف الفاظ ان احادیث صحیحہ سے یہ بات اجتماعی طریقہ پر ثابت ہوگئی کہ حضور ﷺ کی شفاعت اور آپ ﷺ کا مقام محمود اور آپ ﷺ کی اول سے آخر تک شفاعت کرنا جبکہ لوگ حشر میں جمع ہوں گے اور ان کے گلے تنگ ہوں گے اور پسینہ ان کو پہنچا ہوگا اور سورج بہت قریب ہوگا اور عرصہ تک کھڑا رہنا ہوگا اور یہ حساب سے پہلے ہوگا اس وقت آپ ﷺ کی شفاعت عرصہ تک کھڑے رہنے کی وجہ سے راحت پہنچانے کے لئے ہوگی۔ پھر صراط قائم کی جائے گی اور لوگوں کا حساب ہوگا۔

جیسا کہ ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہے اور یہ حدیث زیادہ یقینی ہے۔

پس آپ ﷺ کی شفاعت اپنی امت کے ان لوگوں کو جنت میں جلدی لے جانے کے لئے ہوگی جو بلا حساب و کتاب جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں گزرا۔ پھر آپ ﷺ کی شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی جن پر عذاب اور دخول جہنم واجب ہو چکا ہوگا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کا اقتضاء ہے۔ پھر ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جنہوں نے صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے۔ یہ آپ کے سوا کوئی نہ کرے گا اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کے لئے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے اور میں نے (حضور ﷺ) نے اپنی دعا کو بروز قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۵۶ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۸۸)

اہل علم فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی دعا ہے جس کو میں جانتا ہوں کہ وہ ان کے لئے مستجاب ہے اور اس میں ان کی خواہش ملحوظ ہے ورنہ کتنی ہی وہ دعائیں ہیں جو نبی کی قبول کی گئی ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کی تو بے شمار دعائیں ہیں۔ (جو قبول ہوئی ہیں) لیکن بوقت دعا ان کا حال امید و بیم کے مابین ہی رہا اور چند ایسی دعائیں ہیں جن کی مقبولیت کی ضمانت اللہ ﷻ نے دی ہے۔ جس کے لئے وہ چاہے یقیناً مقبول ہوگی۔

محمد بن زیاد اور ابو صالح رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت میں کہتے ہیں کہ ہر نبی علیہ السلام کے لئے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے جو اپنی امت کے لئے وہ دعا کرتے ہیں اس کو قبول کیا جاتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو قیامت تک مؤخر کروں۔ اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں۔

ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کے لئے ایک مستجاب دعا ہوتی ہے۔

پس ہر نبی علیہ السلام نے اپنی دعا میں جلدی کی اور اسی کے مثل ایک روایت ابو زرعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن زیاد رضی اللہ عنہ جو کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کے مثل ایک روایت میں مروی ہے کہ وہ دعائے مذکورہ امت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے جس کو قبولیت کی ضمانت دی گئی ہوتی ہے ورنہ حضور ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے بہت سی دین و دنیا کی ایسی دعائیں مانگی تھیں جن میں سے بعض تو قبول کر لی گئیں اور بعض کو روک دیا گیا اور ان کو محتاجی کے دن اور سختی کے خاتمے اور بڑے سوال و رغبت کے لئے ذخیرہ کر کے رکھ دیا گیا۔ اللہ ﷻ ان کی جزاء حضور ﷺ کو ان کی امت کے لئے عمدہ عطا فرمائے گا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا۔

گیارھویں فصل

حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کے بیان میں جو جنت میں صلہ درجۂ رفیعہ اور کوثر کے ساتھ ہیں

حدیث: حضرت عمرو بن عاص ﷺ سے بالا سناد مروی ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم موذن کے کلمات اذان سنو تو اسی کے مثل اذان دہرا کر جواب دو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ درحقیقت جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا تو اللہ ﷻ اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے۔ پھر اللہ ﷻ سے میرے لئے وسیلہ مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو کسی کو سزاوار نہیں سوائے اللہ ﷻ کے بندوں میں سے کسی ایک بندے کے لئے اور میں امید رکھتا ہوں وہ بندہ میں ہوں۔ لہٰذا اللہ ﷻ سے جو میرے لئے وسیلہ مانگے تو اس کے لئے شفاعت حلال ہوگئی۔

(سنن ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳۵۹، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۸۸، ۲۸۹)

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک بلند درجہ ہے۔

(جامع ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳۶)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب جنت کی سیر کر رہا تھا (شب معراج) تو میرے سامنے ایک ایسی نہر آئی جس کے کناروں پر موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے جبریل ﷺ سے کہا: یہ کیا ہے؟

کہا: یہ وہ کوثر ہے کہ جس کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ پھر جبریل ﷺ نے اس کی مٹی کی طرف ہاتھ مار کر نکالا تو وہ کستوری کی طرح خوشبودار تھی۔

(جامع ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۱۹، صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر ﷺ سے اس کی مثل مروی ہے۔ کہا کہ اس کے پانی کی روانی موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد ہے۔ ایک روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ نہر جاری تھی مگر زمین کو کاٹتی نہ تھی۔ اس پر ایک حوض ہے کہ اس پر میری امت آئے گی اور ذکر کیا حدیث حوض کو اسی کے مثل ابن عباس ﷺ سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کوثر وہ ایک ایسی بھلائی ہے جو خاص

طور پر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۷)

ابو سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنت میں بھلائی کی ایک ایسی نہر ہے جس کو اللہ ﷻ آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب ﷻ کی عنایتوں کے تذکرہ میں فرمایا مجھ کو کوثر عنایت فرمائی جو جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں بہتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ ﷻ کے اس فرمان میں کہ (تفسیر ابن جریر جلد ۳۰ صفحہ ۱۴۹ تفسیر در منثور جلد ۸ صفحہ ۵۴۲)

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (پ ۳۰۔ الضحیٰ ۵) (ترجمہ کنز الایمان)

مروی ہے کہ کہا کہ موتی کے ہزار محل ہوں گے۔ جس کی مٹی کستوری کی ہوگی اور اس میں وہ وہ چیزیں ہوں گی جو اس کے لائق ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اس میں وہ کچھ ہوگا جو اس کے لائق ہے یعنی بیویاں اور غلام وغیرہ۔

بارہویں فصل

ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا

اگر تم یہ کہو جب دلائل قرآنیہ احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ انسانوں میں سب سے بڑھ کر معزز و مکرم اور انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان احادیث کا کیا مطلب ہے جو فضیلت دینے کی ممانعت میں وارد ہیں۔ جیسے ان میں سے یہ حدیث ہے۔

حدیث: جو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا کہ ہمارے نبی حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں کہ یہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۷۲ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۴۶)

دوسرے طریقہ سے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں۔ آخری حدیث تک

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۶)

حضرت ابوہریرہ ﷺ کی حدیث میں ایک یہودی کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے کہا تھا۔ قسم اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر برگزیدہ کیا۔ تو ایک انصاری مرد نے اس کے چپت مارا تھا اور کہا تھا تو ایسا کہتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے موجود ہیں۔

جب اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو[۱] اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نہ بڑھاؤ۔

پس حدیث کو بیان کیا اور حدیث میں یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔ حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص آیا۔ اس نے حضور ﷺ کو مخاطب کیا۔ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ (یعنی مخلوق میں سب سے بہتر) فرمایا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

تو آگاہ رہو کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے ان احادیث کی چند تاویلیں کی ہیں۔

اول: یہ کہ حضور ﷺ کا فضیلت دینے سے منع فرمانا اس سے قبل تھا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں تو آپ ﷺ نے فضیلت دینے سے روک دیا۔ اس لئے کہ یہ واقفیت کی محتاج ہے اور جس نے بغیر علم کے فضیلت دی تو اس نے جھوٹ کہا۔ اسی قبیل سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ میں نہیں کہتا کہ کوئی ان سے افضل ہے۔

یہ کلام اس کا مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی خود پر فضیلت بیان کی بلکہ ظاہر حالت میں صرف فضیلت دینے سے روکنا مقصود ہے۔

دوم: یہ کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا بطریق تواضع و انکسار تھا اور عُجب و تکبر کی نفی مقصود تھی۔ مگر یہ جواب اعتراض سے نہیں بچتا۔

سوم: یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مابین ایسی فضیلت نہ دو جو کسی کی تنقیص کی طرف لے جائے یا ان میں کوئی عیب نکالے۔ خصوصاً حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ ﷻ نے خبر دی جو خبر دی تاکہ نہ واقع ہو کسی جاہل کے دل میں ان کی طرف سے حقارت یا ان کے بلند رتبہ میں تنقیص۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۳

دوڑے اور جب وہ غصہ ہو کر گئے اور گمان یہ کیا ہم ان پر قادر نہ ہوں گے۔ اس لئے بسا اوقات اپنی جہالت سے یہ خیال کر گزرا ہے کہ (معاذ اللہ) ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔

چہارم: یہ کہ نبوت و رسالت کے حق میں فضیلت دینے کی ممانعت ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام نبوت و رسالت میں ایک ہی درجہ پر ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ ایک ہی چیز ہے جس میں باہمی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت تو حالات کی زیادتی اور خصوصیات و کرامات اور مراتب و الطاف میں ہے۔ لیکن فی نفسہ نبوت میں کوئی تفاضل (فضیلت) نہیں ہے۔ درآنحالیکہ تفاضل تو نبوت کے بعد دوسرے زائد امور کی بنا پر ہے۔ اس لئے تو کوئی ان میں سے صرف رسول ہے اور کوئی رسولوں میں اولوالعزم رسول ہے اور کسی کا ان میں سے مرتبہ بلند کیا گیا اور کسی کو بچپن ہی میں حکمت سے نواز دیا گیا اور کسی کو کتاب زبور مرحمت فرمائی اور کسی کو بینات و معجزات دیئے گئے۔

اور ان میں سے کسی سے اللہ ﷻ نے کلام فرمایا اور کسی کے درجے بلند کئے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے: ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور فرماتا ہے: وہ رسول ہیں کہ ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی۔ (پ۳ ال عمران)

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ تفضیل یعنی ان کو بڑھانے سے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کو فضیلت دی جائے اس کی تین حالتیں ہیں۔

یا تو یہ کہ ان کی نشانیاں اور معجزات خوب روشن و مشہور ہیں یا ان کی امت پاکیزہ اور شمار میں زیادہ ہو یا باعتبار ان کی اپنی ذات کے راجع ہو گی ان خصوصیات کی طرف جن کے سبب اللہ ﷻ نے ان کو مخصوص فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ان کی اپنی بزرگی اور خصوصی کلام سے نوازے یا خلت یا رویت یا جس سے اللہ ﷻ چاہے اپنی مہربانی سے ولایت اور اپنی خصوصیات سے سرفراز کرے۔

بیشک نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک نبوت کی کچھ ذمہ داریاں (ثقل) ہیں اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے علیحدہ ہونا چاہا جس طرح کہ اونٹنی کا وہ بچہ جو فصل ربیع میں پیدا ہو۔ (کہ وہ بوجھ سے علیحدہ رہتا ہے) (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۵۸۴)

پس حضور ﷺ نے اس قسم کے وہمی فتنوں سے محفوظ رکھا کہ کہیں اس کے سبب وہ اس میں مبتلا نہ ہو جائے اور ان کے منصب نبوت میں جرح اور ان کی برگزیدگی میں تنقیص اور ان کے مرتبہ میں کمی اور ان کی عصمت (پارسائی) میں اہانت نہ کرنے لگے۔ اپنی امت پر حضور ﷺ کی یہ بڑی شفقت ہے۔

ترتیب کے اعتبار سے یہ توجیح (تاویل) پانچویں بن جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ضمیر (انا) راجع ہے قائل

کی اپنی ذات (یعنی نبی کریم ﷺ کی طرف) یعنی کوئی یہ گمان نہ کرے اگرچہ وہ دانائی اور عصمت (پاکیزگی) اور طہارت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا ہو کہ وہ اس وجہ سے جو اللہ ﷻ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے۔ اب حضرت یونس علیہ السلام سے افضل و بہتر ہے۔

کیونکہ نبوت کا درجہ ہی (فی نفسہ) بہت بلند و بالا ہے۔ بلاشبہ یہ مراتب ان سے ایک رائی کے دانے بلکہ اس سے بھی کم تر تک کم نہیں ہوئے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا مرتبہ خفیف سے خفیف بھی کم نہیں ہوتا)

ہم تیسری قسم میں انشاء اللہ ﷻ اس سے زیادہ بیان کریں گے۔ اب تم کو اس کی غرض معلوم ہو گئی اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معترض کا اعتراض جاتا رہا۔ اللہ ﷻ ہی کے جانب سے توفیق ہے وہی مددگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تیرہویں فصل

حضور ﷺ کے اسماء گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان

حدیث :حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد سے بالا سناد مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔

میں "محمد" ہوں اور میں "احمد" ہوں اور میں "ماحی" ہوں کہ میرے ذریعے اللہ ﷻ نے کفر کو مٹایا اور میں "حاشر" ہوں کہ میرے نقش قدم پر لوگ اٹھیں گے اور میں "عاقب" پیچھے آنے والا ہوں۔ اور اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں میرا نام محمد اور احمد رکھا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۸)

پس اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت دی ہے کہ آپ ﷺ کے ناموں کو آپ ﷺ کی ثناء کے ضمن میں بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کے ذکر کے درمیان آپ ﷺ کے شکر عظیم مضمر (پوشیدہ) کیا ہے۔

آپ کا نام اَحْمَدُ بروزن اَفْعَلُ ہے جو آپ کی صفت حمد میں مبالغہ ہے اور محمد بروزن مُفَعَّلْ ہے جو آپ ﷺ کی کثرت حمد میں مبالغہ ہے۔ پس حضور ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور ان سب سے افضل ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں۔ پس آپ ﷺ تعریف کیے ہوؤں میں سب سے بڑھ کر تعریف کیے ہوئے (محمد) ہیں اور تعریف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والے ہیں۔

اور آپ ﷺ کے ساتھ بروز قیامت لواء الحمد ہوگا تا کہ آپ ﷺ کے لئے حمد کی تکمیل ہو

جائے اور میدان حشر میں آپ صفتِ حمد سے شہرت پائیں اور وہاں اللہ ﷻ آپ ﷺ کو مقام محمود میں بھیجے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔ اس جگہ اولین و آخرین ان کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف کریں گے اور اس جگہ آپ ﷺ پر حمد کے الفاظ کھولے جائیں گے۔ جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی کو وہ (الفاظ) نہیں دیئے گئے۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں میں آپ ﷺ کی امت کا نام حمادین (بہت تعریف کرنے والے) رکھا ہے۔ حقیقتاً آپ ﷺ اسی لائق ہیں کہ آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا جاتا۔

پھر آپ ﷺ کے ان دونوں ناموں میں عجیب و غریب خصوصیتوں اور نشانیوں کے علاوہ ایک دوسری خوبی بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے نام مبارک کی ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ کسی نے آپ ﷺ کے زمانہ اقدس سے پہلے یہ دونوں نام نہیں رکھے۔ لیکن احمد ﷺ جو کہ کتب سابقہ میں آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اس کی بشارت دی ہے۔ اس کو اللہ ﷻ نے اپنی حکمت سے منع فرما دیا کہ کوئی اور آپ ﷺ کے سوا اس نام کو رکھے اور نہ آپ ﷺ سے سوا کوئی اس نام سے پکارا جائے تاکہ کسی کمزور دل پر اس سے شک و شبہ نہ پڑے۔

اسی طرح محمد ﷺ بھی ہے کہ عرب و غیر عرب میں سے کسی نے بھی یہ نام کسی کا نہ رکھا۔ یہاں تک کہ یہ بات آپ ﷺ کے وجود گرامی اور آپ ﷺ کی پیدائش سے کچھ پہلے ہی مشہور ہوگئی کہ ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام مبارک محمد ﷺ ہوگا۔ پھر عرب کے تھوڑے لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھا۔ اس امید پر کہ ان میں سے شاید کوئی وہی ہو اور اللہ ﷻ ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت رکھے گا۔

وہ لوگ (جنھوں نے آپ کی پیدائش سے کچھ قبل اپنے فرزندوں کے نام محمد رکھے) یہ ہیں۔ محمد بن اُحَیْحَہ بن الجلاح الاُوسی بن الجلاح الاوس۔ محمد بن مسلمہ انصاری۔ محمد بن براء البکری۔ محمد بن سفیان بن مُجاشع۔ محمد بن حمران الجعفی۔ محمد بن خزاعی اسلمی اور ساتواں نام کا کوئی بتائے۔ کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جس کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن سفیان ہے اور اہل یمن کہتے ہیں کہ بلکہ محمد بن محمدؑ (قبیلہ ازد) کا ہے۔

پھر اللہ ﷻ نے حفاظت فرمائی کہ ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہے وہ نبوت کا دعویٰ کرے یا اس کو کوئی اس کے ساتھ پکارے یا اس پر کوئی سبب ظاہر ہو جائے جس سے کوئی آپ ﷺ کے بارے میں شک کر سکے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں نام آپ ﷺ کے لئے خوب متحقق و ثابت ہو گئے۔ اور کوئی ان

دونوں ناموں میں نزاع نہ کر سکا۔

لیکن حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں وہ ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ اللہ ﷻ نے کفر کو مٹایا۔

سو اس کی تفسیر اس حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفر کو مٹانے سے یا تو مکہ سے یا عرب کے شہروں سے یا زمین کے ان حصوں سے جو آپ ﷺ کے قبضہ میں آئے مراد ہو اور وعدہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کا ملک آپ ﷺ کو ملے گا یا محو یعنی مٹنے سے مراد عام ہو۔ بایں معنی کہ ظہور و غلبہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔

(پ۲۸۔ الصف۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اور بیشک حدیث میں اس کی تفسیر یوں وارد ہے کہ آپ وہ ہیں جن کے سبب ان لوگوں کے گناہ جو آپ ﷺ کے متبع ہیں مٹائے جائیں گے[1] اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ میں وہ حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھیں گے۔ یعنی میرے زمانہ اور میرے عہد پر۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا: وَ خَاتِمُ النَّبِيّٖنَ (نبیوں کا آخر ہوں) اور آپ ﷺ کا نام عاقب رکھا گیا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے پیچھے (آخر) میں تشریف لائے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ میں ایسا پچھلا آنے والا ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ عَلٰى قَدَمِيْ کے معنی میں ایک روایت ہے کہ یعنی لوگ میرا مشاہدہ کرتے ہوئے اٹھیں گے یا لوگ میرے سامنے اٹھیں گے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (پ۲۔ البقرہ۱۴۳) تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تم پر گواہ ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میں ان سے پہلے نکلوں گا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔ (پ۱۱۔ یونس۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میرے سامنے اور میرے گرداگرد یعنی میری طرف بروز قیامت سب جمع ہو کر آئیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میری سنت پر۔

آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میرے پانچ نام ہیں۔ اس کے معنی میں ایک روایت یہ ہے کہ پانچوں نام سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہیں اور سابقہ امتوں کے اہل علم کے نزدیک میرے یہ پانچ

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۱ صفحہ۱۵۶

نام ہیں۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میرے دس نام ہیں۔[1] ان میں سے طٰہٰ اور یٰس کو بیان فرمایا۔ مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکایت کی۔

بعض تفسیروں میں ایک روایت ہے کہ "طٰہٰ" یعنی اے "طاہر" اے ہادی۔ "یٰس" یعنی اے سید۔ سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو واسطی اور جعفر بن محمد رحمہما اللہ سے بیان کیا۔ اوروں نے مجھ سے بیان کیا دس نام ہیں۔ پانچ تو وہی ہیں جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں۔ فرمایا اور میں رسول رحمت[2] اور رسول راحت اور رسول ملاحم ہوں اور میں "مقفی"[3] کہ نبیوں کے پیچھے آنے والا ہوں اور میں قیم[4] ہوں اس کے معنی جامع کامل کے ہیں۔ ایسا ہی میں نے اس کو پایا اور میں اس کو روایت نہیں کرتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ درست قثم (بالثاء) ہے (یعنی بانٹنے اور تقسیم فرمانے والے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کو بعد میں حربی رحمۃ اللہ علیہ سے اور یہی تفسیر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں واقع ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے رب ﷻ ہمارے لئے محمد ﷺ کو بھیج جو سنت کو قائم فرمانے والے انقطاع وحی کے بعد ہیں۔ پس قیم اسی معنی میں ہے۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ میرے قرآن کریم میں سات نام ہیں۔ محمد، احمد، یٰس، طٰہٰ، المدثر، المزمل اور عبداللہ۔ ﷺ کثیرًا کثیرًا۔ (امام ذہبی بحوالہ مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲)

جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ چھ نام ہیں۔ محمد، احمد، خاتم، عاقب، حاشر، ماحی ﷺ کثیرًا کثیرًا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ہمیں اپنے نام بتلایا کرتے تھے۔ پس فرماتے ہیں:

محمد، احمد، مقفی، حاشر، نبی التوبہ، نبی الملحمہ اور نبی الرحمہ ہوں۔ ﷺ

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۲۹)

اور ایک روایت میں المرحمۃ، راحۃ ہے۔ یہ تمام کے تمام صحیح ہیں۔ انشاء اللہ ﷻ۔

مقفی کے وہی معنی ہیں جو عاقب کے ہیں لیکن نبی رحمت، نبی توبہ، نبی مرحمہ اور نبی راحت سو

۱۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۶۱

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

۳۔ حلیہ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲

۴۔ مسند الفردوس لدیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۱۲

اس کی دلیل یہ ہے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ۱۷۔ الانبیاء ۱۰۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور جیسا کہ حضور ﷺ کی مدح وثنا میں فرماتا ہے:

يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (پ۴۔ ال عمران ۱۶۴)

یعنی ان کو پاک کرتا ہے اور قرآن وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

وَيَهْدِيهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (پ۶۔ المائدہ ۱۶)

اور سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (پ۱۱۔ التوبہ ۱۲۸)

اور مومنوں کے ساتھ مہربان ورحیم ہے۔

اور آپ ﷺ کی اُمت مرحمہ کی تعریف میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (پ۳۰۔ البلد ۱۷)

یہ امت ہے جو صبر کی وصیت کرتے ہیں اور مرحمت کی وصیت کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی امت کے لئے اور تمام جہان والوں کے لئے رحمت، رحیم بھیجا جو رحم کھانے والے اور ان کے لئے استغفار کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کی امت کو امت مرحومہ بنایا اور اس کی تعریف رحمت کے ساتھ فرمائی اور حضور ﷺ کو ایک دوسرے پر رحم فرمانے کا حکم دیا اور اس کی تعریف کی۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ.

بیشک اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے رحم کھانے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۔ ، صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۶۳۶)

اور فرمایا: ایک دوسرے پر رحم کرنے والوں پر قیامت کے دن رحمٰن رحم فرمائے گا۔ تم زمین میں رحم کرو تاکہ وہ تم پر رحم کرے جو آسمان میں ہے۔

(سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ سنن ابوداود کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۳۰۶)

جبکہ "نبی الملحمہ" کی روایت، تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضور ﷺ جہاد اور تلوار کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے۔

اور حذیفہ ﷺ نے ابوموسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کے مثل روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نبی الرحمۃ، نبی التوبہ اور نبی الملاحمہ ﷺ ہیں۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۲۹۷)

حربی رحمتہ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کی حدیث میں روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا۔ اس نے مجھ سے کہا: آپ قثم[1] یعنی جمع کرنے والے ہیں (مجموعی مدت ہیں) حربی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قثم کے معنی ہیں بھلائی کا جمع کرنے والا۔ اور یہ وہ نام حضور ﷺ کے گھر والوں کو معلوم تھا۔

حضور ﷺ کے القاب وصفات قرآن کریم میں ان کے علاوہ جو ہم نے بیان کئے' بکثرت آئے ہیں۔ جیسے نور' سراج' منیر' منذر' نذیر' مبشر' بشیر' شاھد' شھید' الحق' المبین' خاتم النبیین' رؤف' رحیم' امین' قدم صدق' رحمة للعلمین' نعمة الله' عروة وثقی' صراط مستقیم' نجم ثاقب' کریم' نبی ءِ اُمی اور داعی الی اللہ یہ آپ ﷺ کے اوصاف کثیرہ اور علامات جلیلہ ہیں۔

اور اللہ ﷻ کی گزشتہ کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کے اور احادیث نبوی اور امت کی بول چال میں مکمل طریقہ سے آپ ﷺ کے نام آچکے ہیں۔

جیسے مصطفیٰ' مجتبیٰ' ابوالقاسم' حبیب' رسول رب العالمین' شفیع' مشفع' متقی' مصلح' طاہر' مہیمن' صادق' مصدوق' ہادی' سید ولد آدم' سید المرسلین' امام المتقین' قائد الغرالمحجلین' حبیب اللہ' جمیل الرحمٰن' صاحب الحوض المورود وشفاعت' المقام المحمود' صاحب الوسیلہ' صاحب الفضیلہ' صاحب الدرجۃ الرفیعۃ' صاحب التاج والمعراج اللواء' والقضیب (عصا) راکب البرق الناقۃ' نجیب' صاحب الحجۃ السلطان' خاتم' علامتہ برہان' صاحب الہراوۃ' صاحب النعلین۔ کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں۔ المتوکل' المختار' مقیم السنۃ' المقدس' روح القدس' روح الحق۔

اسی معنی میں انجیل میں فارقلیط ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ فارقلیط اس کو کہتے ہیں جو حق وباطل میں تفریق کرے۔ گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں۔ ماذ ماذ بمعنی طیب' حمطایا' خاتم' حاتم۔ کعب احبار رضی اللہ عنہ نے اس کی حکایت کی۔

ثعلب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خاتم وہ ہے جس سے نبیوں کے سلسلہ آمد کو روکا جائے اور حاتم کے معنی یہ ہیں کہ نبیوں میں جو پیدائش اور اخلاق میں سب سے بڑھ کر عمدہ ہو۔

سریانی زبان میں آپ ﷺ کا نام یہ ہے۔ "مشفح" یعنی محمد "منحمنا" یعنی روح القدس یا محمد اور توریت میں آپ ﷺ کا نام اُحید ہے۔ یہ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

صاحب القضیب کے معنی تلوار والے کے ہیں۔ انجیل میں اس کی یوں تفسیر آئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ ﷺ کے ساتھ لوہے کی تلوار ہوگی جس سے آپ ﷺ جہاد کریں گے

1۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم کما فی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱

اور آپ ﷺ کی امت بھی ایسی ہی ہوگی۔

اور یہ بھی محمول کیا گیا ہے۔قضیب آپ ﷺ کی ایک لمبی شاخ تھی جس کو آپ ﷺ ہاتھ میں لیا کرتے تھے۔اور وہ اب خلفاء کے پاس ہے لیکن "ہراوہ" جس سے آپ ﷺ کی تعریف کی گئی ہے لغت میں اس کے معنی عصا کے ہیں۔ مجھے خیال ہے واللہ اعلم کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جو حدیث حوض میں مذکور ہے کہ اپنے اس عصا سے یمن والوں کے لئے لوگوں کو ہٹاؤں گا۔

لیکن "تاج" اس سے مراد عمامہ ہے اور اس وقت سوائے عرب کے اور کوئی عمامہ نہیں پہنتا تھا۔عمائے عرب کے تاج ہیں۔آپ ﷺ کے اوصاف القاب اور علامات کتابوں میں بہت ہیں۔ ان میں سے بقدر کفایت انشاء اللہ ﷻ ہم نے ذکر کیا ہے۔آپ ﷺ کی مشہور کنیت ابوالقاسم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا اِبْرَاھِیْمَ. (دلائل النبوۃ بیہقی جلد ا صفحہ ۱۶۲)

چودھویں فصل

اللہ ﷻ نے اپنے اسماء کے ساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے

اس میں کہ اللہ ﷻ نے اپنے اسماء حسنٰی اور صفات علیا کے ساتھ آپ ﷺ کا نام رکھ کر آپ ﷺ کو شرف وفضیلت مرحمت فرمائی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے فرماتے ہیں کہ یہ فصل پہلے باب کی فصلوں کے ساتھ بہت نفیس اور عمدہ ہے کیونکہ اس کو انہیں کے مضامین کی لڑی میں پرو کر اسی شیریں چشمہ میں ملا دیا ہے۔

لیکن اللہ ﷻ اس کے استنباط کی ہدایت کی طرف کسی سینہ کو اسی وقت کھولتا ہے اور کسی فکر کو اس کے جوہر نکالنے اور اس کے لینے کی طرف اسی وقت روشن کرتا ہے۔جب وہ اس سے پہلی فصلوں پر غور وخوض کرے۔لہٰذا میں نے یہ مناسب جانا کہ اس کو انہیں فصلوں کے ساتھ ملا دوں اور اس کی خوبیوں کو جمع کردوں۔

اب تم سمجھو! اللہ ﷻ نے بہت نبیوں کو ایک بزرگی سے خاص کیا ہے اور ان کو اپنے ناموں میں سے ایک نام کی خلعت عنایت فرمائی ہے جیسے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام

علیم وحکیم رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم' حضرت نوح علیہ السلام کو شکور' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بر (نیکی)' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم وقوی' حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ وعلیم' حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد نام عنایت فرمائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ان کے تذکروں کے درمیان اللہ ﷻ نے فرمایا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کو اللہ ﷻ نے اس طرح فضیلت دی کہ آپ ﷺ کو ان ناموں کا لباس پہنایا اور آراستہ کیا جو اپنی کتاب مجید اور گزشتہ نبیوں کی بے شمار کتابوں میں مذکور ہیں اور ان کو ہمارے لئے بعد فکر وذکر کے مجتمع کر دیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ان دو ناموں سے بڑھ کر کسی نام کو نہ پایا کہ کسی نے جمع کیے ہوں اور نہ ایسے شخص کو پایا جس نے اس میں دو فصلیں تالیف کی ہوں۔ مگر ہم نے ان میں سے اسی فصل میں تقریباً تیس نام لکھے ہیں اور غالباً اللہ ﷻ نے جیسا مجھے ان اسماء کا علم الہام فرمایا اور اس کی حقیقت ظاہر فرمائی۔ اسی طرح اس کے تبیین (بیان) کرنے میں اپنی اس نعمت کو پورا فرما دے جو اب تک ہمیں آشکارہ نہیں ہوئی ہے اور اس کے بند دروازہ کو کھول دے۔

پس اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام حمید ہے۔ اس کے معنی محمود ہیں کیونکہ اس نے آپ ﷺ اپنی تعریف کی ہے اور اس کے بندوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔

نیز اس کے معنی حامد کے بھی ہیں۔ یعنی وہ اپنی خود تعریف کرنے والا اور اپنے بندوں کے نیک اعمال کی تعریف کرنے والا ہے اور اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کا نام نامی محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا ہے۔ پس محمد بمعنی محمود ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں آپ ﷺ کے اس نام کا ذکر ہے اور احمد کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑے ہیں اور جن کی تعریف کی گئی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں۔ اسی طرح حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ ﷻ نے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا تا کہ آپ ﷺ کی عزت ہو۔ پس صاحب عرش (اللہ ﷻ) محمود ہے اور آپ محمد ﷺ ہیں۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلرَّءُوْف، اَلرَّحِیْم" ہے۔ وہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام بھی یہی رکھا۔ فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (پ۱۱ التوبہ۱۲۸)   آپ مسلمانوں کے ساتھ مہربان اور رحیم ہیں۔

اور اللہ ﷻ کے ناموں میں "الحق المبین" ہے۔ اور حق کے معنی "موجود" اور "حقیقت الامر" کے ہیں۔ اسی طرح المبین یعنی امر روشن کے معنی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کی الوہیت روشن اور ظاہر ہے۔ بان اور ابان کے ایک ہی معنی روشن و ظاہر کے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں کے لئے ان کے دینی اور اخروی امور ظاہر فرمانے والا ہے اور اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کا نام بھی قرآن کریم میں یہی رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

حَتّٰی جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ۝ (پ۲۵ الزخرف ۲۹)

یہاں تک کہ ان کے پاس حق آیا اور صاف بتانے والا رسول تشریف لایا (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۝ (پ۱۴ الحجر ۸۹)

فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا (اس عذاب سے)۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ. (پ۱۱ یونس ۱۰۸)

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ (پ۷ الانعام ۵)

بیشک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس تشریف لائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ایک روایت میں ہے۔ اس سے مراد "محمد ﷺ" ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ "قرآن" مراد ہے لیکن اس جگہ حق کے وہ معنی ہیں جو باطل کی ضد ہے اور صدق ہے۔ یہ پہلے معنی کے ساتھ ہے اور "المبین" کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حکم واضح اور روشن ہو اور اس کی رسالت ظاہر ہو یا یہ معنی ہیں کہ یہ رسول ﷺ اللہ ﷻ کی جانب سے بیان کرنے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ. (پ۱۴ النحل ۴۴)

کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اُترا اور کہیں دھیان کریں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ کے ناموں میں سے ایک نام "نور" ہے۔ اس کے معنی صاحب نور، مالک نور ہیں۔ یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے یا آسمانوں اور زمین کو انوار کے ساتھ منور کرنے والا اور مومنین کے دلوں کو ہدایت کے ساتھ منور کرنے والا مراد ہے۔

اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا نام بھی نور رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔ (پ ۶۔ المائدہ ۱۵) (ترجمہ کنز الایمان)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہا گیا کہ قرآن مراد ہے۔

اور اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام "سِرَاجًا مُّنِیْرًا" رکھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا حکم روشن اور آپ ﷺ کی نبوت ظاہر ہے اور آپ ﷺ مسلمانوں اور عارفوں کے دلوں کو جو آپ ﷺ لائے ہیں اس سے منور فرمانے والے ہیں۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں سے ایک نام "اَلشَّھِیْدُ" ہے۔ اس کے معنی عالم یعنی جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت کے بموجب بمعنی شاہد یعنی گواہ کے ہیں جو اپنے بندوں پر بروز قیامت گواہی دے گا اور نبی کریم ﷺ کا نام بھی اللہ ﷻ نے شہید اور شاہد رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا۔ (پ ۲۲۔ الاحزاب ۴۵) ہم نے آپ کو شاہد بھیجا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ط اور یہ رسول تم پر گواہ ہو۔

(پ ۲۔ البقرہ ۱۴۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اس جگہ شہید بمعنی شاہد ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْکَرِیْمُ" بھی ہے۔ اس کے معنی بہت سی بھلائی کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ احسان کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ معاف کرنے والا۔ بعض نے کہا کہ اس کے معنی بلند کے ہیں اور اللہ ﷻ کے اسماء کے بیان میں جو حدیث ہے اس میں اَلْاَکْرَمُ ہے۔

اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا نام بھی کریم رکھا۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۝ بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔

(پ ۳۰۔ التکویر ۱۹) (ترجمہ کنز الایمان)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَکْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ۔ یعنی میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم ہوں۔

اور کریم و اکرام کے معنی حضور ﷺ کے حق میں صحیح ہیں۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام "اَلْعَظِیْمُ " ہے۔اس کے معنی ایسا بڑی شان والا کہ اس کے سوا ہر چیز کم ہو اور اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے لئے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ بیشک تمہاری خوبو (خُلق) بڑی شان کی ہے۔

(پ ۲۹۔ القلم ۴) (ترجمہ کنز الایمان)

اور توریت کے حصہ اول میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مروی ہے کہ عنقریب ایک عظیم فرزند امت عظیمہ کے لئے پیدا ہوگا۔ وہ عظیم ہوگا اور بڑے خلق پر ہوگا۔

اور اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام "اَلْـجَبَّـارُ " ہے۔ اس کے معنی اصلاح کرنے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قاہر اور ایک روایت میں بلند بڑی شان والے کے معنی بیان کئے ہیں۔ کہا گیا کہ متکبر اس کے معنی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں نبی کریم ﷺ کا نام "جَبَّـارٌ" رکھا۔ انہوں نے کہا: اے جبار! آپ ﷺ اپنی تلوار لٹکایئے کیونکہ آپ ﷺ کی ناموس (عزت) اور آپ ﷺ کی شریعت آپ ﷺ کے تصرف کے دبدبہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے حق میں اس کے معنی یا تو ہدایت و تعلیم کے ساتھ اپنی اُمت کی اصلاح فرمانا یا اپنے دشمنوں پر قہر فرمانا یا نوع انسانی پر اپنے مرتبہ کو بلند فرمانا یا آپ ﷺ کا بڑا خطرہ ہونا مراد ہے اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے اس تکبر کے غلبہ کو جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں، نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

(پ ۲۶۔ ق ۴۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْخَبِیْرُ" بھی ہے۔ اس کے معنی اشیاء عالم کی حقیقت کی خبر دینے والے اور اس کے جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت میں اس کے معنی "اَلْـمُـخْبِـرُ" (خبر دینے والا) ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ وہ بڑی مہر والا تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔

(پ ۱۹۔ الفرقان ۵۹) (ترجمہ کنز الایمان)

قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوال کا حکم غیر نبی ﷺ کو ہے اور مسئول و خبیر نبی کریم ﷺ ہیں۔

دوسروں نے کہا کہ سائل حضور ﷺ ہیں اور رسول اللہ ﷺ۔ مذکورہ دونوں وجہوں سے نبی کریم ﷺ ہی خبیر ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس لئے کہ آپ ﷺ ان چیزوں کے انتہائی عالم ہیں۔ جن کو اللہ ﷻ نے اپنے مخفی علم سے آپ ﷺ کو بتایا اور آپ ﷺ کو ان کی بڑی معرفت کرائی۔ آپ ﷺ اپنی امت کے لئے مخبر یعنی خبر دینے والے ہیں ان چیزوں کی جن کے بتلانے کی آپ ﷺ کو اجازت دی گئی ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام "اَلْفَتَّاحُ" ہے۔ اس کے معنی اپنے بندوں کے مابین حاکم یا رزق اور رحمت کے دروازے کھولنے والے کے ہیں اور جو امور ان پر بند ہیں ان کے کھولنے والے یا معرفت حق کے ساتھ ان کے قلوب اور بصیرتوں کو کھولتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی ناصر یعنی مدد کرنے والے کے ہوں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ کُمُ الْفَتْحُ. (پ۹ الانفال ۱۹) یعنی اگر تم مدد چاہتے ہو تو بیشک تمہارے پاس مدد آ گئی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی فتح و نصرت کی ابتدا کرنے والے کے ہیں۔

اللہ ﷻ نے اپنے نبی سید عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا فاتح کے ساتھ نام رکھا۔ واقعہ معراج کی طویل حدیث جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے ابی العالیہ رضی اللہ عنہ سے اور دوسروں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے۔

کہ میں نے آپ ﷺ کو فاتح اور خاتم بنایا اور اسی میں حضور ﷺ کا قول اپنے رب ﷻ کی ثناء اور اپنے مراتب کے شمار کرانے کے دوران میں ہے۔ "اور میرے لئے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا۔" ہو سکتا ہے کہ اس جگہ فاتح بمعنی حاکم یا اپنی امت پر رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا یا معرفت حق اور ایمان باللہ کے ساتھ ان کی بصیرتوں کا کھولنے والا یا حق کی مدد کرنے والا یا امت کو ہدایت کے ساتھ شروع کرنے والا یا انبیاء علیہم السلام میں ان کے آگے شروع کرنے والا مبدی و مقدم ہو اور آپ ﷺ ان انبیاء علیہم السلام کے ختم کرنے والے (آخری نبی) ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

میں پیدائش میں تو نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام حدیث شریف میں "اَلشَّکُوْرُ" ہے۔ اس کے معنی عمل قلیل پر بہت ثواب دینے والے کے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمانبرداروں کی تعریف کرنے والا اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اس صفت کے ساتھ توصیف بیان کی ہے۔ فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا. (پ۱۵ الاسرٰی ۳) بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور نبی کریم ﷺ نے اپنی تعریف بھی خود اسی نام سے کی ہے۔ فرمایا کہ میں بہت شکر گزار بندہ نہ بنوں یعنی اپنے رب ﷻ کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا اُس کی قدرت کا جاننے والا اور اس پر بہت زیادہ میں تعریف کرنے والا ہوں۔

اسی قبیل سے اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ. اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔
(پ۱۳ ابراہیم ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْعَلِيْمُ' اَلْعَلَّامُ' عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" ہے۔ اور اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کی تعریف علم کے ساتھ کی ہے اور آپ ﷺ کو بہت زیادہ علم خصوصیت کے ساتھ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (پ۵ النساء ۱۱۳) اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ط (پ۲ البقرہ ۱۵۱) اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْاَوَّلُ اور اَلْآخِرُ" ہے۔ ان دونوں کے یہ معنی ہیں کہ اشیاء کے وجود سے پہلے وہ سبقت کرنے والا اور اس کی فنا کے بعد باقی رہنے والا ہے اور حقیقت الامر بات یہ ہے کہ اس کا نہ کوئی اول ہے اور نہ آخر۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: میں پیدائش میں تو تمام نبیوں کا اول ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔ (مقاصد حسنہ صفحہ ۵۲۱-۵۲۰) اس کی تفسیر اللہ ﷻ کے اس فرمان کے ساتھ کی گئی ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ. (پ۲۱ الاحزاب ۷) اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس حضور ﷺ کا مقدم ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ ہم ہی آخر اور سابق ہیں اور فرمان نبوی ﷺ ہے کہ زمین سے نکلنے والوں میں میں پہلا شخص ہوں اور جنت میں داخل ہونے والوں میں میں پہلا۔ شفاعت کرنے والوں

میں میں پہلا اور شفاعت قبول کئے جانے والوں میں میں پہلا ہوں اور آپ ﷺ ہی خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْقَوِیُّ' ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ" ہے۔اس کے معنی قادر کے ہیں۔ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تعریف اس کے ساتھ بھی کی ہے۔فرمایا:

ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ○ (پ۳۰۔التکویر ۲۰) جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہے اور کہا گیا کہ جبریل علیہ السلام مراد ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں اَلصَّادِقُ حدیث ماثور میں آیا ہے اور حضور ﷺ کا نام بھی حدیث میں صَادِقٌ وَ مَصْدُوْقٌ کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْوَلِیُّ' اَلْمَوْلٰی" ہے۔ان دونوں کے معنی مدد کرنے والے کے ہیں۔اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ. (پ۶۔المائدہ ۵۵) تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَا وَلِیُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ. میں ہر مسلمان کا مددگار ہوں۔

(صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۲۸' سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۲۰' مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۲' مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۳۷۱)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ. (پ۲۱الاحزاب ۶) نبی زیادہ مددگار ہے مسلمانوں کے ساتھ۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ" مَوْلَاهُ'. میں جس کا مددگار ہوں' اس کے علی مددگار ہیں۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۷)

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْعَفُوُّ" ہے۔جس کے معنی درگزر اور معاف کرنے کے ہیں۔ اللہ ﷻ نے قرآن کریم اور توریت میں اس نام کے ساتھ بھی حضور ﷺ کی تعریف فرمائی اور درگزر کرنے کا حکم دیا۔اللہ ﷻ فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ. (پ۹۔الاعراف ۱۹۹) درگزر سے کام لیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ۔ تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کریں۔

(پ۶۔ المائدہ ۱۳) (ترجمہ کنزالایمان)

جبریل علیہ السلام نے کہا: جب آپ ﷺ نے ان سے خُذِ الْعَفْوَ کے معنی دریافت فرمائے۔ فرمایا گیا جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس کو معاف فرما دیں۔

ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ ﷻ تورات اور انجیل میں آپ کی یہ صفت بیان فرمائی۔

لَیْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِیْظٍ وَلٰکِنْ یَعْفُوْ یَصْفَحُ یعنی آپ نہ تو بدخلق ہوں گے اور نہ سخت دل بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں "اَلْھَادِیُّ" ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے معنی دلالت اور دعا کے بھی ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ط اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے۔

(پ۱۱۔ یونس ۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔

(پ۱۱۔ یونس ۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

ہدایت کے سب معنوں کی اصل مائل ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تقدیم یعنی آگے پہنچانا ہے۔

ایک روایت میں طٰہٰ کی تفسیر میں ہے۔ یا طاہر، یا ہادی، اس سے حضور ﷺ مراد ہیں اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

(پ۲۵۔ الشوریٰ ۵۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا۔

(پ۲۲۔ الاحزاب ۴۶) (ترجمہ کنزالایمان)

پہلے معنی یعنی توفیق یہ اللہ ﷻ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ. بیشک یہ نہیں کہ تم جسے چاہو اپنی طرف سے ہدایت کرو وہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔ (پ۲۰ القصص ۵۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اور دلالت کے معنی میں ہدایت مطلق ہے جو ماسوی اللہ ﷻ کے لئے بولا جاسکتا ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں اَلْمُؤْمِنُ اور اَلْمُھَیْمِنُ ہے۔ ایک روایت کے بموجب یہ دونوں نام ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی جناب میں اَلْمُؤْمِنُ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ فرمایا ہے۔ اس کو پورا کرنے والا اپنی سچی بات پوری فرمانے والا اور اپنے مسلمان بندوں رسولوں کی تصدیق فرمانے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی اپنی ذات میں یکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں کو دنیا میں اپنے ظلم سے اور آخرت میں مسلمانوں کو اپنے عذاب سے امن دینے والا ہے۔

اَلْمُھَیْمِنُ کے معنی ایک روایت کے بموجب امین ہے۔ جو اس کا مصغر ہے۔ (صیغہ تصغیر میں) ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے اور بیشک یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دعا میں آخر قول آمین اللہ ﷻ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی مُؤْمِنُ کے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مُؤْمِنُ کے معنی شاہد اور حافظ کے ہیں۔ حضور ﷺ امین، مہیمن اور مومن ہیں۔ بیشک اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا نام امین رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ. امانت دار ہے (پ۳۰ التکویر ۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ امین سے معروف تھے اور قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت آپ اسی نام سے مشہور ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر میں آپ کا نام مہیمن رکھا۔

ثُمَّ احۡتَوٰی بَیۡتُکَ الۡمُھَیۡمِنُ مِنۡ خِنۡدِفِ عَلۡیَآءَ تَحۡتَھَا النُّطُقُ

یعنی پھر آپ کے شاہد نسب نے خندف (الیاس بن مضر کی بیوی) سے بلندی کو گھیر لیا جن کے نیچے ٹیکے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ یَآ اَیُّھَا الۡمُھَیۡمِنُ مراد ہے۔ اس کو قتیبی اور امام ابوالقاسم قشیری رحمہما اللہ نے روایت کیا۔

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے: یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَیُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ (پ۱۰ التوبہ ۶۱) یعنی وہ اللہ کے ساتھ

ایمان رکھتا ہے اور مومنین پر یعنی تصدیق کرتا ہے اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں۔ پس یہ بمعنی مومن ہے۔

اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک "اَلْقُدُّوْسُ" ہے۔ اس کے معنی تمام عیوب سے منزہ اور علامات حدث وفنا سے پاک کے ہیں۔ بیت المقدس کا نام اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہاں گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسی قبیل سے وادی مقدس اور روح القدس ہے۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں حضور ﷺ کے اسماء میں المقدس یعنی گناہوں سے پاک کرنے والا یا گناہوں سے منزہ مکتوب ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (پ۲۶۔الفتح ۲) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یا یہ کہ اس کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی اتباع سے ستھرا بنا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے: وَيُزَكِّيْهِمْ. یعنی ان کو پاک کرتا ہے۔

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. (پ۶۔المائدہ ۱۶) اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یا یہ کہ اس کے معنی مقدس یعنی اخلاق ذمیمہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک و مبرا ہو۔

اور اللہ ﷻ کے ناموں میں ایک نام اَلْعَزِيْزُ ہے۔ اس کے معنی ممتنع اور غالب یا اس کا کوئی نظیر نہ ہو یا دوسروں کو عزت دینے والے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ. (پ۲۸۔المنافقون ۸) یعنی اللہ ہی کے لئے امتناع اور جلالت قدرت ہے۔

اور اللہ ﷻ نے اپنی تعریف بشارت اور نذرات (ڈرانے) سے کی ہے اور فرماتا ہے:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ. (پ۱۰۔التوبہ ۲۱) ان کو ان کا رب اپنی رحمت و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى. (پ۳۔ال عمران ۳۹) اللہ تم کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کا نام مبشر، نذیر اور بشیر رکھا۔ یعنی آپ ﷺ فرمانبرداروں کو

بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو ڈرانے والے ہیں۔
بعض مفسرین رحمہم اللہ نے اللہ ﷻ کے ناموں میں طٰہٰ اور یٰسین کو اس کا نام بیان کیا ہے اور بیشک بعض مفسرین رحمہم اللہ نے ان دونوں ناموں کو حضور ﷺ کے ناموں میں ذکر کیا ہے اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو بڑی شرافت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔

پندرھویں فصل

ایک نکتے کا بیان

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ ان کو توفیق دے فرماتے ہیں:
اب میں اسی فصل میں اس کے ذیل اور ضمنی ایک نکتہ بیان کر کے اس قسم کو ختم کرتا ہوں اور اس نکتہ کے ذریعے ان مشکلوں کو دور کر دوں گا جو ہر کمزور وہم اور بیمار فہم کو پیش آئے ہوں گے تا کہ اس کو تشبیہ کے غاروں سے نکالے اور ملمع سازباتوں سے دور کر دے۔
وہ یہ کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ ﷻ جل اسمہٗ اپنی صفات‘ عظمت کبریاء ملکوت اور اسماء حسنیٰ اور صفات علیاء میں اس حد تک ہے کہ اس کی مخلوق میں کوئی بھی ادنیٰ سا مشابہ بھی نہیں ہے اور نہ کسی کو اس سے تشبیہ بھی دی جا سکتی ہے۔ بلاشک وشبہ وہ جو شریعت نے مخلوق پر بولا ہے۔ ان دونوں میں حقیقی معنی میں کوئی مشابہت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ کی صفات قدیم (ازلی ابدی دائمی) ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے (کہ وہ حادث‘ فانی اور عطائی ہیں) جیسے کہ اس کی ذات تبارک وتعالیٰ دوسری (فانی) ذاتوں کے مشابہ نہیں ہے۔ ایسے ہی اس کی صفات مخلوقوں کی صفات کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ مخلوق کی صفات اعراض واغراض سے جدا نہیں ہوتیں۔ (عرض وغرض کے تحت ہوتی ہیں) اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے بلکہ وہ اپنی صفات واسماء کے ساتھ ہمیشہ سے ہے (اور ہمیشہ رہے گا) اس بارے میں یہ فرمان کافی ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ (پ۲۵۔ الشوریٰ ۱۱) اس جیسا کوئی نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ ہی کے لئے خوبی ہے۔ جن علماء عارفین‘ محققین نے یہ کہا کہ توحید ایسی ذات کے ثابت کرنے کا نام ہے جو کہ اور ذاتوں کے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معطل ہے۔
واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کو خوب بڑھا کر بیان کیا ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کی ذات کے مثل کوئی ذات نہیں اور نہ اس کے نام کے مثل کوئی نام اور نہ اس کے فعل

کے مثل کوئی فعل ہے اور نہ اس کی کسی صفت کے مثل کوئی صفت۔ مگر صرف لفظ کی لفظ کے ساتھ موافقت کی وجہ سے ہے۔ اس کی قدیم ذات برتر ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو۔ جیسے کہ یہ محال ہے کہ کسی حادث ذات میں کوئی صفت قدیم ہو۔ یہ کل کا کل اہل حق' اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے۔

بلاشبہ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس قول کی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تفسیر کی ہے اور فرمایا کہ یہ حکایت تمام مسائل توحید کو مشتمل ہے۔ کیونکہ اس کی ذات' محدث ذاتوں کے مشابہ ہو اس کی ذات اپنے وجود میں مستغنی ہے اور کیونکہ اس کا فعل مخلوق کے فعل کے مشابہ ہو وہ فعل تو نفع محبت اور دفع نقص کے بغیر ہے اور نہ خطروں اور غرضوں کا گزر ہے اور نہ اعمال ومحنت سے ظاہر ہوا اور مخلوق کا فعل ان وجوہات سے باہر نہیں۔

ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے کہ جو کچھ تم اپنے وہموں سے وہم کرتے ہو یا اپنی عقلوں سے معلوم کرتے ہو۔ وہ تو تمہاری طرح حادث ہے۔

امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ جوینی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس موجود کی طرف مطمئن ہو گیا اور اس طرف اپنی فکر بس کر دی۔ ارے وہ تو مشبہ ہے اور جو شخص نفی محض کی طرف ہو گیا وہ معطل ہے اور جو شخص ایک ایسے موجود کے ساتھ علاقہ رکھ کر اس کی حقیقت کے ادراک سے عجز کا اعتراف کرے' بس وہی موحد ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کی حقیقت میں کیا خوب کہا ہے کہ تم اس بات کو جان لو کہ اللہ ﷻ کی قدرت چیزوں میں بغیر محنت سے ہے اور مخلوق کا بنانا بلا امزاج اور سبب کے ہے۔ ہر چیز کی علت اس کی صفت ہے اور اس کی صفت کے لئے کوئی علت نہیں اور تمہارے وہم میں جو بھی متصور ہو اللہ ﷻ اس کے برعکس ہے۔ یہ کلام نہایت عجیب عمدہ اور محقق ہے اور اس کا آخری فقرہ اللہ ﷻ کے اس قول کی تفسیر ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ سے اور دوسرا ٹکڑا اس کے فرمان کی تفسیر ہے: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ. (پ ۱۷۔ الانبیاء ۲۳) جو اللہ ﷻ کرتا ہے اس سے پوچھا نہ جائے گا۔ حالانکہ وہ خود مسئول ہیں۔ اور تیسرا ٹکڑا اللہ ﷻ کے اس فرمان کی تفسیر ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ — جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

(پ ۱۴۔ النحل ۴۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں توحید اور اس کے اثبات اور اس کی تنزیہہ پر ثابت وقائم رکھے اور ضلالت وگمراہی یعنی تعطل وتشبیہ کے کناروں سے اپنے فضل واحسان کے طفیل محفوظ رکھے۔ آمین۔

چوتھا باب

آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں

اس میں ان چیزوں کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور کر دیا اور آپ ﷺ کو خصوصیات و کرامات کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوچنے سمجھنے والی یہ بات کافی ہے کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ ہم نے یہ کتاب نبی ﷺ کی نبوت کے منکر کے لئے جمع نہیں کی ہے اور نہ اس کے لئے جو آپ ﷺ کے معجزات پر طعن اور زبان درازی کرتا ہے کہ اس پر ہم دلائل قائم کرنے کے محتاج ہیں اور اس کے گوشوں کی قلعہ بندی کریں۔ تاکہ کوئی طعنہ کرنے والا اس تک نہ پہنچ جائے اور یہ کہ ہم عاجز کرنے والی شرائط اور تحدی اور اس کی تعریف کو بیان کریں اور ان لوگوں کے قول کے رد و فساد کا جو شرائع کے نسخ کو باطل کہتے ہیں کو ذکر کریں۔

بلکہ ہم نے اس کتاب کو ان اہل محبت کے لئے جمع کیا ہے جو کہ آپ ﷺ کی دعوت کو لبیک کہتے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں تاکہ ان کی محبت اور مضبوط ہو جائے اور ان کے اعمال میں زیادتی ہو اور ان کے ایمان میں ایمان کی جلا ہو۔

ہماری مراد اور مقصد یہ ہے کہ اس باب میں آپ ﷺ کے بڑے بڑے معجزات اور آپ ﷺ کی مشہور تر نشانیاں ثابت کر دیں تاکہ اللہ ﷻ کی جناب میں جو آپ ﷺ کی قدر و منزلت ہے اس پر دلالت کرے۔ ان میں ہم وہی بیان کریں گے جو محقق اور صحیح الاسناد ہیں اور ان میں سے بیشتر وہ ہیں جو یقینی حد تک پہنچتے ہیں یا اس کے قریب اور ان کے ساتھ ہم نے ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے جو آئمہ کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں اور جب کوئی منصف مزاج، غور کرنے والا ان پر غور کرے گا۔ جو ہم نے پہلے حضور ﷺ کے بارے لکھا ہے۔

یعنی آپ کے عمدہ اثرات، پسندیدہ سیرت، وفور علم، کمال عقل و حلم اور آپ ﷺ کے تمام کمالات، تمام خصائل، مشاہدۂ حالات، درست کلامی وغیرہ وہ تو آپ ﷺ کی نبوت کی صحت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صداقت میں شک و تردد کر ہی نہیں سکتا۔ بلاشبہ یہ باتیں آپ ﷺ پر اسلام و ایمان لانے میں بہت سوں کو کافی ہوئی ہیں۔

ترمذی اور ابن قانع رحمہما اللہ وغیرہ نے اپنی سندوں کے ساتھ یہ حدیث ہمیں روایت ہوئی

ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام ﷛ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے تو میں آپ ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو خوب دیکھا تو میں فوراً پہچان گیا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ انور جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ (اس کے بعد اس کی سند ذکر کی ہے)

(سنن ترمذی کتاب القیامہ جلد ۴ صفحہ ۶۵۲ سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ جلد ۱ صفحہ ۴۲۳ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۴۵۱ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۶۰)

ابی رمثہ التیمی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہا: یہ اللہ ﷻ کے نبی ﷺ ہیں۔ (طبقات ابن سعد کما فی منازل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۲)

اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ ضماد جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں۔ اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں جس کو اللہ ﷻ ہدایت فرما دے۔ سو اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کلمات کو پھر دوبارہ مجھ پر دہرایئے کیونکہ یہ سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اپنا دست مبارک بڑھایئے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ سنن نسائی کتاب النکاح جلد ۶ صفحہ ۸۹ سنن ابن ماجہ کتاب النکاح جلد ۱ صفحہ ۶۱۰)

جامع ابن شداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد جس کو طارق کہا جاتا ہے، اس نے ہمیں خبر دی کہ اس نے جب نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں دیکھا تو آپ نے فرمایا:

کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کو تم بیچتے ہو۔

ہم نے کہا: یہ اونٹ ہیں۔

فرمایا: کیا قیمت ہے؟

ہم نے کہا: کھجور کے اتنے اتنے وسق (جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) کے عوض بیچوں گا۔

تو آپ ﷺ نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور (شہر) مدینہ لے گئے۔ تو ہم نے (آپس میں) کہا کہ اس اونٹ کو ایسے شخص کے ہاتھ بیچا ہے جس کو ہم جانتے تک نہیں کہ وہ کون ہے۔

ہمارے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی اس نے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔ میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی مانند ہے وہ تم سے دھوکہ نہ کرے

گا۔ پس جب ہم نے صبح کی تو ایک شخص کھجوریں لایا اور کہا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ تمہارے لئے فرمایا ہے کہ ان کھجوروں کو کھاؤ اور وزن کر کے اپنی قیمت لے لو۔ سو ہم نے کیا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۴)

عمان کے بادشاہ جلندی کی حدیث میں ہے کہ جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی ہے تو جلندی نے کہا: خدا کی قسم مجھ کو اس نبی اُمی ﷺ پر یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ کسی نیکی کی طرف جب ہی بلاتے ہیں جب وہ خود اس پر عامل ہوتے ہیں اور کسی برائی سے جب ہی روکتے ہیں جب وہ خود اس کے تارک ہوں اور بلاشبہ جب وہ غالب ہوتے ہیں تو غرور نہیں کرتے اور جب مغلوب ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں اور عہد و پیمان کا ایفا کرتے ہیں اور ایفائے عہد میں جلدی کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی (برحق) ہیں۔ (کتاب الردۃ عن ابن اسحاق کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۴)

نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط — قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ (پ۱۸ النور ۳۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کی مثال دی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کا چہرہ آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرے گا اگرچہ وہ قرآن کی تلاوت نہ کرے۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيْهِ اٰيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ ۔۔۔ لَكَانَ مَنْظَرُهٗ يُنْبِيْكَ بِالْخَبَرِ

یعنی اگر اس میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ کا چہرہ ہی آپ کی (نبوت کی) خبر دیتا ہے۔

بیشک اب وقت آ گیا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت، وحی، رسالت کے بیان کو شروع کریں اور اس کے بعد قرآن کے اعجازات اور اس کے دلائل و براہین کو بیان کریں۔

پہلی فصل

اللہ ﷻ اپنے بندوں کو بغیر واسطہ کے اپنی ذات وصفات اور اسماء کا علم عطا فرما سکتا ہے

خبردار! بیشک اللہ ﷻ اس پر قادر ہے کہ اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی معرفت، اپنی ذات، اپنے اسماء وصفات کا علم اور تمام تکلیفات (دینی و دنیوی) کو شروع ہی میں بغیر کسی واسطہ کے اگر چاہے تو علم دے دے۔ جیسا کہ بعض نبیوں کے بارے میں سنت الٰہیہ مروی ہے۔ بعض مفسرین رحمہم اللہ اللہ ﷻ کے فرمان:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا. (پ۲۵۔الشوریٰ۵۱)

کسی آدمی کو یہ نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے طور پر۔

(ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہ علوم اللہ ﷻ بغیر کسی واسطہ کے ان کو پہنچا دے اور ان کو اپنے کلام سے نواز دے یہ واسطہ یا تو انسان کے سوا ہو جیسے فرشتے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یا انہی کے جنس سے ہو جیسے انبیاء علیہم السلام امتوں کے ساتھ ہیں۔

اور اس بات کے لئے کوئی عقلی دلیل مانع نہیں اور جب یہ جائز ہے اور محال نہیں ہے اور رسول ﷺ ان چیزوں کو لائے ہیں جو ان کے صدق پر دلالت کرتی ہیں' وہ ان کے معجزات ہیں تو جو وہ لائے ہیں' ان سب کی تصدیق واجب ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا تحدی کے ساتھ معجزہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے قائم مقام ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا' تم ان کی اطاعت واتباع کرو۔

اور آپ ﷺ کے صدق پر جو کچھ اللہ ﷻ نے فرمایا' گواہ ہے اور وہی کافی ہے۔

اس کو لمبا کرنا مقصود سے خارج ہے۔ اب جو بھی اس کے تلاش کرنے کا ارادہ کرے تو وہ ہمارے آئمہ رحہم اللہ کی تصنیفات میں بھرپور پالے گا۔

نبوت کی لغوی تحقیق

نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو ہمزہ سے پڑھے "نَبَاءٌ" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی خبر کے ہیں اور کبھی اس اعتبار وتاویل میں تخفیف وسہولت کے لئے ہمزہ نہیں دیا جاتا۔ اس صورت میں نبوت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اپنے غیوب پر مطلع کیا اور ان کو بتا دیا اور آپ ﷺ اس کے نبی ہیں۔ نبی کے معنی یا تو خبر دیتے ہوئے بصیغہ مفعول ہوگا یا مخبر خبر دینے والے بصیغہ اسم فاعل ان چیزوں کی جن کے ساتھ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور ان چیزوں کی اطلاع دینا جن پر آپ ﷺ کو مطلع کیا گیا ہے۔ اس وقت نبی بروزن فعیل بمعنی فاعل ہوگا۔

اور نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو بغیر ہمزہ (واو) کے پڑھتے ہیں۔ نَبُوَّۃ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی ہیں: "زمین کا بلند ومرتفع حصہ"۔ تو اب نبوت کے (اصطلاحی) معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ﷻ کی جناب میں آپ ﷺ کا مرتبہ آپ کی شرافت ومنزلت بلند ہے۔ یہ دونوں وصف آپ ﷺ کے حق میں صحیح ودرست ہیں۔

الرسول کی تحقیق

رسول اس کو کہتے ہیں جو مُرْسَلُ یعنی بھیجا گیا ہو۔ لغت میں بروزن فَعُوْلُ بمعنی مُفْعَلُ نادر

ہی مستعمل ہے۔

آپ ﷺ کی رسالت یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو جن لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ ان کو تبلیغ احکام کریں۔ یہ تتابع سے مشتق ہے (جس کے معنی پے در پے ہے) اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ وہ لوگ ارسالاً آئے جب وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں۔ گویا آپ ﷺ پر تو یہ لازم کیا گیا کہ آپ ﷺ بار بار تبلیغ کریں اور امت پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ آپ ﷺ کا اتباع کرے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی و رسول کے ایک معنی ہیں یا دو؟

بعض نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کیونکہ دراصل یہ اَنْبَاءٌ سے ہے جس کے معنی خبر دینا ہے۔ ان کا استدلال اللہ ﷻ کے اس فرمان سے ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (پ۱۷ الحج ۵۲) — اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ارسال میں یہ دونوں ساتھ ساتھ ثابت ہیں اور ان علماء نے کہا کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی۔

بعض نے کہا کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ من وجہ معنی رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ کبھی یہ دونوں اس نبوت میں جمع ہو جاتے ہیں جس میں غیب پر اطلاع، خصوصیات نبوت کا اعلان اور اس کی معرفت کے لئے رفعت اور ان کے درجات کا حصول مقصود ہو اور کبھی یہ دونوں اس رسول کی رسالت کی زیادتی میں جدا ہو جاتے ہیں جس میں ڈرانے اور خبردار کرنے کا حکم ہو۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔

ان کی دلیل بھی اسی آیت میں دونوں ناموں کو علیحدہ علیحدہ (نبی اور رسول جدا جدا) بیان کرنے سے نکلتی ہے۔ اگر وہ دونوں ایک ہوتے تو کلام بلیغ میں دونوں کی تکرار یقیناً خوبی نہیں رکھتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے کسی رسول کو امت کی طرف یا کسی ایسے نبی کو کسی طرف بھیجا نہیں گیا ہے، نہیں بھیجا مگر آخر آیت تک۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ رسول وہ ہیں جو نئی شریعت لے کر آئے اور نبی غیر رسول وہ ہے جو شریعت لے کر نہ آئے اگرچہ اس کو تبلیغ، احکام الٰہیہ اور ڈرانے کا حکم دیا گیا ہو۔

اور درست و صحیح قول وہی ہے جس پر علماء کا ایک جم غفیر ہے کہ ہر رسول علیہ السلام نبی ضرور ہے اور ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔ ان میں پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان میں آخری رسول حضور سید عالم ﷺ ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ[1] کی مرفوع حدیث میں ہے کہ بیشک انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار

۱۔ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۷۹، صحیح ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۲۸۷

(کم وبیش) ہیں۔ بخلاف (فرقہ) کرامیہ کے کہ ان کی باتیں لمبی اور ڈرانے والی ہیں۔ اس میں کوئی فائدہ اور بھلائی نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی اعتبار۔

وحی کی تحقیق

وحی کے اصلی معنی "جلدی کرنے کے" ہیں اور نبی کریم ﷺ پر جب کوئی حکم اللہ ﷻ کی جانب سے نازل ہوتا تو اس کے لینے میں جلدی فرماتے۔ اس وجہ سے اس کا نام وحی رکھ دیا گیا اور الہاموں کی قسموں کو چونکہ گونہ وحی نبوت سے مشابہت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور خط کا نام بھی وحی رکھا گیا کہ چونکہ کاتب کے ہاتھ کی حرکت میں سرعت (جلدی) ہوتی ہے اور ابرو اور گوشہ چشم کے اشارہ کو وحی بھی یوں کہا گیا کہ ان دونوں کے اشاروں میں سرعت ہوتی ہے۔ اسی قبیل سے خدا کا یہ فرمان ہے:

فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ تو انہیں اشارہ سے کہا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہو۔ (پ ۱۶۔ مریم ۱۱) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی آنکھ یا زبان سے اشارہ کیا کرو۔ اس کے ایک معنی لکھنے کے بھی آئے ہیں اور اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے۔ اَلْوَحَا' اَلْوَحَا. یعنی جلدی کرو اور کہا گیا ہے کہ دراصل وحی پوشیدہ اور مخفی بات کو کہتے ہیں۔ اسی قبیل سے ہے کہ الہام کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور اسی سے اس کا قول ہے کہ

اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِهِمْ. بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔ (پ ۸۔ الانعام ۱۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی ان کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی قبیل سے یہ فرمان ہے کہ

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى. ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام فرمایا۔ (پ ۲۰۔ القصص ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ بات اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا. کسی آدمی کو یہ نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے طور پر۔ (پ ۲۵۔ الشوریٰ ۵۱) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی بغیر واسطہ کے اس کے دل میں القا فرمائے۔

دوسری فصل

معجزات کے بیان میں

جانو! کہ انبیاء علیہم السلام جو لائے ہیں ان کو ہمارا معجزہ کہنا اس لئے ہے کہ مخلوق اس کے مماثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

معجزے دو طرح پر ہوتے ہیں۔

ایک قسم: یہ کہ قدرت انسانیہ کے انواع میں سے ہو پھر اس سے وہ عاجز ہو جائیں۔ ان کا یہ عجز ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فعل اللہ ﷻ کی جانب سے ہے۔ جو ان کے نبی کی صداقت میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ ان (یہودیوں) کو موت کی تمنا سے پھیر دینا اور ان (عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء) کا قرآن کریم کی مثل لانے سے عاجز ہو جانا۔ یہ بعض علماء کی رائے ہے۔ اسی طرح دیگر معجزات وغیرہ۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ وہ فعل ہی انسانی قدرت سے باہر ہو کہ وہ کسی طرح بھی اس کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ جیسے مردوں کا زندہ کرنا' عصاء (موسیٰ علیہ السلام) کا سانپ بننا' اونٹنی کا پتھر سے نکلنا' درخت کا کلام کرنا' انگلیوں سے پانی کے چشمے بہانا اور چاند کو ٹکڑے کرنا۔ یہ وہ معجزات ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ کوئی ان کو کر سکے سوائے اللہ ﷻ کے حضور ﷺ کے دست مبارک پر ان کا ہونا اللہ ﷻ کا فعل ہے اور اس کے ذریعہ ان کی تحدی (عجز) مقصود ہے جو آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں کہ ان کی مثل لانے سے وہ عاجز ہیں۔

جانو! بیشک وہ معجزات جو ہمارے نبی ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے جو آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ ﷺ کے صدق پر براہین (دلیل) ہیں۔ ان میں دونوں قسموں کے ہیں۔ دیگر رسولوں کی بہ نسبت آپ کے معجزے بکثرت' ان سے زیادہ روشن نشانیاں اور ان سے زیادہ ظاہر دلائل پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ عنقریب ہم ان کو بیان کریں گے اور یہ معجزات اس کثرت سے ہیں کہ کوئی ان کو ضبط تحریر میں لا سکتا ہی نہیں کیونکہ ان میں سے قرآن ہی ایسا معجز کلام ہے کہ اس کے معجزات کو ہزار' دو ہزار یا زیادہ کا شمار ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صرف ایک سورت کا معارضہ طلب کیا تھا تو اس سے عاجز ہو گئے تھے۔

علماء نے کہا ہے کہ سب سے چھوٹی سورت اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ. (پ۳۰ الکوثر۱) ہے۔ لہٰذا اس کی ہر آیت یا اس سورت کی مقدار و عدد میں آیتیں معجزہ ہیں۔ پھر خاص اس سورت میں ہی متعدد

معجزے ہیں۔ جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے کہ اس میں یہ یہ معجزے ہیں۔

پھر حضور ﷺ کے معجزات دو قسم پر ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ جو قطعی طور پر معلوم اور ہم تک متواتر منقول ہے۔ جیسے قرآن کریم کہ نہ اس میں کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف کہ یہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی طرف سے اس کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے اپنی دلیل میں بطور حجت پیش کیا اور اگر کوئی بد بخت اس کا انکار کرے تو وہ معاند و دشمن ہے۔ اس کا انکار ایسا ہی ہے کہ حضور ﷺ کے وجود کا دنیا میں انکار کرے۔ حالانکہ منکرین کا اعتراض اس کی حجت [1] میں ہی رہا ہے۔

پس قرآن اپنی ذات میں اور اپنے تمام مشتملات' معجزات میں معلوم و بدیہی ہے اور اس کی اعجازی شان بدایت و نظر دونوں سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بہت جلد اس کی تشریح کریں گے۔

ہمارے بعض آئمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ قائم مقام معجزات کے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دست اقدس پر بکثرت نشانیاں خوارق عادات ہوئی ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی معجزہ یقین کے درجہ تک نہ بھی پہنچے تو یہ تمام معجزات کو ملا کر تو یقین حاصل ہو جائے گا۔ لہذا ان کے معانی کا وقوع آپ ﷺ کے دست اقدس پر شک وشبہ سے بالا ہے۔

کسی مومن اور کافر کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کے دست اقدس سے عجائبات کا صدور ہوا ہے۔ معاند (دشمن) کا اختلاف تو اس میں ہے کہ یہ خدا ﷻ کی جانب سے ہیں یا نہیں؟ حالانکہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اللہ ﷻ کی جانب سے ہے اور یہ کہ اس کے قائم مقام' مقام ہے کہ تم نے سچ کہا اس قسم کا وقوع بھی ہمارے نبی ﷺ سے بداہتہً معلوم ہے کیونکہ ان کے معانی کا اتفاق ہے۔ جیسے حاتم کی سخاوت اور عنترہ کی شجاعت اور احنف کا علم بداہتہً معلوم ہے کیونکہ ان پر جو خبریں ملتی ہیں ان پر اتفاق ہے کہ سخاوت' شجاعت اور علم ان کا معروف و مشہور ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ ہر ایک خبر علم کا موجب نہیں اور نہ اس کی صحت پر یقین ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ خبر بداہتہً اور یقین کے درجہ تک نہ پہنچے۔ اس کی دو صنف ہیں۔

پہلی صنف یہ کہ وہ خبر مشہور اور پھیلی ہوئی ہو اور اس کو متعدد راویوں نے بیان کیا ہو اور وہ خبر محدثین' مؤرخین اور اصحاب سیر و اخبار کے نزدیک شائع (پھیل) ہو چکی ہو۔ جیسے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اور طعام کو زیادہ کرنا۔

اور دوسری صنف یہ ہے کہ وہ خبر صرف ایک یا دو راوی تک محدود و مخصوص ہو اور اتنے کم

۱۔ یعنی منکرین کہتے ہیں یہ جادو ہے

راویوں نے اس کو بیان کیا ہو کہ وہ حد شہرت تک نہ پہنچی لیکن جب ان جیسے معجزات کو جمع کیا جائے تو وہ اپنے معانی میں اتفاق کی حد تک پہنچ جائے اور یہ دونوں قسمیں معجزات کے صدور میں مجتمع ہو جائیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات بیان کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ حضور ﷺ سے بہت سے معجزات جو مروی ہیں' قطعیت کے ساتھ معلوم ہیں۔

چنانچہ معجزہ شق القمر' تو اس کا وقوع تو نص قرآنی سے ثابت ہے اور قرآن نے اس کے وجود کی خبر دی ہے۔ دلیل کے بغیر کسی آیت کے ظاہری معنی سے انحراف نہیں کیا جائے گا اور اس احتمال کے رفع کرنے میں تو متعدد طریقوں سے احادیث صحیحہ وارد ہیں اور کسی بدنصیب کا اختلاف جس نے دین کے کٹرے کو چھوڑ رکھا ہے ہمارے پختہ اعتقاد کو متزلزل نہیں کر سکتا اور ایسے مبتدع کی سفاہت (بیوقوفی) کی طرف توجہ نہ کی جائے گی کیونکہ وہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا ہے بلکہ ہم اس کے ساتھ اس کی ناک کو خاک آلود کریں گے اور میدان میں ہم اس کی سفاہت (بیوقوفی) کو پھینکیں گے۔

یہی صورت پانی کے نکلنے اور طعام کی زیادتی کے واقعہ کی ہے۔ اس کو ثقہ لوگوں نے اور بہت سے راویوں نے صحابہ کرام ﷺ کی بہت بڑی جماعت کے بکثرت افراد نے روایت کیا ہے اور بعض معجزات تو ایسے ہیں ایک جماعت نے جماعت سے متصلاً ان راویوں سے جنہوں نے بہتر صحابہ سے روایت کیا ہے' بیان کیا ہے کہ یہ معجزہ خندق کے دن بڑے مجمع میں اور غزوہ بواط اور عمرۂ حدیبیا اور غزوۂ تبوک وغیرہ مسلمانوں کی مجلسوں اور لشکروں میں واقع ہوا ہے اور صحابہ میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں۔ جو راوی کے بیان کی مخالفت کریں اور جو انہوں نے دیکھا ہے' اس کا انکار کسی دیکھنے والے نے ذکر نہیں کیا ہے۔ (کہ نہیں اصل واقعہ یہ ہے) لہذا ان میں سے خاموش رہنے والے کا سکوت ایسا ہی ہے جیسے گویا کا بولنا۔ اس لئے کہ وہ اصحاب باطل پر قرار اور جھوٹ میں مداہنت سے منزہ و پاک ہیں اور نہ وہاں کوئی رغبت اور خوف ہی تھا کہ ان کو باز رکھے اور اگر وہ سنی ہوئی بات ان کے نزدیک قابل انکار اور ان کے نزدیک غیر معروف ہوتی تو وہ یقیناً اس کا انکار کرتے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض صحابہ نے بعض ان باتوں کا انکار کیا ہے جن کا ذکر احادیث وسیر اور قرأت قرآن میں منقول ہے اور بعض نے بعض کی غلطی ظاہر کی اور کسی کو وہمی کہا۔ یہ وہ باتیں جو غیر مبہم ہیں۔ معجزات کی یہ پوری صنف قطعیت کے ساتھ ملحق ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

بلاشبہ بعض خبریں ایسی بھی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور باطل پر ان کی بنیاد ہے اور ایسی بھی

ہوں گی کہ ایک مدت کے گزرنے اور لوگوں کی مداومت کے بعد علماء کے مباحثہ وتحقیق سے ان کا ضعف ظاہر ہو اور ان کا ذکر گمنامی میں ہو جائے۔ جیسا کہ اکثر جھوٹی خبروں اور من گھڑت قصوں میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ کے معجزات جو بطریق احاد مروی ہیں۔ زمانہ گزرنے کے بعد بھی ان کا ظہور ہی زیادہ ہوتا ہے اور فرقوں کے کلام کرنے اور دشمنوں کی کثرت طعنہ زنی اور ان کے استخفاف پر ان کے حریص ہونے اور اس کی بنیادوں کو کمزور بنانے اور اس کے نور کو بجھانے پر ملحدین کی پیہم کوششوں کے باوجود ان کی قوت وقبول اور ان پر طعن کرنے والے کی حسرت وکینہ کو ہی بڑھاتا ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کا غیبی خبریں دینا اور آپ کا مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ یعنی گزشتہ وآئندہ کے حالات بتانا۔

فی الجملہ بداہتہً آپ ﷺ کے معجزات میں ہونا معلوم ہے اور یہ ایسا حق جس پر کوئی پردہ نہیں۔

ہمارے آئمہ میں سے قاضی واستاذ ابوبکر وغیرہ رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک جس قائل نے یہ کہا ہے کہ یہ مشہور واقعات خبر واحد کے باب میں سے ہیں۔ اس کی وجہ اخبار وروایات میں مطالعہ کی کمی اور اس کے سوا دیگر علوم عقلیہ وغیرہ میں مشغول ہونا ہے ورنہ جو شخص نقل کے طریقوں سے واقف ہے اور احادیث وسیر کا مطالعہ کرتا ہے وہ شخص جس طرح ہم نے ان کا ذکر کیا ہے ان واقعات مشہورہ کی صحت میں شک نہیں کر سکتا۔

یہ کوئی بعید امر نہیں ہے کہ ایک شخص کو تو تواتر کا علم ہو جائے اور دوسرے کو حاصل نہ ہو۔ کیونکہ اکثر لوگ خبر کے ذریعے جانتے ہیں کہ بغداد موجود ہے اور وہ ایک بڑا شہر ہے اور وہ دارالخلافہ اور بیت الامامت ہے۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ کوئی اس کا نام تک نہیں جانتا۔ چہ جائیکہ اس کے اوصاف سے واقف ہو۔

اسی طرح امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد فقہا آپ سے تواتر کے ساتھ یقیناً نقل کرتے ہیں کہ آپ کا یہ مذہب ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا منفرد وامام پر واجب ہے اور رمضان مبارک کی پہلی رات میں روزہ کی نیت کرنا ماسوا اس کے دنوں کے لئے وہ کافی ہے اور بلا شبہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر رات کے لئے جداگانہ روزہ کی نیت ہو اور مسح میں سر کے بعض حصہ پر اکتفا کرنا جائز ہے اور ان دونوں کا یہ مذہب ہے کہ قتل میں قصاص محدد (تلوار) وغیرہ کے ساتھ جائز ہے اور وضو میں

نیت کا وجوب اور نکاح میں اذن ولی شرط ہے۔

بلاشبہ (حضرت امام اعظم) ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف ان مسائل میں بلکہ ان کے سوا اور دیگر مسائل میں ان دونوں مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو ان کے مذاہب میں مشغول ہی نہیں ہوئے اور نہ ان کے اقوال کی روایت کی ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذاہب بھی ہیں۔ چہ جائیکہ یہ مسائل یا دیگر حالات سے واقف ہوں۔

اور جب ہم ان احاد معجزات کا ذکر کریں گے تو اس وقت ان کو تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ ﷻ بیان کریں گے۔

تیسری فصل

اعجازِ قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ

جانو! اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق مرحمت فرمائے۔ اللہ ﷻ کی کتاب مجید کئی وجھوں سے بکثرت معجزات پر مشتمل ہے اور ان پر مطلع ہونے کے لئے وجوہات انحصار کے طریقہ پر چار قسمیں بنتی ہیں۔

اول: یہ کہ اس کے نظم کی خوبی' اس کے کلمات کو ملانا' اس کی فصاحت' اس کے ایجازات (یعنی مختصرات وغیرہ) اور اس کی ایسی بلاغت جو عرب کے بلغاء کی عادت کے برخلاف ہے اور یہ اس لئے کہ عرب کے فصحاء و بلغاء اس شان کے مالک' اس کے شہسوار تھے۔

وہ لوگ بلاغت و حکمت میں ایسے مخصوص تھے کہ ان کے سوا کسی دوسری امت کو (ایسی بلاغت و حکمت) میسر نہ تھی اور زبان کے نکات کے وہ ایسے ماہر تھے کہ کسی انسان کو وہ نہ دی گئی تھی اور خطاب کے باب میں تو وہ ایسے تھے کہ کوئی عقلمند ان کو بند نہیں کر سکتا تھا اور یہ بات اللہ ﷻ نے ان کی خلقت و طبیعت میں رکھ دی تھی اور ان میں یہ طبعی قوت تھی کہ فی البدیہہ کلام سے عجائبات لاتے اور اس کی وجہ سے ہر معاملہ تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ وہ متعدد مواقع اور سخت خطاب کی جگہوں میں فی الفور خطبہ دیتے تھے اور نیزے اور تلوار کی جنگوں میں رجز کے طور پر اشعار پڑھتے۔

اپنی تعریف کرتے (دوسروں کی) برائی کرتے اور اپنے مقاصد میں اس سے وسیلہ توسل پکڑتے اور لوگوں کو بڑھاتے اور گھٹاتے تھے۔ پس وہ لوگ اس سے سحرِ حلال لاتے (یعنی جادو بیانی) کرتے تھے۔ ان کی تعریفوں کے ایسے ہار بناتے جو موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوبصورت ہوتے'

عقلوں کو فریفتہ کرتے اور مشکلوں کو آسان بناتے تھے۔ کینے کو دور کرتے اور شجاعت کو ابھارتے اور بزدلوں کو جرأت دلاتے اور بند ھے ہاتھوں کو کھولتے' ناقص کو کامل بنا دیتے' بڑے بڑے ہوشیاروں کو خاموش کر دیتے تھے۔

ان میں سے بعض بدوی (دیہاتی) تو حتمی الفاظ اور قول فیصل کے مالک تھے۔ ان کا کلام محکم' طبیعت صناع اور قوتوں کو کھینچنے والے ہوتے تھے اور ان میں سے بعض شہری تو ایسے تھے کہ جو اعلیٰ بلاغت والے' عمدہ الفاظ والے' جامع کلمات والے' نرم طبیعت والے بلاتکلف تھوڑے کلام میں بہتر تصرف کرنے والے' جس کی خوبی عمدہ، کلام موزوں ہوتا تھا اور دونوں قسم کے لوگ (یعنی بدوی اور شہری) بلاغت میں حجۃ بالغہ' قوت عالیہ' کامیاب تر' وسیع اور واضح تک پہنچے ہوئے تھے۔

ان کو اس میں شک نہ تھا کہ کلام ان کے مقصود کے موافق ہے اور بلاغت ان کے تابع ہے۔ بلاشبہ انہوں نے بلاغت کے تمام فنون کو گھیر لیا تھا اور اس کی خوبیوں کو نکال لیا تھا اور اس کے ہر باب کے جس دروازہ سے چاہتے داخل ہو جاتے تھے۔ وہ بلاغت کے انتہائی درجہ پر پہنچنے کے سبب اس کے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ پس انہوں نے مشکل اور آسان کلام کیا اور لاغر و سمین (موٹے) میں جوہر دکھائے۔ قلت و کثرت میں مقالات کہے' نظم و نثر میں ڈول ڈالے۔

ان صفتوں کے مالک فصحاء و بلغاء عرب کو اگر عاجز کیا ہے اور ان کو مرعوب کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کتاب مجید لا کر ہی کیا ہے۔ جس پر نہ سامنے سے باطل ٹھہرے' نہ پیچھے سے۔ وہ کتاب حکمت والے تعریف کیے ہوئے اللہ جل جلالہ کی اتاری ہوئی ہے۔ اس کی آیتیں محکم' اس کے کلمات مفصل' اس کی بلاغت عقلوں کو متحیر کرنے والی' اس کی فصاحت ہر بولنے والے پر غالب ہے۔ اس کا اختصار اور اعجاز کامیاب ہے' اس کی حقیقت و مجاز واضح ہے۔ خوبصورتی میں اس کے ابتدائی اور انتہائی کلمات متشابہ ہیں اور اس کے جامع و بدیع کلمات ہر بیان پر حاوی ہیں۔ باوجود اپنے اختصار کے نظم کی خوبی میں معتدل ہے اور اپنے فوائد میں زیادتی کے باوجود اس کے الفاظ پسندیدگی کے عین مطابق ہیں۔

حالانکہ اہل عرب اس باب میں بڑی طاقت رکھتے تھے۔ ان کے مرد خطاب میں بہت مشہور تھے اور سجع شعر میں غریب الاستعمال الفاظ و لغت پر بڑے بولنے والے تھے اور ان کی ان لغت میں جن کو وہ بولتے تھے اور ان کے ان جھگڑوں میں جن میں وہ غالب آیا کرتے تھے۔ قرآن کریم ان کو ہر وقت چیلنج کرتا رہا اور ان کے کانوں کو کھٹکھٹاتا رہا اور ان کی پوری جماعت کو ۲۳ سال تک جھنجوڑتا رہا۔ وہ چیلنج کرتا تھا کہ

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (پ۱۱۔یونس ۳۸)	کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکے سب کو ملا لو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ (پ۱ البقرہ ۲۳)	اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور ہرگز نہ لاسکو گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

نیز فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (پ۱۵۔الاسراء ۸۸)	تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔ (پ۱۲۔ہود ۱۳)	تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ اس لئے کہ جھوٹ کا بنانا آسان ہوتا ہے اور باطل اور بناوٹی کو لے لینا اختیار کے زیادہ قریب ہے اور لفظ جب صحیح معنی کے تابع ہوتا ہے تو وہ بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا لکھتا ہے جیسا اس کو کہا جائے اور فلاں جیسا چاہتا ہے لکھتا ہے۔ لہٰذا پہلے شخص کے لئے دوسرے پر فضیلت ہے درانحالیکہ دونوں منشاء میں دوری ہے۔

پس نبی کریم ﷺ برابر تحدی کر کر کے خوب جھنجوڑتے رہے اور ان کو خوب جھڑکتے رہے اور ان کی عقلوں کی سفاہت بتاتے رہے۔ ان کے بلند بانگ دعووں کے جھنڈوں کو اتارتے رہے۔ ان کے بڑوں کی شخصیت کو ٹکڑے کرتے رہے اور ان کے جھوٹے معبودوں اور ان کے آباء (کے کرتوتوں) کو برا بتاتے رہے۔ ان کی اراضی امصار اور اموال کو مباح بناتے رہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگ اس معارضہ میں بھاگتے رہے اور اس کی مماثلت سے اعراض کرتے رہے اور اپنے آپ کو شور وشغب اور تکذیب اور افتراء پر برانگیختہ کرنے میں دھوکہ دیتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝		یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا۔
	(پ ۲۹۔ المدثر ۲۴)	(ترجمہ کنز الایمان)
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔	(پ ۲۷۔ القمر ۲)	یہ تو جادو چلا آتا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)
اِفْکُ نِ افْتَرٰہُ۔	(پ ۱۸۔ الفرقان ۴)	ایک بہتان جو انہوں نے بنا لیا (ترجمہ کنز الایمان)
اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا		اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں۔
	(پ ۱۸۔ الفرقان ۵)	(ترجمہ کنز الایمان)

اس قسم کی بہت اوراد نیٰ باتوں سے وہ خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بھی کہا:

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ۔	(پ ۱ البقرہ ۸۸)	ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔
فِیْۤ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ۔		اس بات سے جس کی طرف تم بلاتے ہو۔
	(پ ۲۴۔ حم السجدہ ۵)	(ترجمہ کنز الایمان)
وَفِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ۔		ہمارے کانوں میں ٹھینٹ (روئی) ہے۔
	(پ ۲۴۔ حم السجدہ ۵)	(ترجمہ کنز الایمان)
وَمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ۔		ہمارے تمہارے درمیان روک ہے۔
	(پ ۲۴۔ حم السجدہ ۵)	(ترجمہ کنز الایمان)
لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ۔		یہ قرآن نہ سنو۔ (ترجمہ کنز الایمان)
وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝		اور اس میں بیہودہ غل نہ کرو سب پر یونہی تم غالب
	(پ ۲۴۔ حم السجدہ ۲۶)	آؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

باوجود وہ اس قدر عاجز ہو جانے کے وہ یہ ڈینگیں مارتے کہ ہم چاہتے تو ضرور اس کی مثل لے آتے حالانکہ اللہ ﷻ نے ان کو فرما دیا تھا:

وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔	(پ ۱ البقرہ ۲۴)	ہرگز نہ لا سکو گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

سو وہ اس کے لانے پر قادر نہ ہو سکے اور ان کے جس بے وقوف نے معارضہ کیا جیسے مسیلمہ کذاب تو اس کا عیب ان سب کے سامنے کھل گیا اور اللہ ﷻ نے ان کی فصاحت کلام کی صفت کو سلب کر لیا ورنہ عقلمندوں پر یہ مخفی نہیں کہ قرآن ان کی فصاحت کے طرز کا نہیں؟ اور نہ ان کی بلاغت کی جنس ہے؟ بلکہ وہ اس سے پشت دکھا کر بھاگے اور فرمانبردار بن کے آئے کچھ ہدایت یافتہ ہو کر کچھ فریفتہ بن کر۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ بیشک اللہ حکم فرماتا ہے احسان اور نیکی کا۔

(پ۱۴۔ النحل ۹۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اسی وجہ سے جب ولید بن مغیرہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا اس نے کہا کہ خدا کی قسم اس میں حلاوت (مٹھاس) ہے یقیناً اس میں رونق ہے۔ بیشک اس کے نیچے گہرا پانی ہے اور اس کے اوپر کا حصہ پھلدار ہے۔ اس کو انسان نہیں کہہ سکتا۔ (تفسیر در منثور جلد ۸ صفحہ ۳۳۶)

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ایک مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ اور علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے۔

(پ۱۴۔ الحجر ۹۴) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس نے سجدہ کیا اور کہا: میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ دوسرے مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا:

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا۔ پھر جب اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے

(پ۱۳۔ یوسف ۸۰) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے تھے۔ اتفاقاً آپ نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کے سر پر کھڑا کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ میں روم کے رئیسوں میں سے ہوں اور عرب وغیرہ کے کلام کی خوبیوں کو جانتا ہوں۔

میں نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک شخص سے سنا کہ وہ قرآن کی ایک آیت تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے اس پر خوب غور کیا۔ تو میں نے اس میں وہ باتیں جمع پائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دنیا و آخرت کے حالات میں نازل ہوئی تھیں۔ وہ یہ فرمان ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(پ۱۸۔ النور ۵۲)

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک باندی کا کلام سنا اور اس سے کہا کہ اللہ عزوجل تجھے ہلاک کرے کیا تیرا فصیح کلام ہے۔ اس نے کہا: ہاں لیکن اللہ عزوجل کے اس کلام کی فصاحت کے بعد اس کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ. (پ۲۰ القصص ۷) ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس ایک ہی آیت میں اللہ ﷻ نے دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرمادیں۔

اعجاز قرآن میں یہ قسم اللہ ﷻ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ کسی غیر کی طرف یہ منسوب نہیں۔ دو قولوں میں یہ قول محقق واضح ہے اور یہ کہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ لائے ہیں بداہۃً معلوم ہے اور حضور ﷺ کا اس سے تحدی فرمانا بھی صریحاً معلوم ہے اور اہل عرب کا اس کی مثل لانے سے عاجز ہونا بھی بدیہی بات ہے اور اس کی فصاحت و خارق عادت کے درجہ پر ہونا۔ سو یہ بھی فصحاء اور اقسام بلاغت کے جاننے والوں پر یقیناً معلوم ہے اور سب لوگ فصیح و بلیغ نہیں ہیں۔ ان کو اتنا جاننا کافی ہے کہ فصیح و بلیغ منکرین رب ﷻ کے معارضہ سے عاجز رہے ہیں اور افتراء کرنے والے بھی اس کی معجزانہ بلاغت کے معترف رہے ہیں اور جب تم ان آیتوں میں اچھی طرح غور کرو گے کہ

وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ. (پ۲ البقرہ ۱۷۹) اور خون کا بدلہ لینے میں تمہارے لئے زندگی ہے (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ○ (پ۲۲۔ سبا ۵۱) اور اگر تو دیکھے کہ جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے جائیں گے پھر بچ کر نہ نکل سکیں گے اور ایک قریب جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ. (پ۲۴۔ حم السجدہ ۳۴) برائی کو بھلائی سے ٹال۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○ (پ۲۴۔ حم السجدہ ۳۴) جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔ (ترجمہ کنز الایمان)

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ. (پ۱۲۔ ھود ۴۴) اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا. (پ۲۰ العنکبوت ۴۰) تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو ان میں ہم نے کسی پر پتھراؤ بھیجا (ترجمہ کنز الایمان)

اس کی مثل دوسری آیتیں ہیں بلکہ قرآن کا بیشتر حصہ وہ ہے جب تم اس پر غور کرو گے تو تم پر ثابت ہوجائے گا۔ جو میں نے اس کے لفظوں کے اختصار' اس کے معانی کی زیادتی' اس کی عبارت کی خوبی' اس کے حروف کی ترکیب میں حسن اور ان کے کلمات کا باہم اتصال' کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ بلاشبہ قرآن کریم کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے' متعدد فصلیں اور ان علوم کا ذخیرہ ہے جن میں سے چند باتیں استعارہ کر کے دفتر کے دفتر بھر چکے ہیں اور اس کے مستنبطات میں تو بکثرت مقالے ہیں۔

پھر قرآن کریم طویل قصوں اور گزشتہ زمانوں کی ان خبروں کے بیان کرنے میں جن میں فصحاء کی عادت میں وہ کلام ضعف اور کمزور ہوجایا کرتا ہے اور بیان کی لذت جاتی رہتی ہے' ان کو اس خوبی سے ذکر کرتا ہے کہ وہ غور کرنے والے کے لئے ایک معجزہ ہے کہ کس طرح کلام آپس میں مربوط ہے اور کس طرح لڑی سے لڑی ملی ہوئی ہے اور وجوہ بلاغت میں وہ کس طرح قائم ہے۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ باوجود طویل ہونے کے۔ پھر جب وہ قصے بار بار آتے ہیں تو باوجود مکرر ہونے کے ان کی عبارتیں مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ہر ایک قریب ہوتا ہے کہ بیان کی حلاوت میں اپنے ساتھی کو بھلا دے اور حسن میں اس کے مقابل چہرے سے عمدہ جانے اور ان قصوں کے بار بار آنے سے طبیعتوں میں نفرت پیدا نہیں ہوتی اور مکرر عبارتوں سے صرف نظر نہیں کرتا۔

چوتھی فصل

اعجازِ قرآن کی دوسری وجہ

قرآن کریم معجزہ ہونے کی دوسری وجہ اس کے نظم کی عجیب شکل اور وہ غریب اسلوب (طرز) ہے جو کلام عرب کے اسلوب اور ان کے نظم و نثر کے وہ طریقے جن پر یہ قرآن ہے' ان کے خلاف ہے۔ ہر آیت کے آخر میں وقفہ ہے۔ جہاں کلمات کے وصل کی انتہا ہے۔ اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی جاتی ہے نہ بعد کو اور نہ کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ کی مماثلت کر سکے۔

بلکہ اس میں ان کی عقلیں متحیر ہیں۔ اس کی نزدیکی (کے وہم سے) ان کی عقلیں مدہوش ہیں اور اس کی مثل کی طرف اپنے ہم جنس کلام میں خواہ وہ نثر ہو یا نظم' سجع ہو یا رجز و شعر کو راہ نہیں پاتے۔

جب ولید بن مغیرہ نے حضور ﷺ کا کلام سنا اور آپ ﷺ نے اس پر قرآن کی تلاوت فرمائی تو وہ نرم دل ہوگیا۔ تب اس کے پاس ابوجہل انکار کرتا ہوا آیا۔ اس سے اس نے کہا: خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی شعروں میں مجھ سے بڑھ کر عالم نہیں۔ خدا کی قسم جو کچھ وہ (حضور ﷺ) فرماتے ہیں' شعروں

کے مشابہ نہیں۔

ولید کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب ولید نے موسم (حج) کے وقت قریش کو جمع کیا تو کہا کہ عرب کے لوگ آئے ہیں تم سب کسی ایک بات پر اتفاق رائے کر لو تا کہ کوئی ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرے۔ تو سب نے کہا کہ ہم کاہن کہیں گے۔ اس نے کہا: خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہو سکتے اور نہ اس میں کہانت کی باتیں ہیں۔ اس (کلام) میں کاہنوں جیسا رمز ہے نہ ان کا انداز سجع انہوں نے کہا کہ ہم دیوانہ کہیں گے۔

اس نے کہا کہ وہ دیوانہ بھی نہیں کیونکہ نہ ان کو جن نے پکڑا اور نہ اس نے وسوسہ میں ڈالا۔

انہوں نے کہا تو پھر شاعر کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ میں شعر کی قسموں کو خوب جانتا ہوں خواہ وہ رجز ہو یا ہزج۔ اس کا حسن و قبح اس کا بسط و قبض جانتا ہوں۔ وہ شاعر تو ہو ہی نہیں سکتے۔

انہوں نے کہا: پھر تو ساحر (جادوگر) کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ ساحر بھی نہیں کیونکہ نہ وہاں جھاڑ پھونک ہے اور نہ گرہ لگاتا۔ انہوں نے کہا: بتاؤ پھر کیا کہیں۔ اس نے کہا: اس میں سے تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب باطل ہے ان باتوں میں قریب سے قریب یہ بات ہو سکتی ہے کہ وہ ساحر ہوں کیونکہ جادو مرد اور اس کے بیٹے بھائی' بیوی اور قرابت داروں کے درمیان جدائی کر دیتا ہے۔ پھر انہوں نے جدا جدا ہو کر اپنی اپنی راہ لی اور لوگوں کو ڈرانے لگے۔ اس پر اللہ ﷻ نے ولید کے بارے میں یہ آیت اتاری:

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا۔ اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔

(پ ۲۹۔ المدثر ۱۱) (ترجمہ کنز الایمان)

عقبہ بن ربیعہ نے جب قرآن کریم سنا تو اس نے کہا: اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس کو نہ جانا اور نہ پڑھا ہو۔ خدا کی قسم میں نے وہ کلام سنا ہے۔ خدا کی قسم اس جیسا میں نے کبھی نہ سنا۔ نہ تو وہ شعر ہے نہ سحر و کہانت۔ نضر بن حارث نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی حدیث[1] میں ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی انیس کی تعریف کی اور کہا کہ خدا کی قسم! اپنے بھائی انیس سے بڑھ کر کسی شاعر کو نہ سنا۔ اس نے جہالت کے زمانہ میں بارہ شاعروں سے مقابلہ کیا ہے اور میں ان میں سے ایک میں ہوں۔ وہ مکہ گیا اور ابوذر رضی اللہ عنہ

ا۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۲۱۔۳۰۔۱۹۱۹

کے پاس حضور ﷺ کی خبر لایا۔ میں نے کہا: لوگ کیا کہتے ہیں؟

اس نے کہا: لوگ شاعر' کاہن اور ساحر کہتے ہیں۔ بیشک میں نے کہانت کی باتیں سنی ہیں۔ ان میں وہ باتیں نہیں ہیں اور میں نے ان کے فرمان کو شعر کی اقسام کے مقابل کیا تو وہ اس کے مناسب بھی نہیں۔ میرے بعد کسی کی زبان پر نہ آئے گا کہ وہ شاعر ہیں۔ بلاشبہ وہ یقیناً سچے ہیں اور وہ سب جھوٹے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

اور قرآن کا معجزہ ہونا دونوں قسموں پر ہے۔

بذاتہٖ اعجاز و بلاغت (اعجاز و بلاغت کے لحاظ سے)

اور بذاتہٖ اسلوب غریبہ۔ (طرز عجیب کے لحاظ سے) ان دونوں میں سے ہر ایک حقیقۃً ایک قسم کا معجزہ ہے۔ اہل عرب اس کی کسی ایک قسم پر بھی مماثل لانے پر قادر نہیں ہو سکے کیونکہ ہر ایک قسم ان کی قدرت سے خارج ہے اور ان کی فصاحت و کلام سے مباین ہے۔

اور اسی طرف چند محققین اور بعض بزرگ گئے ہیں کہ قرآن کریم اپنی بلاغت و اسلوب کے مجموعہ میں معجزہ ہے۔ اس سلسلہ میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو گوش گراں اور قلب بیزار ہیں۔

حالانکہ صحیح وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور ان سب کا علم ضروری اور قطعی ہے۔ جو شخص فنون علوم بلاغت سے واقف ہے اور اس صفت کے ادب نے اس کے دل اور زبان کو تیز کر دیا ہے اس پر جو ہم نے کہا ہے مخفی نہیں ہے۔

آئمہ اہل سنت رحمہم اللہ ان کے عجز کے وجوہات میں' مختلف ہیں۔ ان میں سے بیشتر تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کے عجز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو لطیف معانی' چیدہ الفاظ' حسن نظم اور اس کا اختصار لاجواب ترکیب و اسلوب جمع کئے گئے ہیں وہ کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور یہ ان خوارق میں سے ہے جن پر مخلوق کی قدرت محال ہے۔ مثلاً مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کو بدل کر اژدھا بنانا' کنکریوں کی تسبیح کرنا وغیرہ۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کریم ان معجزات ناممکنہ میں سے ہے کہ اس کا ہم مثل لانا کسی بشر کی قدرت و اختیار کے تحت داخل ہو۔ سوائے اس کے کہ اس پر اللہ ﷻ ان کو قدرت دے لیکن یہ بات نہ پہلے ہوئی اور نہ آئندہ۔ لہٰذا اللہ ﷻ نے ان کے لئے اس کو محال کر کے ان کو اس سے عاجز کر دیا۔ صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔

بہر حال دونوں طریقوں سے اہل عرب کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا اور ان پر حجت قائم ہو چکی

ہے کہ جو مقدور بشر میں صحیح ہے اور ان سے معارضہ کرنا کہ اس جیسا لاؤ قطعی ہے اور ان کو عاجز کرنے کا عمدہ طریقہ ہے اور ان کو تنبیہ کرنے کا بہترین اسلوب اور اس طرح پر حجت قائم کرنا کہ ان جیسا کوئی انسان ایسی شے لائے کہ انسان کی قدرت میں نہ ہو لازمی ہے۔ یہ کھلا ہوا نشان اور دلیل قاطع ہے۔

بہرحال انہوں نے اس بارے میں کوئی کلام نہیں کیا بلکہ جلاوطنی اور قتل پر صبر کیا اور ذلت و حقارت کے پیالوں سے انہوں نے گھونٹ بھرا (یعنی جزیہ وغیرہ دینا گوارہ کیا) حالانکہ وہ لوگ ایسی اونچی ناک والے مغرور تھے کہ باختیار خود اس کو نہ گوارہ کر سکتے تھے اور لاچاری کے سوا نہ اس سے وہ راضی ہو سکتے تھے ورنہ اگر اس پر معارضہ کرنا ان کی قدرت میں ہوتا تو اس (ذلت و حقارت اور جلاوطنی وغیرہ) پر معارضہ کرنے میں مشغول ہونا ان کو آسان تھا اور کامیابی کے ساتھ قطع عذر اور اپنے مخالف کو خاموش کرانے میں ان کو بہت جلدی ہوتی۔

حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو کلام پر قدرت تھی اور وہ کلام کی معرفت میں سب کے پیشوا تھے اور ان میں سے ہر ایک اس بات کا کوشاں تھا کہ وہ قرآن کے ظہور کو خفا میں اور اس کے نور کو بجھانے میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دے لیکن اس بارے میں انہوں نے اپنے منہ کی بیٹیوں (الفاظ) سے سینہ کا چھپا راز ظاہر نہ کیا اور اپنے میٹھے چشموں سے باوجود مدت دراز کثرت تعداد باپ بیٹوں کی باہمی کوشش سے تھوڑا سا قطرہ بھی نہ لائے۔ بلکہ وہ سب ناامید ہو گئے۔ پس وہ مایوس کئے گئے اور انہیں روک دیا گیا۔ تو اس سے رک گئے۔ یہ قرآن کے اعجاز کی دو قسمیں ہیں۔

پانچویں فصل

اعجازِ قرآن کی تیسری وجہ

یہ ہے کہ وہ ان غیبی خبروں پر مشتمل ہے جو ابھی نہ ہوئے اور نہ ان کا وقوع ہوا اور جتنے ہو چکے ہیں وہ ویسے ہی ہوئے۔ جیسے قرآن نے خبر دی تھی۔ مثلاً اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (پ۲۶۔ الفتح ۲۷)

بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ (پ۲۱۔ الروم ۳)

اور وہ اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

(پ ۲۶۔الفتح ۲۸) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ اور اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا۔

(پ ۱۸۔النور ۵۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (پ ۳۰۔النصر ۱۔۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے۔ اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ تمام کی تمام غیبی خبریں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ چند سالوں میں روم فارس پر غلبہ حاصل کرے گا اور فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوں گے۔ جس وقت حضور ﷺ نے پردہ فرمایا تو اسلام اس وقت تک تمام بلادِ عرب میں داخل نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی خلافت میں اسلام پہنچا اور ان کے زمانہ میں ان کے دین پر غلبہ حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے کناروں تک ان کی خلافت ہوئی۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے لئے زمین سکیڑ دی گئی۔ میں اس کے مشرق و مغارب کو دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب میری امت کو وہ جگہ ملے گی؛ جتنی میرے پیش نظر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۱۵)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ بیشک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

(پ ۱۴۔الحجر ۹) (ترجمہ کنزالایمان)

پس یہ قرآن ایسا ہے کہ کوئی اس کے قریب تک نہیں جا سکتا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر کر سکے اور کوئی ملحد و گمراہ اس کے محکمات کو بدل سکے۔ خصوصاً قرامطہ (کے ملاحدہ و معطلہ وغیرہ) کہ ان کے تمام مکر،

دھوکے کی رسیاں اور ان کی طاقتیں آج تک یعنی پانچ سو سال تک (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے) رائیگاں گئیں اور اس کے نور کو تھوڑا سا بھی بجھانے پر قادر نہ ہوئے اور نہ اس کے کلام میں ادنیٰ سا تغیر کر سکے اور نہ اس کے حروف میں سے ایک حرف سے بھی مسلمانوں کو شک وشبہ میں ڈال سکے۔ والحمد للہ اور انہیں غیبی خبروں میں سے یہ ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ (پ ۲۷۔ القمر ۴۵)

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ. (پ ۱۰۔ التوبہ ۱۴)

ان سے جہاد کرو اللہ انہیں عذاب دے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (پ ۲۶۔ الفتح ۲۸)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ. (پ ۴۔ اٰل عمران ۱۱۱)

وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا اگر تم سے لڑیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ سب کچھ واقعات اسی طرح ہوئے۔

اور انہیں امور غیبیہ میں سے یہ بھی ہے کہ منافقوں کے بھید اور یہودیوں کی باتیں اور ان کی جھوٹی قسموں کا اظہار اور ان کو جھڑکنا وغیرہ۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ (پ ۲۸۔ المجادلہ ۸)

اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس پر جو کچھ ہم کہتے ہیں عذاب کیوں نہیں کرتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس کا فرمان کہ

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ (پ ۴۔ اٰل عمران ۱۵۴)

وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ — اور بعض یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں۔

(پ ۶۔ المائدہ ۴۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ — اللہ کی باتوں کو ان ٹھکانوں سے بدل دیتے ہیں

(پ ۶۔ المائدہ ۱۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ نے اس بات کو جو مقدر کیا تھا اور مسلمانوں کا اعتقاد تھا' یوم بدر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ. — اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں۔ (کوئی نقصان نہ ہو)

(پ ۹۔ الانفال ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اسی امور غیبیہ کے اظہار میں سے اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ○ — بیشک ہم ان ہنسنے والوں پر تمہیں کفایت کریں گے۔ (ان کو ہلاک کر دیں گے)

(پ ۱۴۔ الحجر ۹۵) (ترجمہ کنزالایمان)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو بشارت دی کہ اللہ ﷻ نے ان سے محفوظ کر دیا[1] اور ہنسنے والے مکہ میں چند لوگ تھے کہ لوگوں کو آپ ﷺ سے نفرت دلاتے تھے اور آپ کو ایذائیں دیتے تھے۔ پس ہلاک کر دیئے گئے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ — اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا (پ ۶۔ المائدہ ۶۷) (ترجمہ کنزالایمان)

پس یہ ایسا ہی ہوا۔ باوجودیکہ آپ ﷺ کو بہت سے لوگوں نے ضرر پہنچانے اور آپ ﷺ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس بارے میں معروف احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

چھٹی فصل

اعجازِ قرآن کی چوتھی وجہ

قرآن کے معجزہ ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرن ماضیہ' امم سابقہ' شرائع نافذہ

---

[1] طبرانی اوسط و دلائل النبوۃ و بیہقی دلائل النبوۃ و ابونعیم ابن مردویہ بسند حسن ضیاء فی المختار عن ابن عباس جلد ۵ صفحہ ۱۰ ومناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۵

قدیمہ سے ان باتوں کی غیبی خبریں دی ہیں جن کو سوائے اہل کتاب کے ایک عالم کے جس نے اپنی عمر کو اس کے سیکھنے پر صرف کر دی تھی کوئی نہیں جانتا تھا اور نبی کریم ﷺ اس کو بالکل واقعہ کے مطابق ایسا بیان فرما دیتے تھے کہ وہ عالم آپ ﷺ کی تصدیق کرتا اور اس کی صحیح مانتا تھا۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتا تھا جتنا آپ ﷺ بیان فرما دیتے تھے۔

لوگ یہ خوب جانتے تھے کہ آپ ﷺ امی ہیں۔ آپ ﷺ نے کہیں لکھنا پڑھنا بظاہر سیکھا نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ میں بیٹھے اور نہ کسی اہل علم کی مجلس میں رہے اور نہ ان سے کسی وقت اوجھل رہے اور نہ ان میں سے کوئی آپ ﷺ کے حال سے ناواقف تھا اور اکثر اہل کتاب ہی آپ ﷺ سے پہلوں کے متعلق سوالات کرتے رہتے تھے۔ اس پر آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا اور آپ ﷺ اس کو پڑھ کر سناتے۔

جیسے وہ قصے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوم کے بارے میں ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی۔ اصحاب کہف، حضرت ذوالقرنین، حضرت لقمان اور ان کے بیٹے اور اس کے مثل دیگر اخبار قبلیہ ہیں۔

بدء خلق کی خبریں اور جو کچھ تورات و انجیل اور زبور اور حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے، ذکر فرماتے جن کی علماء تصدیق کرتے تھے اور جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جھٹلانے کی ان میں قدرت نہ تھی۔ بلکہ وہ انہیں یقینی جانتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوئے کہ انہیں سابقہ علم کی بنا پر ایمان کی توفیق ہوگئی اور کچھ بدبخت دشمن اور حاسد بن گئے۔ باوجود اس کے ہر ایک یہودی و نصرانی آپ ﷺ کی عداوت میں سخت اور آپ ﷺ کی تکذیب میں حریص تھے اور آپ ﷺ ان پر ان کی ہی کتابوں کے اقوال و احکام سے حجت کر کے ان کی سرزنش فرماتے اور جو ان کی کتابوں میں ہیں، اس کو بیان فرماتے۔

وہ لوگ حضور ﷺ سے کثرت سے سوالات کر کے انبیاء علیہم السلام کی غیبی خبروں اور ان کے علوم کے بھیدوں اور ان کی سیرت پاک کی خصلتوں اور امانتوں کے بارے میں آپ ﷺ کو رنج میں ڈالتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو ان کی شریعتوں کے چھپے ہوئے احکام اور ان کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ فرماتے۔ مثلاً ان کا سوال روح[1]، حضرت ذوالقرنین، اصحاب کہف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حکم رجم اور وہ چیزیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام فرمائیں اور وہ جانور جو بنی اسرائیل پر حرام کیے گئے اور وہ پاک چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں مگر بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں۔ ان سب کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور اللہ عزوجل کا فرمان

1. صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۱۸۷، صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۲۱۵۲، سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۳۶۶

ذَالِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاتِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ (پ ۲۶۔ الفتح ۲۹)
ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ان کی وہ باتیں جو قرآن میں نازل ہوئیں (سوال کرتے رہتے) آپ نے ان کا جواب دیا اور ان کو باتیں بتلادیں جو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی۔ اس بارے میں کسی ایک نے بھی اس کا نہ انکار کیا اور نہ اس کو جھٹلایا۔ بلکہ ان کے اکثر لوگوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تصریح کی اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سچ مانا اور آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی وحسد کا اعتراف کیا جیسے نجران والے' ابن صوریا اور اخطب کے دونوں بیٹوں اور ان کے سوا دوسرے ہیں اور جس نے اس میں بہتان طرازی کی اور یہ دعویٰ کیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس کے برخلاف ہے' جو آپ ﷺ بیان کرتے ہیں تو اس کو اپنی دلیل کے ثابت کرنے کی طرف بلایا اور اپنے دعویٰ کی وضاحت کو کہا گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا: اے محبوب آپ ان سے فرمادیں کہ توریت لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ (ظالموں تک) پھر ان کی سرزنش وتوبیخ فرمائی اور ممکن غیر ممتنع چیز کے لانے کی طرف بلایا۔ ان میں سے کچھ تو اپنے دانستہ انکار کے معترف ہوئے اور کچھ بے شرم ہو کر اپنی رسوائی کی وجہ سے اپنی کتاب پر ہاتھ رکھنے لگے اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف کسی نے اپنی کتاب سے ظاہر کر کے دکھلایا ہو اور نہ صحیح کو ظاہر کیا اور نہ اپنی کتابوں سے ضعیف کو جتایا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ۝ (پ ۶۔ المائدہ ۱۵)
اے کتاب والو بیشک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا رکھ ڈالی تھیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ساتویں فصل

اعجازِ قرآن بسبب تعجیز قوم

قرآن کریم کے معجزے کی یہ چار قسمیں ظاہر ہیں۔ ان میں نہ کسی کا نزاع ہے اور نہ شک۔ معجزے کی ان وجوہات مبینہ کے سوا وہ آیتیں بھی ہیں جو کسی قوم کی تعجیز کے لئے ان کے کسی معاملہ میں وارد ہیں اور ان کو اس کی خبر دے دی گئی کہ وہ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ جیسے اللہ ﷻ نے یہودیوں کے لئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً. (پ البقرہ ۹۴) تم فرماؤ اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لئے...... (ترجمہ کنزالایمان)

ابواسحٰق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت ان پر بڑی حجت ہے اور رسالت کی صحت پر روشن دلیل ہے۔ فرمایا: فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ. (پ البقرہ ۹۴) تم موت کی آرزو کرو۔ اس نے ان کو خبردار کر دیا کہ وہ ہرگز کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے۔ تو ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے' ان میں سے کوئی بھی اگر اس کی تمنا کرے تو اس کے گلے میں تھوک اٹکے گا یعنی اسی وقت مر جائے گا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۷۴ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۲۴۸)

پس اللہ ﷻ نے موت کی تمنا سے باز رکھا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا تا کہ اپنے رسول ﷺ کی سچائی اور آپ ﷺ پر جو وحی آتی ہے اس کی صحت ظاہر ہو جائے۔ اس لئے ان میں سے کسی نے اس کی تمنا نہ کی۔ باوجودیکہ وہ آپ ﷺ کے جھٹلانے میں بہت حریص تھے اگر وہ اس کی قدرت رکھتے لیکن اللہ ﷻ وہی کرتا ہے جس کا ارادہ فرمائے۔ پس اس کے ساتھ اس کا معجزہ ظاہر ہوا اور اس کی حجت واضح ہو گئی۔

ابو محمد اصیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا یعنی یہودیوں کا عجیب معاملہ یہ ہے کہ جس دن اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا تو ان میں سے کوئی گروہ یا کوئی شخص بھی ایسا نہ پایا جو آپ ﷺ کے سامنے آتا اور جواب دیتا اور جو شخص آج بھی اس کے امتحان کرنے کا ارادہ رکھے تو یہ حکم آج بھی سامنے موجود ہے۔ اسی طرح اس معنی میں آیت مباہلہ[1] ہے جبکہ آپ ﷺ کے پاس نجران کے پادری آئے اور انہوں نے اسلام کا انکار کیا تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر آیت مباہلہ نازل فرمائی اور فرمایا:

فَمَنْ حَاجَّكَ. (پ۳۔ ال عمران ۶۱) پس جو آپ سے حجت کرے تو (ترجمہ کنزالایمان)

تو وہ اس سے باز رہے اور جزیہ دینے کی ذلت پر راضی ہو گئے۔ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ عاقب جوان پادریوں کا سردار تھا' اس نے ان سے کہا:

تم یقیناً جانتے ہو کہ بیشک یہ نبی علیہ السلام ہیں اور یہ کہ جب بھی کسی نبی علیہ السلام نے کسی قوم سے مباہلہ کیا تو ان کا نہ بڑا رہا اور نہ چھوٹا اور اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۸ صفحہ ۹۳' صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۲

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا. (پ۱ البقرہ۲۴)

اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے اس (خاص) بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے (ترجمہ کنزالایمان)

اس میں ان کو خبر دے دی کہ وہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ آیت اگرچہ ''اخبار عن الغیب'' کے باب سے بھی ہے لیکن اس میں بھی عاجز کرنا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے موجود ہے۔

آٹھویں فصل

اعجازِ قرآن بسبب رُعب و دبدبہ

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز میں وہ رعب وقوت ہے جو اس کے سننے سے دلوں کو اور اس کے سنانے سے کانوں کو لاحق ہوتا ہے اور وہ ہیبت ہے جو اس کی تلاوت کے وقت اس کے جاہ وجلال سے دلوں کو پیش آتی ہے۔ یہ حالت اس کے جھٹلانے والوں پر بہت بڑی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے سننے کو بھاری سمجھتے اور (یہ چیز) اس کی نفرت کو زیادہ کرتی تھی۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا اور ان کا اس کے پڑھنے کو نہ پسند کرتے ہو۔ یہ ان کی طبعی گرانی کی وجہ سے تھا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر قرآن سخت اور مشکل ہے[1] جو اس سے بیزاری کرے۔ کیونکہ وہ حاکم ہے۔ (یعنی حق و باطل میں تمیز کر دیتا ہے) لیکن مسلمان تو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہنے کی وجہ سے اس کے ہیبت وخوف کی تصدیق کرتے رہتے ہیں اور اس کو نفسی خوشی اور میلان طبع کے ساتھ تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط (پ۲۳ الزمر۲۳)

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل ذکر الٰہی سے نرم پڑ جاتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

۱۔ مسند الفردوس کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۹

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ۔ اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے تو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا۔ (پ۲۸۔ الحشر۲۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ دلیل اس امر پر کہ یہ قوت قرآن کریم کے ساتھ خاص ہے وہ یہ کہ جو شخص نہ اس کے معانی جانتا ہے اور نہ اس کی تفسیر اس کو بھی رقت طاری ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ایک نصرانی سے مروی ہے کہ وہ ایک قاری کے پاس گزرا اور وہ ٹھہر گیا۔ وہ روتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا: کس نے تجھ کو رلایا۔ اس نے کہا کہ اس کی خوشی اور اس کے نظم نے اور یہی وہ قوت ہے جس کا ایک جماعت نے قبل اسلام اور بعد اسلام اعتراف کیا ہے۔ پس ان میں سے کچھ تو ابتداء ہی میں اسلام لا کر اس پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے کفر کیا۔

صحیح روایت میں جبیر بن مطعم ﷺ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے مغرب کی نماز میں سورۂ طور کو سنا۔ جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝ کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں۔ آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کیے بلکہ انہیں یقین نہیں یا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں وہ کڑوڑے حاکم اعلیٰ ہیں

(پ۲۷۔ الطور ۳۵۔۳۷) (ترجمہ کنز الایمان)

تو قریب تھا کہ میرا دل اسلام کی طرف اڑ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی بات تھی کہ اسلام کی عزت میرے دل میں بیٹھی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۶' سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۲۷)

عتبہ بن ربیعہ سے مروی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے جو آپ ﷺ لائے ہیں اپنی قوم کے اختلاف کے بارے میں بات کی۔ تو آپ ﷺ نے ان پر یہ تلاوت فرمایا: حٰمٓ ۝ فُصِّلَتْ (الی قولہ) صَاعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ. (پ۲۴ حم السجدہ ا۔۱۳)

تو عتبہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اپنے قرابت داری کی قسم دلاتے ہوئے کہا کہ بس کیجئے۔ (تفسیر بغوی جلد ۴ صفحہ ۱۱۰' تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۳۰۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھے سن رہا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ آیت سجدہ تک پہنچے اور آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا ہوا اور نہیں جانتا تھا کہ کدھر لوٹے یا اس کا جواب دے۔ وہ اپنے گھر میں گیا اور اپنی قوم کی طرف نہیں گیا۔

یہاں تک وہ لوگ آئے۔ اس نے ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ خدا کی قسم!

انہوں نے مجھ سے ایسا کلام کیا۔ واللہ میرے کانوں نے کبھی ایسا نہ سنا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس کے سوا بہت سے ایسے لوگوں نے بیان کیا کہ جو آپ ﷺ کی مخالفت و معارضت کرتے رہتے تھے کہ ان کو خوف و ہیبت طاری ہو جاتی جس سے وہ رک جاتے تھے۔

مروی ہے کہ ابن مقفع نے آپ ﷺ سے معارضہ کرنا چاہا۔ وہ چلا اور قصہ بیان کرتا رہا۔ وہ ایک بچے پر گزرا کہ وہ تلاوت قرآن کر رہا تھا۔

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ. (پ۱۲ ھود۴۴)

کہا گیا: "اے زمین اپنا پانی نگل لے"۔ (ترجمہ کنزالایمان)

وہ لوٹ آیا اور جو اس نے کیا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کا معارضہ نہیں ہو سکتا۔ وہ انسان کا کلام ہی نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فصیح تھا۔

یحییٰ ابن حکم غزال اپنے زمانہ میں اندلس کا سب سے زیادہ بلیغ شخص تھا۔ تو مروی ہے کہ اس نے اس میں کچھ معارضہ کیا۔ جب اس نے سورۂ اخلاص پر غور کیا کہ اس پر اس کا مثل لائے اور اپنے گمان میں اس طرز پر لکھے تو اس نے کہا کہ مجھے ایسی ہیبت و رقت طاری ہو گئی کہ اس نے مجھے توبہ اور رجوع کی طرف پھیر دیا۔

نویں فصل

قرآن ہمیشہ رہے گا

قرآن کے بیان کئے ہوئے وجوہات اعجاز میں سے ایک یہ معجزہ ہے کہ اس کی آیتیں باقی رہنے والی ہیں کبھی معدوم نہ ہوں گی جب تک دنیا باقی ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (پ۱۴ الحجر۹)

بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (پ۲۴ حم السجدہ۴۲)

باطل کو اس کی طرف راہ نہ ہے نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات اپنی مدتوں کے گزرنے کے بعد ختم ہو گئے۔ اب سوائے ان کی خبروں کے کوئی باقی نہیں لیکن قرآن کی آیتیں روشن اور اس کے معجزات ظاہر ہیں۔ آج تک کہ اس کے اوپر پانچ سو پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے)

اس کے ابتداء نزول سے لے کر ہمارے وقت تک برابر یہ حجت قاہرہ ہے۔ اس کا معارضہ محال ہے اور ہر زمانہ میں اہل بیان، حاملان علم لسان (زبان)، ائمہ بلاغت، شہسواران کلام، اساتذۂ کاملین موجود رہے ہیں۔ (بفضلہٖ تعالیٰ ۱۳۷۹ھ تک سب کے سب اس کے معارضہ سے دشمن اسلام عاجز رہے ہیں) باوجودیکہ ملحدین (ہر زمانہ میں) بکثرت تھے اور دشمنان دین و شریعت ہر وقت تیار رہے مگر ان میں سے ایک بھی جو اس کے معارضہ پر اثر انداز ہو نہ لا سکا اور نہ اس کے جواب میں کوئی اور کلمہ مرتب کر سکا اور نہ صحیح وہ طعن کر سکے اور نہ کسی نے بتکلف اپنے ذہن سے ایسی جرح کی مگر یہ کہ وہ چقماق کے ساتھ بخیل رہا۔ ہر دور میں یہ بات منقول رہی کہ جس نے بھی اس کے معارضہ کا ارادہ کیا اس نے اپنے ہاتھوں کو عجز میں ڈالا اور ایڑیوں کے بل الٹا واپس ہونا پڑا۔

دسویں فصل

اعجازِ قرآن کی مختلف وجوہات

ائمہ و مقلدین امت رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کا پڑھنے اور سننے والا کبھی سیر نہیں ہوتا اور نہ وہ اکتاتا ہے بلکہ اس کی تلاوت کی زیادتی میں مزید شیرینی اور لذت پاتا ہے اور اس کو بار بار پڑھنے سے اس کی محبت جڑ پکڑتی جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کلام اگرچہ وہ کتنی ہی خوبی والا انتہائی بلیغ ہو اس کو بار بار پڑھنے سے دل اکتا جاتا ہے اور جب اس کا اعادہ کیا جائے تو طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔

اور ہماری کتاب قرآن کریم کو اس سے تنہائیوں میں لذت حاصل کی جاتی ہے اور خاص حالتوں میں اس کی تلاوت سے طبیعت کو انس و راحت ہوتی ہے اور اس کے سوا دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ حتیٰ کہ ان کتابوں کے موجدین یا ماننے والوں نے اس کے لئے راگ اور طریقے نکالے ہیں اور اس کے پڑھتے وقت ان راگوں کے ذریعے خوش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ بار بار پڑھنے میں زیادتی کے باوجود متغیر اور پرانا نہ ہوگا اور

نہ اس کی عبرتیں ختم ہوں گی اور نہ اس کے عجائبات فنا ہوں گے۔ وہ قول فیصل ہے کھیل کو نہیں ہے۔ کبھی علماء اس سے سیر نہ ہوں گے اور نہ طبیعتیں اس سے بھریں گی اور نہ زبانیں اس سے مشتبہ ہوں گی۔ (ہر کلام میں خدا کا کلام ممتاز رہتا ہے)

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ دارمی کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۴۳۱)

یہ وہ کلام ہے کہ جب جنات نے اس کو سنا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا کہ جو بھلائی کی ہدایت فرماتا ہے۔

ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے۔ قرآن کریم تمام علوم و معارف کا مجموعہ ہے عام طور پر جس سے اہل عرب ناواقف تھے اور خود حضور ﷺ بھی خصوصیت کے ساتھ قبل نبوت اس کی معرفت سے نا آشنا تھے اور نہ ان کے ساتھ ان کی مداومت تھی اور نہ ان کا کوئی گزشتہ امتوں کے علماء احاطہ کر سکے اور نہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ان پر مشتمل تھی۔ قرآن میں شریعتوں کے علوم جمع کئے گئے اور دلائل عقلیہ کے طریقہ پر اس میں تنبیہ کی گئی۔ گزشتہ امتوں کے فرقوں کے براہین قویہ اولہ بینہ کے ساتھ آسان لفظوں میں مختصر مفہوموں سے رد کیا گیا۔ ہوشیار و زیرک لوگوں نے اس کی مثل دلائل لانے میں معارضہ کرنا چاہا وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ جیسے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ (پ ۲۳ یٰسین ۸۱)

کیا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا کیوں نہیں

قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ. (پ ۲۳ یٰسین ۷۹)

تم فرماؤ انہیں وہ ہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لَوۡ کَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (پ ۱۷ الانبیاء ۲۲)

اگر آسمان و زمین میں خدا کے سواء کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور وہ تباہ ہوتا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہاں تک کہ قرآن نے ان کو گھیر لیا ہے۔ خواہ وہ سیرت کے علوم ہوں یا گزشتہ امتوں کی غیبی خبریں نصیحتیں، حکمتیں، قیامت کی خبریں محاسن آداب و خصلت وغیرہ۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ (پ ۷ الانعام ۳۸)

اور ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ؕ (پ۱۴۔ النحل ۸۹)
ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ (پ۲۳۔ الزمر ۲۷)
بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی کہاوت بیان فرمائی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ ﷻ نے قرآن کو حکم دینے والا' تنبیہ کرنے والا' سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے والا اور مثالوں کے ذریعہ تم سے پہلی گزشتہ امتوں کی خبروں اور غیبی باتوں کا بتانے والا اور تمہارے بعد والوں کے غیبی حالات وخبریں اور جو تمہارے سامنے ہے' ان کا حکم بیان کرنے والا کلام نازل فرمایا:

جس کو بار بار پڑھنے کے باوجود وہ پرانا نہ ہو اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں۔ وہ حق ہے کھیل کود نہیں ہے جس نے اس کے ساتھ کہا سچ کہا اور جس نے اس کے موافق حکم دیا انصاف کیا اور جس نے اس کے ساتھ حجت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کے ساتھ تقسیم کی اس نے عدل کیا جو اس پر عمل کرے گا ثواب پائے گا اور جو اس کو مضبوط تھامے گا وہ صراط مستقیم کی ہدایت پائے گا۔

اور جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈا اس کو اللہ ﷻ نے گمراہ کر دیا اور جس نے اس کے بغیر حکم دیا اللہ ﷻ اس کو ہلاک کرے گا۔ وہ حکمت والا ذکر' نور مبین' ہے' صراط مستقیم' ہے' اللہ ﷻ کی مضبوط رسی ہے' نفع بخش شفا ہے۔ حفاظت اس کو جو اس کے ساتھ تمسک کرے' نجات ہے اس کو جو اس کا اتباع کرے وہ ٹیڑھا نہ ہوگا کہ اس کو سیدھا کیا جائے۔ وہ کجرو نہیں ہے کہ عتاب کا مستحق بنے۔ اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے اور کثرت تلاوت اس کو متغیر و پرانا نہ کرے گی۔

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۲۲۲' داری کتاب فضائل قرآن جلد ۲ صفحہ ۴۳۱)

اسی کے مثل حضرت ابن مسعود ﷺ[۱] سے مروی ہے۔ اس بارے میں انہوں نے کہا کہ نہ اس میں اختلاف ہے نہ جدت طرازی۔ اس میں اولین وآخرین کی غیبی خبریں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ سے اللہ ﷻ نے فرمایا: میں تم پر توریت کی باتیں اتاروں گا جس کے ذریعہ اندھی آنکھیں' بہرے کان اور دلوں کے پردے کھل جائیں گے۔ اس میں علوم کے دریا بہتے ہوں گے جو حکمتوں کا فہم اور دلوں کی بہار ہو گی۔

(مصنف ابن شیبہ کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۸)

۱۔ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۸۹

حضرت کعب ﷺ سے مروی ہے کہ تم قرآن کو لازم پکڑو کہ یہ عقلوں کی سمجھ اور حکمت کا نور ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ بیشک یہ قرآن ذکر فرماتا بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

(پ۲۰۔ النمل ۷۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى (پ۴ آل عمران ۱۳۸) یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا ہے (ترجمہ کنزالایمان)

قرآن کریم میں باوجود مختصر الفاظ اور جوامع کلمات ہونے کے ان کتابوں کی بہ نسبت جو اس سے پہلی ہیں اور ان میں دگنے الفاظ ہیں دگنے چوگنے معانی جمع کئے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ قرآن میں دلیل و مدلول کے مابین جمع کرنے میں ہے یہ اس طرح پر کہ جس نے نظم قرآن کے ساتھ اس کے وصف اور اس کے اختصار و بلاغت کی عمدگی سے بحث پکڑی اسی بلاغت کے درمیان سے اس کا امر اس کی نہی اور وعدہ وعید بھی موجود پائے گا۔ پس تلاوت کرنے والا حجت و تکلیف کے ساتھ ہی ایک ہی کلام یا ایک ہی سورت سے اس کو سمجھ لے گا۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایسے نظم و ترتیب میں رکھا ہے کہ جو پہلے رائج نہ تھی۔ اس کو نثر کا مقام بھی نہیں دے سکتے کیونکہ نظم طبیعتوں میں زیادہ آسان ہوتا ہے اور دل اس کو جلدی یاد کر لیتا ہے اور کان اس سے زیادہ آشنا ہوتے ہیں اور طبیعتوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔ پس لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اور خواہشیں اس کی طرف زیادہ جاتی ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے اس کا حفظ کرنا متعلم کے لئے آسان کر دیا اور حفظ کرنے والوں کو اس کا یاد رکھنا سہل کر دیا۔

اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے۔

(پ۲۷۔ القمر ۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتا تھا تو اب سالہا سال گزر جانے کے بعد کیسے یاد کریں گے اور قرآن کریم تو تھوڑی مدت میں بچوں کے لئے یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اس کا ایک جز دوسرے جز کے مشابہ ہے۔ تالیف کے انواع

اور ترکیب جمل کے اقسام میں اس کی عمدگی اور ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف باوجود اختلاف معانی کے خوبی سے انتقال کرنا اور ایک ہی سورہ میں امر نہی' خبر' استفہام' وعد و وعید' اثبات نبوت و توحید' تفرید و ترغیب و ترہیب وغیرہ فوائد اس کے فصلوں میں بغیر کسی خلل کے واقع ہونے کے موجود ہونا۔

حالانکہ کلام فصیح میں جب اس قسم کی باتیں آ جائیں تو اس کی قوت میں کمزوری آ جاتی ہے اور اس کی مضبوطی نرم ہو جاتی ہے اور اس کی رونق کم ہو جاتی ہے اور اس کے الفاظ مضطرب ہو جاتے ہیں (مگر قرآن کریم میں اصلاً فرق نہیں آتا) اب تم سورۂ ص کے ابتدائی حصہ پر غور کرو کہ اس میں کس طرح کفار کی خبریں' ان کی شقاوتیں اور ان سے پہلے گزشتہ زمانوں میں لوگوں کی ہلاکت بیان کرنے کے ساتھ ان کی سرزنشیں بیان کی ہیں اور کس طرح حضور ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے ذکر کے ساتھ ان کے تعجب کا جواب ذکر کیا ہے اور ان کی جماعت کا کفر پر جمع ہونا اور ان کی باتوں سے حسد کا ظاہر ہونا' ان کو عاجز کرنا' ان کو ذلیل کرنا اور ان کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے ڈرانا' ان سے پہلی امتوں کا جھٹلانا' اللہ ﷻ کا ان کو ہلاک کرنا ان سب کی وعید ان کی مصیبتوں کی طرح' ان کی اذیتوں پر حضور ﷺ کا صبر فرمانا' آپ ﷺ کو گزشتہ نبیوں کے ذکر سے تسلی دینا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ دوسرے نبیوں کے قصوں کا ذکر کرنا یہ سب باتیں مختصر کلام میں اور عمدہ ترتیب سے لانا (یہ قرآن کا خاص معجزہ ہے)

اور ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے ایسے جملوں کو جو تھوڑے کلمات پر مشتمل ہیں (بیان کرنا) یہ ساری باتیں اور بہت سی وہ باتیں جو ہم نے وجوہ اعجاز قرآن میں بیان کی ہیں' ان کو یہاں ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے اکثر بلاغت کے فن سے متعلق ہیں۔ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اس کے اعجاز میں ایک تنہا فن اس کتاب میں جو فن بلاغت میں نہیں ہے' تفصیل کے ساتھ بیان کریں۔ اسی طرح بہت سی وہ وجوہ جو ہم نے آئمہ رحمہم اللہ سے نقل کر کے پہلے بیان کیا ہے۔ اس کے خواص اور فضائل میں نہ تو ان کے اعجاز کا اعادہ کرنا مناسب جانا۔

حقیقتاً قرآن کریم کے وجوہ اعجاز تو وہ چار ہی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہیں پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ قرآن کریم کے خواص اور اس کے عجائبات سے متعلق ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ۔

گیارہویں فصل

معجزہ شق القمر و حبس الشمس (چاند کے پھٹنے اور سورج کے رکنے کا معجزہ)

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ — پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔

(پ۲۷۔القمر۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ — وہ اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے یہ تو جادو ہے چلا آتا۔

(پ۲۷۔القمر۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے ماضی کے صیغہ سے چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر دی اور اس پر کفار کے اعراض اور انکار آیت کی خبر دی۔ مفسرین اہل سنت کا اس کے وقوع پر اجماع ہے۔

حدیث : حضرت ابن مسعود ﷛ سے بالاسناد روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو یعنی دیکھ لو۔

مجاہد ﷛ کی روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور اعمش ﷛ کی بعض روایتوں میں ہے کہ منیٰ میں یہ واقعہ ہوا اور یہ حدیث ابن مسعود ﷛ کی اسود ﷛ سے بھی مروی ہے اور کہا یہاں تک کہ میں نے پہاڑ کو اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

اس بارے میں مسروق ﷛ کی روایت ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا اور یہ زیادہ صحیح ہے کہ تب کفار قریش نے کہا: تم پر ابن ابو کبشہ نے جادو کیا۔

ان میں سے ایک مرد نے کہا کہ محمد ﷺ اگر چاند پر جادو کریں تو وہ جادو اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ تمام روئے زمین مسحور ہو جائے۔ بس ان سے پوچھو جو دوسرے شہروں سے آ رہے ہیں۔ کیا انہوں نے یہ دیکھا ہے۔

جب وہ آئے تو ان سے پوچھا۔ انہوں نے اس کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ ایسا ایسا سب نے دیکھا ہے۔

اسی کے مثل ضحاک ﷛ سے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تب

ابو جہل کہنے لگا: یہ جادو ہے۔ تم باہر کے لوگوں کی طرف بھیجو تا کہ دیکھیں کہ انہوں نے یہ دیکھا ہے یا نہیں۔ تو باہر والوں نے خبر دی کہ انہوں نے چاند ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ تو اس وقت کفار نے کہا۔ هٰذَا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ. یہ ہمیشہ کا جادو ہے۔ اس کو علقمہ ﷺ نے بھی ابن مسعود ﷺ سے روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۹۵، صحیح مسلم کتاب منافقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۸، تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۷، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۱۲)

یہ چار راوی تو وہ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود ﷺ کے سوا دوسرے صحابہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ جیسا ابن مسعود ﷺ نے بیان کیا۔

چنانچہ ان میں سے حضرت انس [1] ابن عباس [2] ابن عمر [3] حذیفہ [4] علی [5] جبیر بن مطعم [6] ﷺ ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ ﷺ نے حضرت حذیفہ ﷺ کی روایت میں سے کہا: چاند ٹکڑے ہوا اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوہ حرا نظر آتا تھا۔

قتادہ ﷺ نے حضرت انس ﷺ سے روایت کی اور معمر ﷺ اور ان کے سوا دوسروں کی روایت میں جو کہ قتادہ ﷺ اور وہ حضرت انس ﷺ سے ہے کہ ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دو مرتبہ تاکید کے ساتھ دکھایا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (پ۲۷۔ القمر۱) روایت کیا اس کو جبیر بن مطعم ﷺ سے ان کے بیٹے محمد اور ان کے برادر زادے جبیر ابن محمد ﷺ نے اور روایت کیا اس کو ابن عباس ﷺ سے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ﷺ نے اور روایت کیا اس کو ابن عمر ﷺ سے مجاہد ﷺ نے اور روایت کیا اس کو حذیفہ ﷺ سے ابو عبدالرحمٰن سلمی ﷺ اور مسلم بن ابی عمران ازدی ﷺ نے۔ [7]

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۹۰، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۹۰، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۹

۳۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۷۲، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۹

۴۔ تفسیر در منثور جلد ۸ صفحہ ۶۷۱

۵۔ دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۶۸، مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۸۱

۶۔ ترمذی، مسند امام احمد، مستدرک، بحوالہ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۷۱

۷۔ ان تمام کے حوالجات ابھی گزرے ہیں۔

ان حدیثوں کے اکثر طرق (اسناد) صحیح ہیں اور آیہ کریمہ اس کی تصحیح کرتی ہے اور اس باطل اعتراض کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے کہ اگر یہ ہوتا تو اہل زمین پر پوشیدہ نہ رہتا کیونکہ وہ حسی سب پر ظاہر ہے اور یہ اعتراض اس لئے (باطل) ہے کہ ہمارے پاس یہ بات اہل زمین کی طرف سے منقول نہیں ہے کہ وہ اس رات گھات میں لگے رہے ہوں اور انہوں نے چاند کے ٹکڑے ہوتے نہ دیکھا اور اگر ہم تک ایسے لوگوں کی روایت منقول بھی ہوتی جن کا جھوٹ پر بوجہ کثرت میلان جائز نہیں تو تب بھی ہم پر یہ حجت نہیں ہوتی۔

کیونکہ چاند تمام زمین والوں کے لئے ایک حال پر نہیں ہوتا۔ بلا شبہ ایک قوم پر دوسری قوم سے پہلے طلوع کرتا ہے اور کبھی زمین میں سے ایک قوم پر دوسرے کی طرف مخالف سمت میں ہوتا ہے یا قوم اور اس کے درمیان بادل یا پہاڑ حائل ہو۔ (کیا تم دیکھتے نہیں) کہ ہم بعض شہروں میں چاند گرہن پاتے ہیں اور بعض میں نہیں اور کسی شہر میں گرہن جزوی ہوتا ہے اور کسی میں پورا اور بعض جگہ اس کو صرف وہی پہچانتے ہیں جو اس علم کے مدعی ہیں۔ ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ. (پ الانعام ۹۶) یہ برتر علیم کی قدرت ہے۔

اور یہ کہ چاند کا معجزہ تو رات کے وقت تھا اور عادتاً لوگوں میں رات کو آرام و سکون ہوتا ہے۔ دروازے بند ہوتے ہیں اور کام کاج سے علیحدہ اور آسمان کے امور کو ان لوگوں کے سوا جو کہ اس کے منتظر ہوں اور اس کی گھات میں ہوں کم لوگ پہچانتے ہیں۔ اسی لئے چاند گرہن اکثر ملکوں میں نہیں ہوتا اور اکثر لوگ اس کو جانتے ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی خبر دیں اور اکثر ثقہ حضرات بتاتے ہیں جو انہوں نے عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی آسمان پر چمک' بڑے بڑے ستارے آسمان پر رات کو چڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مشکل الحدیث'' میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دو طریقوں سے حدیث کی تخریج کی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے گود میں سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم نے نماز پڑھ لی؟ عرض کیا: نہیں۔ تب آپ نے دعا کی: اے خدایہ تیری اطاعت میں اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو ان پر سورج کو واپس کر دے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہرا رہا۔ (طبرانی کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۱۹)

یہ واقعہ خیبر کے راستہ میں منزل صہباء کا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان کے راوی معتبر (ثقہ) ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے۔ اس شخص کو جو علم سے واقف ہے زیبا نہیں کہ حدیث اسماء رضی اللہ عنہا کی صحت سے تخلف (اختلاف) کرے اس لئے کہ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

یونس بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "زیادۃ المغازی" میں روایت کرتے ہیں۔ یہ روایت ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی تو اور آپ ﷺ نے اپنی قوم کے قافلوں کی خبر اور اونٹوں کی علامتیں بتائیں۔ تو انہوں نے کہا: وہ کب آئیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ چہار شنبہ کو آئیں گے۔

پس جب وہ دن آیا تو قریش کے شرفاء انتظار کرنے لگے اور دن گزرنے لگا اور قافلہ نہیں آیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو ایک گھڑی دن زیادہ ہوگیا اور آپ ﷺ پر سورج رکا رہا۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۳ صفحہ ۱۵۳ صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۳)

بارہویں فصل

انگشتہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا زیادہ ہونا

اس بارے میں احادیث بہت زیادہ مروی ہیں اور حضور ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا بہنا صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے حضرت انس' جابر اور ابن مسعود ﷺ بھی ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک ﷺ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے حال میں دیکھا کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا اور لوگ پانی تلاش کر رہے تھے۔ مگر پانی نہ ملا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے دست مبارک کو اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے ہوئے دیکھا۔ پس لوگوں نے وضو کیا یہاں تک کہ دوسروں نے (یعنی) سب نے وضو کیا۔ قتادہ ﷺ نے حضرت انس ﷺ سے بھی روایت کیا ہے اور کہا کہ ایک برتن جس میں پانی تھا اپنی انگلیوں کو اس میں ڈبو دیا اور برابر ڈبوئے رکھا۔

بعد کو پوچھا: تم کتنے تھے؟

انہوں نے کہا کہ تین سو آدمی تھے اور ایک روایت میں انہی سے ہے کہ وہ بازار کے نزدیک مقام زوراء میں تھے۔ نیز اس کو حمید ثابت اور حسن رحمہم اللہ نے حضرت انس ﷺ سے روایت کیا۔ حمید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم اُسی (۸۰) تھے۔ اسی کے مثل ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ﷺ سے روایت کی اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ستر (۷۰) آدمیوں کے قریب تھے لیکن حضرت ابن مسعود ﷺ[1] نے علقمہ ﷺ کی صحیح روایت میں جو انہیں سے مروی ہے روایت کی۔ جس اثناء میں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہ تھا تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہو مانگ لو۔ پانی لایا گیا اور اس کو برتن میں ڈال دیا تو آپ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند ابلتا تھا۔

اور سالم بن ابی جعدہ ﷺ[2] کی صحیح روایت میں ہے جو جابر ﷺ سے مروی ہے۔ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا تو آپ نے اس سے وضو کیا اور لوگوں نے آگے ہو کر عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں۔ صرف وہی پانی ہے جو آپ ﷺ کے برتن میں ہے۔ تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک برتن میں رکھ دیا۔ پس پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشمے کی مانند جوش مارنے لگا اور اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ فرمایا: اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کفایت کرتا۔ ہم صرف پندرہ سو آدمی تھے۔

اسی کی مثل حضرت انس ﷺ نے حضرت جابر ﷺ سے روایت کی۔[3] اس میں یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے۔ رسید بن عبادہ بن صامت ﷺ کی روایت میں جو جابر ﷺ سے مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی طویل حدیث میں غزوہ بواط میں مذکور ہے۔ کہا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر ﷺ! وضو کے لئے آواز دو اور لمبی حدیث بیان کی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ سوائے چند قطروں کے مشکیزے میں پانی نہ تھا۔ تب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا۔ مجھے معلوم نہیں کیا پڑھا۔ پھر فرمایا: قافلہ کے ڈول کو لاؤ۔ میں نے لا کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔

راوی نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ڈول میں رکھا اور انگلیاں پھیلا دیں اور جابر

۱۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۲
۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۱۵۳
۳۔ مقدمہ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲

ﷺ نے اس پر وہ پانی ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بسم اللہ۔

راوی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا۔ پھر وہ ڈول کا پانی جوش مارنے لگا اور گھومنے لگا۔ حتیٰ کہ ڈول بھر گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا۔ سب نے خوب پیا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔ میں نے کہا: کوئی باقی ہے جس کو پانی کی حاجت ہو؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو ڈول سے نکال لیا اور وہ ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔

شعبی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن لایا گیا اور عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پانی نہیں ہے بجز اس کے جو اس برتن میں ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو بڑے برتن میں ڈال دیا اور اپنی انگلی کو اس کے درمیان میں رکھا اور پانی میں ڈبو دیا۔ لوگ آتے تھے اور وضو کر کے کھڑے ہوتے جاتے تھے۔

ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس باب میں عمران بن حصین ﷺ سے بھی روایت ہے۔[1] (خلاصہ کلام یہ کہ) ایسے بڑے جلسوں اور مجمع کثیر میں کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ اس لئے کہ صحابہ کرام ایسے شخصوں کو جو غلط خبر دے بہت جلدی جھوٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی جبلت میں یہ بات تھی اور اس لئے بھی کہ صحابہ کرام باطل پر خاموش رہنے والے نہ تھے۔ انہیں صحابہ نے بیشک اس کو روایت کیا ہے اور اس کی اشاعت کی اور حضور ﷺ کی طرف جم غفیر کے سامنے نسبت کی ہے۔ کسی نے بھی ان میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے ان سے روایت کیا کہ انہوں نے یہ کہا اور مشاہدہ کیا ہے انکار نہیں کیا۔ تو اب ایسا ہو گیا کہ گویا ان سب نے اس کی تصدیق کی ہے۔

تیرھویں فصل

مزید معجزات

اس کے مشابہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکت سے زمین پھاڑ کر پانی کا نکلنا ہے جو کہ آپ کے چھونے یا دعا کرنے سے ہوتا تھا۔ اس بارے میں وہ روایت ہے جو حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ''موطا'' میں فرمائی۔

غزوۂ تبوک کے قصہ میں معاذ ابن جبل ﷺ سے مروی[2] ہے کہ صحابہ کرام ایک ایسے چشمہ پر

۱۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۱۷۸۴

اترے۔ جس میں جوتی کے تسمہ کی مانند پانی نکلتا تھا۔ صحابہ چلو لگا دیتے جب وہ بھر جاتا تو کسی میں جمع کر لیتے پھر حضور ﷺ نے جب اس پانی سے اپنا چہرۂ انور اور دست مبارک دھو لئے تو اس غسالہ مبارکہ کو اس چشمہ میں لوٹا دیا۔ پھر تو پانی بکثرت جاری ہو گیا۔ سب نے خوب پیا۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں کہتے ہیں پھر تو پانی زمین پھاڑ کر اس تیزی اور شور سے نکلا جیسے کڑک کی آواز ہوتی ہے۔ پھر کہا: اے معاذ رضی اللہ عنہ اگر تمہاری زندگی ہوئی تو دیکھو گے کہ اس جگہ سرسبز و شاداب باغ ہوں گے۔

براء اور سلمہ بن رکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث قصہ حدیبیہ میں زیادہ مکمل ہے کہ صحابہ کرام چودہ سو تھے اور وہ کنواں صرف اتنا تھا کہ اس سے پچاس بکریاں پانی پیتی تھیں تو ہم نے اس سے پانی بھر لیا اور اس میں ایک قطرہ پانی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ براء رضی اللہ عنہ[1] کہتے ہیں کہ اس میں سے ڈول لایا گیا۔ آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی۔ سلمہ رضی اللہ عنہ[2] کہتے ہیں کہ پھر یا تو لعاب دہن ڈالا یا دعا فرمائی۔ تو اس نے جوش مارا پھر تو تمام اس سے سیراب ہوئے اور اپنے جانوروں کو پلایا۔

ان دونوں روایتوں کے علاوہ اس قصہ حدیبیہ میں ابن شہاب کی سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ترکش سے تیر نکالا اور اس کو ایسے گڑھے کے وسط میں رکھا جس میں پانی نہ تھا۔ تو سب لوگ خوب سیراب ہوئے یہاں تک کہ اونٹوں کو پانی پلا کر دوبارہ پینے کے لئے بٹھا دیا۔ (اسی کو عطن کہتے ہیں)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ[3] سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سفر میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے آفتابہ (وضو کرنے کا برتن) منگوایا۔ اس کو بغل میں رکھا پھر اس کے منہ کو اپنے دہن اقدس میں رکھا۔ واللہ اعلم آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا یا نہیں۔ تو لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا اور جتنے برتن ان کے پاس تھے سب کو بھر لیا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ تو ایسا ہی ہے جیسا مجھے آپ ﷺ نے لیا تھا۔ حالانکہ وہ بہتر (۷۲) آدمی تھے۔ اس کی مثل عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے خلاف بیان کی ہے جو صحاح میں مذکور ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اہل موتہ کی مدد کے لئے اس وقت نکلے جب آپ کو یہ خبر ملی تھی کہ بڑے بڑے صحابہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ طویل حدیث[4] بیان کی جس میں آپ ﷺ کے

۱۔ صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۱۹

۳۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

۴۔ دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

بہت سے معجزات اور نشانیاں ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ کل ان کو پانی نہیں ملے گا اور آفتابہ والی حدیث کو بیان کیا اور کہا کہ وہ لوگ تقریباً تین سو تھے۔

کتاب مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لئے اپنے آفتابہ کی حفاظت کرنا عنقریب اس سے ایک غیبی خبر نمودار ہوگی اور اس کی مثل بیان کیا۔

اس بارے میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو پیاس لگی۔ تو آپ ﷺ نے اپنے دو صحابہ کو بھیجا اور بتایا کہ فلاں جگہ تم کو ایک عورت ملے گی جس کے ساتھ ایک اونٹ ہوگا۔ اس پر دو مشکیزے ہوں گے۔ تو ان دونوں نے اس کو پالیا اور لے کر آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ نے ایک مشکیزے سے برتن میں پانی ڈالا۔

راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے جو چاہا اس میں پڑھا پھر دونوں مشکیزوں میں وہ پانی لوٹا دیا اور دونوں کا منہ کھول دیا اور لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنے برتن بھر لئے اور کوئی برتن ایسا نہ چھوڑا جس کو بھرا نہ ہو۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ مشکیزے ویسے ہی بھرے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو کھانا دو یہاں تک کہ اس کا کپڑا بھر دیا اور فرمایا: جاؤ تمہارے پانی سے ہم نے کچھ نہیں لیا ہے۔ لیکن اللہ ﷻ نے ہم کو سیراب کر دیا۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا پانی ہے؟ تو ایک شخص برتن لایا جس میں چند قطرے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک پیالہ میں لوٹ لیا۔ ہم سب نے اس سے وضو کیا اور خوب استعمال کیا۔ حالانکہ ہم چودہ سو تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "جیش عسرت" میں ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ سب کو پیاس لگی۔ یہاں تک کہ ایک مرد نے اپنے اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی اوجھ کو نچوڑ کر پی گیا۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے ابھی ان کو لوٹایا نہ تھا کہ آسمان سے بارش ہونے لگی۔ جتنے برتن ان کے پاس تھے سب بھر لئے اور حال یہ تھا کہ بارش لشکر سے باہر نہ تھی۔ (دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۳۱ مجمع الزوائد جلد ۶ صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵)

عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابوطالب نے جب حضور ﷺ کے ردیف (یعنی اونٹ پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے) تھے۔ آپ ﷺ سے وادی ذوالمجاز میں کہا کہ مجھے پیاس لگی اور میرے پاس پانی نہیں۔ اس وقت نبی کریم ﷺ اترے اور اپنے قدم مبارک کو زمین پر مارا تب پانی نکل آیا۔ فرمایا: اے ابو طالب پی لیجئے۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵۲)

اس باب میں بکثرت احادیث ہیں۔ اسی میں سے استسقاء میں دعا مانگنا اور جو اس کے ہم جنس ہے۔

چودھویں فصل

طعام میں زیادتی

آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکت و دعا سے طعام زیادہ ہو جاتا تھا۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کچھ کھانے کو مانگا۔ آپ ﷺ نے اس کو نصف وسق جو مرحمت فرمائے (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) تو وہ خود اور اس کی بیوی اور مہمان سب برابر کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن اس نے ناپ لیا۔ پھر اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کو ناپتا نہیں تو، تو ہمیشہ اس کو کھاتا رہتا اور یہ تمہارے لئے بڑھتا رہتا۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)

اور اس بارے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ان جو کی چند روٹیوں کو جنہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ بغل میں دبا کر لائے تھے اور آپ ﷺ نے اس کو ٹکڑے کر کے اس پر جو چاہا پڑھا تھا۔ ستر یا اسی آدمیوں کو کھلایا۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۵۳، صحیح مسلم کتاب الاشربہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن ایک صاع (تقریباً سوا چار سیر) جو اور ایک بکری سے ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں سب نے خوب کھایا حتیٰ کہ چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری ہانڈی اسی طرح بھری ہوئی جوش مار رہی تھی اور آٹے سے روٹی پک رہی تھی (یہ برکت اس وجہ سے ہوئی) کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹے اور ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا اور برکت کی دعا کی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۸۹)

اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سعید بن میناء رضی اللہ عنہ اور ایمن رضی اللہ عنہ نے اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی کے مثل ایک مرد انصاری اور اس کی بیوی سے جن کا نام معلوم نہیں روایت کی ہے اور کہا کہ ایک ہتھیلی بھر کھانا لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو کھانے کے برتنوں میں ملا دیا اور پڑھا جو اللہ ﷻ نے چاہا اور اس میں سے جو گھر میں تھا یعنی کمرہ اور صحن وغیرہ میں سب نے کھایا۔ حالت یہ تھی کہ یہ گھر ان لوگوں سے جو حضور ﷺ کے ساتھ آئے تھے بھر گیا تھا۔ سب کے پیٹ بھرنے کے بعد برتنوں میں ویسا کا ویسا ہی باقی رہ گیا۔ (طبقات ابن سعد، کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۱)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت

ابوبکر صدیق ﷺ کے لئے اتنا کھانا تیار کیا کہ ان دونوں کو ہی کافی ہوتا مگر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ انصار کے بزرگوں میں سے تیس آدمیوں کو بلا لو۔ انہوں نے بلا لیا۔ سب نے کھایا اور چھوڑ گئے۔ پھر فرمایا: ساٹھ آدمیوں کو بلا لو۔ تو کھانا ان کے بعد بھی اتنا ہی تھا۔ پھر فرمایا: ستر آدمیوں کو بلا لو۔ ان سب نے بھی کھایا یہاں تک وہ بھی چھوڑ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا جس نے اس کے بعد اسلام قبول نہ کیا ہو اور آپ ﷺ کی بیعت نہ کی ہو۔

ابوایوب ﷺ کہتے ہیں کہ میرے کھانے سے ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۶ صفحہ ۹۳)

سمرہ بن جندب ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک کڑھاؤ (بڑا برتن) لایا گیا۔ جس میں گوشت (پکا ہوا) تھا۔ تو یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک ایک قوم کھڑی ہوتی اور دوسری بیٹھتی جاتی تھی۔

(سنن مقدمہ داری جلد ا صفحہ ۳۱ دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۶ صفحہ ۹۳ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۲)

اس بارے میں حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر ﷺ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم ایک سو تیس آدمی تھے اور حدیث میں ذکر ہے کہ انہوں نے ایک صاع (یعنی سوا چار سیر کے قریب) آٹا گوندھا اور ایک بکری ذبح کی تھی، سو اس کی کلیجی بھونی گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر ایک اس کلیجی کو چھری سے کاٹتا تھا۔ پھر اس کے گوشت سے دو کڑھاؤ بھر لئے اور سب نے خوب کھایا اور دونوں میں بچ رہا۔ تو ہم نے اس کو اونٹ پر لاد لیا۔ (کہ بعد کو راہ میں کھالیں گے)

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۹۰ صحیح مسلم کتاب الاشربہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۷)

اور اس بارے میں عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری ﷺ کی حدیث ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور اس کی مثل سلمہ بن اکوع اور حضرت ابوہریرہ اور عمر بن خطاب ﷺ[2] سے مروی ہے۔ ان سب نے ایک پریشانی کا ذکر کیا جو ایک غزوہ میں حضور ﷺ کی معیت میں پیش آئی تھی۔

تو اس وقت آپ ﷺ نے بچے ہوئے کھانوں کو منگوایا تو کوئی ایک مٹھی بھر کھانا لایا اور کوئی اس سے زیادہ۔ ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ لایا وہ ایک صاع کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سب کو ایک دسترخوان پر جمع کر دیا۔ سلمہ ﷺ نے کہا: میں نے اندازہ لگایا تو وہ سب اونٹ کے پالان کے برابر تھا (یعنی اتنا اونچا ڈھیر تھا جتنا اونٹ کا پالان ہوتا ہے) پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے برتنوں کے ساتھ بلایا۔ تو لشکر میں سے کسی کا برتن ایسا نہ تھا جو بھر نہ گیا ہو اور اس میں سے بھی بچ رہا۔

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۳۰، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۵۶۔۵۵

۲۔ مسند ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ مسند جرکانی منائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۲

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم فرمایا۔ میں نے انہیں ڈھونڈ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ تب ہمارے آگے ایک برتن رکھا گیا جس میں سے ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا اس میں اس طرح موجود رہا جیسا کہ پہلے تھا مگر یہ کہ اس پر انگلیوں کے نشان نظر آتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع فرمایا اور وہ چالیس مرد تھے۔ ان میں سے کچھ تو وہ لوگ تھے جو ایک دو سالم اونٹ کا بچہ کھا جاتے اور ایک فرق (یعنی وہ برتن جس میں سولہ رطل تقریباً آٹھ سیر چیز آئے) پانی کا پی جاتے۔ آپ نے ان کے لئے ایک مدّ یعنی ایک سیر کھانا تیار کرایا۔ آپ نے انہیں کھلایا یہاں تک کہ وہ سب شکم سیر ہو کر کھا گئے اور کھانا جتنا تھا ویسا ہی باقی رہا۔ پھر ایک برتن دودھ منگوایا اور اس میں سے پلایا وہ سب خوب سیراب ہو گئے۔ لیکن وہ ویسا کا ویسا ہی باقی رہا گویا کہ اس میں سے پیا ہی نہ گیا ہے۔ (مسند امام احمد جلد ا صفحہ ۱۵۹)

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اُمّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو بلائیں جن کے نام آپ ﷺ نے فرمائے ہیں اور ہر اس شخص کو دعوت دے دیں جو تم کو ملیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا کاشانہ اقدس (گھر) اور حجرہ شریف لوگوں سے بھر گیا تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک طشت رکھا جس میں ایک مدّ تقریباً ایک سیر کھجوروں کا ملیدہ تھا۔

پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے رکھا اور اپنی تین انگلیاں اس میں ڈالیں اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کھاتے تھے اور نکلتے جاتے تھے اور وہ مالیدہ طشت میں جیسا تھا ویسا ہی باقی رہا اور کھانے والے اکہتر یا بہتر تھے اور ایک روایت میں اس قصہ کے یا اس جیسے قصے میں ہے کہ وہ تین سو مرد تھے۔ ان سب نے کھایا حتیٰ کہ شکم سیر ہو گئے۔ مجھ سے ارفع ﷺ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کھانا اس وقت زیادہ تھا جب رکھا تھا یا اس وقت جب اٹھایا گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۵۲۷، صحیح مسلم کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۰)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی مرتضیٰ ﷺ سے کہ حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صبح کے کھانے کے لئے ایک ہانڈی پکائی اور حضرت علی ﷺ کو حضور کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ساتھ کھانا ملاحظہ فرمائیں۔ پھر حضور ﷺ نے ان کو بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایک پیالہ آپ کی تمام بیویوں (امہات المومنین رضی اللہ عنہن) کو بھیج دیا۔ پھر حضور ﷺ کے لئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے پھر اپنے لئے رکھا۔ جب ہانڈی

اٹھائی تو وہ ویسی ہی بھری ہوئی تھی۔ فرماتی ہیں: تو ہم نے اس سے کھایا جتنا خدا نے چاہا۔

(طبقات ابن سعد وسند منقطع کمافی منازل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۲)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ احمس کے چار سو سواروں کو زادِ راہ دو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم چند صاع سے زیادہ نہیں ہے۔ فرمایا: جاؤ۔ پس وہ گئے۔ اس سے ان کو توشہ دینے لگے اور حال یہ تھا کہ وہ کھجوریں اونٹنی کے بچہ کے بیٹھنے کے مانند تھیں مگر وہ اپنی حالت میں باقی رہیں۔ یہ دکین احمسی اور جریر رحمہم اللہ کی روایت کے بموجب ہے اور اس کے مثل نعمان بن مقرن رحمتہ اللہ علیہ کی روایت ہے جو بعینہ یہی ہے مگر اتنا زیادہ ہے کہ کہا وہ مزینہ کے چار سو سوار تھے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۶۵ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۴۴۵ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)

اور اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ان کے والد کے مرنے کے بعد قرض کے سلسلے میں ہے' کہ انہوں نے اپنا اصل مال قرض خواہ کے قرضہ میں دے دیا مگر انہوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ درانحالیکہ ان کے کھجوروں کے باغ کے پھل چند سالوں میں بھی ان کے قرض کی کفالت نہ کر سکتے تھے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے پھل کاٹ کر ڈھیر کر لو۔ اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور اس ڈھیر میں چلے اور دعا فرمائی۔

پھر جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قرض خواہوں کو اس سے دے دیا پھر اتنا بچ رہا جتنا ہر سال پھل لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اتنا بچ رہا جتنا ان کو دیا۔ انہوں نے کہا کہ قرض خواہ یہودی تھے۔ انہوں نے اس سے بہت تعجب کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الھبہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو پریشانی (بھوک) پہنچی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں۔

فرمایا: میرے پاس لاؤ۔ تب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ڈال دیا اور مٹھی بھر کر نکالا اور پھیلا دیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

پھر فرمایا: دس مردوں کو دو۔ تو انہوں نے کھایا حتی کہ شکم سیر ہو گئے۔ پھر فرمایا: تم لے لو جو تم لائے تھے اور اپنا ہاتھ ڈال کر مٹھی سے نکال لیا کرو۔ اس کو الٹنا نہیں جتنا میں لایا تھا اس سے زیادہ پر قبضہ کیا۔

پس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات (ظاہری) اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت

تک اس سے خود کھاتا اور کھلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو وہ مجھ سے لوٹ لیا گیا اور وہ چلا گیا۔

(دلائل النبوۃ جلد ۶ صفحہ ۱۱۰ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۵۸۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے ان میں سے اتنے اتنے وسق (ساٹھ صاع) کھجوریں اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کر دیں اور اس حکایت کی مثل غزوۂ تبوک میں بھی ذکر کیا گیا کہ دس سے کچھ زیادہ کھجوریں تھیں۔

انہیں میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے۔ جب انہیں بھوک نے ستایا تو حضور ﷺ نے اپنے پیچھے آنے کو فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں دودھ پایا جو آپ ﷺ کو ہدیۃً پیش کیا گیا تھا۔ ان کو حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلا لو۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ اتنا سا دودھ ان میں کیا ہو گا۔ میں زیادہ مستحق تھا کہ جو بھوک مجھے لگی ہوئی تھی اس کو پیتا اور اس سے طاقت حاصل کرتا۔ غرضیکہ میں نے ان کو بلایا اور بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کو پلاؤ تو میں ہر مرد کو دیتا جاتا۔ وہ پیتا اور سیراب ہو جاتا۔ پھر دوسرے کو دیتا وہ پیتا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے پیالے کو پکڑا اور فرمایا: اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں۔ بیٹھ جاؤ اور پیو۔ تو میں نے پیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اب نہیں پیا جاتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اب دودھ کے گزرنے کی بھی گنجائش نہیں پاتا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پیالہ لیا۔ اللہ ﷻ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا پی لیا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۱ صفحہ ۸۱)

خالد بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ایک بکری ذبح کرنے کے لئے پیش کی اور حال یہ تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کے عیال (گھر والے) بہت تھے۔ وہ ایک بکری کو ذبح کرتا تو اس کے عیال کے لئے ایک ایک ہڈی بھی پورا نہ کرتی۔

مگر نبی کریم ﷺ نے اس بکری سے خود کھایا اور باقی (جو بچا اس) کو خالد رضی اللہ عنہ کے ڈول میں ڈال کر دعائے برکت فرمائی۔ اس نے اس کو اپنی عیال میں تقسیم کیا تو سب نے کھایا اور زیادہ بچ رہا۔

اس حدیث کو دولابی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۱۶-۱۱۵)

اجری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی

اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فلاں برتن لاؤ جو چار یا پانچ مُدّ (گندم یا جو وغیرہ) سے بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے ان کے ولیمہ میں ایک اونٹ کے بچے کو ذبح کرنے کو فرمایا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس کو لایا۔ پس آپ ﷺ نے اس کے سر کو چھوا۔ پھر لوگ جماعت جماعت کر کے داخل ہوئے۔ اس سے کھاتے تھے حتیٰ کہ سب فارغ ہو گئے اور اس سے بہت کچھ بچ رہا۔

پھر آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی اور حکم دیا کہ اپنی ازواج (امہات المومنین) کے پاس لے جایا جائے اور فرمایا: تم سب کھاؤ اور جو تمہارے پاس عورتیں آئیں ان کو کھلاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا۔ تو میری والدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے ملیدہ بنایا۔ اس کو ایک طشت میں رکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں آدمیوں کو بلاؤ اور جو تم کو راہ میں ملے اس کو بھی بلا لو۔ تو مجھے جو ملا سب کو بلا لایا۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ تین سو آدمی تھے۔ یہاں تک کہ صفہ (چبوترہ) اور حجرہ ان سے بھر گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھانے پر رکھا اور دعا مانگی اور پڑھا جو اللہ ﷻ نے چاہا۔ پس سب نے کھایا حتیٰ کہ سب شکم سیر ہو گئے۔ پھر مجھ سے فرمایا: اٹھا لو۔ میں نہیں جانتا کہ جب رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ صحیح مسلم کتاب الاشربہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۱۲)

ان تین فصلوں کی اکثر حدیثیں صحیح ہیں اور اس فصل کی احادیث کے معنی پر تو دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور ان سے کئی گنا زیادہ تابعین نے روایت کی ہے۔ ان کے بعد تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان میں سے اکثر احادیث مشہور قصوں اور حاضرین کے مجمعوں میں ذکر کی جاتی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ حق بات کے سوا من گھڑت باتوں کی نسبت کی جائے اور حاضرین منکر باتوں پر خاموش رہیں۔

پندرھویں فصل

درختوں کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ ﷺ کی دعوت پر آنا

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ایک سفر میں

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے قریب آیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے اعرابی! کہاں کا قصد ہے؟

کہا کہ گھر جا رہا ہوں۔ فرمایا: کیا تو نیکی کی طرف آتا ہے؟

اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: گواہی دے کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس نے کہا: کوئی آپ ﷺ کی شہادت دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ببول کا درخت جو وادی کے کنارے کھڑا ہے۔ تب وہ زمین چیرتا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس سے آپ ﷺ نے تین مرتبہ شہادت دلوائی۔ تو اس نے ویسے ہی کہا جیسا آپ ﷺ نے فرمایا۔ پھر وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

(مقدمہ سنن داری جلد ا صفحہ ۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۴، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

حضرت بریدہ ﷜ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ سے کوئی نشانی مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سامنے کے درخت سے کہو کہ تجھ کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ درخت اپنی دائیں اور بائیں اور آگے پیچھے ہلا اور اس کی جڑیں ٹوٹیں پھر زمین چیرتا شاخوں کو گھسیٹتا حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ.

اعرابی نے کہا: اس کو حکم دیجئے کہ اپنی جگہ واپس چلا جائے۔ پس وہ واپس ہوا اور اس کی جڑیں زمین میں داخل ہو گئیں اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں۔ فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کے دست مبارک اور پائے اقدس کو بوسہ دوں تو اس کو اس کی اجازت دے دی۔ (کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۲)

حضرت جابر بن عبداللہ ﷜ کی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو کوئی ایسی جگہ نہ دیکھی کہ جہاں پردہ ہوتا۔ وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے تو رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے ایک کے پاس گئے اور ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا:

فرمانبردار ہو جا مجھ پر اللہ ﷻ کے حکم سے۔ تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلا اس طرح پر جیسے کوئی

اونٹ کو نکیل ڈال کر لے جاتا ہے اور بیانِ راوی میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ جب یہ دونوں نصف راہ طے کر کے درمیان میں پہنچے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ ﷻ کے حکم سے مجھ پر دونوں مل جاؤ۔ پس وہ دونوں مل گئے۔

(صحیح مسلم کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۳۰۷)

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر ﷺ! اس درخت سے کہو کہ تجھ سے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھی درخت سے مل جائے تاکہ میں تمہارے پیچھے بیٹھوں تو میں نے ایسا کیا اور چلا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھی (درخت) سے جا ملا۔ تو آپ ﷺ (قضائے حاجت) کے لئے ان دونوں کے پیچھے بیٹھے اور میں جلدی سے نکل آیا اور بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ سامنے سے تشریف لا رہے تھے اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر ہر ایک اپنی جگہ سیدھا کھڑا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے تھوڑا سا توقف فرمایا اور اپنے سر سے داہنے اور بائیں جانب اشارہ کیا۔

اسامہ بن زید ﷺ اسی کے مثل روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں فرمایا: کیا تم ایسی جگہ پاتے ہو جہاں اللہ ﷻ کا رسول ﷺ قضائے حاجت کرے۔ میں نے عرض کیا: یہ وہ وادی ہے جہاں لوگوں کی گزرگاہ ہے۔

فرمایا: کیا کوئی درخت یا پتھر دیکھا ہے؟

عرض کیا: ہاں آمنے سامنے چند درخت دیکھے ہیں۔ فرمایا:

جاؤ اور ان درختوں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قضائے حاجت کے لئے آئیں۔ اور یہی بات کنکریوں سے کہو۔ تو میں نے ان سے جا کر یہی کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ درخت ایک دوسرے کے (ساتھ) ہو کر مجتمع ہو گئے اور کنکریاں بھی دوڑ کر ایک دوسرے پر پیوستہ ہو گئیں۔ پس جب آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمالی تو مجھ سے فرمایا:

ان سے کہو کہ چلے جائیں۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ بلاشبہ میں نے دیکھا کہ وہ درخت اور کنکریاں جدا ہو کر اپنی جگہ چلی گئیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵)

یعلی بن سبابہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ان دونوں حدیثوں کے مثل بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے دو چھوٹے چھوٹے کھجوروں

کے درختوں کو حکم دیا۔ وہ مل گئے اور ایک روایت میں دو بڑی کھجوروں کے درخت کا ذکر آیا ہے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس کے مثل ہے اور اس میں دو درختوں کا ذکر ہے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵)

حضرت ابن مسعود ﷺ نے غزوہ حنین میں نبی کریم ﷺ سے اسی کے مثل بیان کیا۔ یعلیٰ بن مرہ بن سبابہ ﷺ سے بھی یہی مروی ہے۔ انہوں نے بہت سے معجزات کو رسول اللہ ﷺ سے دیکھ کر بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ بڑا درخت یا کیکر کا درخت آیا اور اس نے آپ ﷺ کے گرد چکر لگایا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے اپنے رب ﷻ سے اجازت مانگی تھی کہ وہ مجھ پر سلام عرض کرے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۰، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۹)

عبداللہ بن مسعود ﷺ کی حدیث میں ہے کہ ایک درخت نے خبر دی کہ ایک رات جن نے نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن کریم سنے۔

مجاہد ﷺ نے حضرت ابن مسعود ﷺ سے اس حدیث میں ذکر کیا کہ جنات نے کہا: آپ کی کون شہادت دیتا ہے؟

فرمایا: یہ درخت، اے درخت چلا آ۔ تو وہ درخت بڑی آواز کے ساتھ جڑوں کے ساتھ چلا آیا اور پہلی حدیث کی مثل یا اس جیسی بیان کی۔ (صحیح مسلم کتاب الزھد جلد ۲ صفحہ ۲۳۰۶، صحیح بخاری)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابن عمر، بریدہ، جابر، ابن مسعود، یعلیٰ بن مرہ، اسامہ بن زید، انس ابن مالک، علی ابن ابی طالب اور ابن عباس وغیرہ ﷺ کا اس باب میں نفس حدیث اور معنی حدیث میں اتفاق ہے اور ان سے کئی گنا تابعین اور تبع تابعین نے روایتیں کی ہیں۔ تو یہ حدیثیں جیسی بھی تھیں، شہرت کے اعتبار سے قوی ہو گئیں۔

ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ غزوہ طائف میں غنودگی کی حالت میں چلے۔ آپ ﷺ کے سامنے بیری کا درخت آ گیا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے درمیان سے گزر گئے۔ وہ درخت دو تنوں پر اس وقت تک موجود ہے۔ وہ جگہ معروف اور معظم ہے۔

اس بارے میں حضرت انس ﷺ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو غمگین دیکھ کر عرض کیا: آپ ﷺ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کو کوئی معجزہ دکھاؤں۔ فرمایا: ہاں۔

پس رسول اللہ ﷺ نے وادی کے پیچ (کنارے) ایک درخت پر نظر ڈالی۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اس درخت کو بلایئے۔ تب وہ چل کر آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ

کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

پھر کہا: اس کو حکم دیجئے کہ لوٹ جائے۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

(الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۴)

حضرت علی ﷺ سے اس طرح مروی ہے۔ مگر انہوں نے اس میں جبریل علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے کہا: اے خدا مجھے کوئی نشانی ایسی دکھا کہ جو میری تکذیب کرے اس (نشانی) کے بعد اس کو بھی ماننے بغیر چارہ کرنہ رہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے درخت کو بلایا

اور اس کی مثل حدیث بیان کی اور آپ ﷺ کا غمگین ہونا اپنی قوم کی تکذیب اور طلب معجزہ پر تھا نہ کہ اپنے لئے تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے رکانہ کو اس قسم کے معجزے دکھائے۔ ایک درخت کو آپ ﷺ نے بلایا۔ وہ آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے ٹھہر ارہا۔ پھر فرمایا: واپس جا تو وہ لوٹ گیا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۵ صفحہ ۳۹۵ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۵۰)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کا شکوہ اپنے رب ﷻ سے کیا کہ وہ لوگ خوف دلاتے ہیں اور ایسے معجزے کا سوال کیا جن سے آپ ﷺ جان لیں کہ آپ ﷺ کو کوئی خوف نہیں ہے۔ تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو وحی فرمائی کہ آپ فلاں وادی میں جس میں درخت ہے جائیے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر ہلائیے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے گا۔

تو آپ ﷺ نے ایسا کیا پس وہ زمین پر خط کھینچتا آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے جب تک خدا نے چاہا روکے رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جا جہاں سے آیا ہے پس لوٹ گیا۔

پھر آپ ﷺ نے عرض کیا: اے رب ﷻ میں نے جان لیا کہ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔

(الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

اس کے مثل حضرت عمر ﷺ سے مروی ہے اور وہ اس میں بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایسی نشانی دکھا کہ اس کے بعد جو میری تکذیب کرے اس کو تردد نہ رہے اور ذکر کیا اس کی مثل۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے فرمایا: کیا تو دیکھتا ہے کہ اگر میں اس کھجور کی ٹہنی کو ہلاؤں تو تو اس کی گواہی دے گا کہ میں اللہ ﷻ کا رسول

ﷺ ہوں۔ اس نے کہا: ہاں۔

تو آپ نے اس کو بلایا تو وہ درخت دوڑتا آیا۔ پھر فرمایا: لوٹ جا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۵ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۲۰ مقدمہ سنن داری جلد ۱ صفحہ ۱۳ ترمذی جلد ۹ صفحہ ۲)

سولہویں فصل

کھجور کی ٹہنیوں کا رونا

کھجور کے ستونوں کے رونے کی خبروں کو یہ حدیثیں قوی کرتی ہیں۔ چونکہ یہ خبر بذاتہٖ مشہور و معروف اور خبر متواتر کی حد میں ہے اور اہل صحاح نے اس کی تخریج کی ہے اور یہ کہ دس سے زائد صحابہ ﷺ نے اس کو بیان کیا ہے۔

ان میں سے حضرت ابی بن کعب ﷺ [1] جابر بن عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کھجور کے ستونوں پر سقف (چھتی ہوئی) تھی۔ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ تو ان میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس ستون سے ایسی آواز سنی جیسے اونٹنی بچہ جنتے وقت روتی ہے۔

حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد میں ہلچل مچ گئی اور سہل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ کثرت سے لوگ رونے لگے۔ جب اس کو انہوں نے روتے دیکھا۔ مطلب ﷺ اور ابی ﷺ کی روایت میں ہے کہ وہ ستون اتنا رویا کہ وہ پھٹ گیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا۔ وہ خاموش ہوا۔ (ایک اور) دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا۔ وہ خاموش ہوا۔ دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ذکر سے محروم ہونے کی وجہ سے روتا ہے۔ ایک نے اتنا اضافہ کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو قیامت تک ایسے ہی میرے غم میں وہ روتا رہتا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صحیح ۱۵۶۔۱۵۵ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸ مسند ابن عمر ﷺ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵۳ مسند انس ﷺ سنن ابن ماجہ کتاب الا قامہ جلد ۱ صفحہ ۴۵۲ مقدمہ سنن داری جلد ۱ مسند ابن عمر و بریدہ و جابر و ابوسعید و ابن عباس رضی اللہ عنہم صفحہ ۱۹۔۱۸۔۱۷۔۱۶۔۱۵ (یہاں آگے آنے والی مختلف روایتوں کے حوالہ جات اکٹھے لکھ دیے ہیں)۔ ادارہ

اسی طرح مطلب، سہل بن سعد اور اسحاق رحمہم اللہ کی حدیث میں حضرت انس ﷺ سے مروی ہے اور بعض روایتوں میں سہل رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا یا چھت میں لگا دیا گیا۔ ابی ﷺ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تو اس کے پاس پڑھتے۔ پس جب مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی تو اس کو ابی ﷺ نے لے لیا وہ انہیں کے پاس رہا۔ یہاں تک کہ زمین نے اس کو کھا لیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اسفرائنی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف بلایا تو وہ زمین چیرتا آیا۔ آپ ﷺ نے اس کو لپٹا لیا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

بریدہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہے تو میں تجھے اس باغ میں لوٹا دوں جہاں تو تھا تیری شاخیں اُگ آئیں گی تیری پوری نگہداشت ہو گی تیری پتیاں اور پھل پیدا ہو جائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں بو دوں کہ اس میں تیرے پھل میری جانب سے اولیاء اللہ کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں کوئی خطرہ نہیں۔

پھر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے نزدیکی صحابہ ﷺ نے سنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا۔ پھر فرمایا: دار فنا پر اس نے دار بقا کو پسند کیا۔

(سنن دارمی جلد ا صفحہ ۱۵)

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے: اے اللہ ﷻ کے بندو! لکڑی تو رسول اللہ ﷺ کے اسی اشتیاق میں جو آپ ﷺ کی نزدیکی میں حاصل تھا اس کا آرزومند ہوا اور اب تم اس سے زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ ﷺ کے بقا کا شوق کرو۔

اس کو روایت کیا حفص بن عبید اللہ ﷺ نے حضرت جابر ﷺ سے کہا جاتا ہے کہ حفص بن عبید اللہ اور ایمن اور ابونضرہ اور ابن مسیب وسعید بن ابی کرب اور کریب وابو صالح ﷺ نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت انس بن مالک ﷺ سے بھی اس کو روایت کیا۔ حسن، ثابت، اسحاق ابن ابی طلحہ ﷺ نے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع وابو حیہ نے روایت کیا اور ابونضرہ وابو وداک نے حضرت ابی سعد ﷺ سے اور عمار بن ابی عمار ﷺ سے انہوں نے ابن عباس ﷺ سے اور ابو حازم وعباس بن سہل نے سہل ﷺ بن سعد ﷺ سے اور کثیر بن زید ﷺ نے مطلب ﷺ سے ان لوگوں نے روایت کیا جن کا ہم نے ذکر کیا اور ان کے سوا ان سے کئی گنا تابعین نے روایت کی ہے۔ جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اس باب میں ان چند گنتی کے سوا مزید علم بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تلاش ومحنت کرے۔ اللہ ﷻ دوستی پر ثابت قدم رکھنے والا ہے۔

سترھویں فصل

جمادات سے متعلق معجزات

اسی طرح ہر قسم کے جمادات میں آپ ﷺ کے معجزات مروی ہیں۔

حدیث : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالاسناد حدیث روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ وہ کھایا جارہا ہوتا اور دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے اور اس کی تسبیح سنا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مٹھی میں کنکریاں پکڑیں تو وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں یہاں تک کہ ہم نے تسبیح کو سنا۔ پھر ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا تو تسبیح کر رہی تھیں۔ پھر ہمارے ہاتھ میں دے دیں تو انہوں نے تسبیح بند کر دی۔

(مختصر تاریخ دمشق جلد ۲ صفحہ ۱۰۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کنکریوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح جاری رکھی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۶۴، کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۱۳۵، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۹)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھے۔ تو آپ ﷺ مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو کوئی درخت و پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے آپ ﷺ کو السلام علیک یارسول اللہ نہ کہا ہو۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵۳، مقدمہ داری جلد ۱ صفحہ ۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر سلام پیش کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ حجر اسود ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۳ صفحہ ۱۷۸۲)

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میرے پاس جبریل علیہ السلام پیغام رسالت لائے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہ تھا جو "السلام علیک یارسول اللہ" نہ کہتا ہو۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جس پتھر اور درخت پر سے گزر

فرماتے تو وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۹)

حضرت عباس ؓ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر اور ان کے بیٹوں پر اپنی چادر ڈالی اور ان کے لئے دوزخ سے پناہ کی دعا مانگی جیسا کہ اس وقت چادر میں پناہ دی تو گھر کے ہر در و بام سے آمین آمین کی آواز آئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۷۱)

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام ایک طباق جس میں انار و انگور تھا' لائے تو آپ ﷺ نے اس سے کھایا تو اس نے تسبیح کی۔

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان ؓ جبل احد پر جب چڑھے تو اس نے حرکت کی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد ٹھہر جا' کیا نہیں دیکھتا تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۳ صفحہ ۱۰)

اور اسی کے مثل حضرت ابو ہریرہ ؓ سے کوہ حرا کے واقعہ میں مروی ہے اور اتنا انہوں نے زیادہ کیا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی' طلحہ اور زبیر ؓ بھی تھے۔ فرمایا:

خبردار تجھ پر نبی ہے یا صدیق یا شہید۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۰)

اور حدیث حراء میں حضرت عثمان ؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ دس صحابہ تھے اور میں بھی ان میں تھا اور انہوں نے عبدالرحمٰن اور سعد رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا اور کہا کہ میں دو صحابی کو بھول گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۶۴۷)

اور سعید بن زید ؓ کی حدیث میں بھی اسی کے مثل مروی ہے اور انہوں نے اس کو بیان کیا اور اپنا اضافہ کیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۶۱۵' سنن ابوداؤد کتاب السنۃ جلد ۴ صفحہ ۲۱۲)

یقیناً ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کو تلاش کیا تو آپ ﷺ سے کوہ ثبیر نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر سے اتر جائیے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ ﷺ کو میری پشت پر یہ لوگ قتل نہ کر دیں۔ پھر اللہ ﷻ مجھے عذاب دے۔ اس وقت کوہ حرا نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف تشریف لائیے۔ (مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۴۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ پر تلاوت فرمائی:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ یعنی انہوں نے اللہ کی قدر جیسا اس کا حق تھا نہ کی۔ (پ۲۴۔الزمر۶۷) (ترجمہ کنزالایمان)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جبار اپنی بزرگی بیان فرماتا ہے کہ میں جبار ہوں جبار ہوں میں بہت بڑی شان والا ہوں۔ تو منبر کانپنے لگا۔ حتیٰ کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ اس سے گر نہ جائیں۔

(مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۷۲ بخاری و مسلم کمافی تفسیر در منثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خانہ کعبہ کے گرداگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جن کے پاؤں پتھروں میں رانگ سے جما دیئے گئے تھے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کیا درآنحالیکہ ان کو چھوتے نہ تھے اور فرماتے جاتے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (پ۱۵۔الاسرٰی ۸۱) حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو آپ ﷺ جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ فرماتے وہ پیٹھ کے بل گر پڑتا اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ یہاں تک کہ ایک بت بھی باقی نہ رہا (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۳۲۹) اور اسی کے مثل حضرت ابن مسعود ﷺ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نیزہ ان کو مارتے اور فرماتے جاتے: حق آ گیا اب باطل ظاہر نہ ہوگا اور نہ لوٹے گا۔

(تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۳۲۹)

اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جو ابتدائے امر میں راہب کے ساتھ ہے۔

جب آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے تو ایک راہب تھا جو کسی کے لئے نہیں نکلتا تھا۔ اب وہ نکلا اور ان کے درمیان آ گیا حتیٰ کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہا:

آپ ﷺ سید العالمین ہیں۔ اللہ ﷻ آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین مبعوث فرمائے گا۔

اس وقت قریش کے صنادید نے کہا: تم کو کیسے معلوم ہوا؟

اس نے کہا کہ کوئی درخت و پتھر ایسا نہیں جو آپ ﷺ کو سجدہ کرتا نہ گرا ہو۔ حالانکہ وہ نبی کے سوا کسی کو سجدہ کرتے ہی نہیں اور سارا قصہ بیان کیا۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ درانحالیکہ بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا۔ پھر جب آپ ﷺ قوم کے نزدیک ہوئے تو انہوں نے پایا کہ وہ درخت کے سایہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ نے جلوس فرمایا تو وہ بادل کا سایہ آپ ﷺ پر جھک گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵-۲۴)

اٹھارہویں فصل

حیوانات سے متعلق معجزات

حدیث :اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد روایت کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی۔جس وقت ہمارے یہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوتے تو وہ سکون کے ساتھ اپنی جگہ ٹھہری رہتی' نہ وہ آتی نہ جاتی اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لے جاتے تو وہ آتی اور جاتی۔ (پریشان کرتی)

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۱' الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۳' مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۱۱۳۔۱۱۵' دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۸۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک اعرابی گوہ کا شکار لے کر آیا۔اس نے پوچھا: آپ ﷺ کون ہیں؟

صحابہ نے کہا: اللہ ﷻ کے نبی ہیں۔تو اس نے کہا: قسم ہے لات وعزیٰ کی (یہ دونوں عرب کے بڑے بتوں کے نام ہیں) میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاؤں گا مگر یہ گوہ ایمان لے آئے اور اس گوہ کو آپ ﷺ کے سامنے پھینک دیا۔تب اللہ ﷻ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

اے گوہ! تو اس نے کھلی زبان میں آپ ﷺ کو جواب دیا اور تمام لوگوں نے اس کو سنا: لَبَّیکَ وَ سَعْدَیکَ یَا زَینَ مَنْ وَافِی الْقِیَامَۃَ. یعنی حاضر ہوں' موجود ہوں' اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت کی طرف آنے والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو کس کو پوجتی ہے۔گوہ نے جواب دیا: اس ذات کو جس کا عرش آسمان میں ہے' جس کی سلطنت زمین میں ہے' جس کا راستہ سمندر میں ہے' جس کی رحمت جنت میں اور دوزخ میں اس کا عتاب ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رب العالمین کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔بلاشبہ وہ بھلائی پر ہے جس نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور وہ نقصان میں ہے جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔پھر تو اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۲' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۸' دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۷۷' الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۵)

اسی قبیل سے بھیڑیے کے کلام کرنے کا مشہور قصہ ہے۔حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ تو ایک بکری کے سامنے بھیڑیا آ گیا اور چرواہے سے کہا: کیا تو اللہ ﷻ سے نہیں ڈرتا کہ تو میرے اور میرے رزق کے درمیان حائل ہو گیا۔

چرواہے نے کہا: تعجب ہے کہ بھیڑیا انسانوں کی بولی میں کلام کرے۔ اس وقت بھیڑیے نے کہا: کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں ٹیلوں کے درمیان لوگوں کو گزری ہوئی غیبی خبریں بتا رہے ہیں۔

تب وہ چرواہا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر لوگوں کو یہ بات بتا دے۔ پھر فرمایا: اس نے سچ کہا۔ آخر حدیث تک۔ اس میں ایک قصہ ہے اور بعض حدیث لمبی (مضمون زیادہ) ہے۔

(مسند امام احمد، طبقات ابن سعد، بزار، مستدرک، دلائل النبوۃ للبیہقی، لابی نعیم، الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۱)

بھیڑیے کی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے بھی روایت کیا گیا ہے اور بعض سندوں میں حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے منقول ہے کہ بھیڑیے نے کہا: تو بہت عجیب ہے کہ تو اپنی بکریوں پر کھڑا ہے اور ایسے نبی ﷤ کو چھوڑے ہوئے ہے جبکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے بڑھ کر مرتبہ میں کبھی کسی نبی ﷤ کو نہ بھیجا۔ بیشک ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور جنت کے رہنے والے ان کے اصحاب کو لڑتا دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور ان کے درمیان صرف یہ گھاٹی حائل ہے۔ اب تو بھی اللہ ﷻ کے لشکروں میں سے ہو جا۔

چرواہے نے کہا: میری بکریوں کا کون محافظ ہے؟ بھیڑیے نے کہا: میں ان کو چراتا ہوں۔ یہاں تک کہ تو واپس آئے۔ تو وہ اپنی بکریاں اس کے سپرد کر کے چلا گیا اور اس (بھیڑیے) کا قصہ بیان کیا اور اسلام لایا اور حضور ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ جہاد کر رہے تھے۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنی بکریاں گن لے ان کو پورا پائے گا۔ تو اس نے ایسا ہی پایا اور بھیڑیے کے لئے ان میں سے ایک بکری ذبح کر دی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۹، الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۲)

اھبان بن اوس ﷜ سے مروی ہے۔ وہی اس قصہ کے صاحب تھے۔ وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیے کی باتیں ذکر کرتے تھے۔ سلمہ بن عمر بن اکوع ﷜ سے بھی مروی ہے۔ وہی اس قصہ کے صاحب تھے۔ وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیے کی باتیں ذکر کرتے تھے۔ اور ان کے اسلام کا سبب ابی سعید ﷜ کے مثل حدیث ہی ہے۔

۱۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۳

اسی طرح ابن وہب ﷺ نے روایت کیا ہے کہ ابی سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ ﷺ کا قصہ بھیڑیئے کے ساتھ ہوا ہے۔ ان دونوں نے اس کو پایا کہ وہ ایک ہرن پکڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ وہ ہرن حرم میں داخل ہو گیا تو بھیڑیا لوٹ گیا۔ دونوں نے اس سے تعجب کیا۔

بھیڑیئے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ مدینہ میں تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔ ابوسفیان نے کہا: قسم ہے لات و عزیٰ کی اگر تو نے اس کا مکہ میں تذکرہ کیا ہوتا تو ضرور اہل مکہ گھر خالی کر دیتے (اور مدینہ چلے جاتے) اسی طرح ایک خبر مروی ہے کہ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا۔

حضرت عباس ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بت ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کیا کہ اس بت نے اشعار میں نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا تھا۔ تو اس وقت ایک پرندہ اترا اور کہا:

اے عباس ﷺ ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کر رہے ہو اور اپنے نفس پر تعجب نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ تو اسلام کی دعوت دیں اور تم بیٹھے رہو۔ یہی واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

(طبرانی کبیر، کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۳۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ پر ایمان لایا درآنحالیکہ آپ ﷺ خیبر کے ایک قلعہ میں تشریف فرما تھے اور وہ مرد بکریوں کے ریوڑ میں تھا جو اہل خیبر کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کا کیا ہوگا؟

فرمایا: ان کے منہ میں کنکریاں بھر دے۔ اللہ ﷺ بہت جلد تجھے تیری امانت ادا کر دیگا اور ان کے مالکوں کی طرف بھیج دے گا تو اس نے ایسا ہی کیا تو ایک ایک کر کے ساری بکریاں ان کے مالکوں کے گھر چلی گئیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۲۲۱)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں حضرت ابوبکر و عمر اور ایک انصاری مرد ﷺ موجود تھے اور باغ میں ایک بکری تھی۔ تو اس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا تو حضرت ابوبکر ﷺ نے عرض کیا: اس سے زیادہ ہم مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں۔ آخر حدیث تک۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۴، مسند امام احمد)

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ تو ایک اونٹ آیا اس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا اور اسی طرح بیان کیا اور اسی طرح اونٹ کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالک اور جابر بن عبداللہ اور یعلی بن مرہ اور عبداللہ بن جعفر ﷺ[1] سے مروی ہے اور ہر ایک بیان کرتا ہے کہ جو بھی باغ میں داخل ہوتا وہ اونٹ اس پر حملہ کرتا لیکن جب نبی کریم ﷺ اس کے

۱۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۸۲، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۷، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۰۰

پاس گئے تو اس کو چکارا اور اس نے اپنے ہونٹ زمین پر رکھ دیئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے نکیل ڈال دی۔ اس وقت فرمایا:

آسمان و زمین کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ جانتی ہے کہ میں اللہ ﷻ کا رسول ﷺ ہوں۔ سوائے نافرمان جنات وانسان کے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اونٹ کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا حال لوگوں سے پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس کے ذبح کرنے کا قصد کر رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اونٹ نے کام کی زیادتی اور چارہ کی کمی کی شکایت کی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اس کے بچپنے سے سخت سے سخت کام لینے کے بعد اب ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں۔

حضور ﷺ کی اونٹنی عضباء کے کلام کرنے کے قصہ میں مروی ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے اپنا حال عرض کیا اور یہ کہ چرنے میں اس کی طرف دوسرے جلدی کرتے ہیں اور وحشی جانور کنارہ کش ہو کر کہتے ہیں کہ تو حضور ﷺ کی اونٹنی ہے۔ وہ اونٹنی حضور ﷺ کے وصال کے بعد کھانا پینا چھوڑ کر (غم میں) مر گئی۔ اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کے کبوتروں نے نبی کریم ﷺ پر سایہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو دعائے برکت دی تھی۔

حضرت انس اور زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ نے (بوقت ہجرت) غار والی رات میں ایک درخت کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کے (غار) کے سامنے وہ اُگے اور آپ ﷺ کو ڈھاک لے اور کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا تو وہ غار کے کنارے بیٹھ گئے اور ایک روایت میں ہے کہ مکڑی (عنکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانہ پر جالا تن دے۔ جس وقت آپ ﷺ کے تلاش کرنے والے آئے اور انہوں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگے۔ اگر اس میں کوئی ہوتا تو اس کے دہانے پر کبوتروں کا جوڑا نہ ہوتا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ تو وہ لوٹ گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۲۸ ، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ ، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۸۲)

حضرت عبداللہ بن قُرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس پانچ یا چھ یا سات اونٹ لائے گئے تا کہ ''عید قربان'' کے دن آپ ﷺ ان کو ذبح فرمائیں۔ تو ان میں سے ہر ایک کوشش کرتا کہ آپ ﷺ پہلے اسے ہی ذبح کریں۔ (مستدرک جلد ۴ صفحہ ۲۲۱)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک صحرا میں تشریف فرما تھے۔ تو

ایک ہرنی نے آپ ﷺ کو ندا دی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: اس اعرابی نے مجھ کو شکار کر لیا۔ حالانکہ میرے اس پہاڑ پر دو بچے ہیں۔ تو آپ ﷺ مجھے آزاد کرا دیجئے تا کہ جا کر دودھ پلا آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ایسا کرے گی؟ ہرنی نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تو وہ گئی اور واپس آ گئی۔ آپ ﷺ نے اسے باندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی جاگ گیا اور کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے۔ فرمایا: اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ وہ دوڑتی ہوئی جنگل میں چلی گئی اور کہتی جا رہی تھی: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

(الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۰ بحوالہ معجم کبیر، دلائل النبوۃ لابی نعیم)

اور اس باب میں یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہ کو شیر نے گھیر لیا جبکہ آپ ﷺ نے ان کو حضرت معاذ ؓ کی طرف یمن بھیجا تھا۔ جب وہ شیر کے سامنے ہوئے تو اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور آپ ﷺ کا خط ساتھ ہے۔ تو اس نے کندھے ہلائے اور راستہ پر لگا (راستہ بتا) دیا۔ "منصرف" میں اسی کی مثل تذکرہ ہے (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی تھی تو وہ ایک جزیرے کی طرف نکل گئے جس میں شیر تھا۔ تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں۔ تو اس نے اپنے کندھوں سے اشارہ کیا یہاں تک کہ مجھے راستہ پر لا کھڑا کیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۵۸۲، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۶۶، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۶۰۶)

حضور ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کی ایک بکری کے کان اپنی دونوں انگلیوں سے پکڑے پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ اس کی علامت بن گئی اور یہ علامت اس میں اور اس کی نسل میں پیدا ہو گئی۔

ابراہیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ایک گدھے نے آپ ﷺ سے کلام کیا جبکہ آپ ﷺ نے اس کو خیبر میں پایا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: یزید بن شہاب۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا نام یعفور رکھا۔

آپ ﷺ اس کو اپنے صحابہ کے گھروں میں بھیجتے تھے اور وہ ان کے دروازوں پر سر مارتا اور ان کو بلاتا تھا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد وہ چیختا چلاتا کنویں میں گر کر مر گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۴)

حدیث میں مروی ہے کہ ایک اونٹنی نے آپ ﷺ کی خدمت میں گواہی دی تھی کہ اس کے مالک نے اس کو چرایا نہیں بلکہ (جائز طریقہ پر) اس کی ملک ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۸)

اور حدیث میں مروی ہے کہ ایک بکری آپ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کے لشکر میں آئی اور صحابہ پیاسے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایسی جگہ پڑاؤ نہیں کیا تھا جو پانی کی جگہ ہوتی اور وہ تین سو افراد تھے۔ تو آپ ﷺ نے اس کا دودھ دوہا اور تمام لشکر کو اس سے سیراب کیا۔ آپ ﷺ نے رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو اس کا مالک بن لیکن میں تجھ کو ایسا دیکھتا نہیں (تو مالک نہ رہے گا) تو رافع رضی اللہ عنہ نے اس کو باندھ لیا۔ پھر جو دیکھا تو وہ کھل کر کہیں چلی بھی گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳۷)

اس حدیث کو ابن قانع رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی روایت کیا اور اس میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اسے لایا تھا وہی اس کو لے گیا۔

ایک سفر میں جب آپ ﷺ نماز کو کھڑے ہوئے تو اپنے گھوڑے سے فرمایا: خدا تجھ کو برکت دے جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہو جانا نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو (مثل سترہ) موضع سجود کے آگے کھڑا کر دیا تو اس نے اپنے کسی عضو کو حرکت نہ دی یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔

اسی کے ساتھ وہ روایت ہے جس کو واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے قاصدوں کو بادشاہوں کے پاس بھیجا اور ایک دن میں چھ قاصد روانہ کئے۔ جب انہوں نے صبح کی تو ان میں ہر ایک اسی زبان میں بات کرتا تھا جس قوم کے بادشاہ کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا۔

(مصنف ابن شیبہ کتاب المغازی جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۸)

اس باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ہم ان میں سے صرف وہ مشہور حدیثیں لائے ہیں جن کو ہمارے آئمہ رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

انیسویں فصل

مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا' چھوٹے و شیر خوار بچوں سے کلام فرمانا اور ان سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں ایک بھنی ہوئی بکری حضور ﷺ کی خدمت میں خاص طور پر ہدیۃً بھیجی۔ تو آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ نے اس میں سے کھایا۔ دوران طعام آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے اپنے ہاتھ کھینچ لو۔ اس (بکری) نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ زہریلی ہے اور اس زہر کے اثر سے بشر ابن براء رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔[1]

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الدیات جلد ۴ صفحہ ۶۳۹، ۶۳۸

آپ ﷺ نے یہودیہ سے پوچھا: تجھ کو اس پر کس نے برانگیختہ کیا۔ اس نے کہا:
اگر آپ نبی ﷺ ہیں تو میری اس زہر آلودہ بکری سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور اگر آپ ﷺ بادشاہ ہیں تو میں آپ ﷺ سے لوگوں کو نجات دلاؤں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے حکم دیا۔ چنانچہ وہ (بشر ابن براء رضی اللہ عنہ کے قصاص میں) قتل کردی گئی۔

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ اس یہودیہ نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا نہیں کہ تجھ کو اس پر قدرت دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم اس کو قتل کردیں۔ فرمایا: نہیں۔

اور ایسا ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہب رضی اللہ عنہ[1] کے سوا دوسری روایت میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے درپے نہ ہو جاؤ اور یہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ مجھ کو اس بکری کی کلائی نے خبر دی ہے اور فرمایا: اس کو سزا دو اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اس کی ران نے کہا کہ وہ مسموم (زہریلی) ہے اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس بکری نے کہا: میں زہر آلود ہوں۔ اسی طرح ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ[2] کی دوسری حدیث میں ہے کہ ہمیشہ اس زہر کو رسول اللہ ﷺ کے لہات (حلق کا کوا) میں پہچانتا رہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس دور میں جس میں آپ ﷺ کا وصال ہوا فرمایا: خیبر کا وہ لقمہ بار بار ہمیشہ اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے۔ پس اب وقت آگیا ہے کہ وہ میری شاہ رگ کاٹ دے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الدیات جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مسلمان جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال شہادت سے ہوا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت عطا فرمائی۔

ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودیہ کو قتل کرادیا تھا جس نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الدیات جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)

بیشک ہم نے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کردی ہیں۔ جو حضرت ابو ہریرہ، انس، جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اس یہودیہ کو بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے ورثاء کے سپرد کردیا۔ انہوں نے اسے قصاص میں قتل کردیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۷۲)

اسی طرح اس شخص کے قتل میں اختلاف ہے جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ واقدی رحمۃ

۱۔ سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۶۲۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۲۶۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الھبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۳، صحیح مسلم کتاب اسلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۲۵۹

اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کو معاف کر دینے کی روایت زیادہ ثبوت کو پہنچتی ہے اور ان میں سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو قتل کرا دیا تھا اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ابی سعید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی اور اس کے مثل بیان کیا مگر یہ کہ اس کے آخر میں کہا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ پس ہم نے بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۵)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہر آلودہ بکری کی حدیث کی اہل صحاح نے تخریج کی اور اس حدیث کی ہمارے آئمہ نے جو تخریج کی ہے تو وہ مشہور حدیث ہے۔

آئمہ نظر رحمہم اللہ کا اس باب میں اختلاف ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس کو اللہ ﷻ مردہ بکری اور پتھر و درخت میں پیدا فرما دیتا ہے اور وہ حروف و آواز ہیں کہ ان میں وہ پیدا کر دیتا ہے جو بغیر کسی اشکال اور نقل ہیئت کے ان سے مسموع ہوتی ہیں۔ یہی مذہب ہے شیخ ابوالحسن اور قاضی ابوبکر رحمہم اللہ کا ہے۔ اور دیگر آئمہ نظر رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ ان میں پہلے نئی زندگی پیدا کی جاتی ہے پھر وہ کلام کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

اس لئے کہ ہم وجود حروف و آواز کے لئے حیاۃ شرط نہیں کہتے کیونکہ کلام نفسی بغیر حیات کے پایا نہیں جاتا۔ اس میں جبائی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو تمام متکلمین کے خلاف ہے۔ وہ کلام لفظی اور حروف و اصوات (آوازوں) کے وجود کو سوائے اس زندہ کے جو اس ترکیب سے مرکب ہے کہ جس سے حروف و اصوات کے ساتھ گویائی صحیح ہو محال کہتا ہے اور میں نے کنکریوں، اونٹ اور کلائی (ذراع) وغیرہ کے کلام کرنے میں التزام کیا ہے نہیں مانتے کیونکہ ان کا وجود فقط حیات کے معدوم ہونے کے ساتھ محال نہیں لیکن جب ان کو کلام نفسی کہا جائے تو اس کے لئے حیات شرط ہے۔

وہ کہتا ہے کہ بیشک اللہ ﷻ نے اس میں حیات پیدا کی اور اس کو منہ اور زبان دی اور وہ آلات پیدا کئے جن سے وہ کلام کر سکے اور اگر یہ بات یونہی ہوتی تو یقیناً اس کی نقل اور اس کا اہتمام تسبیح یا اس کے رونے کے اہتمام سے زیادہ تاکیدی ہوتا۔ حالانکہ اس بارے میں کسی مورخ و اہل سیر نے کچھ نقل نہ کیا۔ لہٰذا اس میں یہ دعویٰ ساقط الاعتبار ہے۔ اس کے باوجود غور و فکر کرنے کے اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اللہ ﷻ ہی توفیق ہدایت فرمانے والا ہے۔

وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا جو جوان ہو گیا تھا اور قطعاً کلام نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا:

آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۶۰)

معرض بن معیقیب ؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک عجیب بات دیکھی کہ ایک بچہ جس دن وہ پیدا ہوا۔ آپ کے پاس لایا گیا پہلی حدیث کے موافق بیان کیا۔ یہ حدیث مبارک یمامہ ؓ کی ہے اور یہ حدیث اس کے راوی شاصونہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔ اللہ ﷻ تجھ کو برکت دے۔ پھر اس کے بعد اس بچہ نے جوان ہونے تک کوئی بات نہ کی اور اس بچہ کا نام مبارک یمامہ رکھ دیا گیا۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ مکرمہ کا ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۹)

حضرت حسن ؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور بیان کیا کہ اس نے ایک بچی فلاں جنگل میں چھوڑ دی تھی۔ تب آپ ﷺ اس کے ساتھ اس طرف تشریف لے گئے اور اس کو اس کے نام کے ساتھ پکارا۔ اے فلانی! اللہ ﷻ کے حکم سے میرا جواب دے۔ پس وہ یہ کہتی نکلی: لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ (حاضر ہوں حاضر ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا:

تیرے ماں باپ تو دونوں مسلمان ہو گئے۔ اب اگر تو چاہتی ہے تو تجھ کو ان دونوں کی طرف لوٹا دوں۔ لڑکی نے کہا: مجھے ان دونوں کی حاجت نہیں۔ میں نے اللہ ﷻ کو ان دونوں سے بہتر پایا ہے۔

(یہاں پر یہ خیال رہنا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ مترجم)

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان فوت ہو گیا۔ اس کی ایک اندھی بوڑھی ماں تھی۔ ہم نے اس جوان کی تجہیز و تکفین کی اور اس کو تسلی دی۔ اس بوڑھی نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا۔ ہم نے کہا: ہاں۔ بوڑھی نے کہا: اے خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے رسول ﷺ کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو میری ہر مصیبت میں مدد کرے گا تو تو مجھے اس مصیبت کے بوجھ میں ہرگز نہ ڈالے گا۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اس نے کھانا کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۰)

عبداللہ بن عبید اللہ انصاری ؓ سے منقول ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ثابت بن قیس بن شماس ؓ کو دفن کیا تھا اور وہ یمامہ میں شہید ہوا تھا۔ جب ہم نے اس کو قبر میں اتارا تو وہ کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ اور ابوبکر ؓ صدیق، عمر ؓ شہید، عثمان ؓ نیکوکار اور رحیم ہیں۔ پھر ہم نے جب غور سے دیکھا تو وہ مردہ تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر ﷺ سے منقول ہے کہ زید بن حارثہ ﷺ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں مردہ ہو کر گر پڑے۔ ان کو اٹھایا گیا اور کپڑا ڈال دیا گیا۔ مغرب و عشاء کے درمیان جب عورتیں اس کے گرد بین (چیخنا چلانا) کر رہی تھیں تو یہ کہتے سنا: خاموش ہو جاؤ' خاموش ہو جاؤ۔ اس وقت اس کے چہرے سے کپڑا اٹھایا گیا۔ تب اس نے کہا: محمد ﷺ اللہ ﷺ کے رسول نبی و امی اور خاتم النبیین ہیں اور یہ بات پہلی کتابوں میں مکتوب ہے۔ پھر کہا کہ حضور ﷺ نے سچ فرمایا' سچ فرمایا اور اس نے حضرت ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ پھر کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ. پھر دوبارہ وہ ایسے مردہ ہو گئے جیسے کہ تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۷۔۵۶)

بیسویں فصل

بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا

حدیث: ابن قتادہ ﷺ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اور ایک جماعت صحابہ نے احد کا طویل قصہ بیان کیا اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے مشائخ مذکورین نے کہا کہ سعد بن ابی وقاص [1] ﷺ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ مجھ کو ایسا تیر دیا کرتے کہ جس کا لوہا نہ ہوتا تھا۔ پھر فرماتے: [2] اس کو پھینکو اور وہ تیر کام کرتا (یہ آپ کا معجزہ تھا) اور رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس دن قتادہ یعنی ابن نعمان ﷺ کی آنکھ میں تیر لگا۔ یہاں تک کہ وہ حلقہ سے باہر نکل کر رخسار پر آ پڑی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے مقام پر لوٹا دیا۔ تو وہ آنکھ دوسری سے بہت اچھی ہو گئی۔

عاصم بن عمر بن قتادہ اور یزید بن عیاض بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہما نے قتادہ ﷺ کے قصے کو بیان کیا اور ابو سعید خدری ﷺ نے قتادہ ﷺ سے روایت کی ذی قرد (جگہ کا نام ہے) کے دن ابو قتادہ ﷺ کے چہرہ پر جہاں تیر کا زخم تھا' لعاب دہن آپ ﷺ نے لگایا۔ ابو قتادہ ﷺ کہتے ہیں کہ مجھ پر نہ زخم کا اثر رہا اور نہ پیپ پڑی۔ (بیہقی فی الخصائص جلد ۱۰ صفحہ ۲۵)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن حنیف ﷺ سے روایت کی۔ ایک نابینا (اندھے) نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ ﷺ سے دعا کیجئے کہ میری آنکھوں کی روشنی کھول دے۔ آپ ﷺ

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب صفحہ ۳۱۶ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۱۵

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۷

نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھو۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ اَنْ یَّکْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ۔

اے اللہ ﷻ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ کے ذریعے آپ ﷺ کے رب ﷻ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری روشنی کھول دے۔ اے خدا میرے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ اس حال میں واپس آیا کہ اللہ ﷻ نے اس کی آنکھیں روشن کر دی تھیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۲۹ سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ جلد ا صفحہ ۴۴۱ عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۲۰۵-۲۰۴)

منقول ہے کہ ایک تیز بے باز کے لڑکے کو مرض استسقاء ہو گیا تھا۔ تو اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ پھر آپ نے ایک مٹھی زمین کی مٹی لے کر اس پر تھوکا پھر اس کے قاصد کو دے دیا۔ اس نے متحیر ہو کر لیا۔ وہ گمان کرتا تھا کہ (معاذ اللہ) اس سے تمسخر کیا گیا ہے۔ تو وہ اس کو لے کر آیا درانحالیکہ مریض قریب مرگ تھا۔ تو اس کو (گھول کر) پلا دیا۔ اللہ ﷻ نے اس کو تندرست کر دیا۔

(واقدی کتاب المغازی جلد ا صفحہ ۲۵۰ دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۵۱۲)

عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے حبیب ابن فویک ﷺ (جن کو فریک کہا جاتا ہے) سے روایت کی ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں (یعنی پانی اتر کر روشنی جاتی رہی تھی) حتیٰ کہ دونوں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں پھونک ماری (لعاب دہن ڈالا) تو وہ روشن (بینا) ہو گئی۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سوئی میں ڈورا ڈال لیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی عمر اسی سال کی تھی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۳)

کلثوم بن حصین ﷺ کے گلے میں غزوۂ احد کے دن تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس میں لعاب دہن لگایا وہ اسی وقت اچھے ہو گئے۔

عبداللہ بن انیس ﷺ کے زخم پر آپ ﷺ نے لب مبارک لگایا تو اس کی پیپ جاتی رہی۔ (زخم اچھے ہو گئے) (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۹۸)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی آنکھوں میں خیبر میں آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا

درآنحالیکہ ان کی آنکھیں پرُ آشوب تھیں تو انہوں نے صحت کے ساتھ صبح کی۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۱۶ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

سلمہ بن اکوع ﷛ کی پنڈلی کے زخم پر خیبر کے دن آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اسی وقت اچھی ہوگئی۔

(صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۰ سنن ابوداؤد کتاب الطب جلد ۴ صفحہ ۲۱۹)

اور زید بن معاذ ﷛ کے پاؤں میں اس وقت لعاب دہن لگایا جبکہ اس نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا اور اس نے ان کی ایڑھی پر تلوار ماری تھی تو وہ اسی وقت اچھے ہوگئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔۱۹۲۔ واقدی کتاب المغازی جلد ۱ صفحہ ۱۸۷)

علی بن حکم ﷛ کی پنڈلی پر غزوۂ خندق کے دن جبکہ وہ ٹوٹ گئی تھی آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اسی جگہ تندرست ہوگئے اور اپنے گھوڑے سے اترے بھی نہیں۔

(امام بغوی فی مجم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۳۷)

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور ﷺ سے ایک بیماری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی اور کہا: اے اللہ ﷻ ان کو شفا دے یا فرمایا: ان کو آرام دے۔ پھر آپ ﷺ نے پائے اقدس سے ایک ضرب لگائی۔ اس کے بعد کبھی ان کو اس درد کی شکایت نہ ہوئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۹)

معوذ بن عفراء ﷛ (جو تیرہ سالہ مجاہد تھے) کا ہاتھ ابوجہل نے بدر کے دن کاٹ ڈالا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعاب دہن لگا کر جوڑ سے ملا دیا تو وہ جڑ گیا۔ اس کو ابن وہب ﷛ نے روایت کیا۔

ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ خبیب بن یساف ﷛ کو بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے کندھوں پر تلوار کی ایک ضرب پڑی جس سے وہ لٹک گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقام پر لوٹا کر اس پر لعاب کا دہن لگا دیا۔ حتیٰ کہ بالکل تندرست ہوگیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۸)

قبیلہ خثعم کی ایک عورت ایک بیمار بچے کو ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہوئی وہ کلام نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا تو آپ ﷺ نے پانی سے منہ دھویا اور اپنے دونوں دست مبارک دھو لئے۔ پھر وہ پانی اس کو دیا اور اس کو پینے اور جسم پر ملنے کا حکم دیا۔ تو وہ بچہ اسی وقت تندرست ہوگیا اور عقل مند ہوگیا اور دوسروں سے زیادہ عقل والا ہوگیا۔

(مصنف ابن شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۴۹۲ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۳۶۴)

---

1. مطلب یہ کہ وہ میری اپنی اولاد تھی۔ (ادارہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت پاگل بچے کو لے کر آئی۔ آپ ﷺ نے اس کے سینہ کو ملا۔ اس کو زور کی کھانسی آئی اور اس کے پیٹ میں سے کوئی ایسی چیز نکلی جو سیاہ کتے کے بچے کی مانند ہو اور بھاگ گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۸۷)

محمد ابن حاطب ﷺ جب وہ بچہ تھا تو اس کے ہاتھ (کلائی) پر گرم ہانڈی لوٹ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو دست مبارک سے مسح کیا اور اس کے لئے دعا فرمائی اور اس پر لب لگایا تو وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔

(تحفۃ الاشراف جلد ۸ صفحہ ۳۵۵ عمل یوم واللیلۃ صفحہ ۶۔ ۲۹۵۔ ۷۷ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۷۴)

شرجیل جعفی ﷺ کی ہتھیلی پر رسولی ہو گئی تھی جو تلوار اور گھوڑے کی لگام پکڑنے سے روکتی تھی۔ نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے ملتے رہے یہاں تک وہ جاتی رہی اور اس کا کوئی نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

ایک لونڈی نے آپ ﷺ سے اس وقت کھانا مانگا جب کہ آپ ﷺ تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے سے کھانا اٹھا کر دینا چاہا۔ اس میں چونکہ حیا کم تھی۔ عرض کیا: میری مراد یہ ہے کہ اپنے منہ کا لقمہ مرحمت فرما دیں۔ تو آپ ﷺ نے وہی نکال کر عنایت فرما دیا۔ آپ ﷺ کی عادت کریمہ یہی تھی۔

آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا جائے آپ ﷺ اس کو رد نہ فرماتے تھے پس جب وہ لقمہ طیبہ اس کے پیٹ میں گیا تو وہ ایسی حیادار بن گئی کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی حیادار عورت نہ تھی۔

(طبرانی کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۵، ۲۳۶)

اکیسویں فصل

اِجابتِ دُعا

حضور ﷺ کی دعاؤں کے قبول ہونے کا باب بہت وسیع ہے اور لوگوں کے لئے آپ ﷺ کی دعائیں ان کے نفع ونقصان میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ فی الجملہ یہ بدیہی معلوم ہے۔

بلاشبہ حضرت حذیفہ ﷺ کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لئے دعا فرماتے تو وہ دعا اس کے لئے اور اس کے بیٹے اور پوتوں کے لئے ہوتی۔ (مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۸)

حدیث: حضرت انس ﷺ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے عرض

کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا خادم ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے دعا مانگی: اے اللہ تعالیٰ اس کے مال و اولاد میں کثرت عطا فرما اور جو تو اس کو دے اس میں برکت مرحمت فرما۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۶۳ 'صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۹۲۸ 'مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۴۸_۱۸۸_۱۰۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میرے پاس بہت مال ہے اور میرے بیٹے اور پوتے آج سو کے قریب ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نہیں جانتا کوئی مجھ سے زیادہ عیش و آرام میں ہو۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سو بیٹوں کو دفن کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کچے گرے تھے یا وہ پوتے تھے۔ (مطلب یہ کہ وہ میری اپنی اولاد تھی۔ ادارہ) لیکن ان میں سے حضور ﷺ کی دعائے برکت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر اٹھاتا تو مجھے امید ہوتی کہ اس کے نیچے سونا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت مال دیا۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کے ترکہ سے وہ سونا جو سونا زمین میں دبا ہوا تھا پھاوڑے سے نکالا گیا یہاں تک کہ ہاتھ سرخ ہو گئے اور ان کی چاروں بیویوں کو اسی اسی ہزار دینار دیئے گئے اور ایک روایت میں ایک ایک لاکھ دینار۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک عورت سے اسی ہزار دینار پر صلح کی گئی تھی کیونکہ اس کو بیماری میں طلاق دے دی تھی اور زندگی میں مختلف صدقات مشہورہ اور احسانات عظیمہ کے بعد پچاس ہزار کی وصیت کی تھی۔

ایک دن تیس غلام آزاد کئے اور ایک مرتبہ سات سو اونٹ جو مختلف سامان سے لدے ہوئے ان کے پاس آئے تھے۔ مع ان تمام سامان پالان و پوشش وغیرہ کے صدقہ کر دیئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے حکومت کی دعا مانگی سو وہ انہیں حاصل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے دعا مانگی۔ خدا نے اسے بھی قبول فرمایا۔ غرضیکہ جس کے لئے بھی آپ نے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۸۹ 'سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۱۳)

حضور ﷺ نے عمر بن خطاب یا ابوجہل کے ذریعے غلبہ اسلام کی دعا مانگی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے قبول ہوگئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ عزت کے ساتھ رہے جس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

ایک غزوہ میں لوگوں کو پیاس کی تکلیف پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی آپ ﷺ سے درخواست کی۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی تو بادل آئے اور ہماری ضرورتیں پوری کر کے کھل گئے۔ طلب

ا۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳۴ 'مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۱۸۶

بارش (استسقاء) کے لئے دعا کی گئی تو بارش ہونے لگی۔ جب بارش کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے دعا کی بادل کھل گیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کی کہ تمہارا چہرہ کامیاب ہوا اے اللہ ﷻ ان کے بالوں اور جسم میں برکت دے تو وہ جس وقت فوت ہوئے باوجودیکہ ستر سال کے تھے مگر پندرہ سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔

آپ ﷺ نے نابغہ رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا۔ اللہ ﷻ تمہارے منہ کو نہ توڑے تو ان کا ایک دانت بھی نہ گرا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کی وجہ سے سب سے بڑھ کر خوبصورت تھے۔ جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا اس کی جگہ نکل آتا۔ حالانکہ وہ ایک سو بیس سال حیات رہے اور ایک روایت اس سے زیادہ بھی ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کی۔ اے اللہ ﷻ ان کو دین کی سمجھ (فقاہت) عطا فرما اور ان کو تفسیر کا علم دے تو اس کے بعد ان کا نام حبر (بڑا عالم) اور ترجمان القرآن مشہور ہو گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت)

آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لئے ان کے خرید و فروخت میں دعا کی تو وہ جو چیز خریدتے اس میں نفع ہوتا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ مکتبہ اعلیٰ حضرت ۳۶۷)

آپ ﷺ نے مقداد رضی اللہ عنہ کے لئے برکت کی دعا مانگی تو ان کے پاس بہت مال جمع ہو گیا۔ اسی طرح عروہ بن ابی جعد رضی اللہ عنہ کیلئے برکت کی دعا کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر میں کساد بازاری میں کھڑا ہوتا تو جب لوٹتا تو مجھے چالیس ہزار کا نفع ہوتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی حدیث میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ مٹی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا۔ اسی طرح غرقدہ رضی اللہ عنہ کے لئے مروی ہے۔

حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو ہوا اس کو گھیر کر آپ ﷺ کی خدمت میں واپس لے آئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے لئے دعا کی تو وہ اسلام لے آئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کی کہ گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ۔ تو وہ سردی میں گرمی کے کپڑے اور گرمی میں سردی کے کپڑے پہنتے تو انہیں سردی ستاتی نہ گرمی۔

اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے دعا کی وہ کبھی بھوکی نہ رہیں۔ تو وہ فرماتی ہیں کہ میں کبھی بھوکی نہ رہی۔

طفیل ابن عمروؓ نے اپنی قوم کے لئے آپ ﷺ سے کوئی نشانی مانگی تو آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ ﷻ اس کو نور دے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمکنے لگا۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ مثلہ یعنی برص کا داغ نہ کہنے لگیں۔ تو وہ نور ان کے کوڑے کی طرف پھیر دیا گیا۔ پس وہ اندھیری رات میں چمکتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کا نام صاحب نور پڑ گیا۔

قبیلہ مضر پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر قحط اتنا شدید پڑا کہ قریش نے آپ ﷺ سے رحم کی درخواست کی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور وہ سیراب ہوئے۔

اور فارس کے بادشاہ کسریٰ پر آپ ﷺ نے اس وقت بددعا کی جب اس نے آپ ﷺ کا گرامی نامہ چاک کیا۔ آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ ﷻ اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ تو اس کا ملک اس کے لئے باقی نہ رہا۔ حالانکہ فارس کی حکومت دنیا میں رہی ہے۔

آپ ﷺ نے اس بچے پر بددعا کی جس نے آپ ﷺ کی نماز توڑی تھی کہ اے اللہ ﷻ اس کا نشان قطع کر دے تو وہ مفلوج ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک مرد کے لئے فرمایا جبکہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ سے کھا تو اس نے کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کبھی اس کی قدرت نہیں پائے گا۔ پھر کبھی وہ ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا۔

آپ ﷺ نے عتبہ ابن ابی لہب کے لئے بددعا کی۔ اے اللہ ﷻ تو اس پر اپنے کتوں میں سے کتا مسلط کر دے۔

چنانچہ اس کو شیر نے کھا لیا۔ یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے مشہور ہے کہ قریش نے اوجھ کو جس میں گوبر اور خون تھا جبکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے پیٹھ پر رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ نے نام بنام ذکر کر کے بددعا کی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے ان سب کو دیکھا کہ بدر کے دن وہ سب مارے گئے۔

حکم ابن ابی عاص پر آپ ﷺ نے بددعا کی کیونکہ وہ آپ ﷺ کو منہ چڑاتا اور آنکھ کے اشارے کرتا تھا۔ یعنی یونہی نہیں بلکہ تمسخر (مذاق) کرتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کا چہرہ ویسا ہی ہوگا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

محلّم بن جثامہ پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو وہ سات دن میں مر گیا اور زمین نے اس کو اگل دیا۔ پھر وہ دبایا گیا پھر اس کو اگل دیا۔ یہ کئی مرتبہ ہوا۔ تب اس کو دو وادیوں کے درمیان ڈال دیا اور

لوگوں نے اس پر پتھر پھینکے۔(الظُّلْع) وادی کے کنارے کو کہتے ہیں۔

ایک شخص نے گھوڑا آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ اس بارے میں اس کی خزیمہ ﷛ نے نبی کریم ﷺ کے لئے گواہی دی تھی۔ بعد کو آپ ﷺ نے گھوڑا اس پر واپس کر دیا اور فرمایا: اے خدا اگر یہ جھوٹا ہے تو اس میں برکت نہ دے تو جب صبح ہوئی تو گھوڑے نے ٹانگیں اٹھا لیں۔ (یعنی وہ مر گیا)

اس باب میں تو اس کثرت سے معجزات ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

دعا کے سلسلے میں گزری تمام احادیث کی تخریج "مناہل الصفاء" طلسیوطی صفحہ ۱۳۹ میں دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۵۸۱ درج ہے۔ یہ حوالہ تمام احادیث کا بھی ہو سکتا ہے یا کچھ کا بھی مزید تحقیق کے لیے محققین حضرات عربی کتب دیکھیں۔

بائیسویں فصل

حضور ﷺ کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ ﷺ سے مس کر گئی اس کی حقیقت کا بدلنا

حدیث: حضرت انس ابن مالک ﷛ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ (خوفناک آواز کی وجہ سے) گھبرا گئے تو رسول اللہ ﷺ ابی طلحہ ﷛ کے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تشریف لے گئے اور وہ گھوڑا قطاف یعنی سست رفتار تھا اور دوسروں نے کہا کہ وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ پھر جب واپس آئے تو ابو طلحہ ﷛ سے فرمایا۔ میں نے تمہارے گھوڑے کو دریا کی مانند پایا چنانچہ وہ گھوڑا کبھی کسی سے پیچھے نہ رہا۔

حضرت جابر ﷛ کی اونٹنی کے پاؤں پر آپ ﷺ نے ایک لکڑی ماری کیونکہ وہ بہت سست اور کم چال تھی پھر تو وہ ایسی تیز ہوئی کہ اس کی لگام سنبھالی نہ جاتی تھی۔

اس طرح آپ ﷺ نے جعیل اشجعی ﷛ کے اونٹنی کی پاؤں پر لکڑی ماری اور برکت کی دعا فرمائی تو وہ اتنی تیز ہو گئی کہ اپنا سر قبضہ میں رکھنا مشکل ہو گیا اور اس سے جو بچے ہوئے وہ بارہ ہزار کے فروخت ہوئے۔

حضرت سعد بن عبادہ ﷛ کے سست رفتار گدھے پر ایک مرتبہ آپ ﷺ سوار ہوئے۔ پھر جب آپ نے اس کو واپس کیا تو وہ اس قدر تیز رفتار ہو گیا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید ﷛ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند بال تھے تو وہ جس جہاد اور جنگ میں مصروف پیکار ہوئے یقیناً انہیں فتح ہوئی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے اطلسی جبہ نکالا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے۔ ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں تو وہ اس کی برکت سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔

جہجاہ غفاری نے حضرت عثمان ﷺ کے ہاتھ میں سے وہ لکڑی (جو حضور ﷺ کے پاس رہتی تھی) لی تا کہ اس کو گھٹنے پر توڑ دے اس پر لوگ چلائے تو (اس بے ادبی کی وجہ سے اس کے پاؤں میں) آکلہ یعنی ناسور ہو گیا۔ پھر اس کو کٹوایا مگر ایک سال کے اندر اندر وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی قبا کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر اس کے بعد اس کا پانی کبھی نہ ٹوٹا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)

حضرت انس ﷺ کے کنوئیں میں جو ان کے گھر میں تھا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا۔ تو مدینہ طیبہ میں ان کے کنوئیں سے زیادہ شیریں پانی کسی میں نہ تھا۔

(ابونعیم کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۴۰)

ایک سفر میں آپ ﷺ کا ایک ایسے پانی پر گزر ہوا جو کھاری تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام پوچھا: اس کنوئیں کا نام بیسان بتایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ نعمان ہے اور اس کا پانی طیب وعمدہ ہے تو وہ میٹھا ہو گیا۔

ایک ڈول میں زمزم کا پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پاکیزہ ہو گئی۔[1] حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے منہ میں اپنی زبان دی۔ انہوں نے اس کو چوسا حالانکہ وہ پیاس کی شدت میں رو رہے تھے تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

(طبرانی کمافی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۴۰)

اُم مالک رضی اللہ عنہا کے پاس ایک گھی کی کپی تھی جس میں آپ ﷺ کے پاس وہ گھی بھیجا کرتی تھیں تو ان سے آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو نچوڑنا نہیں۔ پھر واپس کر دیا۔ پس کیا دیکھتی ہیں کہ گھی ویسا کے ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔ تو ان کے پاس ان کے بچے آتے اور سالن مانگتے اگر ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو اس کپی کے پاس آتیں اور اس سے گھی نکال کر دے دیتیں وہ گھی اس میں مدت تک رہا حتیٰ کہ ایک دن نچوڑ لیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ / دلائل النبوۃ جلد ۶ صفحہ ۱۱۳)

آپ ﷺ شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا کرتے وہ ان کو رات تک کفایت کرتا رہتا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۲۶)

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۱۹، فتح الربانی جلد ۲۲ صفحہ ۶۷

اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دست مبارک سے جو چیز چھو جاتی اس میں برکت ہوتی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مالک نے جب ان کو مکاتب بنایا تو یہ شرط لکھائی تھی کہ یہ تین سو چھوٹی کھجوروں کے درخت لگائیں اور اس باغ کی قیمت مالک کے لئے ہے۔ اس کے پھل لگیں اور کھائی جائیں۔ اس کے علاوہ چالیس اوقیہ سونا اپنی قیمت میں ادا کریں (تب وہ آزاد ہوں گے ایک اوقیہ کا وزن چالیس درہم ہوتا ہے) تب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے دست مبارک سے ان کے لئے باغ لگایا۔ سوائے ایک درخت کے کہ اس کو دوسرے نے لگایا تھا تو سب نے پھل دیئے سوائے اس درخت کے تو آپ ﷺ نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا اور اس سے پھل حاصل کئے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ایک کے سوا سب نے کھجوریں کھلائیں تو آپ ﷺ نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا تو وہ بھی اسی سال پھل لے آیا اور ایک مرغی کے انڈے کے برابر آپ ﷺ نے اپنا لب لگا کر سونا ان کو دیا۔ ان کے مالکوں نے اس میں سے چالیس اوقیہ تول کر لے لیا اور ان کے پاس جتنا دیا تھا اتنا ہی باقی رہا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۹۷، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۳۲-۳۳۶)

حنش بن عقیل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھونٹ ستو پلی کر آخر میں مجھے پلایا تو اب مجھے بھوک لگتی ہے تو اس کی سیری پاتا ہوں اور جب پیاس لگتی ہے تو اس کی سیرابی اور ٹھنڈک پاتا ہوں۔ (رواہ قاسم فی الدلائل بطریق موسیٰ بن عقبہ عن المسور بن مخرمۃ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۴۱)

ایک تاریک اندھیری رات میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ایک شاخ دی اور فرمایا: لے جاؤ یہ تمہیں تمہارے دس گز آگے اور دس گز پیچھے تک روشنی دے گی اور جب تم گھر میں داخل ہو گے تو اس کو سیاہ دیکھو گے تو اس کو مارنا یہاں تک کہ وہ سیاہی نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ پس چلے تو اس ٹہنی نے روشنی دی۔ حتیٰ کہ جب گھر میں داخل ہوئے تو اس میں سیاہی پائی تو انہوں نے اس کو مارا یہاں تک کہ وہ سیاہی دور ہو گئی۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۵)

انہیں واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے عکاشہ رضی اللہ عنہ کو ایک لکڑی کی جڑ دی جبکہ ان کی تلوار بدر کے دن ٹوٹ گئی تھی۔ فرمایا: اس سے مارو تو وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جو کافی تھی اور لمبی، سفید اور نہایت تیز تھی۔ اس سے لڑتے رہے پھر وہ ہمیشہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ اس سے بکثرت جہاد کئے۔ حتیٰ کہ مرتدین کی لڑائی میں (خلافت صدیقی) میں وہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام انہوں نے عون رکھا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۹۸)

اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو احد کے دن جب ان کی تلوار جاتی رہی تو آپ ﷺ نے کھجور کی ٹہنی

دی۔ تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۰)

انہیں برکات میں سے یہ بھی ہے کہ ان بکریوں کا دودھ زیادہ ہو گیا جو بے دودھ تھیں یا حاملہ نہ تھیں۔ جیسے ام معبد[1] اور معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہ[2] کے بکریوں کا قصہ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بکری اور آپ ﷺ کی مرضعہ دائی حلیمہ[3] کی بکریوں کے ریوڑ اور ان کی دبلی اونٹنی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما[4] کی وہ بکری جس کو نر نے نہ چھوا تھا اور مقداد رضی اللہ عنہ[5] کی بکری کے قصے ہیں اور انہیں برکات میں سے آپ ﷺ کا پانی کی مشک میں صحابہ کے لئے پانی زیادہ کرنا ہے[6] جبکہ آپ ﷺ نے اس کے دہانہ کو باندھ دیا تھا اور اس میں دعا کی تھی۔ پس جب نماز کا وقت ہوا تو وہ اترے اور مشکیزہ کا دہانہ کھولا تو اس میں عمدہ دودھ مکھن والا تھا۔

حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی تو جب انہوں نے اسی سال کے ہو کر انتقال کیا تو وہ جوان معلوم ہوتے تھے۔

اس قسم کے واقعات بہت سے لوگوں سے مروی ہیں۔ ان میں سے صائب بن یزید[7] اور مدلوک رضی اللہ عنہ[8] کے واقعات ہیں اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ[9] کی خوشبو عورتوں کی خوشبوؤں پر غالب تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک ان کے پیٹ اور پیٹھ پر پھیرا تھا اور آپ نے عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ[10] کے چہرہ سے خون کو اپنے دست مبارک سے صاف کیا جبکہ وہ حنین کے دن زخمی ہو گئے تھے اور ان کے لئے دعا فرمائی تو ان کا چہرہ اسی طرح دمکنے لگا تھا جیسے گھوڑے کی سفید پیشانی چمکتی ہے۔

آپ نے قیس بن زید[11] جذامی (کوڑھی) کے سر پر دست مبارک پھیر کر دعا فرمائی۔ تو وہ سو سال کے ہو کر فوت ہوئے۔ ان کا سر سفید تھا مگر جہاں آپ کا دست مبارک پھرا تھا اس جگہ کے بال سیاہ تھے۔ ان کا نام ہی اغر یعنی روشن پیشانی والا پڑ گیا۔

اسی طرح عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ[12] کی حکایت بھی مروی ہے۔ ایک اور شخص[13] کے چہرے کو آپ نے چھوا تو اس کے چہرہ پر ہمیشہ نور رہا اور آپ نے قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ[14] کے چہرے کو مس فرمایا تو ان کا

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ (۲)۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ (۳)۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۵۴

۴۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۴۶۲' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۸۴ (۵)۔ صحیح مسلم کتاب الاطعمہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۵

۶۔ ابن سعد کمافی مناہل الشفاء صفحہ ۱۳۲ (۷) دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۰۸ (۸) دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۵

۹۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۶ (۱۰)۔ طبرانی کبیر جلد ۱۸ صفحہ ۲۰' مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۱۲ (۱۱)۔ الاصابہ لابن ابی حجر جلد ۳ صفحہ ۲۲۷ (۱۲)۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ (۱۳)۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ (۱۴)۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۷' الفتح الربانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۳۶

چہرہ چمکنے لگا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے چہرے میں ایسے دیکھتے تھے جیسے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

آپ نے حنظلہ بن خذیم ﷛ [1] کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر ان کے لئے دعائے برکت فرمائی تو ان کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس وہ آدمی لایا جاتا جس کے چہرے پر ورم ہوتا یا وہ بکری لائی جاتی جس کے تھن میں ورم ہوتا تو وہ اس جگہ مس کرتے جہاں آپ نے اپنی ہتھیلی رکھی تھی تو وہ ورم چلا جاتا۔

زینب بنت ام سلمہ ﷛ [2] کے چہرہ پر آپ نے پانی کے چھینٹے مارے تو وہ حسن و جمال میں ایسی مشہور ہو گئیں کہ کسی عورت میں ایسا نہ تھا۔ ایک بچے [3] کے سر پر جو گنجا وغیرہ تھا آپ نے اپنا دست مبارک پھیرا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ اور اس کے بال برابر نکل آئے۔

ان کے علاوہ بہت سے بچوں مریضوں اور پاگلوں کو آپ نے تندرست فرمایا۔ آپ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کے فوطے بڑھے ہوئے تو اس کو فرمایا کہ اس کو اس پانی سے چھینٹے دو جس میں آپ نے کلی کردی ہے۔ اس نے ایسا کیا اور اچھا ہو گیا۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو دیوانہ پاگل بھی آپ کی خدمت میں لایا جاتا آپ اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرتے تو اس کا جنون جاتا رہتا۔

ایک کنوئیں [4] سے پانی نکال کر اس ڈول میں آپ نے کلی کی۔ پھر وہ پانی اس میں ڈال دیا گیا۔ تو اس سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ غزوہ حنین [5] کے دن آپ نے ایک مٹھی لے کر شَاهَتِ الْوُجُوہ ٥ پڑھ کر کفار کے چہروں پر پھینکی تو وہ الٹے پاؤں آنکھوں سے مٹی صاف کرتے بھاگے۔

حضرت ابو ہریرہ ﷛ [6] نے آپ سے نسیان (بھول) کی شکایت کی تو آپ نے دامن پھیلانے کا حکم دیا۔ آپ نے چلو کی طرح بھر بھر کر اس میں ڈالا پھر اس کو سینے سے ملانے کا حکم دیا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد پھر کبھی بھول کی شکایت نہ ہوئی۔

اس نسیان کے دور کرنے کے بارے میں آپ ﷺ سے بکثرت روایتیں مروی ہیں اور جریر بن عبداللہ ﷛ [7] کے سینے پر آپ ﷺ نے ہاتھ مار کر ان کے لئے دعا فرمائی۔ انہوں نے آپ ﷺ

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۱۴
۲۔ الاستیعاب جلد ۴ صفحہ ۳۲۰
۳۔ الخصائص الکبریٰ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۷۔ ۷۰
۴۔ الفتح الربانی جلد ۴ صفحہ ۸۸
۵۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۲
۶۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۹۳۱۔ ۱۹۳۹ صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۳۹
۷۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۹۲۵ صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۳۳

سے شکایت کی تھی کہ وہ گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ عرب کے شہسواروں اور گھوڑے پر جم کر بیٹھنے والوں میں ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب ﷺ کے سر پر آپ ﷺ نے ہاتھ پھیرا کیونکہ وہ بچپن میں چیچک زدہ تھے اور آپ ﷺ نے ان کے لئے دعائے برکت فرمائی تو وہ لوگوں میں لمبا اور خوبرو ہو گیا۔

تئیسویں فصل

آپ ﷺ کو غیب پر اطلاع ہونا

انہیں معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو غیوب پر مطلع فرمایا اور آئندہ ہونے والے واقعات سے باخبر کیا۔ اس باب میں احادیث کا وہ بحرِ ذخار ہے کہ کوئی اس کی گہرائی کو جان ہی نہیں سکتا اور نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ایسا معجزہ ہے جس کی قطعیت معلوم ہے اور ہم تک اس کی خبریں متواتر طریقہ سے کثرت سے پہنچی ہیں کیونکہ اس کے راوی اس کثرت سے نہیں کہ وہ اپنے معنی میں غیب پر مطلع ہونے پر متفق ہیں۔

حدیث: حضرت حذیفہ ﷺ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو آپ ﷺ نے کوئی چیز نہ چھوڑی جو قیامت تک اپنی جگہ ہونے والی ہو کہ اس کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ یہ میرے ساتھی ان کو جانتے ہیں بیشک اس میں سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو میں اس کو پہچان لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔ جیسا کہ آدمی اس شخص کے چہرے کو جان لیتا ہے جو اس سے غائب ہو جائے۔ پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو وہ پہچان لیتا ہے۔ اس کے بعد حذیفہ ﷺ نے فرمایا:

میں نہیں جانتا یہ میرے ساتھی اسے بھول گئے ہیں یا وہ بھلا دیئے گئے ہیں۔ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنہ پیدا کرنے والے قائد (لیڈر و رہنما) ہوں گے کسی کو نہ چھوڑا۔ ان کی تعداد تین سو سے زائد تک پہنچتی ہے بیشک آپ ﷺ نے ان کے نام اور ان کے باپ اور ان کے قبیلہ کے نام تک بیان فرما دیئے ہیں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲۳، ۲۲۱ صحیح بخاری کتاب القدر جلد ۸ صفحہ ۱۰۵ صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۱۷ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۱۳)

اور حضرت ابوذر ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسا پرندہ تک نہ چھوڑا جو آسمان میں اپنے پر مارتا مگر آپ نے اس کو ہم سے بیان فرمایا۔ (ابی نعیم کمافی الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸)

اہل صحاح اور آئمہ رحمہم اللہ نے بلاشک وہ باتیں بیان کی ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بتلائی ہیں اور ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کا اور فتح مکہ[1] و بیت المقدس[2]، یمن وشام[3] اور عراق کا وعدہ کیا اور امن وامان کے ظہور کی خبر دی تھی حتی کہ ایک عورت[4] بلا خوف و خطر حیرہ سے مکہ مکرمہ تک چلی جائے گی۔ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور یہ کہ مدینہ[5] پر عنقریب لڑائی ہوگی اور کل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح خیبر[6] ہوگا اور اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت پر دنیا فتح فرمائے گا۔ اس کی نعمتیں ان کو ملیں گی[7] اور کسریٰ وقیصر کے خزانے ان پر تقسیم ہوں گے[8] اور آپ نے ان باتوں کی خبر دی جو ان میں فتنے اور اختلاف اور اہل ہوا پیدا ہوں[9] گے اور یہ کہ وہ پہلوں کے راستوں[10] پر چل کر ان کے تہتر ٹکڑے ہو جائیں گے[11] اور ان میں ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔

اور یہ بھی بتایا کہ ان کے فرش نفیس ہوں گے[12] اور صبح وشام لباس بدلیں گے۔ ان کے آگے ایک کھانے کا برتن اٹھایا جائے گا اور دوسرا رکھا جائے گا۔ وہ اپنے گھروں میں پردے ڈالیں گے جیسے کعبہ معظمہ پر پردے پڑتے ہیں۔[13] پھر آپ نے آخر کلام میں فرمایا:

حالانکہ آج کے دن تم آنے والوں دنوں سے بہت بہتر ہو جبکہ وہ لوگ اکڑ کر چلیں گے اور ان کی خدمت میں فارس وروم کی لڑکیاں ہوں گی[14] اس وقت اللہ تعالیٰ ان میں باہمی عداوت ڈال دے گا

۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۲۱۔۱۲۰ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۵

۲۔ صحیح بخاری کتاب الجزیہ باب ۱۵ مسند احمد رجلد ۲ صفحہ ۸۰ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۱

۳۔ صحیح مسلم کتاب الحج، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۰

۴۔ صحیح مسلم کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵۷ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۳

۵۔ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۹

۶۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۱۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۴۴۱

۷۔ صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۵ صفحہ ۲۰۹۸، کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۲۹، ابن ماجہ ترمذی کتاب الفتن الی آخرہ

۸۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۳، صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۵۳، کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳۷

۹۔ صحیح بخاری کتاب الفتن باب صلوٰۃ کفارہ، صحیح مسلم کتاب الفتن، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۸۷

۱۰۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۳، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۷

۱۱۔ سنن ترمذی کتاب الایمان جلد ۴ صفحہ ۱۳۴، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۱

۱۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰

۱۳۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۲۴، الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۱

۱۴۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۲۴، صحیح ترمذی کتاب الفتن

اوران کے برے لوگوں کوان کے اچھوں پر مسلط کردے گا اور یہ کہ وہ ترک خُزر اور روم سے جنگ کریں گے۔ اکسریٰ و فارس کا مالک تباہ ہوگا۔ پھر کبھی کسریٰ اور فارس نہ ہوں گے اور نہ قیصر اس کے بعد ہوگا[۱] اور بیان فرمایا۔

. کہ ایک روم کی جماعت آخر تک آئے گی اور اشراف کے مرجانے کی خبر دی۔[۲] فرمایا: اشراف مرجائیں گے زمانہ چھوٹا ہو جائے گا[۳] علم قبض کرلیا جائے گا اور فتنہ اور جنگ وجدال کا ظہور ہو گا اور فرمایا: عرب کے لئے افسوس ہے کہ برائیاں قریب ہوگئی ہیں اور بیان فرمایا کہ آپ ﷺ کے لئے تمام زمین سمیٹ دی گئی۔ تو آپ ﷺ نے اس کے مشارق و مغارب کو ملاحظہ فرمایا اور عنقریب آپ کی امت ان کی مالک ہوگی جتنی آپ ﷺ کے لئے زمین سمیٹی گئی اور مشرق میں زمین ہند سے لے کر دور مغرب میں طنجہ تک اس کے بعد آبادی نہیں آپ ﷺ کی امت کی ملوکیت دراز کردی گئی اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کی کوئی امت پہلے مالک نہیں ہوئی اور جنوب وشمال میں اس قدر ملک نہیں بڑھا[۵] اور آپ ﷺ نے فرمایا:

ہمیشہ غرب کے لوگ حق پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔[۶] ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ عرب کے لوگ ہیں کیونکہ وہی لوگ غرب یعنی ڈول سے داخل کریں گے۔ پس جنہوں نے ان سے دشمنی کی وہ خوارج اور ناصبی ہیں اور وہ روافض ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں کہ انہوں نے تکفیر کی اور فرمایا: حضرت عثمان (ذوالنورین) ؓ اس حال میں شہید کئے جائیں گے کہ وہ تلاوت قرآن میں مشغول ہوں گے[۷] اور اللہ ﷻ بہت جلد ان کو ایسی قمیص پہنائے گا کہ وہ فسادی اس کے اتارنے کی کوشش کریں گے[۸] اور یہ کہ حضرت عثمان ؓ کا خون اللہ

۱۔ صحیح ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۲۷، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۳۶، ابوداؤد کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۴۸۶، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳۳

۲۔ صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۲۲، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۲، ۳۶۷، ۵۰۱، صحیح ترمذی کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۳۳۷

۳۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۳۳، کتاب الرقاق جلد ۹ صفحہ ۷۸

۴۔ صحیح بخاری کتاب ظہور الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۱۔۳۰، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۷ (الی آخرہ)

۵۔ صحیح بخاری کتاب ظہور الفتن جلد ۰ صفحہ ۳۱۔۳۰، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۷ (الی آخرہ)

۶۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵۲۵

۷۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۳

۸۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۲

ﷺ کے فرمان فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر ٹپکے گا[1] اور آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک حضرت عمرؓ حیات ہیں فتنے ظاہر نہ ہوں گے[2] اور آپ نے حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی لڑائی کی خبر دی[3] اور یہ کہ آپ ﷺ کی ایک بیوی پر حواب (ایک جگہ کا نام) کے کتے بھونکیں گے[4] اور ان کے قریب بہت سے لوگ قتل ہوں گے۔[5] اس کے بعد وہ نجات کے قریب ہوں گی تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بصرے کی طرف نکلتے وقت کتے بھونکے۔

اور فرمایا کہ حضرت عمارؓ کو باغی لوگ شہید کریں گے۔[6] تو ان کو حضرت معاویہؓ کے لوگوں نے شہید کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو فرمایا: تم کو لوگوں سے افسوس ہے[7] اور لوگوں کو تم سے افسوس ہے اور قزمان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑا۔[8] مگر (زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے خودکشی کر لی تھی) اور آپ ﷺ نے ایک جماعت سے فرمایا: جس میں حضرت ابوہریرہ، سمرہ بن جندب اور حذیفہؓ تھے کہ تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا آگ میں مرے گا۔[9] تو وہ اصحاب آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ پس وہ سمرہؓ تھے جو سب کے آخر میں فوت ہوئے جو بہت بوڑھے ہو کر عقل خراب ہو گئی اور وہ آگ تاپنے لگے تھے۔ تو اس نے ان کو جلا دیا۔

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہؓ کے بارے میں فرمایا: ان کی بیوی سے پوچھو کیونکہ میں نے ان کو فرشتوں کو غسل کراتے دیکھا تو جب ان سے دریافت کیا تو کہا کہ وہ جنبی نکلے تھے اور وہ جہاد کی جلدی میں غسل نہ کر سکے تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے دیکھا[10] اور آپ ﷺ نے قریش میں خلافت کے بارے میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش

۱۔ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۰۳
۲۔ صحیح بخاری کتاب الفتن، صحیح مسلم کتاب الفتن، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۸۶
۳۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۱۲
۴۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۵۲، ۹۷
۵۔ کشف الیز ار جلد ۴ صفحہ ۹۴
۶۔ صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳۶، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۲۰
۷۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۷۰، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۲، تاریخ دمشق جلد ۷ صفحہ ۳۰۱
۸۔ صحیح بخاری کتاب القدر جلد ۸ صفحہ ۱۰۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۰۶
۹۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۵۹۔۴۵۸
۱۰۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۴۵۸

میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے[1] اور فرمایا: قبیلہ ثقیف میں کذاب اور ظالم ہوں گے۔[2] چنانچہ لوگوں نے حجاج اور مختار کو دیکھا اور فرمایا کہ مسیلمہ کو اللہ ﷻ قتل کرا دے گا۔[3] اور فرمایا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے (حضرت خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا وصال کر کے ملیں گی[4] اور مرتدین کے فتنہ سے ڈرایا[5] اور فرمایا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت (بلافصل) رہے گی۔ پھر بادشاہت ہو جائے گی۔[6] چنانچہ یہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تک پوری ہوئی اور فرمایا:

بیشک یہ بات نبوت و رحمت سے شروع ہوئی پھر رحمت و خلافت ہوگی۔ پھر زبردست بادشاہت بنے گی پھر امت میں سرکش و جابر اور فسادی پیدا ہوں گے[7] اور آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال بیان فرمایا[8] اور ان حاکموں کی خبر دی جو نمازوں کو اپنے وقتوں سے مؤخر کر دیتے ہیں[9] اور فرمایا: عنقریب امت میں تیس کذاب (جھوٹے) ظاہر ہوں گے اور ان میں چار عورتیں ہوں گی[10] اور دوسری حدیث میں ہے کہ تیس ایسے مرد کذاب (جھوٹے) ہوں گے اور ان میں سے دجال کذاب ہوگا کہ ہر ایک ان میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولے گا[11] اور فرمایا:

قریب ہے کہ تم میں سے بکثرت ایسے عجمی لوگ ہوں گے جو مال غنیمت کھائیں گے اور تمہاری گردنیں کاٹیں گے[12] اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایک ایک مرد قحطانی لاٹھی سے لوگوں کو نہ ہانکے[13] اور فرمایا: تمہارے لئے سب سے بہتر زمانہ میرا عہد حاضر ہے۔ پھر جو اس سے

۱۔ مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۱۸۵، الترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۴۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۸۱۔۱۹۸۲

۳۔ صحیح مسلم کتاب الرویا جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۰، صحیح بخاری باب علامات نبوت جلد ۴ صفحہ ۱۹۲

۴۔ صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۴۰۔۷۷

۵۔ صحیح کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۶۰

۶۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۳۶، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۴۴، سنن ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۴۱

۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۴۰

۸۔ صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۹۲۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۷۵

۹۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۷۹

۱۰۔ مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۱۰۴

۱۱۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۳۹، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۴۰

۱۲۔ کشف الاستار جلد ۴ صفحہ ۱۲۸

۱۳۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۳۹، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳۲

متصل ہے۔ اس کے بعد پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دے گی حالانکہ ان سے گواہی نہ مانگی جائے گی۔ وہ خائن ہوں گے امانت دار نہیں ہوں گے۔ وعدے کریں گے مگر پورا نہ کریں گے۔ وہ موٹے ہوں گے[1] اور فرمایا: کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس کے بعد شر نہ ہو[2] اور فرمایا:

میری امت کی ہلاکت قریش کے بچوں کے ہاتھوں پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تم کو ان کے نام بھی بتا دوں کہ وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بچے ہیں[3] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ قدریہ[4] اور فرقہ رافضیہ[5] کے نکلنے کی خبر دی اور ان میں سے پچھلا پہلوں کو گالی دے گا اور فرمایا: انصار تھوڑے رہ جائیں گے۔ حتیٰ کہ آٹے میں نمک کی مانند[6] ان کا معاملہ ہمیشہ تفرقہ میں رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ باقی نہ رہیں گے اور یہ لوگ بہت جلد اس کے بعد اثر پائیں گے۔[7]

اور آپ نے خوارج کا حال بیان فرمایا اور ان کی صفت میں فرمایا کہ ان میں ایک ناقص الخلقت ہوگا اور ان کے سر منڈے ہوں گے اور فرمایا: بکریوں کے چرانے والے لوگوں کے حاکم ہوں گے اور ننگے بدن والے اونچے محل بنائیں گے اور باندی اپنی مالکہ کو جنے گی۔[8]

اور فرمایا: قریش اور ان کے گروہ کبھی مجھ سے نہ لڑیں گے مگر یہ کہ میں ہی ان سے لڑوں گا[9] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وبا کی خبر دی جو بیت المقدس کی فتح کے بعد پھیلی تھی[10] اور یہ کہ بصرے والوں کو حوادث کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ سمندروں میں جنگ کریں گے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں[11] اور فرمایا: اگر یہ دین ثریا پر چلا جائے تو ہمارے لئے دین کو آبنائے فارس کے کچھ لوگ اتار لائیں گے۔[12]

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۶۴، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۵۲
۲۔ صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۶۱
۳۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب الفتن جلد ۴ صفحہ ۲۲۳۶، دلائل النبوۃ للبیہقی
۴۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۶۱، مستدرک جلد ۱ صفحہ ۸۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۴۸
۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۴۸، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۳
۶۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۳۸
۷۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۳۸
۸۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۶۔۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۳۸
۹۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۹۲
۱۰۔ صحیح بخاری کتاب الجزیہ جلد ۴ صفحہ ۸۰، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۱
۱۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ صفحہ ۱۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۵۱۹
۱۲۔ صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۷۲، صحیح بخاری فی تفسیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۶

(چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ؓ کے لئے یہ بشارت بتائی جاتی ہے۔ مترجم) اور جب آپ ﷺ ایک جہاد میں مصروف تھے تو تیز ہوا چلی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک منافق کے مرنے کے لئے چلی ہے۔[1] پس جب آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ایسا ہی پایا گیا اور اس کی ساتھی قوم سے فرمایا:

ایک شخص تم میں سے ایسا ہے جس کی داڑھ احد پہاڑ سے بڑی ہے اور وہ جہنم میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ قوم تو مرگئی مگر میں اور ایک اور شخص (اس حال کا واقف) باقی ہے۔ پھر وہ شخص بھی یمامہ کے دن مرتد ہو کر مر گیا[2] اور آپ ﷺ نے اس شخص کو خبر دی جس نے ایک یہودی کی کمان کا چلہ چرایا تھا اور وہ اس کے سامان میں ملا تھا[3] اور آپ ﷺ اس کی خبر دی جس نے دنبہ چرایا تھا اور وہ اس کے پاس تھا[4] اور آپ ﷺ نے اس اونٹنی کی خبر دی جو گم ہو گئی تھی اور کس طرح ایک مہار درخت میں اٹک گئی تھی[5] اور آپ ﷺ نے حاطب کے خط کی خبر دی۔ جب اس نے مکہ والوں کو لکھا تھا اور آپ ﷺ[6] نے عمیر کے اسی واقعہ کی خبر دی جو صفوان سے خفیہ شرط ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ کو وہ شہید کردے۔ پس جب عمیر قتل کے ارادے سے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس کو اس کے ارادہ اور خفیہ شرط کی خبر دی اور وہ مسلمان ہو گیا[7] اور آپ ﷺ نے اس مال کی خبر دی جو حضرت عباس نے اپنی بیوی ام فضل کو چھپا کر سپرد کیا تھا۔ تو انہوں نے کہا اس مال کو اس کے اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ پھر وہ اسلام لے آئے اور آپ ﷺ نے خبر دی کہ عنقریب ابی ابن خلف مارا جائے گا[8] اور عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں فرمایا: اس کو اللہ ﷻ کا ایک کتا کھا جائے گا اور آپ ﷺ نے اہل بدر کو (کفار کے صناد کے) مارے جانے کے نشانات بتائے اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا[9] اور حضرت امام حسن ؓ کے بارے میں فرمایا:

۱۔ صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۲ صفحہ ۲۱۴۶

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۳۹۱

۳۔ سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۵۵، سنن ابن ماجہ باب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۹۵۰

۴۔ صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۰۸

۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۵۹۔۶۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۵۱۶

۶۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۴۰، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۴۱

۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۴۸

۸۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۵۔۲۶

۹۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۴

یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اللہ ﷻ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہ میں صلح کرائے گا۔[1] آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: غالباً یہ تمہاری عمر زیادہ ہو اور مسلمان تو تم سے فائدہ اٹھائیں اور کفار تم سے نقصان۔[2] آپ ﷺ نے اہل موتہ کے مارے جانے کی اس وقت خبر دی جبکہ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک مہینہ یا اس سے زائد کا فاصلہ تھا[3] اور آپ ﷺ نے نجاشی (بادشاہ حبش) کے مرنے کی خبر دی جبکہ وہ اپنے ملک میں فوت ہوئے[4] اور آپ ﷺ نے فیروز کو خبر دی جبکہ وہ کسریٰ کا ایلچی بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا کہ آج کسریٰ مر گیا۔ جب فیروز کو یہ بات تحقیق ہو گئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔[5]

اور آپ ﷺ[6] نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکالے جانے کی خبر دی جہاں بھی وہ ہوں اور ان کو مسجد میں سوتا ہوا پایا تو فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم یہاں سے نکالے جاؤ گے۔ عرض کیا: میں مسجد حرام میں ٹھہر جاؤں گا۔ فرمایا اور جب تم وہاں سے بھی نکالے جاؤ گے اور آخر حدیث میں آپ ﷺ نے ان کی تنہائی کی زندگی اور تنہائی کی موت کی خبر دی[7] اور آپ ﷺ[8] نے اپنی بیویوں میں سے ان کو جلدی ملنے کی خبر دی جس کے ہاتھ لمبے تھے۔ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صدقات زیادہ دینے کی وجہ سے طویل ہاتھ سے تعبیر کیا اور آپ ﷺ[9] نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو طرف (کربلا) میں شہید ہونے کی خبر دی اور مقتل کی مٹی اپنے ہاتھ سے نکالی اور فرمایا: یہ اس جگہ ان کا ٹھکانہ ہوگا اور زید بن صوحان رضی اللہ عنہ[10] کے بارے میں فرمایا کہ ان کا ایک عضو جنت میں ان سے پہلے جائے گا چنانچہ جہاد میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا اور آپ ﷺ نے ان حضرات کے بارے میں فرمایا: جب وہ آپ ﷺ کے ساتھ کوہ حراء پر تھے ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہے پھر حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم

۱۔ صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ جلد ۵ صفحہ ۳۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب الوصیہ جلد ۴ صفحہ ۲، صحیح مسلم کتاب الوصیہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۱۱۸

۴۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۴۱۰، صحیح بخاری کتاب الجنائز

۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۹۰

۶۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۴۵۷

۷۔ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۵۵، سنن ابن ماجہ فی ذکر الاخبار وصف موت ابی ذر جلد ۲ صفحہ ۲۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۰۲

۸۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۷

۹۔ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۶۵-۲۴۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۶۸

۱۰۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۱۶

شہید ہوئے اور حضرت سعد ﷺ زخمی ہوئے اور حضرت سراقہ ﷺ سے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔[1] چنانچہ جب وہ لائے گئے تو حضرت عمر ﷺ نے ان کو پہنائے اور کہا: اس اللہ ﷻ کی تمام حمد ہے جس نے ان کو کسریٰ سے چھینا اور سراقہ ﷺ کو پہنایا اور فرمایا کہ ایک شہر دجلہ اور دجیل' قطربل اور صراط کے درمیان بنایا جائے گا۔ اسکی طرف اس قدر زمین کے خزانے آئیں گے کہ وہ بوجھ سے دھنس جائے گی یعنی بغداد[2] اور فرمایا:

عنقریب اس امت میں ایک مرد ہوگا جس کو ولید کہا جائے گا۔ وہ اس امت کے لئے فرعون جیسا اپنی قوم کے لئے تھا اس سے بدتر[3] ہوگا اور فرمایا: قیامت اس وقت نہ آئے گی جب تک دو ایسی جماعتیں جن کا ایک ہی دعویٰ ہوگا آپس میں نہ لڑیں[4] اور آپ ﷺ نے حضرت عمر ﷺ سے حضرت سہیل بن عمرو ﷺ کے بارے میں فرمایا: اے عمر ﷺ! یہ ایسے مقام پر بہت جلد کھڑا ہوگا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔[5] چنانچہ ایسا ہی ہوا تو وہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابوبکر ﷺ کی جگہ کھڑے ہوئے جبکہ نبی کریم ﷺ کے وصال کی خبر پہنچی اور انہوں نے ویسا ہی خطبہ دیا اور لوگوں کو ثابت قدم رکھا اور ان کی سمجھوں کو مضبوط کیا اور آپ ﷺ نے حضرت خالد ﷺ سے فرمایا:

جب ان کو اکیدر کی طرف بھیجا کہ تم اس کو جنگلی گائے (نیل گائے) کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے[6] تو یہ تمام باتیں کل کی کل آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہوئیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں تک کہ وہ باتیں بھی پوری ہوئیں جن کو آپ نے اپنے صحابہ کو ان کے اسرار اور ان کے پوشیدہ امور کی خبریں دی تھیں اور جو منافقین کے اسرار اور ان کی کفری باتیں اور جو آپ ﷺ کے اور مسلمانوں کے بارے میں تھیں ان کی خبر دی۔

یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ دیتے کہ خاموش رہو کیونکہ خدا کی قسم اگر کوئی آپ ﷺ کے پاس خبر دینے والا نہ ہوگا تو یہ بطحا کے پتھر بھی آپ ﷺ کو خبر دے دیں گے اور آپ ﷺ نے اس جادو کی حالت کی خبر دی جو لبید ابن اعصم نے کیا تھا۔[7] یعنی وہ ایک کنگھی اور بال تھے جو نر کھجور کی جڑ میں

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۲۵

۲۔ تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۲۸

۳۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۵۰۵

۴۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب الفتن، مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۱۳، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۴۱۸

۵۔ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۸۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۳۶۷

۶۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۵۳۔۲۵۰

۷۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۱۸، صحیح مسلم کتاب الطب جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۰

رکھے ہوئے تھے اور یہ کہ وہ ذروان کے کنوئیں میں ڈالے ہوئے تھے۔ پس ویسا ہی نکلا جیسا کہ فرمایا تھا اور اسی حالت میں پایا گیا اور آپ ﷺ نے قریش کو خبر دی کہ ان کا وہ صحیفہ جس کے ذریعہ بنی ہاشم پر غلبہ پاتے تھے اور اس کے ذریعہ قطع رحم کرتے تھے اس کو دیمک نے کھالیا ہے۔ اس میں صرف اتنی جگہ باقی ہے جہاں اللہ ﷻ کا نام ہے۔

تو انہوں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور آپ ﷺ نے کفار قریش کو بیت المقدس[1] کی اس وقت اس کی نشانیاں بتائیں جب کہ انہوں نے شب معراج کی خبر پر آپ ﷺ کو جھٹلایا تھا اور آپ ﷺ نے اس کی ایسی تعریف بیان فرمائی جیسے آپ ﷺ کے پیش نظر ہے اور آپ ﷺ نے ان کو ان اونٹوں کی خبر دی جو آپ ﷺ کی راہ گزر میں جا رہے تھے اور ان کے پہنچنے کے وقت کی خبر دی۔ پس یہ سب کے سب جیسے فرمایا ویسے ہی ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان حادثات کی خبر دی جو آپ ﷺ کے بعد ہوں گے اور ابھی تک نہیں ہوئے تھے۔

ان میں سے وہ مقدمات میں جو ظاہر ہوں گے۔ جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس[2] کی آبادی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی جنگ و جدال کا پیش خیمہ ہوگا اور لڑائی کا ظہور فتح قسطنطنیہ ہوگا اور انہیں میں سے قیامت کی علامتیں اور ان کی نشانیاں اور حشر و نشر کا بیان کرنا ہے اور نیکوں، بدوں، جنت و دوزخ اور میدان قیامت کی خبریں ہیں۔

اس اعتبار سے تو یہ فصل ایک ایک جز پر ایک مستقل دیوان بن جائے گا اور جو کچھ ہم نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ سب ان پوری احادیث کے ٹکڑے ہیں جن کو ہم نے کتابوں سے بیان کیا ہے اور ان میں سے اکثر ہمارے آئمہ رحمھم اللہ کے نزدیک صحیح ہیں۔

چوبیسویں فصل

عصمت نبی ﷺ

آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی حفاظت لوگوں کے شر سے اور اس کی کفایت جو آپ ﷺ کو اذیت دینے حاصل تھی۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

۱۔ طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحہ ۲۳۲، البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۸

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الملاحم جلد ۲ صفحہ ۲۸۲

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔
(پ ۶۔ المائدہ ۶۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا. اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کیجئے کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں (ترجمہ کنز الایمان)
(پ ۲۷۔ الطور ۴۸)

اور فرماتا ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط (پ ۲۴۔ الزمر ۳۶) کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن مشرکین پر تمہیں کافی ہیں اور بھی معنی بیان کئے گئے ہیں

اور فرمایا:

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ. ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔
(پ ۱۴۔ الحجر ۹۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

اِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے۔
(پ ۹۔ الانفال ۳۰) (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (پ ۶۔ المائدہ ۶۷)

تب نبی کریم ﷺ نے اپنے قبہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! اب چلے جاؤ بیشک میرے رب ﷻ نے میری حفاظت فرمائی۔ (ترمذی تفسیر القرآن تفسیر سورۃ المائدہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۵، ۳۱ در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی منزل میں قیام پذیر ہوتے تو آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے لئے کسی درخت کو پسند کرتے تا کہ آپ ﷺ اس کے نیچے قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرمائیں۔ تو ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ پر تلوار سونت لی۔ پھر کہنے لگا: اب کون آپ ﷺ کو مجھ سے بچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ۔ تو اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگا اور اس کی تلوار گر پڑی اور اس نے اپنے سر کو درخت سے مارا یہاں تک کہ اس کے دماغ سے خون بہنے لگا۔

اس وقت یہ آیت اتری۔

بیشک یہ قصہ صحیح روایت کیا گیا ہے اور غورث بن حارث صاحب قصہ ہیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔ جب وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو کہنے لگا: میں تمہارے پاس لوگوں میں سے سب سے بہتر کے پاس سے آیا ہوں۔ (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۱۹)

اور اس حکایت کی مثل بیان کیا گیا ہے کہ جو بدر کے دن اس کو پیش آیا۔ یعنی جب آپ قضائے حاجت کے لئے اپنے صحابہ سے علیحدہ ہوئے تب منافقوں میں سے ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے آیا اور اس قصہ کے مثل بیان کیا۔

اسی طرح مروی ہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ غزوۂ غطفان[1] میں ذی امر کے مقام پر ایک شخص کے ساتھ پیش آیا جس کو دعثور بن حارث کہا جاتا ہے اور یہ کہ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ جب وہ اپنی اس قوم کی طرف واپس گیا جس نے اس کو ورغلایا تھا کیونکہ یہ ان کا سردار اور بہادر تھا۔ تو وہ کہنے لگے کہ تیری وہ بات کیا ہوئی حالانکہ تو قابو پا چکا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک سفید طویل مرد کو دیکھا جس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پیٹھ کے بل گر پڑا اور تلوار گر پڑی۔ اس وقت میں نے جان لیا کہ وہ فرشتہ ہے۔ اب میں مسلمان ہوں۔ کہا گیا ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ (پ ۶۔ المائدہ ۱۱)

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر روک دیئے (ترجمہ کنزالایمان)

اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ غورث بن حارث محاربی نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کو قتل کر دے۔ آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ وہ تلوار سونت کر آپ ﷺ کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے خدا مجھے اس سے محفوظ رکھ جس طرح تو چاہے تو وہ درد کمر سے چہرے کے بل گر پڑا۔ یہ درد اس کے دونوں کندھوں میں ہوئی اور اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ (زلخ درد کمر کو کہتے ہیں) اور اس قصہ میں اس کے سوا اور بھی کہا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اس بارے میں یہ آیت اتری:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ (پ ۶۔ المائدہ ۱۱)

اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یاد کرو جب قوم نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ پھیلائے تھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۱۸

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے خوف رکھتے تھے۔[1] جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ سیدھے لیٹ گئے۔ پھر فرمایا: جو شخص چاہے میری مدد چھوڑ دے۔

عبد ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (پ۳۰۔ تبت ۴)(ابولہب کی بیوی) یعنی لکڑیاں اٹھانے والی' آپ ﷺ کے راستہ میں جلتی ہوئی لکڑیاں رکھا کرتی تھی تو آپ ﷺ اس کو ایسے پامال کرتے تھے جیسے ریت ہو۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بیان کیا کہ جب اس کو سورۂ

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ (پ۳۰۔ تبت ۱)

''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ'' (ترجمہ کنز الایمان)

کے نازل ہونے کی خبر پہنچی اور یہ کہ اللہ ﷻ نے اس کی برائی بھی بیان کی ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی دراں حالیکہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جب وہ دونوں کے پاس کھڑی ہوئی تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا آپ ﷺ کو نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ ﷻ نے اس کی نظروں سے اپنے نبی ﷺ کو چھپا لیا۔ اس نے کہا:

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے میری مذمت کی ہے۔ خدا کی قسم اگر میں ان کو اس وقت پالوں تو ان پتھروں سے (خاک بدہن) ان کا منہ کچل دوں۔

حکم ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں معاہدہ کیا یہاں تک کہ ہم نے مسجد میں آپ ﷺ کو دیکھا تو ہم نے پیچھے سے ایک (ہولناک) آواز سنی۔ اس وقت ہم نے گمان کیا کہ تہامہ میں کوئی (زندہ) باقی نہ رہا ہوگا۔ تو ہم غش کھا کر گر پڑے تو ہم اس وقت ہوش میں آئے جب آپ ﷺ نماز ختم کر کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ پھر ہم نے دوسری رات معاہدہ کیا اور ہم آئے یہاں تک کہ ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا اس وقت صفا مروہ آ کر ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل ہو گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۲۷ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۴۴۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اور جہم ابن حذیفہ نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا معاہدہ کیا تو ہم آپ کی قیام گاہ پر آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو تلاوت کرتے سنا کہ آپ سورۂ الحاقہ پڑھ رہے ہیں۔ جب آپ نے فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ (پ۲۹۔ الحاقہ ۸)

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۲۰

"تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو" (ترجمہ کنز الایمان)

کو پڑھا تو ابو جہم نے عمر ﷺ کے بازو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ نجات پاؤ۔ تو ہم دونوں وہیں سے بھاگے[1] تو یہ حضرت عمر ﷺ کے اسلام لانے کے مقدمات تھے اور ان میں وہ مشہور عبرت اور کفایت نامہ ہے کہ جبکہ آپ ﷺ کو قریش نے خوفزدہ کیا[2] اور آپ ﷺ کے قتل پر سب مجتمع ہو کر رات کے وقت آپ ﷺ کے گھر کو گھیر لیا۔ تب آپ ﷺ ان پر اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے اور بیشک اللہ ﷻ نے ان کی آنکھوں پر مار لگائی اور ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور آپ ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا اور اللہ ﷻ کی آپ ﷺ کے ساتھ حمایت غار میں ان کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔ بسبب ان نشانیوں کے جن کو اللہ ﷻ نے مہیا فرمایا۔ مثلاً مکڑی کا جالا بننا وغیرہ۔

یہاں تک کہ امیہ بن خلف سے جب انہوں نے کہا کہ ہم اس غار میں داخل ہوں تو اس نے کہا: کیا تم اس کے دہانہ پر دیکھتے نہیں کہ اس پر مکڑی کا جالا ہے جس کو حضور ﷺ کی ولادت سے پہلے دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ دو کبوتر غار کے دہانہ پر موجود ہیں۔ تو قریش نے کہا کہ اگر اس میں کوئی ہوتا تو یہ کبوتر اس جگہ کیسے ہوتے؟

اور ہجرت کے وقت آپ ﷺ کا وہ قصہ جو سراقہ ابن مالک ابن جعشم کے ساتھ پیش آیا[3] اور بیشک قریش نے آپ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر ﷺ کے بارے میں انعام مقرر کیا تھا اور اس کی سراقہ کو خبر دی گئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں چلا۔ حتیٰ کہ جب وہ آپ ﷺ کے بالکل قریب ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس پر بددعا کی تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ اس سے گر پڑا اور تیروں سے فال نکالنے لگا۔ تو وہ بات نکلی جو اسے ناپسند تھی۔ پھر وہ سوار ہوا اور قریب آیا یہاں تک کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے قرأت کو سنا۔ درآنحالیکہ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہ تھے مگر حضرت ابوبکر ﷺ دیکھ رہے تھے۔ تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم پر کوئی آ گیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا. غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(پ ۱۰ التوبہ ۴۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو دوبارہ وہ گھٹنوں تک دھنس گیا اور وہ اس سے گر پڑا۔ پھر اس نے گھوڑے کو ڈانٹا تو وہ گھوڑا

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۸ صفحہ ۲۶۳

۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۷۵ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۴۴ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۲۰۲، ۲۰۱

۳۔ صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۰۵ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۱۵۹۲

اس حال میں اٹھا کہ اس کے پاؤں سے مثل دھوئیں کے اٹھ رہا تھا تو اس وقت اس نے امان مانگی۔ تب آپ ﷺ نے اس کو امان لکھ دی۔ اسی امان نامہ کو فہیرہ ﷺ نے لکھا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر ﷺ نے لکھا۔ پھر اس نے قریش کی خبریں سنائیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ جو بھی راستہ میں تلاش کرنے والا ملے اسے نہ چھوڑنا کہ وہ آپ ﷺ سے ملے۔ پھر وہ لوٹ گیا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ بس تمہیں کافی ہے اب وہ یہاں نہیں ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم دونوں نے مجھ پر بددعا کی ہے۔ پس اب میرے لئے دعا کرو۔ تو وہ نجات پا گیا اور اسی وقت اس کے دل میں آپ ﷺ کا اثر جاگزیں ہو گیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک چرواہے نے آپ دونوں کی خبریں معلوم کیں تو وہ جلدی سے چلا کہ قریش کو خبر دے دے پس جب وہ مکہ آیا تو اس کے دل سے وہ بات بھلا دی گئی۔ پس وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرتا ہے اور وہ بھول میں پڑ گیا کہ کیوں نکلا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ واپس آ گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابوجہل[1] ایک پتھر لے کر آیا درآنحالیکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور قریش دیکھ رہے تھے کہ اب وہ پتھر آپ ﷺ پر ڈالتا ہے مگر وہ پتھر اس کے ہاتھ میں چمٹ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ گردن تک خشک ہو گئے۔ تب وہ الٹے پاؤں لوگوں کی طرف پیچھے بھاگا۔ پھر اس نے آپ ﷺ ہی سے سوال کیا کہ اس کے لئے دعا فرمائیں تو اس کے ہاتھ کھل گئے۔ حالانکہ اس نے قریش کے ساتھ اس کا وعدہ کیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ اگر آپ ﷺ کو دیکھنے لگا تو ضرور (خاک بدہن) آپ ﷺ کا سر کچل دے گا۔

پھر قریش نے اس سے آپ ﷺ کی بابت پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے تو مجھے ایک ایسا اونٹ ملا کہ اس جیسا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے کھا جائے۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے اگر قریب ہوتا تو وہ اس کو پکڑ لیتے۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ بنی مغیرہ کا ایک مرد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تا کہ وہ آپ ﷺ کو معاذ اللہ قتل کر دے تو اللہ ﷻ نے اس کی بینائی پر طمانچہ مارا تو اس نے آپ ﷺ کو نہ دیکھا حالانکہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سن رہا تھا۔ پس وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ تو اس نے ان کو نہ دیکھا حتی کہ اس کو پکارا اور مذکور ہے کہ ان دونوں قصوں پر یہ آیت اتری:

---

[1] ۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا صفحہ ۲۰۵

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا. بیشک ہم نے ان کے گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں۔ (پ۲۲ یٰسین ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

(دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا صفحہ ۲۰۰)

اور اسی میں سے وہ آپ ﷺ کا قصہ ہے جس کو ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ آپ جب اپنے اصحاب کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ ﷺ ایک اونچے مکان کے نیچے بیٹھے تو ان میں سے ایک کو عمرو بن حجاش ابھارتا تھا کہ آپ ﷺ پر چکی کا پاٹ ڈال دے پھر نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو یہ قصہ بتایا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس قصہ کی بابت یہ آیت اتری:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ. اے ایمان والو اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔ (آخر آیت تک) (پ۶ المائدہ ۱۱)

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے۔ بنی کلاب کے دو مردوں کے بارے میں جن کو عمرو بن امیہ نے قتل کیا تھا تو آپ ﷺ سے حی بن اخطب نے کہا: بیٹھئے اے ابوالقاسم یہاں تک کہ ہم آپ ﷺ کو کھانا کھلائیں اور جو آپ ﷺ چاہتے ہیں وہ دیں۔ تب نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھ گئے اور حی نے کفار کے ساتھ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ ایسے کھڑے ہوئے جیسے آپ ﷺ کو کوئی ضرورت لاحق ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۸۰ و دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۴۹۱)

اہل تفسیر نے اس حدیث کے معنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کئے ہیں کہ ابوجہل نے قریش سے وعدہ کیا کہ اگر حضور ﷺ کو نماز پڑھتا دیکھے تو وہ آپ ﷺ کی گردن پامال کر دے گا۔ جس وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کی تو قریش نے اس کو بتایا تو وہ آگے آیا۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایڑیوں کے بل الٹا چیختا ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچاتا بھاگا۔

جب اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ میں جب آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایک ایسی کھائی (خندق) کے کنارے پہنچا جو آگ سے بھری ہوئی تھی۔ قریب تھا کہ میں اس میں گر پڑوں۔ مجھے بہت ڈر معلوم ہوا اور پروں کا ملنا دیکھا جس سے زمین بھر گئی تھی۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے۔ اگر وہ قریب ہوتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ پھر آپ ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰى. (پ۳۰ العلق ۶) ہرگز نہیں بیشک انسان ہی سرکشی کرتا ہے۔

(آخرت سورت تک)

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۵۳ تحفۃ الاشراف جلد ۱۰ صفحہ ۹۲)

مروی ہے کہ شیبہ بن عثمان جمحی نے غزوہ حنین کے دن آپ ﷺ کو پایا کیونکہ حضرت حمزہ ؓ نے اس کے باپ اور چچا کو قتل کر دیا تھا تو میں نے کہا آج میں ان کا بدلہ آپ سے لوں گا۔ چنانچہ جب لوگ گتھم گتھا ہو گئے تو وہ آپ ﷺ کے پیچھے سے آیا اور اس نے تلوار کھینچ کر آپ ﷺ پر وار کرنا چاہا۔ راوی نے کہا کہ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میری طرف ایک آگ کی لپٹ بجلی سے زیادہ تیز لپکی تو میں الٹے قدم بھاگا۔

جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو مجھے بلایا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا درانحالیکہ آپ مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ دشمن تھے۔ ابھی آپ ﷺ نے دست مبارک سینہ سے اٹھایا نہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو اور جہاد کر۔ تو میں آپ ﷺ کے آگے ہو کر اپنی تلوار سے کفار کو مارتا تھا اور آپ ﷺ کو اپنی جان سے بچاتا تھا۔ مگر اس وقت میرا باپ بھی سامنے آ جاتا تو یقیناً میں اس پر آپ ﷺ کے بچانے کی خاطر حملہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۹۵)

فضالہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے فتح مکہ کے دن قصد کیا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دوں۔ درآنحالیکہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ پس جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو فرمایا: کیا فضالہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو اپنے دل میں کیسی باتیں کرتا ہے؟ میں نے کہا: کچھ نہیں۔ تو آپ ﷺ مسکرا دیئے اور میرے لئے استغفار کیا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا میرے دل میں سکون و قرار ہو گیا۔ خدا کی قسم ابھی آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا نہ تھا کہ مخلوق الٰہی میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ معلوم ہوئی۔

یہ بات تو مشہور ہے کہ عامر بن طفیل اور ارید بن قیس جب وفد بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عامر نے ارید سے کہا تھا کہ میں جب آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو اپنی باتوں میں مشغول کر لوں تو تو تلوار کی ضرب لگانا تو اس نے نہیں دیکھا کہ وہ کچھ کرے۔ بعد کو جب اس بارے میں اس سے بات کی تو ارید نے کہا کہ خدا کی قسم میں قصد کر رہا تھا کہ تلوار ماروں مگر میں نے تجھ کو اپنے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل پایا تو کیا میں تجھ کو مارتا۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)

اسی طرح اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی حفاظت بہت سے موقعوں پر یہود اور کاہنوں سے فرمائی کہ انہوں نے آپ ﷺ سے لوگوں کو ڈرایا اور قریش کی انہوں نے مدد کی اور انہیں بتایا کہ آپ ﷺ اپنی سطوت (حکومت) تم پر چاہتے ہیں اور آپ ﷺ کے قتل پر ان کو ابھارا۔ تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ یہاں تک کہ ان میں امر الٰہی پورا ہوا اور اسی قبیل سے آپ ﷺ کی نصرت اور ایک ایک مہینہ کی مسافت تک آپ ﷺ کے آگے اور پیچھے آپ ﷺ کا رعب ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

پچیسویں فصل

آپ ﷺ کے روشن معجزات

اور آپ ﷺ کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو علوم و معارف کا جامع کیا اور تمام دین و دنیا کے مصالح پر آپ ﷺ کو مطلع کر کے مخصوص فرمایا اور آپ ﷺ کو امور شرعیہ قوانین دینیہ سیاست دینیہ (حکومت کے آئین) کی معرفت عطا فرمائی اور آپ ﷺ سے پہلی گزری ہوئی امتوں کے حالات کی خبر دی اور انبیاء و رسل علیہم السلام اور بادشاہوں کے قصے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے زمانہ اقدس تک تمام گزرے ہوئے زمانوں کی اطلاع بخشی اور ان کی شریعتوں اور کتابوں سے باخبر کیا اور ان کی سیرتیں' ان کی خبریں' ان میں اللہ ﷻ کے دنوں' ان کے اشخاص کی صفات' ان کی مختلف رائیں' ان کی عمروں کی مدتیں' ان کے عقلمندوں کی حکمتیں' ہر ایک امت کے کفار سے جھگڑے' ہر فرقے کا ان کی ان کتابوں سے معارضے ہیں جو وہ کتابیں رکھتے تھے ان کے بھیدوں اور ان کے چھپے ہوئے علوم کی خبریں دینا اور ان خبروں کو بتانا جس کو وہ چھپاتے تھے' لغات عرب کے ان تغیرات کو بتانا جن کو وہ بدل چکے تھے اور مختلف فرقوں کے نادر الفاظ' ان کی فصاحت کے اقسام کا احاطہ ان کے دلیل و بند اور مثالوں' حکمتوں' شعار کے معانی وغیرہ کی حفاظت یہ سب اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر کھول دیئے۔

اور آپ ﷺ کو جوامع کلم' امثال صحیحہ کے منطبق کرنے کی معرفت' روشن حکمتیں تاکہ باریک باتیں سمجھ کے قریب ہوں۔ مشکل الفاظ کی وضاحت عطا فرمائی اور قواعد شرعیہ کی بایں طور درستگی فرمائی کہ جس میں تناقض و تخاذل نہ ہو اور آپ ﷺ کی شریعت پاکیزہ اخلاق' عمدہ تعریف و آداب کی حامل ہو اور ہر چیز اس خوبی کے ساتھ منفصل ہو کہ کسی منکر ملحد صاحب عقل سلیم کو کسی جہت سے تنگی نہ محسوس ہو بلکہ جو بھی اس کا منکر و کافر اور جاہل ہو جب اس کو سنے اور اس کی طرف بلایا جائے تو اس کو درست و مستحسن ہی مانے اور کسی دلیل و حجت کے قائم کرنے کی اس پر حاجت نہ رہے۔

پھر مسلمانوں کے لئے وہ چیزیں حلال کی گئیں جو طیب ہیں اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کیا گیا اور ان کی جانوں، عزتوں اور مالوں کو آخرت کے عذاب اور جلدی حدود کے نفاذ سے اور مدت تک عذاب نار سے ڈرا کر بچایا یہاں تک کہ وہ بہت سے علوم و فنون کو شامل ہے جن کو جاننے والا ہی جانتا ہے۔ جیسے فن طب، تعبیر، فرائض، حساب اور نسب وغیرہ اور ان کے بعض علماء نے تو حضور ﷺ کے کلام مبارک کو بطور سند و اصول کے اپنے علوم میں بیان کیا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

خواب سب سے پہلے دیکھنے والے کے لئے ہے[1] اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہے[2] (یعنی فوراً ہونے والی ہے) اور فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے ہیں[3]: ایک رویا حق ہے دوسرا رؤیا وہ کہ جو مرد کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ (خطرہ وغیرہ) اور تیسرا رؤیا غمگین ہے جو شیطان کے وسوسہ سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہوگا (قرب قیامت یا دن رات کی برابری) تو مسلمان کی خواب جھوٹی نہ ہوگی[4] اور یہ کہ آپ نے فرمایا: ہر بیماری کی جڑ بدہضمی (البردة) ہے۔

حضرت ابی ہریرہ ﷺ[5] نے آپ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس میں آنے والی ہیں اگرچہ اس حدیث کو ہم صحیح نہیں کہتے کیونکہ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ اس کو موضوع بیان کرنے میں کلام کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو وہ سعوط (نسوار) اور اللدود (جو دوائی پی جائے) اور پچھنے (حجامت) اور مسہل[6] ہے۔ حجامت کے لئے بہتر دن ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ (قمری) ہے[7] اور عود ہندی کے بارے فرمایا: اس سے سات بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ منجملہ ان میں ذات الجنب ہے[8] اور فرمایا: ابن آدم نے پیٹ سے بڑھ کر کوئی برا برتن نہیں بھرا یہاں تک فرمایا کہ اگر ضروری ہی بھرنا ہو تو تہائی کھانے کے لئے دو تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے۔[9]

اور فرمایا: بیشک سبا کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مرد ہے یا عورت یا زمین۔ فرمایا: وہ مرد

۱۔ سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۸

۲۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۲۸۱، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۶۶، ابن ماجہ کتاب الرؤیا جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۸

۳۔ صحیح مسلم کتاب الرؤیا جلد ۴ صفحہ ۱۷۷۲، سنن ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۸۵

۴۔ صحیح مسلم کتاب الرؤیا جلد ۴ صفحہ ۱۷۷۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۸۲، سنن ترمذی جلد ۳ صفحہ ۳۶۳

۵۔ مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۸۶، واللآلی المصنوعہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۸

۶۔ سنن ترمذی کتاب الطب جلد ۳ صفحہ ۲۶۲

۷۔ مستدرک کتاب الطب جلد ۴ صفحہ ۲۱۰

۸۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۰۸

۹۔ تفسیر ترمذی جلد ۵ صفحہ ۳۹

حق جس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں اور چار شام میں جا کر آباد ہوئے۔[1] یہ حدیث طویل ہے۔ اسی طرح قضاعہ کے نسب کے بارے میں جواب دیا۔[2] اس کے علاوہ وہ باتیں جن میں عرب پریشان تھے بتائیں باوجودیکہ وہ لوگ نسب میں مشغول رہا کرتے تھے مگر آپ ﷺ سے پوچھنے میں مجبور تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا حمیر عرب کا سردار تھا اور اچھا تھا۔ اور اس کا مذحج سر اور گردن ہے اور ازد اس کا کاہل یعنی پیٹھ اور کھوپڑی ہے۔ شکم دان اس کا غارب (کیثرط) اور چوٹی ہے[3] اور فرمایا زمانہ بیشک دور میں ہے۔ اپنی اس کے ساتھ جس دن سے اللہ ﷻ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا[4] اور حوض کوثر کے بارے میں فرمایا اس کے زادے (گوشے) برابر ہیں[5] اور ذکر کی حدیث میں فرمایا۔[6] ایک نیکی دس گنا ہو گی۔ پس وہ ایک سو پچاس تو (نماز میں) زبان پر ہیں اور ایک ہزار پانچ سو میزان میں ہیں۔ اور ایک جگہ کے بارے میں فرمایا: یہ حمام کی اچھی جگہ ہے[7] اور فرمایا: مشرق ومغرب کے مابین (مکہ میں) قبلہ ہے[8] اور عینیہ یا اقرع سے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ گھوڑے کو پہچانتا ہوں اور آپ ﷺ نے اپنے کاتب سے فرمایا: قلم کو اپنے کانوں پر رکھ کیونکہ یہ لکھنے والے کو خوب یاد دلاتا ہے۔[9] اس کو یاد رکھو کہ باوجود اس کے کہ آپ ﷺ لکھتے نہ تھے مگر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم دیا ہے حتی کہ بلاشبہ ایسی حدیثیں مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ حروف کی کشش کو جانتے تھے اور اس کی خوبصورتی کو پہچانتے ہیں۔ جیسے کہ آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لبانہ لکھو۔[10] ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے اس کو روایت کیا۔ دوسری وہ حدیث جو حضرت معاویہ ﷜ سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے لکھ رہے تھے اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: دوات کو ٹھیک کرو اور قلم کی نوک نکالو باء کو کھڑا کرو اور سین کے دندانے نکالو اور میم کے دائرے کو بند نہ کرو۔ لفظ

۱۔ ترمذی مسند امام احمد حسن ابن عباس، مکانی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۲۶

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۹۵، ۱۹۳

۳۔ کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۳۰۵، مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۴۱

۴۔ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۵۵، صحیح مسلم کتاب القسامۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۵

۵۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۷۹۳

۶۔ سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۰۹، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۹

۷۔ طبرانی، مجمع الزوائد

۸۔ سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۲

۹۔ سنن ترمذی کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹

۱۰۔ الفردوس جلد ۱ صفحہ ۲۹۶

اللہ کو خوبصورت لکھو اور الرحمٰن کو لمبا لکھو اور لفظ الرحیم کو عمدہ لکھو۔[1] یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

اگر چہ یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کچھ لکھا ہو مگر یہ آپ ﷺ سے بعید نہیں کیونکہ آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم تو دیا گیا ہو مگر پڑھنے لکھنے سے منع کر دیا ہو لیکن لغات عرب کا آپ ﷺ کو علم ہونا اور اشعار کے معانی کا یاد کرنا یہ ایسی چیزیں ہیں جو مشہور و معروف ہیں۔ بیشک کتاب (شفاء) کے اول فصلوں میں اس پر ہم نے تم کو خبر دار کر دیا ہے۔ اسی طرح گزشتہ امتوں کی بہت سی نعمتوں کا یاد کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: سنہ سنہ جس کے معنی حسنہ حبش کی لغت میں ہے۔[2] اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ہرج بہت ہو گیا یعنی قتل بہت ہو گیا۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن جلد ۹ صفحہ ۴۱، صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۶)

اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اشکنب[3] درد یعنی فارسی زبان میں پیٹ کے درد کو کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ایسے علوم ہیں جن کے کل یا بعض کو وہی اچھی طرح جان سکتا ہے جس نے ساری عمر کتابوں کے پڑھنے میں صرف کی ہو اور ہر وقت کتابوں میں ہی مشغول ہو اور اہل فن سے لگاؤ رکھتا ہو۔

اور آپ ﷺ ایسے مرد تھے کہ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اُمی ہیں جو نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کی مجلسوں میں رہے ہیں۔ جن کی یہ صفت تھی اور نہ ان کے علموں میں سے کسی علم کو پڑھا اور نہ پہلے آپ ﷺ ان میں سے کسی علم میں مشہور تھے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ. (پ ۲۱ العنکبوت ۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اہل عرب کا انتہائی علم یہ تھا کہ وہ نبیوں کو اور پہلوں کی خبروں کو اور شعر و بیان کو صرف جانتے تھے اور یہ بھی ان کو جب حاصل ہوتا تھا جبکہ وہ حصول علم کی کوشش کرتے اور طلب علم میں مشغول رہتے اور اہل علم سے مذاکرہ کرتے تھے۔

حالانکہ یہ فن تو آپ ﷺ کے دریائے علم کا صرف ایک قطرہ اور نقطہ ہے اور جو چیزیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں ملحدین کے انکار کی اصلاً گنجائش نہیں اور کفار کو تو اس کے رفع کرنے میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جو ہم نے واضح کیا ہے۔ کہ وہ یہ کہیں کہ یہ تو پچھلوں کی کہانیاں ہیں اور یہ کہ یہ تو

۱۔ مسند الفردوس دیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۶۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۱

۳۔ سنن ابن ماجہ کتاب الطب جلد ۲ صفحہ ۱۱۴۵

انسان کا سکھایا ہوا ہے۔ تو اللہ ﷻ نے ان کے اس قول کو مردود کر دیا کہ جو یہ نسبت جس کی طرف کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے حالانکہ یہ فصیح عربی زبان ہے۔

پھر وہ جو انہوں نے کہا وہ تو صریح مکابرہ ہے کیونکہ وہ جس کی طرف آپ ﷺ کی تعلیم کی نسبت کرتے تھے وہ یا تو مسلمان تھے یا رومی بلعام۔ حالانکہ حضرت سلمان ؓ نے تو آپ ﷺ کو ہجرت کے بعد پہچانا اور (اس سے پیشتر) قرآن بکثرت نازل ہو چکا تھا اور بے شمار نشانیاں اور معجزات ظاہر ہو چکے تھے۔ اسی طرح رومی بلعام۔ وہ بھی اسلام لا چکے تھے اور آپ ﷺ سے قرآن پڑھتے تھے۔

ان کے نام میں اختلاف ہے۔

اور بعض کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کوہ مروہ پر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے (بہر صورت) یہ دونوں عجمی زبان والے تھے اور یہ جھگڑالو (کفار) فصحاء اور تیز و طرار خطباء بلاشبہ معارضہ میں قرآن کا مثل لانے میں عاجز رہے بلکہ اس کے وصف ترکیب سوز اور نظم کلام کی سمجھ سے بھی قاصر تھے تو عجمی (گونگوں) کا کیا شمار۔

لیکن ہاں! حضرت سلمان فارسی ؓ ہوں بَلْعَامْ رومی یا یَعِیْش یا جَبْرٌ یا یسارٌ کہ جس کے نام میں اختلاف ہے۔ یہ ان کے سامنے ان سے مدۃ العمر کلام کرتے رہے تھے تو کیا کوئی بھی یہ کہتا ملا کہ یہ جو آپ ﷺ لائے ہیں۔ یعنی قرآن وہ ویسا ہی ہے جیسے یہ باتیں کرتے ہیں اور کیا ان میں سے ایک سے بھی یہ باتیں مشہور ہوئی ہیں اور اس وقت دشمن کو باوجود ان کی کثرت تعداد اور سخت طلب معارضہ اور انتہائی حسد کے کسی نے ان کو نہ روکا تھا کہ وہ بھی ان میں کسی کے پاس بیٹھ کر ان سے حاصل کر کے معارضہ کرے اور ان سے ایسی باتیں سیکھیں جو معارضہ و مجادلہ میں ضروری ہیں۔

جیسا کہ نضر بن حارث نے کیا کہ وہ کتابوں سے من گھڑت خبریں بیان کرتا تھا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کسی وقت بھی اپنی قوم سے غائب نہ رہے اور نہ کثرت کے ساتھ اہل کتاب کے شہروں میں میل جول رہا۔

جو یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ نے ان سے مدد لی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کے سامنے اپنے بچپنے اپنی جوانی میں انبیاء علیہم السلام کی عادت کے مطابق بکریاں چراتے رہے۔ پھر یہ کہ کبھی آپ ﷺ ان کے شہروں سے باہر نہ نکلے مگر ایک یا دو سفروں میں ان دونوں سفروں میں بھی اتنی مدت نہ لگائی جس سے احتمال ہو کہ آپ ﷺ نے تھوڑی سی بھی تعلیم حاصل کی چہ جائیکہ کثیر۔ بلکہ آپ ﷺ کے سفروں میں بھی آپ ﷺ کی قوم ساتھ رہی ہے اور اپنے اقرباء کی رفاقت سے کسی حال میں پوشیدہ نہ رہے اور مکہ

مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی حالت نہ بدلی کہ آپ ﷺ تعلیم پانے اور نہ کسی یہودی عالم یا نصرانی راہب یا نجومی یا کاہن کے پاس رہے بلکہ اگر یہ سب باتیں بھی ہوتیں تب بھی آپ ﷺ کا وہ چیز لانا جو قرآن کا اعجاز ہے۔ یقیناً ان کے ہر ایک عذر کو قطع کرنے والا اور ہر دلیل کو دور کرنے والا اور ہر امر کو صاف کرنے والا ہے۔

چھبیسویں فصل

آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں

آپ ﷺ کی خصوصیات و کرامات اور ظاہر معجزات میں سے وہ غیبی خبریں ہیں جو ملائکہ اور جنات کے ساتھ ہوئیں اور فرشتوں کے ذریعے اللہ ﷻ کا آپ ﷺ کی مدد فرمانا اور جنات کو آپ ﷺ کا مطیع فرمان بنانا اور بہت سے صحابہ ؓ کا ان کو دیکھنا ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ. (پ ۲۸۔ التحریم ۴)

اور اگر ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ (پ ۹۔ الانفال ۱۲)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ. (پ ۹۔ الانفال ۹)

اور جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ. (پ ۲۶۔ الاحقاف ۲۹)

اور جب ہم نے تمہاری طرف جنوں کو پھیرا کہ وہ قرآن سنیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: عبداللہ بن مسعود ؓ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی. بیشک آپ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (پ۲۷، النجم۱۸) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔

اور حدیث میں آپ ﷺ کا جبریل واسرافیل علیہما السلام وغیرہ ساتھ باتیں کرنا ثابت ہے اور شب معراج آپ ﷺ کا بڑی اور چھوٹی صورتوں میں ان کو بکثرت مشاہدہ کرنا مشہور ہے اور بیشک آپ ﷺ کی مجلس میں مختلف مقامات پر جماعت صحابہ نے ان کو دیکھا۔ پس آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم[1] نے جبریل علیہ السلام کو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام کو ایک مرد کی صورت میں دیکھا کہ وہ آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں اور حضرت ابن عباس[2] اسامہ بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس جبریل علیہ السلام کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا اور سعد رضی اللہ عنہ[3] نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے داہنے اور بائیں حضرت جبریل ومیکائیل علیہما السلام دو آدمیوں کی صورت میں ہیں جن پر سفید کپڑے ہیں۔ اس کے مثل دوسروں سے بھی مروی ہے اور بعض صحابہ نے بدر کے دن ملائکہ کو اپنے گھوڑوں کو جھڑکتے سنا[4] اور بعض صحابہ نے کفار کے سروں کو اڑتے تو دیکھا مگر مارنے والے کو نہ دیکھا۔[5]

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس دن چند سفید پوش مردوں کو چتکبرے گھوڑوں پر سوار زمین وآسمان کے درمیان دیکھا اور کوئی ان جیسا خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۳ صفحہ۵۶)

اور بیشک فرشتے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔
(صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز التمتع جلد۲ صفحہ۸۹۹، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۷ صفحہ۸۱)

نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز التمتع جلد۲ صفحہ۸۹۹، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۷ صفحہ۸۱)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد۱ صفحہ۳۷۔۳۶، سنن ترمذی کتاب الایمان، مقدمہ سنن ابوداؤد جلد۱ صفحہ۲۳، کتاب المناقب جلد۵ صفحہ۳۲۳، مجمع الزوائد جلد۹ صفحہ۲۸۶

۲۔ صحیح مسلم جلد۴ صفحہ۱۹۰۶، صحیح بخاری جلد۲ صفحہ۱۶۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۷ صفحہ۶۸

۳۔ صحیح بخاری جلد۷ صفحہ۱۲۸، صحیح مسلم جلد۴ صفحہ۱۸۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۳ صفحہ۲۵۵

۴۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد۳ صفحہ۱۳۸۴، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۳ صفحہ۵۲

۵۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۳ صفحہ۵۶

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جنوں والی رات میں جنات کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں اور ان کو قوم زُط سے تشبیہ دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ تفسیر در منثور جلد ۸ صفحہ ۳۰۷)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مصعب بن عمیر ﷺ جب اُحد کے دن شہید ہو گئے تو ان کا جھنڈا فرشتے نے پکڑ لیا جو ان کی صورت پر تھا پس نبی کریم ﷺ فرماتے تھے۔ آگے بڑھو اے مصعب ﷺ! فرشتے نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میں مصعب ﷺ نہیں ہوں تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۱۵)

بکثرت مصنفین نے حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا جس کے ہاتھ میں عصا آیا' اس نے آپ ﷺ پر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو جن کی آواز ہے تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہامہ بن الھیم بن لاقس بن ابلیس ہوں۔

اس نے بیان کیا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے ملا ہوں اور ان کے بعد اور پیغمبروں سے۔ یہ حدیث طویل ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو قرآن کی چند سورتیں لکھائیں۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۴۱۸)

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت خالد ﷺ نے عزیٰ (درخت) کے گراتے وقت اس کالی عورت کو جو برہنہ بدن منتشر بالوں کے ساتھ نکلی تھی اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا اور اس کی خبر نبی کریم ﷺ کو دی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عزیٰ تھی (یعنی وہ بت جس کو لوگ پوجتے تھے اس کے ساتھ اس جنہ کو تشبیہ دی)
(تحفۃ الاشراف جلد ۳ صفحہ ۲۳۵' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۷۷)

آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ شیطان نے آج رات ارادہ کیا کہ میری نماز قطع کر دے تو اللہ ﷻ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھو۔ لیکن مجھے اپنے بھائی (رسالت میں) حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے اللہ ﷻ سے عرض کیا تھا:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا. اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما۔ (پ ۲۳۔ ص ۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

پس اللہ ﷻ نے شیطان کو ناکام کر کے مردود کر دیا یہ باب بھی بہت وسیع ہے۔
(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹' کتاب بدء الخلق)

ستائیسویں فصل

دلائل وعلامات نبوت ورسالت

آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں میں وہ احادیث ہیں جو راہبان واحبار اور علماء اہل کتاب سے آپ ﷺ کی اور آپ کی امت کی تعریف اور آپ ﷺ کے نام وعلامات میں مروی ہیں اور آپ ﷺ کی اس مہر کا ذکر ہے جو دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور اس بارے میں پچھلے موحدین کے اشعار ہیں جیسے تبع' اوس بن حارثہ' کعب بن لوئی' سفیان بن مجاشع' قس بن ساعدہ وغیرہ سے منقول ہیں اور وہ جو زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور عشکلان حمیری' علماء یہود اور ان کا عالم شامول جو تبع کا مصاحب تھا نے آپ ﷺ کی تعریف اور خبر میں بیان کیے ہیں اور وہ جنہیں جو توریت و انجیل میں وحی کی گئی ہیں۔ جس کو علماء نے جمع کیا اور بیان کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے اسلام لانے کے بعد ان کے ثقہ حضرات نے نقل کیا ہے۔ جیسے عبداللہ بن سلام' بنی سعیۃ' ابن یامین' مخریق اور کعب ﷺ وغیرہ جو علماء یہود میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور بحیراء' نسطور حبشہ اور صاحب بصری اور ضغاطر اور شام کے پادری اور جارود اور سلمان اور نجاشی اور حبشہ کے نصاری' نجران کے پادری وغیرہ سے منقول ہے جو نصاری کے علماء میں سے مسلمان ہوئے تھے۔

نصاری کے عالم وسردار ہرقل اور صاحب رومہ نے اس کا اقرار کیا اور مقوقس صاحب مصر اور اس کا مصاحب شیخ اور ابن صوریا اور ابن اخطب اور اس کا بھائی اور کعب بن اسد اور زبیر بن باطیا وغیرہ علماء یہود نے اقرار کیا جن کو حسد نے بقاپر بدبختی کو برانگیختہ کیا۔

اس بارے خبریں بکثرت ہیں۔ جن کا حصر نہیں کیا جا سکتا۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے یہود ونصاری کے کانوں کے پردوں کو جھنجوڑا کہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ ﷺ کی صفتیں ہیں اور ان پر حجت قائم کی کہ ان کے صحیفے ان پر مشتمل ہیں اور ان کی تحریف' کتمان (چھپانا) اور نبی آخر زمان کی صفت کے اظہار کے وقت زبانوں کے مڑنے کی آپ ﷺ نے مذمت فرمائی اور مباہلہ کا چیلنج کیا کہ تم جھوٹے ہو۔

تو ان میں سے ہر ایک معارضہ سے بھاگا اور جو الزام ان کی کتابوں سے کیا گیا۔ اس کے اظہار سے وہ کنی کترا گئے کیونکہ اگر وہ اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کے فرمان والزام کے خلاف پاتے تو یقیناً اس کا اظہار ان پر آسان ہوتا بہ نسبت جانوں اور مالوں اور گھروں کی بربادی اور جنگ وجدال کے۔

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم سچے ہو تو توریت کو لا کر اس کی تلاوت کرو۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کاہنوں کو بھی ڈرایا جیسے شافع بن کلیب، شق، سطیح، سواد بن قارب، خنافر افعی نجران، جذل بن جذل کندی، ابن خلصہ دوسی، سعید بن بنت کریز، فاطمہ بنت نعمان اور وہ لوگ جن کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ بتوں کی زبانوں پر آپ ﷺ کی نبوت اور بوقت اظہار رسالت آپ ﷺ کا اظہار تھا اور غیبی آوازوں سے اور بتوں پر قربانیوں سے اور عورتوں کے شکموں سے سنا گیا اور وہ چیزیں جن پر نبی کریم ﷺ کے نام مبارک اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی پتھروں اور قبروں پر پرانے خط میں مکتوب تھا پائی گئیں اور وہ بہت سی چیزیں اس قسم کی مشہور ہیں اور جو لوگ ان اسباب معلومہ و مذکورہ کی وجہ سے اسلام لائے بیان ہو چکا ہے۔

اٹھائیسویں فصل

بوقت ولادت معجزات

اور آپ ﷺ کے معجزات میں وہ نشانیاں ہیں جو بوقت سعادت ظاہر ہوئیں جن کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بیان کیا اور ان عجائبات کو ان لوگوں نے بیان کیا جو اس وقت ان لوگوں نے بیان کیا جو اس وقت موجود تھے۔

وہ یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک اٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی طرف تھیں[1] اور آپ ﷺ کی والدہ نے اس نور کو دیکھا[2] جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ نکلا اور ان عورتوں نے دیکھا جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود تھیں۔

اس وقت اُم عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ستارے قریب آ گئے اور یہ کہ بوقت ولادت نور نکلا یہاں تک کہ ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔[3] عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کی والدہ شفاء کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہو کر میرے ہاتھ پر لائے گئے تو آپ ﷺ کو چھینک آئی تو اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا کہ رحمک اللہ (اللہ ﷺ تم پر رحم کرے) اور مشرق و مغرب کے درمیان مجھے روشنی معلوم ہوئی حتیٰ کہ میں نے روم کے محل دیکھ لیے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۱۱۲ و دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا صفحہ ۱۳۶)

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۱۱۳

۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۸۳۔۸۰ مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۷

۳۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۱۱۱ و دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا صفحہ ۱۳۵

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر جو آپ ﷺ کے رضاعی والدین ہیں' نے آپ ﷺ کی برکت کی تعریف کی ہے کہ ان کا اور ان کی اونٹنی کا دودھ بڑھ گیا تھا اور بکریاں فربہ ہو گئی تھیں اور آپ ﷺ کی نشوونما بہت جلد ہوتی تھی۔

(مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۲۰ سیرت ابن اسحاق جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

شب ولادت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور کنگرے گر پڑے۔ بحیرہ طبریہ کا پانی کم ہو گیا۔ فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے برابر جل رہی تھی[1] اور یہ کہ جب آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب اور ان کے بچوں کے ساتھ اپنے بچپنے میں کھاتے تو سب کے سب شکم سیر ہو جاتے اور جب آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ ہوتے اور وہ سب مل کر کھاتے تو وہ شکم سیر نہ ہوتے تھے اور ابو طالب کے بچے جب صبح کو اٹھتے تو پراگندہ حال اٹھتے مگر آپ صبح کرتے تو خوش باش اور سرگین اٹھتے۔[2] ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی محافظہ تھی وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بچپنے میں نے کبھی بھوک و پیاس کی شکایت نہ سنی اور نہ آپ ﷺ کے بڑے ہونے کے بعد سنی[3] اور آپ ﷺ کے عجائبات ولادت میں سے یہ ہے کہ شہاب ثاقب سے آسمان کا محفوظ رہنا اور شیطان کی گھات کا موقوف ہونا اور ان کا چوری چھپے سننے سے رکنا ہے۔

اور آپ ﷺ کو بچپن سے ہی بتوں سے نفرت اور امور جاہلیت سے اجتناب تھا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو عمدہ اخلاق کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی پردہ پوشی کے بارے میں یہ خبر مشہور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ ﷺ نے اپنے تہبند کے دامن میں پتھر بھر کر کاندھے پر رکھنے کا ارادہ کیا تو وہ کھل گیا اور آپ ﷺ برہنہ ہو گئے تو زمین پر گر پڑے حتیٰ کہ آپ نے فوراً تہبند باندھ لیا۔

اس وقت آپ ﷺ کے چچا نے آپ سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے برہنہ ہونے سے منع کیا گیا ہے۔[4] انہیں میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے سفر میں بادلوں سے سایہ کیا[5] اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶

۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۲۰' ۱۱۹' دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۶۶

۳۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۶۷

۴۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ' صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۷' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۲

۵۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۵۰' دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵۔۲۳

عورتوں نے جب آپ ﷺ سفر سے واپس آئے تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کر رہے ہیں۔ اس کا انہوں نے میسرہ (ان کے غلام تھے) سے تذکرہ کیا تو انہوں نے ان کو بتایا کہ جب سے آپ ﷺ سفر کے لئے نکلے ہیں اسی طرح دیکھا ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بادل کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ پر سایہ کر رہا ہے وہ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں اور اس بارے میں آپ ﷺ کے رضاعی بھائی سے مروی ہے۔ ان میں سے یہ کہ ایک سفر میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ایک خشک درخت کے نیچے اترے تو اس نے تر و تازہ ہو کر آپ ﷺ کے گرداگرد سایہ کر دیا اور دیکھتے دیکھتے اس کی شاخیں نکل آئیں[1] اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پر ایک درخت نے جھک کر سایہ کیا[2] اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ کے وجود گرامی کا چاند و سورج کے وقت سایہ نہ پڑتا تھا[3] کیونکہ آپ ﷺ نور تھے اور مکھی آپ ﷺ کے جسم اور کپڑوں پر نہ بیٹھتی تھی۔[4]

اور اسی میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خلوت پسند تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی پھر آپ ﷺ نے اپنے وصال (موت طبعی) کی اور اپنی مدت حیات ظاہری کے پورے ہونے کی خبر دی[5] اور یہ کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے گھر میں ہوگی اور یہ کہ آپ ﷺ کے حجرہ شریف[6] اور مسجد میں منبر کے درمیان ریاض جنت کا ایک باغ ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اپنے وصال کا اختیار دیا۔[7]

اور حدیث وفات میں بہت سی آپ ﷺ کی کرامتیں اور بزرگیاں شامل ہیں اور یہ کہ فرشتوں نے آپ ﷺ کے جسد اقدس پر صلوٰۃ و سلام پڑھا۔ اس روایت کی بنا پر جن کو ہم نے بعض علماء سے روایت کیا ہے اور یہ کہ ملک الموت نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے کسی سے اجازت قبض روح کی نہ مانگی اور بوقت غسل ایسی آوازیں سنی گئیں کہ آپ کی قمیض مبارک نہ اتارو[8]

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۱

۲۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۵، ۲۴

۳۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸

۴۔ الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۶۸

۵۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم فضائل فاطمہ رضی اللہ عنہا جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۵ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۶۵

۶۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۵۹

۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۱۶۲۔۲۶۹ مستدرک جلد ۳ صفحہ ۶۰۔۵۹

۸۔ سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۵۰۲ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳

اور یہ کہ حضرت خضر اور ملائکہ نے اہل بیت سے وصال کے بعد تعزیت کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے صحابہ پر آپ ﷺ کی کراماتیں، برکتیں اور آپ ﷺ کی حیات و وفات میں بکثرت ظاہر ہوئیں۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چچا کے توسل سے بارش کی دعا کی اور بہت سوں نے آپ ﷺ کی اولاد سے برکتیں حاصل کیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاستسقاء جلد ۱ صفحہ ۱۳۷)

اٹھیسویں فصل

قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے اس باب میں آپ ﷺ کے ظاہر معجزات کے چند اشارے اور علامات نبوت میں سے ظاہر تر جو ملے بیان کئے ہیں۔ جو ایک (قرن) کو کافی و وافی ہوں گے اور بکثرت ہم نے چھوڑ دیئے جن کا ہم نے ذکر ہی نہیں کیا اور اکثر طویل حدیثوں میں سے صرف اصل مطلب اور گوہر مقصود پر اکتفا کیا اور بہت سی حدیث اور غریب میں سے وہ جو صحیح اور مشہور ہیں لی ہیں اور بہت کم وہ غریب حدیثیں لی ہیں جن کو مشاہر آئمہ نے نقل کیا ہے اور ان کی سندوں کو بوجہ اختصار حذف کر دیا اور اس باب کو اس مضمون کے اعتبار سے پوری طرح پر لکھا جائے تو ایک جامع دیوان بن جائے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہو۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کی بہ نسبت دو وجہوں پر زیادہ ظاہر ہیں۔ اول یہ کہ وہ بکثرت ہیں کیونکہ جس قدر نبیوں کو معجزات دیئے گئے ان سب کے برابر ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوئے یا ان سے بڑھ کر آپ ﷺ کو ملے اور بیشک لوگوں نے اس پر اطلاع دی ہے۔ پس اگر تم چاہو تو اس باب کی فصلوں پر غور کرو اور گزشتہ نبیوں کے معجزات پر سوچو گے تو انشاء اللہ ﷻ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کے معجزات زیادہ ہیں۔

پس یہ قرآن ہی سارے کا سارا معجزہ ہے اور بعض آئمہ محققین کے نزدیک جس میں کم سے کم معجزے ہیں وہ سورۂ کوثر ہے یا اس کی برابر کوئی ایک آیت اور بعض آئمہ رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ اس کی ہر آیت وہ جیسی بھی ہے معجزہ ہے اور دوسروں نے اتنا زیادہ کیا کہ قرآن کا ہر جملہ منتظمہ (مرکب) معجزہ ہے اگر چہ وہ ایک کلمہ یا دو کلمے ہی کیوں نہ ہوں اور حق و صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ۔ تم فرمادو کہ اس کی ایک سورت کی مثل ہی لے آؤ۔ (پ ۱۲، ہود ۱۳) (ترجمہ کنز الایمان)

پس یہ کم سے کم ہے جس کے ساتھ کفار سے تحدی (طلب معارضہ) کیا گیا ہے باوجودیکہ نظر و تحقیق اس کی تائید کرتی اور مختصر کو طویل کرتی ہے اور جب یہ بات ایسی ہے تو قرآن میں تقریباً ستر ہزار کلمے اور بعضوں کے شمار پر اس سے زیادہ ہیں اور اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ. (پ ۳۰، الکوثر ۱) میں دس کلمے ہیں۔ تو اب اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کے عدد پر پورے قرآن کو تقسیم کرو تو سات ہزار جز سے زیادہ ہوں گے اور ہر ایک ان میں سے فی نفسہٖ معجزہ ہے۔

پھر اس کا اعجاز جیسا گزر چکا دو وجہوں پر ہے۔ ایک اس کی بلاغت کے اعتبار سے دوسرا اس کے نظم کے اعتبار سے تو اب ہر ایک جز اسی اعتبار سے دو معجزے ہو گئے۔ اس طرح پر اب اس کی تعداد دوگنی ہو گئی پھر قرآن میں دوسرے اعجاز کے وجوہات بھی ہیں۔ مثلاً غیبی علوم کے ساتھ خبریں وغیرہ۔ لہٰذا اس تجزیہ کے اعتبار سے ہر ایک سورت غیبی چیزوں میں سے ایک خبر ہو گی اور اس کی ہر خبر فی نفسہٖ معجزہ ہے اور دوبارہ اس کی تعداد دوگناہ ہو جائے گی۔ پھر دوسری وہ وجوہات اعجاز ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو قرآن کے حق میں ہی ان کی تعداد کئی گنا لازمی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ پس قریب ہے کہ کوئی عدد اس کے معجزات کی تعداد کو نہ لے سکے گا اور نہ اس کے دلائل کا حصر کر سکے گا پھر آپ ﷺ سے وہ احادیث مرویہ اور اخبار منقولہ جو اس باب میں مروی ہیں اور وہ چیزیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا تو فی الجملہ کس تعداد تک پہنچیں گی۔

دوسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کے معجزات واضح ہیں کیونکہ دیگر رسولوں کے معجزات ان کے زمانہ کے لوگوں کی ہمتوں کی تعداد اور اس فن کے اعتبار سے تھیں جو ان کے زمانہ میں رائج تھے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اس زمانہ کے لوگ جادو میں کمال رکھتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے مشابہ معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا جس پر وہ قدرت کا ادعا کرتے تھے۔ تو وہ ان کے پاس وہ معجزہ لائے جو (چیز) ان کی عادتوں کو مجبور کرتی تھی اور جو ان کی قدرت سے باہر تھا۔ جس کے ذریعے ان کے جادو کو باطل کیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فن طب کمال پر تھا اور اس میں لوگ بھرپور تھے۔ تو وہ ان کے پاس ایسا معجزہ لائے جس پر وہ قدرت نہ رکھتے تھے اور وہ چیز سامنے لائے جس کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ جیسے مردوں کا زندہ کرنا اور بغیر معالجہ طبی کے جذامی اور کوڑھی کو تندرست کرنا وغیرہ

اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں۔

پھر اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ درانحالیکہ عرب کے جملہ معارف وعلوم چار تھے۔

1۔ بلاغت' 2۔ شعر' 3۔ خبر اور 4۔ کہانت۔

تو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جو ان چاروں فصلوں میں خارق اور برخلاف عادت ہے یعنی فصاحت' اختصار وہ بلاغت جو ان کے کلام کے طرز وطریق سے خارج ہے اور اس میں وہ نظم غریب اور اسلوب عجیب ہے کہ نظم میں جن کی ادائیگی سے وہ واقف ہی نہ تھے اور وہ لوگ اوزان کے طریقوں کے سوا اور اسلوب جانتے ہی نہ تھے اور یہ کہ اس میں گزشتہ وآئندہ کی خبریں ہیں اور واقعات واسرار' خفیہ باتیں اور دلوں کے حالات کی خبریں ہیں تو وہ ویسی ہی ہوئیں جیسی کہ بیان کی گئیں اور وہ اس کی صحت پر خبر دینے والے کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن ہو اور کہانت کو باطل کیا جو ایک مرتبہ سچی ہوتی ہے اور دس مرتبہ جھوٹی اور اس کے پانسہ پھینکنے اور ستاروں کی گھاتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور قرآن میں گزشتہ زمانوں کی خبریں' نبیوں اور ان کی گذری ردہ امتوں کے حالات اور سابقہ واقعات کا ذکر ہے کہ اس شخص کو جو اس علم کے لئے مشغول ہو اس کے بعض حصہ ہی اس کو عاجز کر دیتے ہیں چہ جائیکہ کل قرآن ان وجوہ کے اعتبار سے جن کو ہم نے بیان کیا اور اس میں ہم نے معجزات کا ذکر کیا ہے۔

پھر یہ جامع معجزہ ان وجوہ وفصول کے ساتھ جن کو ہم نے اعجاز قرآن میں بیان کیا قیامت تک ثابت وباقی رہے گا اور ہر آنے والی امت کے لئے حجت ظاہرہ رہے گا اور اس کے وجوہ اس پر مخفی نہیں جو اس میں غور وفکر کرے اور اس کے وجوہ اعجاز میں تدبر کرے کہ کس طرح اور کس نہج پر اس میں غیبی خبریں ہیں۔

پس اب کوئی عہد اور زمانہ ایسا نہ گزرے گا جس میں اس کے مخبر کا صدق ظاہر وغالب نہ رہے اور خبر واقع کے مطابق نہ ہو۔ پس ایمان تازہ ہوتا رہے گا اور دلائل ظاہر ہوتے رہیں گے حالانکہ خبر عینی مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی اور مشاہدہ سے یقین زیادہ ہوتا ہے اور دل عین الیقین سے بہ نسبت علم الیقین کے زیادہ مطمئن ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر ایک اس کے نزدیک حق ہوتا ہے اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے تمام معجزات ان کی مدت کے بعد ختم ہو گئے اور ذاتوں کے ساتھ ان کا وجود معدوم ہو گیا لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کا معجزہ نہ پرانا ہوا اور نہ منقطع ہوا اور اس کی نشانیاں تازہ ہوتی رہتی ہیں جو کبھی کمزور نہیں ہوتیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اپنے فرمان میں ارشاد فرمایا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو ان کے مطابق معجزات دیئے گئے جس پر لوگ ایمان لاتے رہے اور جو چیز مجھ پر وحی کی گئی یا جو اللہ ﷻ نے مجھ پر وحی فرمائی میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کے اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ حدیث کے یہ معنی بعض علماء کے نزدیک ہیں۔ یہی ظاہر و صحیح ہے۔ انشاء اللہ ﷻ اور اکثر علماء نے اس حدیث کی تفسیر میں اور آپ کے معجزات کے ظہور میں دوسرے معنی بیان کئے ہیں۔

یعنی ان کا ظہور یہ ہے کہ یہ وحی اور کلام ہے جس میں تخیل یا حیلہ جوئی یا تشبیہ کا امکان نہیں ہے کیونکہ دوسرے نبی و رسول علیہم السلام کے معجزات میں بیشک معاندین نے قصد کیا کہ اس میں دوسری چیزیں ملادیں اور انہوں نے اس کی خواہش کی ان کو خیال بنا کر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو پھیر دیں جیسے کہ جادوگروں کا رسی اور لکڑیاں وغیرہ ڈالنا یہ اس کے مشابہ ہے کہ جادوگر اس کو خیال بنا سکے یا اس میں حیلہ کر سکے اور قرآن ایسا کلام ہے جس میں حیلہ اور جادوگروں کے تخیل کی گنجائش ہی نہیں۔

پس اس وجہ سے ان علماء کے نزدیک دیگر معجزات سے زیادہ ظاہر ہے۔ جیسا کہ جو شاعر اور خطیب نہ ہو وہ کسی حیلہ یا بناوٹ سے شاعر و خطیب نہیں بن سکتا لیکن پہلی تفسیر اور معنی زیادہ صاف اور پسندیدہ ہے اور یہ دوسری تفسیر و معنی وہ ہے جس پر آنکھ بند ہوتی ہے اور جھپکتی ہے۔

تیسری وجہ اعجاز کی اس مذہب پر ہے جو پھیر دینے کے قائل ہیں کیونکہ معارضہ کرنا انسان کی قدرت میں تھا پس وہ اس سے پھیر دیئے گئے یا اہلسنت کے دو مذہبوں میں سے ایک مذہب پر یہ ہے کہ اس کی مثل کا لانا انسان کی قدرت کی جنس سے ہے لیکن وہ ایسا نہ پہلے کر سکے اور نہ بعد میں کریں گے کیونکہ اللہ ﷻ نے ان کو قدرت ہی نہ دی اور نہ وہ اس پر ان کو قدرت دے گا اور دونوں مذہبوں کے درمیان ظاہر فرق ہے اور دونوں مذہبوں کا اجماع ہے کہ عرب اس چیز کو نہ لا سکے جو ان کے مقدور میں تھا یا ان کے مقدور کے جنس میں سے تھا اور ان کا بلا جلاوطنی امیری اور ذلت (جزیہ) نیز احوال جان و مال کی اضاعت، نہ زجر و توبیخ، مجبوری و لاچاری اور دھمکی و ڈراوے پر راضی ہونا۔ اس کے مثل لانے سے عاجز ہونے پر کھلی دلیل ہے اور اس کے معارضہ سے منہ موڑ گئے اور بلاشبہ وہ اس چیز سے روک دیئے گئے تھے جو ان کے مقدور کی جنس سے تھا۔ یہ مذہب امام ابو المعالی جوینی وغیرہ رحمہم اللہ کا ہے۔

امام ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمارے نزدیک فی نفسہٖ خرق عادت میں زیادہ بہتر ہے بہ نسبت قادر افعال کے جیسے لاٹھی کو اژدھے سے پھیرنا وغیرہ کیونکہ دیکھنے والے کے دل میں فوراً یہ خدشہ گزرتا ہے کہ یہ خصوصیت اس کے صاحب میں اس لئے ہے کہ اس فن اور علم میں اس کی

معرفت زیادہ ہے حتیٰ کہ کوئی صحیح النظر ہی اس خدشہ سے اس کو پھیرتا ہے۔

لیکن صدہا سالوں سے ایسے کلام کے ساتھ جو ان کے کلام کی جنس سے ہے۔ تحدی اور معارضہ کرنا کہ اس کی مثل لاؤ۔ پس وہ نہ لا سکے۔ اس کے بعد اب باقی نہیں ہے کہ معارضہ پر پورے وجوہات بیان کریں پھر ان کا نہ لانا سوائے اس بات کے نہیں کہ اللہ ﷻ نے اس کے مثل لانے سے مخلوق کو روک دیا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر نبی علیہ السلام یہ فرمائیں کہ میری نشانی یہ ہے کہ اللہ ﷻ مخلوق کو قیام سے روک دے باوجود اس پر ان کی قدرت کے اور ایک زمانہ اس پر گزر جائے۔ پس اگر ایسا ہو جائے اور اللہ ﷻ قیام سے ان کو عاجز کر دے تو یقیناً یہ اس نبی علیہ السلام کی روشن نشانی اور معجزہ اور نبوت پر ظاہر دلیل ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

اور بیشک بعض علماء پر آپ ﷺ کے معجزات دیگر تمام نبیوں کے معجزات پر غالب ہونے کی وجہ پوشیدہ رہی۔ یہاں تک کہ اس بارے میں اس عذر کے محتاج ہوئے کہ عرب کی عقلیں دقیق تھیں ان کی ذکاوت تیز تھی اور ان کی سمجھ پوری تھی اور انہوں نے اپنی فطرت سے جان لیا کہ اس میں معجزہ ہے اور ہر بات ان کو اپنی سمجھ کے موافق حاصل تھی اور ان کے علاوہ قبطی بنی اسرائیل وغیرہ کی کیفیت یہ نہ تھی بلکہ وہ لوگ غبی اور کم سمجھ تھے۔ اسی وجہ سے تو فرعون نے ان پر جائز رکھا کہ وہ ان کا رب (خدا) ہے۔ (معاذ اللہ) اور سامری نے جائز رکھا کہ اس بچھڑے میں (معاذ اللہ) خدا ہے یہ بات ان کے ایمان لانے کے بعد ہوئی اور مسیح کی انہوں نے پرستش کی باوجودیکہ ان کا یہ اجماع ہے کہ وہ مصلوب ہوئے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ. (پ ۶ النساء ۱۵۷)

اور یہ کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پس اے بے سمجھوں کے لئے) ظاہر اور کھلے معجزات آئے جو ان کی موٹی سمجھوں کے موافق تھے تاکہ اس میں انہیں شک وشبہ نہ ہو باوجود اس کے انہوں نے کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (پ ۱ البقرہ ۵۵)

ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ہمیں اللہ کو واضح طور پر دکھاؤ اور من وسلویٰ پر انہوں نے صبر نہ کی۔

اور اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ. (پ ۱ البقرہ ۶۱)

کیا ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو (ترجمہ کنز الایمان)

اور عرب اپنی جاہلیت کے باوجود ان میں سے بہت زیادہ خدا کے معترف تھے اور وہ بتوں میں تَقَرُّبْ اِلَی اللّٰہِ کو تلاش کرتے تھے اور بعض ان میں سے آپ ﷺ کے اعلان رسالت سے پہلے ہی اللہ ﷻ کی وحدانیت پر دلائل عقلیہ سے دل کی صفائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور جب اللہ ﷻ کا رسول ﷺ کتاب لے کر تشریف لائے تو اس کی حکمت کو سمجھا اور انہوں نے پہلی مرتبہ میں ہی اپنی سمجھ کی برتری سے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے تو وہ ایمان لے آئے اور ہر روز ان کا ایمان بڑھتا رہا اور تمام دنیا سے کنارہ کش ہو کر آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی۔ اپنے گھروں اور مالوں سے ہجرت کی اور اپنے باپوں اور بیٹوں کو آپ ﷺ کی مدد میں قتل کیا۔

اسی معنی میں یہ باتیں ہیں جن سے آراستگی ہوتی ہے اور عجیب لذت معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس کی طرف احتیاج اور تحقیق کی جائے لیکن ہم نے اپنے نبی ﷺ کے معجزات کے بیان اور اس کے ظہور میں پہلے ہی وہ باتیں ذکر کر دی ہیں جو ان خفیہ اور ظاہر راستوں پر چلنے سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔

وَبِا اللّٰہِ اسْتَعِیْنُ وَھُوَ حَسْبِیَ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ.

تمت بالخیر

الحمد للہ علی احسانہ کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ ﷺ مصنفہ علامہ قاضی ابو الفضل محمد عیاض مالکی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے حصہ کا ترجمہ مسمّیٰ بنام تاریخی نعیم الطاء فی حدیث المجتبیٰ ﷺ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ بروز جمعہ بعد مغرب سے شروع ہو کر ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ بروز یک شنبہ بعد مغرب مکمل ہوا۔ اب اس کے بعد حصہ دوم یعنی کتاب الشفاء کی قسم ثانی جس میں لوگوں پر حضور ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں' کا بیان ہے۔ شروع ہوگی۔ وَاللّٰہُ مُتَمِّمٌ بِالْخَیْرِ.

غلام معین الدین نعیمی

سواد اعظم لاہور

حقوق نبی اور سیرت رسول ﷺ پر ایک مستند کتاب



جلد دوم

الشفاء

بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

نعیم العطاء فی حدیث المجتبیٰ ﷺ

مع تخریج احادیث

مصنف

ابو الفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ لاہور

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

موضوع کتاب	حقوق نبی ﷺ وسیرت رسول ﷺ
نام کتاب عربی	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ
نام اردو ترجمہ	نعیم العطاء فی احادیث المجتبیٰ ﷺ
نام مصنف	ابوالفضل قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ
نام مترجم	حضرت الحاج مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ جدید	سبحان گرافکس اینڈ کمپوزنگ سنٹر لاہور
پروف ریڈنگ اردو	احمد رضا
سن اشاعت	19 ذوالحجہ 1424ھ بمطابق 12 فروری 2004ء
صفحات جلد دوم	320
ہدیہ	275 روپے

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ لاہور

092-42-7247301

E-mail: ajmalattari20@hotmail.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فہرست الشفاء جلد دوم

عنوان		صفحہ نمبر

قسم دوم

حضور سید عالم ﷺ کے حقوق امت پر کیا واجب ہیں؟ 8

پہلا باب 8

پہلی فصل: آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع 12

دوسری فصل: وجوب اتباع وتعمیل سنت کا کتاب وسنت سے ثبوت 15

تیسری فصل: سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب 20

چوتھی فصل: سنت کی مخالفت موجب عذاب آخرت ہے 24

دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم واجب ہے 25

پہلی فصل: آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر وثواب 27

دوسری فصل: آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوال سلف 28

تیسری فصل: حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت 31

چوتھی فصل: محبت کے معنی اور اس کی حقیقت 36

پانچویں فصل: حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے 39

تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادائے حقوق کا حکم ووجوب 41

پہلی فصل: تعظیم وتوقیر میں صحابہ کرام ﷺ کی عادت 46

دوسری فصل: بعد وفات تعظیم وتوقیر کا وجوب 48

تیسری فصل: روایت حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ 50

چوتھی فصل: اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم وتوقیر 53
پانچویں فصل: صحابہ کرام ﷺ کی عزت وتکریم 58
چھٹی فصل: آثار ومقامات متبرکہ نبویہ ﷺ کی تعظیم 62

چوتھا باب

درود وسلام کی فرضیت اور فضیلت 66
پہلی فصل: درود شریف کی فرضیت 67
دوسری فصل: وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے 70
تیسری فصل: درود شریف کی کیفیت اوراس کے کلمات 74
چوتھی فصل: درود وسلام کی فضیلت 78
پانچویں فصل: درود وسلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ 80
چھٹی فصل: حضور ﷺ پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے 82
ساتویں فصل: غیرِ نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ 83
آٹھویں فصل: قبر انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت 87
نویں فصل: مسجد نبوی شریف کے آداب وفضیلت 93

قسم سوئم

وہ امور جو آپ ﷺ پر جائز یا ممتنع ہیں اور احوال بشریہ کا بیان 98

پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام 100
پہلی فصل: حضور ﷺ کی دلی پختگی 101
دوسری فصل: قبل اظہار نبوت انبیاء علیہم السلام کی عصمت 117
عہد میثاق 118
تیسری فصل: انبیاء علیہم السلام توحید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے 124
چوتھی فصل: حضور ﷺ شرِ شیطان اور ہر شر وفساد پر معصوم تھے 127
پانچویں فصل: حضور ﷺ کے اقوال میں عصمت 132
چھٹی فصل: معترضین کے جوابات 134

ساتویں فصل: دنیاوی امور میں صدق مقال اور احوال بشریہ 146

آٹھویں فصل: سہو حدیث 148

نویں فصل: حضور ﷺ کے اعضاء جوارح کی عصمت 154

دسویں فصل: قبل اظہار نبوت کی عصمت 157

گیارہویں فصل: وہ افعال و اعمال جو بلا قصد وارادہ صادر ہوئے 160

بارہویں فصل: سہوی احادیث پر مکمل بحث 162

تیرہویں فصل: انبیاء کرام علیہم السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں 166

آیہ کریمہ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ [1] کا بیان 167

آیہ کریمہ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ کا بیان 167

آیہ کریمہ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ کا بیان 167

بدر کے قیدیوں کے فدیہ لینے کا بیان 171

مال غنیمت کی حلت کا بیان 172

آیہ کریمہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کا بیان 174

حضرت آدم علیہ السلام کا دانہ گندم کھانا 175

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ 177

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ 179

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکہ مارنا اور قبطی کا مارا جانا 181

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کی آنکھ پھوڑنا 182

حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان 182

حضرت نوح علیہ السلام سے لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ فرمانا 184

کسی نبی کا چیونٹی کو ہلاک کرنا اور جلانا 184

حضور ﷺ کا فرمان کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے گناہ نہ کیا ہو، اس کا جواب 185

چودھویں فصل: دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام 185

پندرھویں فصل: حقوق نبوت و رسالت پر تنبیہات 189

سولہویں فصل: عصمت ملائکہ 191

۱۔ یہ سرخیاں محشی ہیں اصل کتاب میں سرخی نہیں دی گئی لیکن مذکورہ صفحات پر یہ مضمون ہے۔

دوسرا باب

عوارض بشریہ 196

پہلی فصل: آپ ﷺ پر جادو کا اثر 198

دوسری فصل: دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت 201

تیسری فصل: بشری احکام ومعتقدات 203

چوتھی فصل: حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال 204

پانچویں فصل: بیان حدیث قرطاس (وصیت) 209

چھٹی فصل: کلمات بددعا کی توجیہات 213

ساتویں فصل: حضور ﷺ کے دنیاوی افعال 216

آٹھویں فصل: حکمت ابتلاء انبیاء ورسل علیہم السلام 221

دوسری حکمت 225

تیسری حکمت 227

قسم چہارم

وجوہات تنقیص وتوہین اور اس کے احکام شرعیہ 229

موہن وشاتم کا حکم قتل 229

پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص وتوہین ہوتی ہے 232

پہلی فصل: دلائل وجوب قتل 237

دوسری فصل: بعض یہود ومنافقین کو قتل نہ کرنے کی حکمت 243

تیسری فصل: بلاقصد اہانت وتحقیر کا حکم 249

چوتھی فصل: ارشادات نبوی ﷺ کی تکذیب کا حکم 251

پانچویں فصل: مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم 252

چھٹی فصل: امثال سے گالی دینے کا حکم 256

ساتویں فصل: بطور حکایت نقل کفر کا حکم 260

آٹھویں فصل: امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم 264

نویں فصل:	خطباء وواعظین کو تنبیہات	268

دوسرا باب

	حضور ﷺ پر سب وشتم، تنقیص واہانت کرنے والے کی عقوبت ووراثت کا حکم	270
پہلی فصل:	مدت وکیفیت توبہ	273
دوسری فصل:	نامکمل یا عدم شہادت پر حکم	276
تیسری فصل:	ذمی سے گالی کے صدور کا حکم	277
چوتھی فصل:	گستاخِ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل ونماز جنازہ کا حکم	283

تیسرا باب

پہلی فصل:	شانِ الٰہی کے خلاف کلمات بولنے والے کا حکم	286
دوسری فصل:	متاولین کی تکفیر میں تحقیقی قول	288
تیسری فصل:	ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس میں توقف یا اختلاف ہے اور کونسا مقولہ کفر نہیں	293
چوتھی فصل:	جو ذمی ہو کر اللہ کو گالی دے اس کا حکم	304
پانچویں فصل:	مفتری اور کذاب کا حکم	305
چھٹی فصل:	بے اختیار کلمۂ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟	307
ساتویں فصل:	انبیاء اور فرشتوں کی تحقیق کرنے والے کا حکم	309
آٹھویں فصل:	تحقیر واستخفاف قرآن کا حکم	312
نویں فصل:	اہل بیت نبوی، آل پاک، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام ﷺ کو گالی دینے کا حکم	314
	فہرس المصادر	321

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الشفاء ختم شد

قسم دوم

حضور سید عالم ﷺ کے کون سے حقوق امت پر واجب ہیں؟

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ ﷻ انہیں توفیق مرحمت فرمائے، کہتے ہیں کہ اس حصہ (دوم) کو ہم نے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جیسا کہ شروع کتاب میں اس کا تذکرہ بھی کیا جا چکا ہے۔ ان تمام بابوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی تصدیق کا وجوب اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع و فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی محبت وخیر خواہی اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم اور آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی لازم ہے اور یہ کہ آپ ﷺ پر درود شریف (صلوٰۃ وسلام) پڑھنا اور آپ ﷺ کی قبر انور (روضۂ مقدسہ گنبد خضراء) کی زیارت (ہر مسلمان پر) واجب وضروری ہے۔

پہلا باب

یہ کہ حضور سید عالم ﷺ پر ایمان لانا فرض اور آپ کی اطاعت اور سنت کا اتباع واجب ہے۔

جبکہ ہم (حصہ اول میں) حضور سید عالم ﷺ کی نبوت کا ثبوت اور آپ ﷺ کی رسالت کی صحت ثابت کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو (شریعت) آپ ﷺ لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا واجب ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَـاٰمِنُوْا بِـاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ (پ ۲۸ التغابن ۸)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِنَّـآ اَرْسَلْـنٰـكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (پ ۲۶ الفتح ۹۔۸)

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر اور ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ...... (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ. (پ ۹ الاعراف ۱۵۸)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے (نبی) پر۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اب نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانا (ہر بندے پر) فرض عین ہے اور یہ جب ہی

کامل ہوگا کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اسلام اس وقت تک صحیح ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایمان کامل نہ ہو۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا۝ (پ ۲۶ الفتح ۱۳)

اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال (جہاد) کروں جب تک کہ وہ گواہی نہ دیں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مجھ پر اس طرح ایمان لائیں کہ جو کچھ میں لایا ہوں اس کی تصدیق کریں' جس وقت انہوں نے ایسا کرلیا اس وقت انہوں نے مجھ سے اپنا جان و مال بچالیا سوائے ان حقوق کے جن کا حساب و کتاب اللہ ﷻ پر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ جلد ۲ صفحہ ۹۱ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۱،۵۲،۵۳)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ، اللہ ﷻ انہیں توفیق دے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی یہ تصدیق کرے کہ یہ آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی طرف سے ہے اور یہ کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ آپ نے فرمایا ہے اس کی بھی تصدیق کرے۔ تصدیق قلبی کے مطابق اس کی زبان سے شہادت ہو کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ جس وقت دل کے ساتھ تصدیق اور زبان کے ساتھ اس کی شہادت جمع ہوگئی تب اس کا ایمان مکمل ہوگا اور تصدیق درست ہوگی۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت نہ دیں۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳)

اور حدیث جبریل علیہ السلام میں اس سے زیادہ وضاحت ہے جبکہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اسلام یہ ہے کہ) شہادت دے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ارکان اسلام کو بیان فرمایا۔

پھر جبریل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے ساتھ اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں پر ایمان لائے۔ (آخر حدیث تک) (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایمان محتاج ہے کہ دل میں اس کی مضبوط گرہ بٹھائی جائے اور اسلام یہ ہے کہ زبان سے اس کی شہادت دی جائے۔ تکمیل وصحت ایمان کے لئے بھی حالت محمود ومختار ہے لیکن یہ حالت نہایت مذموم اور بری ہے کہ زبان سے تو شہادت دے اور دل اس کی تصدیق سے خالی ہو۔ اس کا نام نفاق ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ O (پ ۲۸ منافقون ۱)

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی یہ منافقین زبان سے اس کی تصدیق واعتقاد کے اظہار میں جھوٹے ہیں کیونکہ وہ (دل سے) اس کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب ان کے دلوں نے اس کی تصدیق نہیں کی جو ان کی زبانوں پر ہے کہ دل اس پر ایمان لانے سے عاری ہیں تو ان کا یہ زبانی اقرار کچھ نفع نہ دے گا۔ لہٰذا ایمان کی تعریف سے یہ خارج ہیں۔ ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں کہ انہیں مومن کہا جائے۔ جب وہ مومنین کے ساتھ نہیں ہیں تو ان کا شمول جہنم کے نچلے درجہ میں کافروں کے ساتھ ہوگا۔ البتہ دنیا میں زبان سے اقرار کی وجہ سے ان کے اسلام کا حکم دیا جائے گا یہ بھی صرف دنیاوی معاملات کی حد تک جو امام وحاکم سے متعلق ہے کہ امام وحاکم صرف ان کی ظاہری حالت پر حکم دینے کا مجاز رکھتے ہیں جس طرح پر بھی اسلام کی علامتوں کا ظاہری طور پر ان سے اظہار ہو۔ کیونکہ انسان کو دل کے بھیدوں پر اختیار نہیں اور نہ انہیں ان سے بحث کی اجازت دی گئی بلکہ نبی کریم ﷺ نے ضمیروں اور ان کے بھیدوں پر حکم دینے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس کی مذمت فرمائی ہے اور فرمایا کہ هَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ کیا تو نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا ہے؟ (صحیح بخاری کتاب المغازی صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۹۶، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ا صفحہ ۲۹۸)

زبانی اقرار اور دل سے اعتقاد کا فرق حدیث جبریل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ شہادت یعنی زبانی اقرار اسلام ہے اور تصدیق یعنی دل سے اس کا اعتقاد ایمان ہے۔ اب دو ایسی حالتیں اور باقی رہ گئیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں۔

ایک تو یہ کہ دل سے تصدیق کرے پھر وہ قبل اس کے کہ زبانی شہادت دینے کے لئے اس کو

وسیع وقت ملے فوت ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو ایمان کامل کے لئے قول وشہادت کو شرط مانا ہے اور بعض نے ایسے شخص کو مومن و مستحق جنت خیال کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کہ دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۲۷)

آپ ﷺ نے دل کی بات کے سوا کچھ مزید ذکر نہ فرمایا۔ ایسا شخص دل کا مومن ہے جو کہ نہ تو گنہگار ہے اور نہ اس کے غیر (یعنی زبانی شہادت) کے ترک پر قصوروار ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات بالکل صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ دل سے تصدیق کرے اور اس کو مہلت بھی ملے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی شہادت (زبانی اقرار) بھی ضروری ہے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا اور نہ اپنی تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی اس کی شہادت دی۔ تو اس صورت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک روایت کے بموجب وہ مومن ہے کیونکہ وہ (دل سے) مُصَدِّق وَ مُعْتَقِدْ ہے اور (زبانی) شہادت اعمال کے قبیل سے ہے لہٰذا وہ ترکِ شہادت (زبانی) کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور دائمی جہنم کا سزاوار نہ ہوگا۔

اور دوسری روایت کے بموجب وہ مومن نہیں ہوگا جب تک زبانی اقرار وشہادت، تصدیق قلبی کے ساتھ متصل و مقارن نہ ہو اس لئے شہادت و اقرار زبانی انشاء عقد اور التزام ایمان (یعنی ظاہری حالت کو باطن کے اعتقاد کے مطابق بنانے) کا نام ہے اور وہ عقد یعنی تصدیق قلبی کے ساتھ مربوط ہے اور تصدیق اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ مہلت وسعت ہوتے ہوئے شہادت کا اظہار نہ کرے۔ یہی قول صحیح ہے۔ (یہی صاحب کتاب قاضی عیاض رحمہ اللہ کا مذہب ہے)

یہ مختصر وضاحت کلام کافی ہے جو اسلام و ایمان اور ان دونوں کے ابواب اور دونوں کی زیادتی و کمی کی وسعت و طوالت تک بھی لے جاتا ہے اور کیا مجرد تصدیق پر تجزی و تقسیم ممتنع و محال ہے کہ اس میں اجمال و اختصار صحیح نہ ہو حالانکہ عمل میں وہ اس سے زیادہ ہی کی طرف راجع ہے یا اس میں اس کی قوت و یقین میں، اس کی صفات میں اختلاف اور اس کے حالات میں تباین اور اعتقاد میں پختگی اور معرفت میں وضاحت، کسی حالت کا دوام اور حضور قلب وغیرہ پیش آجاتے ہیں یہ ایک وسیع کلام ہے جو کہ مقصد و غرض تالیف سے باہر ہے اور جس قدر کہ ہم نے ذکر کر دیا وہ ہمارے مقصد کے لئے از بس کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

پہلی فصل

آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض، آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع

حضور سید عالم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا لازم وواجب ہونا (اس طرح پر ہے کہ) جب آپ ﷺ پر ایمان لانا اور جو کچھ آپ (شریعت اسلامیہ) لائے اس کی تصدیق کرنا واجب ہو گیا تو آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری بھی فرض ہو گئی کیونکہ یہ بھی منجملہ انہیں چیزوں میں سے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. (پ ۵ النساء ۵۹)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اور ارشاد ہوا کہ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج (پ ۳ ال عمران ۳۱)

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (پ ۴ ال عمران ۳۲)

اور اللہ ورسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا. (پ ۱۸ النور ۴۴)

اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو راہ پاؤ گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (پ ۵ النساء ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (پ ۲۸ الحشر ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا۔

(پ۵ النساء ۶۹) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(پ۵ النساء ۶۴) (ترجمہ کنز الایمان)

(ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ) اللہ ﷻ نے اپنے رسول (سید عالم ﷺ) کی اطاعت کو اپنی اطاعت بنایا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ شامل کیا اور آپ ﷺ کی نافرمانی پر بڑے عذاب سے ڈرایا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ہر حکم کو بجالانا اور آپ ﷺ کی ہر ممانعت سے اجتناب کرنا اور بچنا فرض ہے۔

مفسرین کرام اور ائمہ عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ آپ کی سنت کو لازم پکڑا جائے اور جو کچھ آپ احکام (امر و نواہی) لائے ہیں اس کے لئے سر تسلیم خم کیا جائے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ ہر رسول ﷺ کو اسی لئے بھیجتا ہے کہ اس کی اطاعت اور جو کچھ اس کی طرف بھیجا جائے وہ سب امت پر فرض بن جائے۔

مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے رسول کی اس کی سنت میں فرمانبرداری کی اس نے اللہ ﷻ کی فرائض میں اطاعت کی۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے "شرائع اسلام" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ رسول ﷺ دیں اس کو لازم پکڑلو۔

(فقیہ ابو اللیث) سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اللہ ﷻ کی اطاعت سے اس کے فرائض اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ان کے سنت کی بجا آوری مراد لی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت کرو اس چیز میں جس کو تم پر اس نے حرام کیا ہے اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اس میں جس کی انہوں نے تبلیغ و دعوت دی اور یہ بھی مروی ہے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ سے مراد اللہ ﷻ کی ربوبیت کی شہادت اور نبی کی (اطاعت سے مراد) اس کی رسالت و نبوت کی شہادت ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی

بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر (قائم مقام) کی اطاعت کی یقیناً اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۴ صفحہ ۳۰، صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۶)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ) رسول ﷺ کی اطاعت اللہ ﷻ کی ہی اطاعت ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ پس آپ ﷺ کی اطاعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے ذریعہ حکم دیا ہے اس کو بجالایا جائے۔ یہی اللہ ﷻ کی اطاعت ہے۔

اللہ ﷻ نے کفار کا وہ مقولہ نقل فرمایا ہے جبکہ طبقات جہنم میں ان کے چہروں کو آگ میں الٹ پلٹ کیا جائے گا اس وقت کفار کہیں گے:

یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ اے کاش کہ ہم نے اللہ کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری کی ہوتی۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۶۶)

پس کفار ایسے وقت میں آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا کریں گے جب کہ ان کی یہ تمنا کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب میں تم کو کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے باز رہو اور جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اس کو حد استطاعت تک بجالاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ جلد ۷، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۷۲)

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کا ہر ایک فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کرے۔ صحابہ کرام ؓ نے دریافت کیا: وہ کون انکار کرنے والا ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے بیشک اس نے میرا انکار کیا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، مستدرک کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۵۵)

دوسری صحیح حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میری مثال اور اس چیز کی (مثال) جس کے ساتھ اللہ ﷻ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے۔ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں نجات کی تلاش کرو۔ اس پر ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی راتوں رات مہلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے اور نجات پا گئے اور دوسرے گروہ نے جھٹلایا۔ انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی تو صبح کے وقت

ان پر لشکر نے چھاپا مارا اور ان کو ہلاک و تباہ کر دیا۔

اسی طرح یہ مثال ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لایا اس کا اتباع کیا (وہ نجات پا گیا) اور یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو میں لایا ہوں اس کی حقانیت کی تکذیب کی تو وہ تباہ و ہلاک ہوا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۷۸۸، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

دوسری حدیث میں اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ جیسے کسی نے ایک گھر بنایا اور اس میں ضیافت کے عمدہ کھانے تیار کیے اور ایک پکارنے والے (داعی) کو بھیجا جو داعی کی پکار کو قبول کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو اس نے عمدہ سامان ضیافت کو کھایا اور جس نے داعی کی آواز پر کان نہ دھرے تو نہ وہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ عمدہ ماکولات و مشروبات ضیافت سے کچھ کھا سکے گا۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام جلد ۹ صفحہ ۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۷۱)

(سنو) وہ گھر جنت ہے اور داعی سید عالم ﷺ ہیں پس جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کی اطاعت کی اور جس نے آپ ﷺ کی دعوت پر کان نہ دھرے اور نافرمانی کی وہی اللہ ﷻ کا نافرمان ہے کیونکہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس لوگوں میں (حق و باطل) کی تفریق کرنے والی ہے۔

دوسری فصل

وجوب اتباع و تعمیل سنت کا کتاب و سنت سے ثبوت

لیکن آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی سنت بجا لانے اور آپ ﷺ کی ہدایت کی اقتداء کرنے کے وجوب میں (دلائل یہ ہیں) کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(پ۳ ال عمران ۳۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (پ ۹ الاعراف ۱۵۸)

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے (نبی) پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا۔ (پ ۵ النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں (یونہی) کہا جاتا ہے کہ سَلَّمَ یعنی سپرد کیا' اِسْتَسْلَمَ سپردگی چاہی اور اَسْلَمَ اطاعت و انقیاد کے ساتھ سر جھکا دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ (پ ۲۸ الممتحنہ ۶)

بیشک تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسوۂ رسول ﷺ یہ ہے کہ ان کی اقتداء اور ان کی سنت کی پیروی کی جائے اور ان کی مخالفت خواہ قولی ہو یا فعلی اس کو ترک کر دیا جائے۔ بکثرت مفسرین یہی معنی بیان کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہنے والے (متخلفین) پر عتاب ہے۔

آیۂ کریمہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے سنت کی پیروی مراد ہے۔ پس اللہ ﷻ نے اس کا حکم دیا اور آپ کی ہدایت کے اتباع پر وعدہ فرمایا کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ۔ (پ ۱۰ التوبہ ۳۳)

جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تاکہ آپ ﷺ مسلمانوں کو پاک کریں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمادیں اور دوسری آیت میں مسلمانوں سے اپنی محبت کا وعدہ کیا اور جب آپ ﷺ کی وہ اتباع کریں تو ان کی مغفرت کا مژدہ دیا اور مسلمان اپنی خواہشوں پر اور ان پر بھی جن کی طرف ان کے دل

مائل ہوں (آپ کا اتباع کریں گے) بلاشبہ مسلمانوں کے ایمان کی صحت آپ ﷺ کی انقیاد و اطاعت پر اور اس کی رضا آپ ﷺ کے حکم کی متابعت اور آپ ﷺ پر اعتراض کے ترک پر موقوف ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اللہ ﷻ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس وقت اللہ ﷻ نے نازل فرمایا کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ. (پ۳ ال عمران ۳۱) فرمایا اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو (ترجمہ کنزالایمان)

(تفسیر درمنثور سورہ ال عمران آیت ۳۲ جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ کعب بن اشرف وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم اللہ ﷻ کے (معاذ اللہ) بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی اللہ ﷻ کے بڑے چاہنے والے ہیں۔ اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ ﷻ کو چاہتے ہو یعنی اس کی اطاعت کا دم بھرتے ہو تو جو وہ حکم دیتا ہے اس کو کرو۔ اس لئے کہ بندے کا اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنا یہی ہے کہ وہ دونوں کی فرمانبرداری اور پیروی کرے اور اللہ ﷻ کی رضا اسی میں ہے کہ جو وہ حکم دے اس پر عمل کیا جائے یا یہ کہ

اللہ ﷻ کی محبت مسلمانوں کے لئے ہو۔ سو یہ ان کی بخشش اور ان پر انعام و اکرام اپنی رحمت و کرم سے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے محبت یہ ہے کہ وہ بندے کو (معاصی سے) بچائے اور توفیق (عبادت کی) دے اور بندوں کی محبت اللہ ﷻ سے یہ ہے کہ اس کی پیروی و اطاعت کرے۔ جیسا کہ کسی نے کہا کہ

تَعْصِى الْاِلٰـهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ   هٰذَا لَعَمْرِىْ فِى الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ

یعنی تو اللہ ﷻ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ تو اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ بات میری زندگی میں، قیاس میں انوکھی ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَ طَعْتَهٗ   اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو اس کی ضرور اطاعت کرتا۔ بیشک محب جس سے محبت کرے اس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ بندے کی محبت اللہ ﷻ سے یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی عظمت و تکریم کرے اور اس سے خوفزدہ رہے اور اللہ ﷻ کی محبت بندے سے یہ ہے کہ اس کی رحمت اس پر ہو اور اس کا ارادہ

بھلائی سے ہو اور کبھی یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اللہ ﷻ بندے کی تعریف و توصیف کرے۔

قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پس جبکہ محبت کے معنی رحمت، ارادت اور تعریف و مدح کے ہوں تو یہ ذات کی صفات میں شامل ہو گیا

اور عنقریب بعد میں بندے کی محبت کے ذکر میں اللہ ﷻ کی مدد سے ان کے علاوہ باتیں آئیں گی۔

حدیث: عرباض بن ساریہ ؓ سے موعظۂ نبی کریم ﷺ کی حدیث بالا اسناد مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ

میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم پکڑو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو

(سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ سنن ترمذی جلد ۴ صفحہ ۱۵۱-۱۵۰ مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۹۷-۹۵)

(دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ ہر محدث بدعت (سیئہ) ہے اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنی جابر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ جلد ۲ صفحہ ۵۹۲)

حضرت ابورافع ؓ کی حدیث جو حضور ﷺ سے مروی ہے کہ (حضور نے یہ غیبی خبر ارشاد فرمائی کہ) خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالے جو بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہے (کیونکہ وہ اپاہج ہو گا) کہ اس کے پاس میرا حکم آئے جس کو میں نے حکم کیا ہو یا اس سے باز رہنے کا حکم کیا ہو اس پر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا ہم نے کتاب اللہ ﷻ میں نہیں پایا کہ ہم اس کا اتباع کریں۔

(سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۱۲ سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۴ صفحہ ۱۴۴ مقدمہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۷)

نوٹ: یہ فرمان نبوت حضور ﷺ کا ایک غیبی معجزہ ہے۔ جو ہو بہو ایسا ہی واقعہ ہوا کہ قریب ایام میں ایک منکر حجیت حدیث عبداللہ چکڑالوی پیدا ہوا جو اپاہج اور تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی کچھ کہتا تھا اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا (مترجم)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا کہ اس میں رخصت تھی تو اس سے باز رہنے کی بابت (یعنی نہ کرنے پر) ایک قوم نے پوچھا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچی تو آپ نے اللہ ﷻ کی حمد کرتے ہوئے فرمایا کہ

لوگوں کا کیا حال ہے کہ جس کام کو میں نے کیا ہے اس سے باز رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی قسم!

مجھے ان کی نسبت اللہ ﷻ کی زیادہ معرفت ہے اور مجھے اللہ ﷻ کا بہت خوف (خشیت) ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۲۹)

حضور سید عالم ﷺ سے مروی ہے کہ قرآن اس شخص پر بہت سخت ہو جاتا ہے اور وہ مشکل میں پڑ جاتا ہے جو اس سے کراہت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ حَکَم (فیصلہ) کرنے والا ہے پس جو شخص میری حدیث سے حجت پکڑے اور اس کو سمجھے اور یاد رکھے تو وہ (بروز حشر) قرآن کے ساتھ اٹھے گا اور جو شخص قرآن اور میری حدیث کے ساتھ سستی واہانت کرے وہ دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا ہے۔

میں اپنی امت (مستجاب) کو حکم دیتا ہوں کہ وہ میری حدیثوں کو (حجت جان کر) مضبوط تھامے اور میرے حکم کی اطاعت کرے اور میری سنت کا اتباع کرے پس جو میرے قول (حدیث) سے راضی ہے بیشک وہ قرآن سے راضی ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ. اور جو تم کو رسول دیں تم اس کو مضبوط پکڑو۔

(پ ۲۸ الحشر ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اقتدا کی پس وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے روگردانی کی پس وہ مجھ سے نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: بیشک عمدہ کلام کتاب اللہ ﷻ ہے اور بہترین ہدایت (سید عالم) محمد (مصطفی ﷺ) کی ہے۔ برے کام وہ ہیں جو (دین میں) نئی باتیں ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۲، مقدمہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم تین ہیں جو اس کے سوا باقی ہے وہ زیادتی ہے۔ 1۔ آیہ محکمہ یا 2۔ سنت قائمہ یا 3۔ فریضہ عادلہ (یعنی فقہ وقیاس وغیرہ)

(سنن ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۰۶، مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۱)

حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے اس عمل سے جو بدعت (سیئہ) میں زیادہ ہو۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۱، مسند الفردوس جلد ۳ صفحہ ۲۱)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ ﷻ بندے کو سنت پر عمل کرنے پر جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں میری سنت پر (سختی سے) عمل کرنے والے کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) گروہوں میں بٹ چکے ہیں اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ (ناجی) فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ وہ ہے آج جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان جلد ۲ صفحہ ۱۳۵)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری (مردہ) سنت کو زندہ کیا اس نے (گویا) مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

(الحدیث الاصبہانی فی الترغیب کمافی مسالک الحنفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت عمرو بن عوف مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال ابن حارث ﷺ سے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو جو میرے بعد مردہ ہو چکی ہو اسے زندہ کیا تو اس کا اجر ان کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جو (دین میں کوئی) نئی بات گمراہی کی نکالے کہ جس سے اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہ ہو تو اس کا عذاب ان لوگوں کے برابر ہے جو اس پر عمل کریں (بغیر اس کے کہ) یہ گناہ لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۹)

تیسری فصل

سلف صالحین رحمہم اللہ سے اتباع سنت کا وجوب

لیکن وہ جو سلف وائمہ رحمہم اللہ سے آپ ﷺ کی سنت کے اتباع' آپ ﷺ کی ہدایت وسیرت پاک کی اقتداء کے وجوب کا ثبوت ہے' یہ ہے کہ

حدیث: بالاسناد مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر ﷺ سے دریافت کیا کہ اے ابا عبدالرحمٰن ہم قرآن میں صلوٰۃ خوف اور صلوٰۃ حضر تو پاتے ہیں مگر صلوٰۃ سفر نہیں پاتے؟

عبداللہ بن عمر ﷺ نے فرمایا: اے ابن اخی بیشک اللہ ﷻ نے ہماری طرف حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر بھیجا (اس سے زیادہ) ہم کچھ نہیں جانتے کہ ہم وہی کرتے ہیں جیسا ہم نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الامامۃ جلد ۱ صفحہ ۳۳۹ سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد صاحب الامر (خلفاء راشدین وغیرہ) نے کسی سنت کو جاری کیا تو اس کو اخذ کرنا (اور اس پر عمل کرنا

گویا) کتاب اللہ ﷻ کی ہی تصدیق ہے۔ اللہ ﷻ کی اطاعت پر عمل ہے اور دین الٰہی کی تقویت کا موجب ہے۔ کسی کو یہ اختیار نہیں کہ سنت میں تغیر و تبدل کر سکے اور نہ کوئی اس کا مجاز ہے کہ اس کے مخالف کی کسی بات پر غور و فکر بھی کی جائے۔ جو شخص اس سنت کی پیروی کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو اس کی مدد کرتا ہے وہ منصور مظفر ہے۔ جو اس کا مخالف ہے وہ مومنین کے راستہ کے برخلاف چلتا ہے۔ اللہ ﷻ اس کو اس پر مسلط کر دے گا جس کا وہ والی بنے۔ (یعنی اللہ ﷻ اس کو اسی گمراہی میں ڈالے رکھے گا۔ العیاذ باللہ) اللہ ﷻ ایسوں کو جہنم میں جھونک دے گا اور وہ نہایت ہی بری جگہ۔

(الحدیث الا لکائی فی السنۃ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۱۷۸)

حضرت حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق عمل قلیل بہتر ہے اس سے جو بدعت (سیئہ) پر عمل کثیر کیا جائے۔

حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں چند مردان اہل علم (علماء کرام) سے یہ بات پہنچی کہ وہ فرماتے تھے: اَلْاِعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ. "سنت پر سختی سے عمل کرنا نجات ہے۔"

(الحدیث اللالکائی فی السنۃ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی)

حضرت عمر بن خطاب ﷺ (فاروق اعظم) نے اپنے عمال کی طرف یہ خط لکھا کہ سنت، فرائض اور لحن یعنی لغت کو سیکھو اور فرمایا کہ کچھ لوگ تم سے قرآن کے بارے میں جھگڑیں گے (تو خبردار) تم ان سے سنن سے مواخذہ کرنا بلاشبہ اصحاب سنن (اہلسنت) کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

(مقدمہ سنن داری جلد ۱ صفحہ ۴۹)

اور آپ ﷺ سے ہی ایک حدیث مروی ہے کہ جس وقت (حضرت فاروق اعظم نے) ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں تب فرمایا تھا کہ میں نے ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ جلد ۹۸۱)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب آپ نے (حج کے موقعہ پر) قران کیا تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین ﷺ نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ میں لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں اور آپ اس کو کر رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں کہ کسی کے کہنے سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں۔

(صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۲۰، سنن نسائی کتاب القرآن جلد ۵ صفحہ ۱۴۸)

اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ بھی مروی ہے کہ (آپ نے فرمایا) مگر میں نبی نہیں ہوں اور نہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حتی المقدور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتا ہوں۔

حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں غور و فکر کرنا بدعت (سیئہ) میں اجتہاد کرنے سے بہتر ہے۔ (دارمی باب فی کراھیۃ اخذ الرای جلد ا صفحہ ۷۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر کی نماز (قصر) کی دو رکعتیں ہیں (یعنی چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں ہیں) جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (مسند حمید بسند صحیح کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۷۹)

حضرت ابی ابن کعب[1] رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طریقہ سنت کو لازم پکڑو کیونکہ زمین میں کوئی ایسا نہیں کہ جو طریق سنت پر ہو وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرتا ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو خوف خدا (خشیت) سے جاری رہتے ہوں۔ پھر اس کو اللہ ﷻ ابدی عذاب دے (یعنی سنت پر عمل کرنے والے کو ہمیشگی جہنم کا عذاب نہیں ہوگا) اور زمین پر کوئی بندہ ایسا نہیں جو طریق سنت پر ہو اور جب وہ اپنے دل میں خدا کو یاد کرے تو اس کا رُواں رُواں خشیت الٰہی سے کھڑا ہو جائے مگر اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کے پتے خشک ہو گئے ہوں پھر وہ اس حالت میں ہو کہ اچانک اس کو آندھی پہنچے تو اس کے پتے جھڑ کر گر جائیں (اسی طرح اس کے گناہ جھڑ جائیں گے) بلاشبہ سبیل و سنت پر عمل کرنا بہتر ہے اس پر کوشش کرنے سے جو خلاف سبیل و سنت ہو اور بدعت (سیئہ) کے موافق ہو۔ (اے مسلمانو!) تم غور کرو تمہارا عمل اگر اجتہادی یا معتدل ہے تو یہ انبیاء علیہم السلام کے طریق و سنت پر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے بعض عمال نے اپنے شہروں کا حال لکھتے ہوئے لکھا کہ یہاں چوروں کی بہت زیادتی و کثرت ہے کیا ان کو محض اپنے گمان پر گرفتار کر لیا کروں یا ان کے لئے ثبوت و شہادت کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اس پر سنت جاری ہے۔ آپ نے ان کی طرف لکھا۔ ان کو کسی دلیل و بینہ سے پکڑو جیسا کہ سنت جاری ہے۔ پس اگر ان کی حق و انصاف بھی اصلاح نہ کر سکے تو پھر اللہ ﷻ بھی ان کی اصلاح نہ فرمائے گا۔ (مطلب یہ کہ حق و بینہ ہی ان کی درستی کر دے گا) حضرت عطاء رحمہ اللہ سے آیہ کریمہ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو۔

(پ۵ النساء ۵۹) (ترجمہ کنزالایمان)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ (الی اللہ سے مراد) کتاب اللہ ﷻ اور (الرسول سے مراد) سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیا

ا۔ الاصبہانی الترغیب، واللالکائی فی السنۃ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی

جائے۔ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب ﷺ نے فرمایا: جب آپ کی نظر حجر اسود پر پڑی کہ اے حجر اسود تو ایک ایسا ہی پتھر ہے جو ذاتی طور پر نہ نفع پہنچا سکے نہ ضرر۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ ﷺ نے تجھ کو بوسہ (استلام) دیا ہے تو ہرگز میں تجھ کو بوسہ (استلام) نہ دیتا اس کے بعد آپ نے (حجر اسود کو) بوسہ دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر ﷺ نے اپنی اونٹنی کو ایک جگہ پر چکر دیا۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ فرمایا: اس سے زیادہ میں نہیں جانتا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اس مقام پر) ایسا کرتے دیکھا۔ لہٰذا میں نے بھی ایسا کیا۔

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ پر سنت قولی و فعلی کو حاکم بنالیا اس نے حکمت کی باتیں کیں اور جس نے خواہشات نفسانی کو اپنا حاکم بنالیا اس نے بدعت کی باتیں کیں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ نے کہا کہ ہمارے مذہب کے تین اصول ہیں۔ 1۔ اخلاق و افعال میں حضور ﷺ کی پیروی کرنا۔ 2۔ حلال کھانا۔ 3۔ اور نیت کا تمام اعمال میں خالص ہونا۔

اللہ ﷻ کے ارشاد

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ. اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

(پ۲۲ ع ۱۴) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دن ایک ایسی جماعت کے ساتھ گزر ہوا جس نے برہنہ ہو کر پانی میں داخل ہو کر غسل کیا۔ اس وقت میں نے اس حدیث پر عمل کیا (کہ حضور ﷺ نے فرمایا) "جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو" (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۹) چنانچہ میں برہنہ نہ ہوا۔ تب اسی رات میں نے یہ ندا سنی کہ اے احمد خوشخبری ہو کہ اللہ ﷻ نے تم کو سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہارے گناہ بخش دیئے اور تم کو پیشوا بنا دیا گیا کہ لوگ تمہاری پیروی کریں۔ (آپ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس ہاتف غیبی سے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا کہ جبریل (ﷺ)

چوتھی فصل

سنت کی مخالفت موجب عذابِ آخرت ہے

حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت اور آپ ﷺ کی سنت کی تبدیلی ایسی گمراہی و بدعت ہے کہ اس پر اللہ ﷻ نے ذلت و عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (پ ۱۸ النور ۶۳)

تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى. (پ ۵ النساء ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور اپنی امت کے حال میں حدیث بیان فرمائی۔ اس (حدیث) میں یہ ہے کہ بعض لوگ میرے حوض سے (قیامت کے دن) ہٹا دیئے جائیں گے جیسا کہ بھولا ہوا اونٹ ہٹا دیا جاتا ہے۔ پس میں انہیں پکاروں گا 'ادھر آؤ' ادھر آؤ' ادھر آؤ۔ اس وقت کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد طریقہ بدل لیا تھا۔ تب میں فرماؤں گا: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ (یعنی آپ نفرت و بیزاری کا اظہار فرمائیں گے)۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری امت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۳، صحیح مسلم کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۰)

اور فرمایا جس نے ہمارے دین میں وہ بات داخل کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔ (صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۳ صفحہ ۱۶۰، صحیح کتاب الاقضیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۴۳)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بواسطہ اپنے والد حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار تم میں سے کسی کو وہ شخص فتنہ میں نہ ڈالیں جو فرش پر ٹیک لگائے ہے اس کے سامنے

جب میرا کوئی حکم جس کو میں نے فرمایا یا میری کوئی مخالفت پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا' ہم نے کتاب اللہ ﷻ میں نہیں پایا کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ حضرت مقدام ؓ کی حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ خبردار بلاشبہ جو رسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا' وہ اللہ ﷻ کے حرام کرنے کی طرح ہے۔

(سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۲' مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

اور فرمایا حضور ﷺ نے درانحالیکہ آپ کے سامنے ایک شانہ پر کچھ لکھا ہوا لایا گیا کہ قوم کی حماقت یا فرمایا گمراہی کے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے نبی ﷺ کی لائی ہوئی چیز سے روگردانی وانحراف کر کے غیر نبی ؑ کی طرف رجوع کرے یا اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسروں کی کتابوں کی طرف رغبت کرے۔ اس وقت یہ آیت اتری:

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ ؕ اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان) (پ ۲۱ العنکبوت ۵۱)

(مراسیل ابوداؤد وابن جریر وحاکم بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۴۷)

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کلام میں مبالغہ وشیخی خورے یا طعنہ زنی کرنے والے ہیں وہ ہلاک ہوگئے۔

(صحیح مسلم کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۵)

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: میں اس چیز کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کرتے رہے ہیں مگر یہ کہ میں اس پر عمل کروں۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ ﷺ کے کسی حکم کو چھوڑا تو یقیناً گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۲ صفحہ ۹۳' سنن ابوداؤد کتاب الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۲۶۵)

دوسرا باب

امت پر آپ ﷺ کی محبت لازم وواجب ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا. تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال۔ (ترجمہ کنز الایمان) (پ ۱۰ التوبہ ۲۴)

یہ آیہ کریمہ آپ ﷺ کی محبت کے لزوم اور اس کے فرض واہم امر اور یہ کہ آپ ﷺ ہی اس

محبت کے اصل مستحق ہیں' اس بارے میں ترغیب وتنبیہ اور دلیل وحجت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کی سخت سرزنش وتنبیہ کی ہے جس نے اپنی آل اولاد اور مال کی محبت کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ سمجھا۔ ایسوں کو ڈراتے ہوئے اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

(پ۱۰ التوبہ ۲۴) (ترجمہ کنز الایمان)

آخر آیت میں ایسوں کو فاسق (بے ایمان) فرمایا اور جتلایا کہ بلاشبہ یہ لوگ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ ﷻ نے ہدایت کی توفیق نہ دی۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کی طرف اس کی اولاد اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس نے ایمان کی حلاوت پائی۔ 1۔ اللہ ﷻ اور اس کا رسول ﷺ ان کے ماسوا سے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ 2۔ یہ کہ اللہ ﷻ کے لئے ہی کسی سے محبت کرے۔ 3۔ اور یہ کہ کفر پر لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹' صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۶۷۔۶۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (ایک دن آپ نے) حضور ﷺ سے عرض کیا: بیشک میرے نزدیک آپ سوائے اس اپنی جان کے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔

اس وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب قرآن نازل فرمایا۔ یقیناً آپ میری اس جان سے بھی جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے' زیادہ محبوب ہیں۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تم (کامل ایماندار) ہو گئے۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی جلد ۲ صفحہ ۵۲۲ الخ)

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی ولایت وحکومت تمام حالات میں نہیں دیکھتا اور اپنی جان کو اپنی ملک جانتا ہے تو وہ حضور ﷺ کی سنت کی شیرینی کو نہ چکھے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ نَفْسِهٖ۔ تم میں سے وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کے نزدیک میں اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

پہلی فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کا اجر و ثواب

حدیث: حضرت انس ؓ سے بالاسناد مروی کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: قیامت کب آئے گی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم؟ فرمایا: تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا: میرے پاس اس کے لئے نہ نمازوں کی کثرت ہے نہ روزہ وصدقہ ہے لیکن میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو محبوب رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب عمر جلد ۵ صفحہ ۱۱ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۲)

حضرت صفوان بن قدامہ ؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ پھر میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اپنا دست مبارک دیجئے تا کہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں۔ فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. مرد جس سے محبت رکھے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۳)

اس حدیث کو لفظاً حضور ﷺ سے عبداللہ بن مسعود[1] اور ابوموسیٰ[2] اور انس[3] ؓ سے معنی مروی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے اور ان کے والد ووالدہ رضی اللہ عنہما سے محبت کرے وہ میرے ساتھ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی مناقب علی جلد ۵ صفحہ ۳۰۵)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۲۳-۲۳، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۴

۲۔ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۲۳، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۴

۳۔ صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۷ صفحہ ۲۳، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۳۲-۲۰۳۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۳۳۵ مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۵۶

مروی ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں اور میں آپ کو دل میں یاد رکھتا ہوں جب تک میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کر لیتا مجھے صبر و قرار نہیں آتا اور جب میں اپنی موت اور آپ کی جدائی (یعنی موت طبعی) کو یاد کرتا ہوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ جب جنت میں تشریف لے جائیں گے تو آپ نبیوں کے ساتھ مقام ارفع میں تشریف فرما ہوں گے اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ کی زیارت نہ کرسکوں گا پھر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (پ ۵ النساء ۶۹)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۵۸۸)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ اس نے نظر بچا کر آپ ﷺ کو دیکھنا شروع کیا حتیٰ کہ کسی طرف وہ مائل ہی نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا حال ہے؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان میں آپ کی طرف نظر کرنے سے حظ (لذت) حاصل کرتا ہوں جب آپ کو بروز قیامت اللہ ﷻ مقام رفیع عطا فرمائے گا (اس وقت میرا کیا حال ہوگا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت انس ﷺ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (الاصبہانی فی الترغیب کمانی مناہل الصفا للسیوطی صفحہ ۱۸۲)

(اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِجَاهِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ)

دوسری فصل

آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے بارے میں اقوالِ سلف

نبی کریم ﷺ کی محبت و اشتیاق کے سلسلہ میں جو ائمہ سلف رحمہم اللہ سے منقول ہیں (اب ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حدیث حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد بہت سے وہ لوگ آئیں گے جو مجھ سے محبت کریں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش اپنے اہل

وماں کے بدلے میں میری زیارت ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الجنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۶۸)

اسی کے مثل حضرت ابوذر ﷺ سے مروی ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۱۵۶)

حضرت عمر ﷺ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ دیگر صحابہ کرام ﷺ سے بھی اس قسم کی محبت کا حال گزر چکا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص ﷺ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھ کو اور کوئی محبوب نہ تھا۔ عبیدہ بنت خالد بن معدان ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: جب خالد (ان کے والد) اپنے بستر پر آتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنا شوق اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین وانصار سے اپنی محبت کا ذکر نام لے کر کیا کرتے اور کہتے یہ لوگ میری اصل ونسل (یعنی حسب ونسب) ہیں ان کی طرف میرا دل میلان کرتا ہے۔ میرا شوق ان سے طویل ہے۔ اے میرے رب ﷻ میری روح ان کی طرف جلدی قبض کر (یہی کہتے کہتے) ان پر نیند غالب آ جاتی۔

حضرت ابوبکر ﷺ کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا میرے لیے ان کے اسلام لانے یعنی ان کے والد حضرت ابوقحافہ ﷺ کے اسلام لانے سے زیادہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہے کیونکہ حضرت ابوطالب کا اسلام لانا آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے۔

اس کے مثل حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عباس ﷺ سے فرمایا کہ (میرے والد) خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ (ابوطالب) اسلام لائیں اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۶۸)

ابواسحق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی اور شوہر غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں قتل ہو گئے تھے۔ اس وقت اس نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ ﷺ نے کہا کہ آپ الحمدللہ بخیریت ہیں جیسا کہ تم چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے بتاؤ تاکہ میں آپ ﷺ کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا کہ آپ کی سلامتی کے بعد اب مجھے ہر مصیبت آسان ہے (مجھے ان باپ، بھائی، شوہر کی پرواہ نہیں) (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۰۲)

حضرت علی ابن طالب ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے تمہاری محبت کیسی تھی؟ فرمایا: خدا کی قسم مجھے اپنے مال، اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بہت

زیادہ آپ ﷺ محبوب تھے۔

زید ابن اسلم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت عمر ﷺ پہرا دیتے ہوئے نکلے تو ایک مکان میں چراغ جلتے دیکھا اور ایک بوڑھی عورت اون دھنتے ہوئے کہہ رہی تھی:

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلٰوۃُ الْاَبْرَارِ صَلّٰی عَلَیْہِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَارِ

حضور ﷺ پر نیکوں کا درود ہو۔ آپ پر ہر اچھے برگزیدہ لوگ درود پڑھتے ہیں۔

قَدْ کُنْتَ قَوَّامًا بُکًا بِالْاَسْحَارِ یَا لَیْتَ شِعْرِیْ وَالْمَنَایَا اَطْوَارِ

بیشک آپ راتوں کو کھڑے رہنے والے صبح تک رونے والے تھے۔ اے کاش! مجھے معلوم ہوتا حالانکہ نیندیں (موتیں) مختلف قسم کی ہیں۔

ھَلْ یَجْمَعُنِیْ وَحَبِیْبِیَ الدَّارَ

کیا (اللہ ﷻ) مجھ کو اور میرے محبوب کو ایک گھر (جنت) میں جمع کرے گا۔

اس تمنا کے اجتماع سے مراد اس عورت کی حضور ﷺ کی جنت میں مصاحبت و مقاربت ہے۔
وہیں حضرت عمر ﷺ بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ یہ واقعہ طویل ہے۔ (الرعد صفحہ ۳۶۳-۳۶۴)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ کا پاؤں شل ہو گیا۔ کسی نے ان سے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کو یاد کیجئے یہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے زور سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اسی وقت ان کا پاؤں کھل گیا۔ (عمل الیوم واللیلہ صفحہ ۷۲)

اسی طرح جب حضرت بلال ﷺ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی نے کہا:
وَاحُزْنَاہ (ہائے افسوس) اسی وقت انہوں نے کہا: وَاطَرَبَاہٗ غَدًا اَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ یعنی خوشی ہو کہ کل میں اپنے محبوب حضور ﷺ اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

مروی ہے کہ ایک عورت نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو میرے لئے کھول دیجئے۔ آپ نے اس کے لئے کھلوایا تو وہ رونے لگی حتی کہ وہ وہیں انتقال کر گئی۔

جس وقت اہل مکہ نے (فتح مکہ سے پہلے) زید بن دثنہ ﷺ کو حرم سے نکالا کہ ان کو قتل کر دیں تب ابوسفیان بن حرب ﷺ نے (اپنی حالت کفر کے زمانہ میں) اس سے کہا: اے زید ﷺ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اس وقت محمد ﷺ تیری جگہ ہوں اور ان کی (معاذ اللہ) گردن ماری جائے اور تو واپس اپنی اہل و عیال میں چلا جائے؟ تب زید ﷺ نے کہا: خدا کی قسم! میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حضور

ﷺ اس وقت جہاں بھی رونق افروز ہوں اس جگہ آپ ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا تک بھی چبھے اور میں اپنی جگہ (یونہی) بیٹھا رہوں۔ اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کو اس قدر محبوب رکھتا ہو جس قدر کہ محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ان کو محبوب رکھتے ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آتی تو آپ ﷺ اس سے اللہ عزوجل کی قسم لیتے کہ (کہے کہ) میں نہ تو خاوند کی دشمنی کی وجہ سے اور نہ کسی زمین کی طمع میں نکلی بلکہ میں صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں نکلی ہوں۔

(تفسیر ابن جریر سورۃ ممتحنہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے پاس ٹھہرے اور ان کے لئے استغفار کی اور کہا کہ خدا کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ تم بڑے روزے دار، شب بیدار اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی محبت رکھنے والے تھے۔

تیسری فصل

حضور ﷺ سے محبت رکھنے کی علامت

اس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس کی محبت رکھتا ہے وہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی کی موافقت کرتا ہے ورنہ وہ اس کی محبت میں صادق نہیں جس کی وہ محبت کا دھرم بھرتا ہے۔ لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں وہ سچا ہے جس پر اس کی علامتیں ظاہر ہوں۔

پہلی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا عامل ہو۔ آپ ﷺ کے افعال و اقوال کا اتباع کرے آپ ﷺ کے حکم کو بجا لائے اور نواہی سے اجتناب کرے عزت و عشرت، مسرت و کربت ہر حال میں آپ ﷺ کے آداب سے موعظت و نصیحت حاصل کرے۔ اس علامت کی حجت و دلیل اس آیت کریمہ میں ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (پ۳ ال عمران ۳۱)

اے محبوب تم فرما دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور علامت محبت یہ ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے مشروع فرمایا اور اس پر عمل کی ترغیب و تنبیہ فرمائی اس کو اپنی خواہشات نفسانی و شہوانی پر ترجیح دے چونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ. اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا...... (۲۸ پ الحشر ۹) (ترجمہ کنزالایمان)

دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو اور بندوں کو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں ناراض کر دیتے ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے فرزند اگر تم اس کی قدرت رکھو کہ تمہاری صبح اور شام اس حالت میں ہو کہ تمہارا دل ہر ایک کی کدورت سے پاک وصاف ہو تو ایسا کرو۔ اس کے بعد پھر مجھ سے فرمایا:

اے فرزند! یہ میری سنت ہے۔ جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (سنن ترمذی کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

لہٰذا اب جو شخص اس صفت سے متصف ہوگا تو وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں کامل ہوگا اور جو شخص ان میں سے بعض امور کی مخالفت کرے گا اس کی محبت اتنی ہی ناقص ہوگی اور وہ محبت کے نام سے خارج نہ ہوگا۔

اس کی دلیل حضور ﷺ کا اس شخص کے بارے میں وہ فرمان ہے کہ جس کو شراب پینے پر حد جاری کی گئی اور اس وقت بعض لوگوں نے اس پر لعنت کی تھی اور کہا تھا تعجب ہے اس کو ایسی حالت میں لایا گیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو کیونکہ یہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)

علامت محبت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل باکثرت کرے۔ اس لیے کہ جو شخص جس چیز کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اس کا ذکر باکثرت کیا کرتا ہے۔

انہیں علامات محبت میں سے آپ ﷺ کے لقاء و دیدار کا زیادہ شوق رکھنا ہے اس لئے کہ ہر محبّ اپنے محبوب کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے۔ اشاعرہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جب حضور ﷺ (بوقت ہجرت) مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہ (لوگ) رجز پڑھتے تھے۔

غَدًا نَلْقَ الْاَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَّصَحْبِهٖ

ہم کل پیاروں سے ملیں گے۔ یعنی حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۳۵۱)

حضرت بلال ﷺ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح جو حضرت عمار ﷺ نے اپنے شہید ہونے سے پہلے کہا تھا۔ اور وہ جو اسے ہم نے خالد بن معدان ﷺ کے قصہ میں بیان کیا

اور آپ ﷺ سے محبت کرنے کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ کثرت کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر جمیل کرے گا اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت غایت تعظیم وتوقیر بجالائے گا اور آپ ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے وقت انتہائی عجز وانکسار کا اظہار کرے گا۔

ابن اسحٰق تجیبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل جب آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ کرتے تھے تو انتہائی عاجزی وفروتنی سے کرتے اور ان کے بال کھڑے ہو جاتے اور رونے لگتے تھے۔ یہی حال اکثر تابعین رحمہم اللہ کا تھا۔ ان میں سے کچھ تو آپ ﷺ سے محبت وشوق کی بنا پر روتے اور کچھ آپ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے۔

آپ ﷺ سے محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کرنے کی وجہ سے کسی سے محبت رکھے۔ اور اسی علاقہ کے سبب وجہ سے آپ ﷺ کے اہل بیت اور آپ ﷺ کے صحابہ مہاجرین وانصار سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے عداوت رکھے ان سے عداوت رکھنا اور جو ان سے بغض وفساد رکھے ان سے بغض رکھتا ہے جو شخص جس سے محبت رکھتا وہ اس کو بھی محبوب جانتا ہے جس سے اس کا محبوب محبت کرے۔

بلاشبہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنھما کے بارے میں فرمایا کہ اے خدا ﷻ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب فرما۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۳ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۸۳ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۷)

ایک روایت میں حضرت امام حسن ﷺ کے بارے میں ہے کہ بے شک میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس جو ان سے محبت رکھے اس کو بھی محبوب رکھتا ہوں اور فرمایا: جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے بے شک وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے بلاشبہ اللہ ﷻ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص ان دونوں سے بغض وعداوت رکھتا ہے بلاشبہ وہ مجھ سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور جو شخص مجھ سے بغض وعداوت رکھتا ہے یقیناً اللہ ﷻ بھی اس کو مبغوض رکھتا ہے۔

(مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۸۰)

اور فرمایا: اَلَا اَلَافِیْ اَصْحَابِیْ. ہوشیار خبردار میرے صحابہ ﷺ کے بارے میں۔ میرے بعد ان کو اپنی اغراض کا آلۂ کار نہ بنانا جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے کی بنا پر ہے اور جو

ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی یقیناً اس نے اللہ ﷻ کو تکلیف دی جس نے اللہ ﷻ کو تکلیف دی بہت جلد اللہ ﷻ اس کو اپنی پکڑ میں لے گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۶۵۸ 'مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۵۴)

حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز ان کو غصہ میں لاتی ہے وہ مجھ کو بھی غصہ میں لاتی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۲ 'صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۳)

آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اسامہ بن زید ﷺ سے محبت و شفقت کرو کیونکہ میں بھی ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۶۳۲)

اور آپ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی علامت ان سے دشمنی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۷ 'صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹ 'صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۵)

حضرت ابن عمر ﷺ کی حدیث میں ہے کہ جس نے اہل عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی بنا پر کی۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ جس شخص نے کسی سے محبت کی تو وہ ہر اس چیز سے محبت کرے گا جس کو وہ محبوب رکھتا ہوگا۔ اور یہی عادت سلف رحمہم اللہ کی تھی حتیٰ کہ مباحات اور خواہشات نفسانیہ میں۔

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہانڈی میں کدو کے قتلوں (ٹکڑوں) کو تلاش فرمایا کرتے تو میں نے اس دن سے ہمیشہ کدو کو محبوب رکھا۔

حضرت امام حسن بن علی 'حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن جعفر ﷺ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ان سے انہوں نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں وہ کھانا تیار کر دیجئے جو رسول اللہ ﷺ پسند فرمایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی صفحہ ۱۵۵)

حضرت ابن عمر ﷺ سبتی جوتی اور زرد رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی لباس پہنے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس جلد ۷ صفحہ ۱۳۲ 'صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۴۴)

انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ اس چیز سے دشمنی رکھے جس سے اللہ ﷻ اور اس رسول ﷺ نے دشمنی رکھی اور اس سے عداوت رکھے جس سے آپ ﷺ نے عداوت رکھی اور اس شخص سے کنارہ کشی کرے جو آپ ﷺ کی سنت کا مخالف ہو اور جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہو اور ہر مخالف

شریعت بات کو سختی سے گراں اور برا جانے اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں۔ ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

(پ ۲۸ المجادلہ ۲۲) (ترجمہ کنز الایمان)

بلاشبہ یہی کیفیت آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کی تھی کہ انہوں نے اپنے دوستوں کو قتل کیا اور آپ کی مرضی وخواہش پر اپنے والدین (آباء) اور اولاد کو قتل کیا اور ان سے لڑائی کی۔

عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) کے بیٹے عبداللہ ؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی مرضی مبارک ہو تو میں اس کا یعنی اپنے باپ کا سر کاٹ کر پیش کردوں۔ (کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۳۶۰)

اور انہیں علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن سے محبت رکھے کیونکہ آپ نے اس سے ہدایت فرمائی اور خود پائی اور اسی کے موافق آپ کے اخلاق کریمہ تھے۔

یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن ہے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی تلاوت کرے اور اس پر عمل کرے اور اس کو خوب سمجھے اور اس کی سنت (طریقہ) کو پسند کرے اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے محبت کرے اور قرآن سے محبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرے اور آپ سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ کی سنت سے محبت کرے اور آپ کی سنت سے محبت کرنے کا مطلب یہ کہ آخرت سے محبت کرے اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے اور دنیا کا بغض یہ ہے کہ "قوت لایموت" اور توشہ آخرت کے سوا کچھ جمع نہ کرے تاکہ آخرت میں فلاح سے ہمکنار ہو۔

حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی سے اپنی جان کے بارے میں نہ پوچھے سوائے قرآن کے کیونکہ اگر اس کی محبت قرآن سے ہے تو وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے۔ (مجتنی فی الآداب صفحہ ۵۲۲)

اور آپ کی علامات محبت میں سے یہ ہے کہ آپ کی امت کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے ان کو اچھی بات بتائے اور ان کی خیر خواہی کی کوشش کرے۔ ان کے نقصانات کو دور کرے

جیسے کہ حضور ﷺ مسلمانوں پر رؤف ورحیم تھے اور آپ سے کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کا مدعی دنیا میں زاہد ہو اور فکر کا خوگر ہو کر فقراء سے ترجیحی سلوک کرے۔

حضور ﷺ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مجھ سے محبت رکھے گا اس کی طرف فقر اسی رو سے زیادہ تیز دوڑ کر آئے گا جیسے کہ جنگل کی بلندی کی طرف سے یا پہاڑ سے نیچے کو آتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۲ صفحہ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا غور کر کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا واللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس طرح تین مرتبہ کہا۔

آپ نے فرمایا اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لیے سامان (صبر) کی تیاری کر۔ اس کے بعد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل اس کے معنی بیان فرمائے۔

(سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۲ صفحہ)

چوتھی فصل

محبت کے معنی اور اس کی حقیقت

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کے معنی اور اس کی حقیقت کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے نبی ﷺ کی محبت کی کیا تفسیر و مراد ہے۔ ان کی عبارتیں تو بکثرت ہیں لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف اقوال نہیں البتہ احوال و کیفیات ضرور مختلف ہیں۔ چنانچہ

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محبت اتباع رسول ﷺ کا نام ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان کی طرف توجہ کی کہ فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ فرما دو اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ (پ۳ ال عمران ۳۱) (ترجمہ کنز الایمان)

بعض علماء نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نصرت و مدد کو لازم جانے اور مخالفین سنت کو مٹائے اور سنت کی پیروی کرے اور سنت کی مخالفت سے خوفزدہ رہے۔

بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ محبوب کے ذکر کرتے رہنے کا نام محبت ہے اور دوسروں نے کہا کہ محبوب پر جاں نثاری محبت ہے بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کے ساتھ شوق کا نام ہے اور بعض فرماتے

ہیں کہ محبت یہ ہے کہ دل رب ﷻ کی مراد کے موافق کرے کہ جس کو وہ پسند کرے اس کو یہ پسند کرے جسکو وہ برا کہے اس کو یہ برا جانے اور بعضوں نے کہا کہ موافقت کی طرف دل کے میلان کا نام محبت ہے۔

مذکورہ اکثر عبارتیں محبت کے نتیجہ وثمرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت کی طرف اور محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جو انسان کے موافق چیز ہو اس کی طرف اس کا میلان ہو۔ اب اس کی یہ موافقت یا تو اس لئے ہوگی کہ اس کے پالینے سے اس کو لذت حاصل ہوگی۔ جیسے حسین وجمیل صورتیں، عمدہ آوازیں اور لذیذ کھانا پینا وغیرہ کہ ہر سلیم الطبع اس کی طرف مائل ہے کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے موافق ہے۔

یا اس لئے اس کے پانے سے لذت حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے حواس عقلیہ سے دل کے اعلیٰ معانی باطنیہ معلوم کر لیتا ہے۔ جیسے علماء، صلحاء، عرفاء اور وہ لوگ جن کی سیرتیں پاکیزہ وعمدہ مشہور ہیں اور ان کے افعال پسندیدہ ہیں۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ان امور کی طرف مائل ہے۔ یہاں تک کہ ایک طبقہ کی محبت کی وجہ سے دوسرے طبقہ سے تعصب تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایک گروہ کی حمایت دوسروں کے حقوق میں اس حد تک تجاوز کر جاتی ہے کہ اس کی محبت میں جلاء وطنی (ترک سکونت) کرتے، بڑوں کی ہتک کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

یا اس کی محبت خاص اس کے لئے ہوتی ہے کہ اس کے احسان وانعام کی وجہ سے اس کی طبیعت اس کے موافق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طبائع انسانیہ اسی پر پیدا کی گئی ہیں کہ جو شخص اس پر احسان کرے وہ اس سے محبت کرے۔

جب یہ حقیقت تم پر آشکار ہو چکی تو اب ان تمام اسباب وعلل کے لحاظ سے حضور ﷺ کے حق میں غور کرو۔ یہ تو تم خوب جان چکے ہو گے کہ نبی کریم ﷺ ان تینوں معانی جو محبت کرنے کے موجب اور سبب ہیں کے جامع ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ظاہری صورت کا جمال، کمال، اخلاق اور باطنی خوبیاں ہم پہلے حصہ میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں۔ مزید بیان کی اصلاً حاجت نہیں۔

اب رہا آپ ﷺ کا اپنی امت پر احسان وانعام، سو وہ بھی پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ جہاں اللہ ﷻ نے امت پر آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کے اوصاف حسنہ بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح ان کو ہدایت فرمائی اور کیونکر ان پر شفقتیں کیں اور خدا نے ان کو کیسے دوزخ سے آپ ﷺ کی وجہ سے بچایا اور یہ کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ رؤف ورحیم اور رحمۃ للعالمین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ مبشر، نذیر، داعی

الی اللہ باذنہٖ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان پر اللہ ﷻ کی آیتیں تلاوت فرمائیں ان کا تزکیہ نفس کیا۔ اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے کر صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی وغیرہ۔ (جو سب سے پہلے مذکور ہو چکا ہے)

لہٰذا اب وہ کون سا احسان ہے جو آپ ﷺ کے احسان سے بڑھ کر قدرو مرتبہ والا مسلمانوں کے لیے ہے اور کونسی کرم گستری ایسی ہے جو منفعت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے انعام سے زیادہ تمام مسلمانوں پر زیادہ عام اور سود مند ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ ہی تو ان کی ہدایت کا ذریعہ تھے۔ آپ ﷺ ہی تو ان کو جہالت وضلالت سے نکالنے والے اور فلاح وکرامت کی طرف بلانے والے تھے اور آپ ﷺ ہی تو ان کے رب ﷻ کی طرف وسیلہ، شفیع اور ان کی طرف سے کلام کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی ان کے گواہ اور ان کے دائمی بقاء اور لازوال نعمتوں کے موجب ہیں۔

یقیناً اب تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور ﷺ ہی حقیقی محبت کے شرعی طور پر لائق و مستحق ہیں جیسا کہ ہم پہلے صحیح حدیثوں سے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح عادت وطبیعت کے اعتبار سے بھی حضور ہی مستحق ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا کیونکہ آپ ﷺ کے احسانات عام ہیں پس جب انسان اس شخص کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں اس پر ایک یا دو دفعہ احسان کرے یا اس کو کسی ہلاکت ونقصان سے بچائے جس کی ایذا کی مدت تھوڑی اور کسی نہ کسی وقت منقطع ہونیوالی ہو۔ اس کے برعکس جو ذات کریم اس کو وہ نعمتیں مرحمت فرمائے جو کبھی ختم نہ ہوں اور اس کو دوزخ کے ایسے عذاب سے بچائے جو کبھی فنا نہ ہو تو وہی محبت کرنے کے زیادہ لائق و مستحق ہے۔

اور جب انسان طبعی طور پر اس بادشاہ کو جو اچھی خصلت رکھتا ہو یا وہ حاکم جس کا حسن سلوک معروف ہو یا وہ قاضی جو دور ہو مگر اس کا علم وکرم اور عمدہ خصائل مشہور ہو۔ ان کو محبوب رکھتا ہے تو وہ ذات اقدس جس میں یہ تمام خصائل جلیلہ کمال کے انتہائی مرتبہ تک مجتمع ہوں زیادہ محبت کی مستحق ہے اور زیادہ لائق ہے کہ اس کی طرف طبیعت مائل ہو۔

یقیناً حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے حضور ﷺ کی صفت میں فرمایا کہ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ کی جان پہچان والا ہوتا وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا تھا۔

ہم نے بعض صحابہ سے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آنکھ آپ ﷺ کی طرف سے پھیرتے نہ تھے۔

(صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین)

پانچویں فصل

حضور ﷺ سے خیر خواہی واجب ہے

اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (پ التوبہ ۹۱)

اور نہ ان پر حرج ہے جنہیں خرچ کا مقدور نہ ہو جبکہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ (مواخذہ کی) نہیں اور اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین کا قول ہے کہ اللہ ﷻ و رسول ﷺ سے خیر خواہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں پورے اخلاق کے ساتھ مسلمان ہو۔

حدیث: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک دین ایک خیر خواہی ہے بلا شبہ دین خیر خواہی ہے۔ یقیناً دین خیر خواہی ہے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کس کے لیے؟ فرمایا اللہ ﷻ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور ائمہ مسلمین و عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی واجب ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۲ / سنن ابوداؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۳۳)

امام ابو سلیمان بستی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک کلمہ ہے جس سے ایسے تمام امور خیر سے تعبیر کی جاتی ہے جو کہ اس شخص کے لیے ہو جس کے لیے خیر خواہی کی جائے اور یہ ممکن نہیں کہ نصیحت کی تعبیر کسی ایسے ایک کلمہ سے کی جائے جو اس کو حصر (قید) کرے۔

اس (نصیحت) کے لغوی معنی اخلاق کے ہیں۔ جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے کہ نَصَحْتُ الْعَسَلَ اِذَا خَلَّصْتَهٗ مِنْ شَمْعِهٖ یعنی "شہد کو صاف کیا" جب کہ تم اسے موم سے پاک کر دو۔

ابو بکر بن ابی اسحق خفاف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "نُصْحٌ" وہ فعل ہے کہ جس کے باعث درستی و مناسبت یا موافقت ہو۔ اور یہ "نِصَاحٌ" سے ماخوذ ہے۔ نصاح اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس سے کپڑا سیا جاتا ہے۔ ابو اسحق زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کہا

پس اللہ ﷻ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صحیح اعتقاد ہو۔ اس کو واحد جانے' اس کی ایسی تعریف کرے جس کا وہ اہل ہے اور ان باتوں سے اسے پاک سمجھے جو اس پر جائز نہیں۔ محبوبان خدا

سے رغبت رکھے اور جو اس کا دشمن (باغی غدار) ہو اس سے دور رہے اور اس کی عبادت میں اخلاص ہو
اور قرآن کریم سے خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرے۔ اس کی تلاوت اچھی طرح کرے۔ اس کے نزدیک عاجزی کرے۔ سرکش غالیوں کی تاویلات اور ملحدین کے طعنوں کو دور کرے۔

رسول ﷺ کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں یا منع کریں اس کی بجا آوری کرے۔ اس کو ابو سلیمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور وفات طبعی میں ہمیشہ آپ ﷺ کی معاونت و نصرت اور حمایت کرے اور آپ ﷺ کی سنت کا احیاء بکوشش کرے اور اس کے مخالفوں کا رد کرے اور سنت کی اشاعت کرے اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ، سیرت جمیلہ کے موافق اپنے اخلاق بنائے۔

ابو ابراہیم اسحٰق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے اس کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی سنت کو سختی سے تھامے اور اس کی اشاعت کرے اس پر دوسروں کو رغبت دلائے۔ اللہ ﷻ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دے اور ان کی فرمانبرداری و عمل کی تبلیغ کرے۔

احمد بن محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ دلوں کے فرائض میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی کا معتقد ہو۔ ابو بکر آجری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کی خیر خواہی دو خیر خواہیوں کی متقاضی ہے۔ ایک خیر خواہی آپ کی زندگی حیات ظاہری میں دوسری آپ کی حیات باطنی (بعد وفات) میں۔ آپ کی حیات میں آپ کے صحابہ کی خیر خواہی کرنا یہ تھی کہ وہ آپ کی نصرت کرتے آپ سے برائی دور کرتے جو آپ کا دشمن ہوتا اس سے دشمنی کرتے اور آپ کی پیروی و فرمانبرداری کرتے اور آپ پر اپنا جان و مال نذر کر دیتے تھے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ — کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ (پ ۲۱ الاحزاب ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ — اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔

(پ ۲۸ الحشر ۸) (ترجمہ کنز الایمان)

لیکن مسلمانوں کی خیر خواہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور

آپ ﷺ سے غایت محبت کو لازم جانیں اور آپ ﷺ کی سنت کو سیکھنے کی ہمیشہ کوشش کرنا اور آپ ﷺ کی شریعت میں تفقہ (حاصل) کرنا اور آل واصحاب سے محبت کرنا اور جو آپ ﷺ کی سنت سے روگرداں اور منحرف ہو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دشمنی رکھنا اور اس سے بچنا اور آپ ﷺ کی امت پر شفقت کرنا' آپ کے اخلاق وآداب سے بحث کرنا اور تلاش کرتے رہنا اور اس پر صبر کرنا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یہ سب خیر خواہی محبت ثمرات اور اس کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن لیث قراسان کا ایک بادشاہ تھا جو مشہور حاکم تھا اسے صفار کہتے تھے۔ خواب میں دیکھا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تیرے ساتھ خدا نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ اس نے مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا کہ کس سبب سے؟

کہا کہ میں ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اوپر سے اپنے لشکر کو جھانکا تو ان کی کثرت سے میں خوش ہوا۔ اس وقت میں نے تمنا کی اگر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ کی نصرت واعانت کرتا۔ یہ بات اللہ ﷻ کو پسند آئی اور مجھے بخش دیا۔

اور آئمہ مسلمین کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے امور حقہ کی اطاعت کرے اور اس میں ان کی مدد کرے اور ان کا حکم حق کے ساتھ ہو اور ان کو حق کی عمدہ اسلوب سے یاد دلاتا اور غفلت پر ان کو آگاہ و خبردار کرنا اور جو مسلمانوں کے امور ان سے پوشیدہ رہیں ان کو یاد دلاتا ہے اور ان پر خروج کرنا۔ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا۔ ان کے دلوں کو ان کے برخلاف بگاڑنا ترک کردے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو ان کی خیر خواہیوں کی ہدایت کرنا۔ ان کو اپنی اپنی اور دنیوی امور میں قول وفعل میں مدد دینا۔ ان کے غافل کو خبردار اور ان کے جاہل کو آگاہ کرنا۔ ان کے محتاجوں کی مدد کرنا۔ ان کے بروں کی ستر پوشی کرنا ان کے نقصانات وضرر کو رفع کرنا اور ان کی طرف ان کے منافع کو پہنچانا وغیرہ ہے۔

تیسرا باب

آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور ادائے حقوق کا حکم اور اس کا وجوب

حضور ﷺ کا حکم اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور نیکی کے وجوب میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط (پ ۲۶ الفتح ۹)

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (پ ۲۶ الحجرات ۱)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَيٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ. (پ ۲۶ الحجرات ۲)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط (پ ۱۸ النور ۶۳)

رسول کے پکارنے کو آپس میں نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ان آیات مذکورہ میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی عزت و تکریم کو لازم فرمایا۔

حضرت ابن عباس ؓ تُعَزِّرُوْهُ[1] یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کرو اور مبرد رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو اور اخفش رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی مدد کرو اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اعانت کیا کرو۔

اور ایک قرأت میں وَتُعَزِّزُوْهُ بِزَائَيْنِ مِنَ الْعِزِّ یعنی دونوں زاء کے ساتھ بمعنی عزت مروی ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ سے آگے کلام میں بڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے یعنی گفتگو کرنے میں آپ ﷺ سے پہلے بات کرنے کو سوء ادب گردانا۔ یہ مذہب حضرت ابن عباس ؓ کا ہے اور ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند فرمایا۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمانے سے پہلے بات مت کرو اور جب حضور ﷺ کلام فرماتے ہوں تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو اور آپ ﷺ کے فیصلہ سے قبل کسی

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۴۷

معاملہ پر فیصلہ کی جلدی کرنے سے منع کیے گئے ہو اور یہ کہ وہ کسی چیز کا حکم دیں خواہ وہ جہاد سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ امور دینیہ میں سے ہو تو آپ ﷺ ہی کے ارشاد پر چلیں۔ آپ ﷺ سے پہلے کسی معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ حضرت حسن مجاہد ضحاک سدی اور ثوری رحمہم اللہ کا قول بھی اسی طرف واقع ہے۔

اس کے بعد اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی اور ان کو آپ ﷺ کی مخالفت سے ڈرایا چنانچہ فرمایا۔ اور اللہ ﷻ سے ڈرو بیشک اللہ ﷻ سنتا جانتا ہے۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سبقت کرنے میں خدا سے ڈرو۔

سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی حق تلفی کرنے اور آپ ﷺ کی عزت و تکریم میں کوتاہی کرنے سے خدا سے ڈرو۔ بیشک اللہ ﷻ تمہاری باتوں کو سنتا اور تمہارے عملوں کو جانتا ہے۔

اس کے بعد اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند کرنے اور زور سے بولنے کی ممانعت فرمائی۔ جیسا کہ آپس میں کرتے ہو کہ اپنی آوازوں کو بلند کر لیتے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لیکر پکارتے ہو ویسا آپ ﷺ کو نہ پکارو۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ سے بات کرنے میں سبقت نہ کرو۔ مخاطب کرو تو عزت و توقیر سے مخاطب کرو۔ اور آپ ﷺ کو ان القاب سے پکارو اور یاد کرو جن سے پکارا جانا آپ ﷺ کو پسند ہو مثلاً یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔

ایسا خطاب کرنا دوسری آیت کے مطابق ہے کہ رسول ﷺ کو پکارنے میں تم ایسا نہ کرو جیسے کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ یہ معنی ان کے دو معنوں میں سے ایک ہے۔ دیگر علماء نے فرمایا کہ آپ سے اس طرح مخاطب ہو کہ جس طرح کوئی سائل یا طالب فہم ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ایسا کرنے پر مسلمانوں کو ڈرایا کہ ان کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اس سے ڈرتے رہو۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت بنی تمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی[1] اور ایک روایت میں ہے کہ دیگر اہل عرب کے لیے نازل ہوئی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو "یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کر مخاطب کرنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آ ئیے۔ اس پر اللہ ﷻ نے ان کی مذمت فرمائی اور ان کی جہالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ کہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان) (پ۲۶ الحجرات ۴)

بعض کہتے ہیں کہ پہلی آیت اس قضیہ کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کے سامنے

1۔ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۵۵۲

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا اور اختلاف کی صورت میں باہم ان کی آوازیں بلند ہو گئی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ[1] جو کہ حضور ﷺ کی طرف سے بنی تمیم کی مفاخرت میں خطیب تھے اور ان کے کان بہرے تھے اور زور سے بولا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے کہ مبادہ کہیں ان کے عمل ضائع نہ ہو جائیں۔

پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں ڈرتا ہوں کہ ہلاک نہ ہو جاؤں کیونکہ اللہ عزوجل نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ بلند آواز سے نہ بولیں حالانکہ میں "جہیر الصوت" یعنی بلند آواز والا ہوں۔

تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ثابت رضی اللہ عنہ! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم محمود زندگی گزارو اور شہادت حاصل کر کے جنت میں جاؤ۔ چنانچہ یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا خدا کی قسم آئندہ آپ سے اسی طرح عرض و معروض کروں گا جیسے کہ چھپ کر باتیں کرتے ہیں۔[2]

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بات کرتے تو ایسے ہی باتیں کرتے جیسے پوشیدہ (بات) کرتا ہے۔

(صحیح بخاری مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تو اتنی آہستہ بات کرنے لگے کہ بسا اوقات حضور ﷺ کو دوبارہ دریافت کی ضرورت ہوتی۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۷ سورۃ الحجرات)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ (پ ۲۶ الحجرات ۳)	بیشک جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت ہے کہ

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۸۵ سورۃ الحجرات، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱

۲۔ کشف الاستار جلد ۳ صفحہ ۴۹

إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ۔ — بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ (پ ۲۶ الحجرات ۴) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بنی تمیم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ لوگ آپ ﷺ کا نام لے کر پکارتے تھے۔

صفوان بن عسال رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اتنے میں ایک عرابی نے جس کی آواز بلند تھی اس نے آپ کو پکارا "یا محمد! یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!" ہم نے اسے کہا کہ اے اعرابی اپنی آواز کو پست کر کیونکہ بلند آواز کرنے سے ہم روکے گئے ہیں۔[1]

اللہ ﷻ نے (حضور ﷺ کی مجلس کے آداب سکھاتے ہوئے) فرمایا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ — اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو۔ (پ ۱ البقرہ ۱۰۴) (ترجمہ کنزالایمان)

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ انصار میں ایک لغت تھی جس کے بولنے سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم وعزت کے لیے منع کیا گیا۔ اس لیے کہ اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ﷺ ہماری رعایت کریں ہم آپ ﷺ کی رعایت کریں گے۔ لہٰذا ان کو ایسا کہنے سے روک دیا گیا۔ کیونکہ اس کا اقتضاء یہ بھی تھا کہ گویا وہ آپ ﷺ کی رعایت کرنے سے رعایت کریں گے۔ حالانکہ یہ آپ ﷺ کا حق (نبوت) ہے کہ آپ ﷺ کی ہر حال میں رعایت کی جائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہود اس کلمہ (راعنا) سے نبی کریم ﷺ کی تعریض کیا کرتے تھے اور اس سے وہ رعونت (تکبر) مراد لیتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس قول سے منع کر دیا گیا[2] کہ ایسا کلمہ نہ کہو جس سے کوئی شبہ پیدا ہو۔ گویا کہ آپ کے حضور ﷺ کے ایسے الفاظ جس میں مشابہت کا پہلو نکلتا ہو منع کر دیا گیا۔ اس کے سوا اور بھی اقوال ہیں۔

☆☆☆

۱۔ سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳ تحفۃ الاشراف جلد ۴ صفحہ ۱۹۲

۲۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم

پہلی فصل

تعظیم وتوقیر میں صحابہ کرام ؓ کی عادت

حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر عزت وتکریم کرنے کی عادت کے بیان میں یہ حدیث ہے کہ

حدیث: حضرت عمر ؓ سے بالا سناد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی محبوب اور میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ بزرگ نہ تھا اور مجھ میں یہ طاقت نہ تھی کہ میں آپ ﷺ کی ہیبت وجلالت کی وجہ سے آپ ﷺ کے دیدار سے آنکھوں کو بھرلوں۔ اگر کوئی مجھ سے آپ ﷺ کی صفت بیان کرنے کو کہتا تو میں اس کی بھی طاقت نہ پاتا تھا۔ کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو آنکھ بھر کے دیکھا ہی نہ تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۲)

حدیث: ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ مہاجرین وانصار کے پاس تشریف لایا کرتے جہاں یہ صحابہ بیٹھا کرتے تھے ان میں حضرت ابوبکر وعمر ؓ بھی موجود ہوتے۔ حضرت ابوبکر وعمر ؓ کے سوا کوئی آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہ کرتا تھا۔ یہی دونوں صحابہ آپ ﷺ کو دیکھتے اور آپ ﷺ ان کو دیکھتے اور باہم متبسم ہوتے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۷۴)

حضرت اسامہ بن شریک ؓ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باریاب ہوا اور آپ ﷺ کے چاروں طرف اصحاب جمع تھے۔ ان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں (سنن ابوداؤد کتاب الطب جلد ۴ صفحہ ۱۹۳۔۱۹۲)

اور آپ ﷺ کی صفت میں ایک یہ حدیث ہے کہ جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو صحابہ اپنے سروں کو جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عروہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جب میں (صلح حدیبیہ کے وقت) قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قاصد بن کر آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ وضو کرتے تو وہ آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی کی طرف جلدی کرتے اور قریب تھا کہ غسالۂ وضو حاصل کرنے میں باہم لڑ مریں گے۔ جب آپ ﷺ لعاب مبارک ڈالتے یا ناک صاف کرتے تو صحابہ جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اپنے چہرے اور جسموں پر مل لیتے۔ جب کوئی بال (موئے مبارک) جسم سے گرتا تو وہ دوڑ کر اس کو حاصل کر لیتے اور جب آپ ﷺ کوئی حکم

دیتے تو وہ بسرعت (جلدی سے) اس کو بجالاتے۔ جب کلام فرماتے تو وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے آپ ﷺ کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر جما کر نہ دیکھتے۔

چنانچہ جب میں قریش کی طرف لوٹ کر گیا تو کہا اے گروہ قریش! میں کسریٰ کے ملک میں بھی گیا ہوں اور قیصر (روم) کے ملک میں بھی۔ اور نجاشی کے ملک میں بھی پہنچا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ میں شان رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے کسی بادشاہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر کہ محمد ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ بلا شبہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو کبھی بھی ان کو نہ چھوڑے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)

حضرت انس ﷺ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مونڈھ رہا ہے اور آپ ﷺ کے صحابہ آپ کے گرداگرد گردش کر رہے ہیں۔ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کا ہر موئے مبارک (بال) کسی نہ کسی ہاتھ پر پڑے (زمین پر نہ گرے)۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۲)

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جب قریش نے حضرت عثمان ذوالنورین ﷺ کو بیت الحرام (خانہ کعبہ) کے طواف کی اجازت دی جبکہ آپ کو حضور ﷺ نے حدیبیہ کے وقت مکہ بھیجا تھا تو انہوں نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں گے میں ہرگز طواف نہیں کروں گا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۱۳۵)

حضرت طلحہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ ﷺ نے ایک جاہل اعرابی سے کہا تم رسول اللہ ﷺ سے مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ. (پ۲۱ الاحزاب ۲۳) کون اپنی منت پوری کر چکا (ترجمہ کنزالایمان) کے بارے میں مطلب دریافت کرو کیونکہ خود صحابہ آپ ﷺ سے ڈرتے اور غایت تکریم کرتے تھے پس اس اعرابی نے پوچھا آپ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے جواب نہ دیا۔ اتنے میں حضرت طلحہ ﷺ آگئے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنی منت کو پورا کیا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۰۹-۳۰۸)

قیلہ کی حدیث میں ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرفصاء کی نشست پر بیٹھے دیکھا تو آپ ﷺ کی ہیبت وعظمت سے میں کانپنے لگا۔ (قرفصاء ایک نشست ہے جو بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے کپڑے یا ہاتھوں سے گھٹنوں کو ملا کر باندھ لیا جائے)۔ حضرت مغیرہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے

دروازے کو ناخنوں سے کھٹکایا کرتے تھے۔ برائۃ بن عازب ﷺ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کرتا تو آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے برسوں اس میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔

(علوم الحدیث صفحہ ۱۹)

دوسری فصل

بعد وفات تعظیم وتوقیر کا وجوب

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ حضور ﷺ کی حرمت و تعظیم، عزت و تکریم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسی واجب ہے جیسے کہ آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں لازم تھی۔

اور یہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت اور آپ ﷺ کی حدیث وسنت اور آپ کے اسم گرامی اور سیرت مبارکہ کے سنتے وقت اور آپ ﷺ کی آل و اہل بیت اور صحابہ کرام کے ذکر سنتے وقت تعظیم و توقیر واجب ہے۔

ابو ابراہیم تجیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمان پر واجب ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا اس سامنے اس کا ذکر ہو۔ تو خشوع و خضوع کے ساتھ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے۔ اپنی حرکات میں سکون و قرار اور آپ ﷺ کی ہیبت وجلال کا مظاہرہ کرے اور یہ ایسا ہونا چاہئے کہ اگر وہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے دربار میں موجود ہو تو جیسی اس وقت اس کی حالت ہو ویسی ہی اس وقت بھی ہو۔ اور جیسا اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کا ادب سکھایا ویسا ادب کرے۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اور ائمہ متقدمین رحمہم اللہ کی یہ عادت تھی۔

اثر: ابن حمید رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابو جعفر امیر المومنین نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد شریف میں مناظرہ کیا۔ تو امام صاحب نے اس سے کہا!

اے امیر المومنین اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو کیونکہ اللہ ﷻ نے ایک جماعت کو ادب سکھایا کہ تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند مت کرو اور دوسری جماعت کی مدح فرمائی کہ بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست کرتے ہیں اور ایک قوم کی مذمت و برائی بیان کی فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَ. (پ۲۶ الحجرات ۴)۔ بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں (ترجمہ کنزالایمان) بلاشبہ آپ ﷺ کی عزت وحرمت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ

ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں تھی۔ یہ سن کر ابوجعفر خاموش ہوگیا۔

پھر دریافت کیا کہ اے ابوعبداللہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر دعا مانگوں یا رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا تم کیوں حضور ﷺ سے منہ پھیرتے ہو حالانکہ حضور ﷺ تمہارے اور تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کے بروز قیامت اللہ عزوجل کی جناب میں وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ﷺ ہی کی طرف متوجہ ہوکر آپ ﷺ سے شفاعت مانگو پھر اللہ عزوجل آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ. اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں

(پ۵ النساء ۶۴) (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا میں تم میں سے جس کو بھی حدیث بیان کروں گا ایوب رحمۃ اللہ علیہ اس سے افضل ہوگا پھر فرمایا میں نے اسے دو حج کرتے دیکھا میں اس کو دیکھتا اور سنتا تھا کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ اتنا روتا کہ مجھے اس پر رحم آ جاتا۔ میں نے اس کی یہ بات تو دیکھی سو دیکھی لیکن نبی کریم ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے دیکھا تب میں نے ان سے حدیث لکھی۔

مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور خوب جھک جاتے (متواضع ہو جاتے) حتیٰ کہ ان کے مصاحبوں کو گراں معلوم ہوتا۔ ایک دن اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

اگر تم وہ دیکھو جو میں دیکھتا ہوں تو ضرور میرے دیکھے ہوئے کا انکار کرو۔

میں نے محمد بن منذر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ قاریوں کے سردار تھا۔ جب کبھی بھی ہم ان سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا۔

بیشک میں نے امام جعفر بن محمد (صادق) رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ انتہائی خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکرِ جمیل کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور میں نے ان کو کبھی بے وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے ان کے پاس طویل زمانہ گزارا ہے۔ میں نے ان میں تین خاص عادتیں دیکھیں یا تو وہ نماز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے تو تلاوت قرآن کریم میں مشغول ہوتے اور وہ بیہودہ بات تو کرتے ہی نہ تھے۔

یہ ان علماء و عباد میں سے تھے جو اللہ عزوجل سے ڈرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے ہوتے تو ان کے چہرے کا رنگ دیکھا جاتا کہ وہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے اور حضور ﷺ کے ہیبت وجلال سے ان کا منہ اور زبان خشک ہو جاتی اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں آیا کرتا تھا۔ جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر جمیل کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک نہ رہتا۔

اور میں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ بڑے نرم دل اور ملنسار تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا کہ نہ تم نے ان کو دیکھا اور نہ انہوں نے تم کو دیکھا۔

اور میں صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا جاتا تھا بلاشبہ وہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے۔ پس جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا تو رو پڑتے۔ اتنی دیر روتے رہتے کہ لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے۔

قتادہ ﷺ سے مروی ہے کہ وہ جب بھی حدیث سنتے تو چیخ مارتے اور گھبرا جاتے تھے۔

اور جب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ بکثرت آنے لگے تو ان سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ ایک مستملی بنا لیں تو لوگ سننے لگیں۔ مستملی اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے شیخ سے حدیث سنتا ہے۔ پھر اس کو ایک جماعت کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا ہے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ آپ کی حرمت وعزت حیات ووفات میں برابر ہے۔

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ایک ہنس مکھ آدمی تھے۔ لیکن جب بھی ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تو متواضع ہو جاتے

اور حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ جب حدیث نبی کریم ﷺ پڑھتے تو خاموش رہنے کا حکم فرماتے اور فرماتے کہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ. (پ۲۶ الحجرات ۲) اس کی تاویل میں کہتے کہ قرأت حدیث کے وقت خاموش رہنا واجب ہے جیسا کہ خود آپ ﷺ سے سننے کے وقت سکوت واجب ہے۔

تیسری فصل

روایتِ حدیث کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کا طریقہ

حدیث رسول اللہ ﷺ کی روایت کے وقت اس کی تعظیم وتوقیر میں سلف کی یہ عادت ہے کہ

حدیث: عمرو ابن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابن

مسعود ﷺ کی خدمت میں ایک سال حاضر رہا۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ "رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا" مگر ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے ان کی زبان سے یہ جاری ہو گیا۔ پھر وہ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ پیشانی پر پسینہ دیکھا اور وہ ٹپک رہا تھا۔ پھر فرمایا: انشاء اللہ ﷻ ایسا ہی ہے یا اس سے کم و زیادہ یا اس کے قریب قریب۔ (اللہ اللہ یہ روایت میں ادب اور احتیاط ہے۔ مترجم) اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ان کی رگیں پھول گئیں۔

(سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۸۲)

ابراہیم بن عبداللہ بن قُرَیم الانصاری رحمۃ اللہ علیہ قاضی مدینہ منورہ کہتے ہیں کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم رحمہ اللہ پر گزرے کہ وہ حدیث بیان کر رہے تھے سو آپ وہاں سے گزر گئے اور فرمایا کہ میں نے ایسی جگہ نہ پائی کہ بیٹھ سکوں اور اس کو ناپسند کرتا ہوں کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی سماعت کروں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن میسب ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ لیٹے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر یہ حدیث بیان کی۔ تب اس شخص نے آپ سے کہا: میری خواہش تو یہ تھی کہ حضرت لیٹے لیٹے ہی حدیث بیان فرما دیتے' اٹھنے کی زحمت نہ فرماتے۔

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لیٹے لیٹے بیان کروں۔

اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وہ ہنس بھی رہے ہوں اس وقت بھی اگر کوئی انہیں حضور ﷺ کی حدیث سناتا تو معاً سنبھل کر اور متواضع ہو جاتے۔

ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس ﷺ اظہار عظمت و جلال کے لئے وضو کر کے حدیث رسول ﷺ بیان کرتے تھے۔ حضرت مالک بن انس ﷺ جب کوئی حدیث بیان فرماتے تو وضو کرتے' مؤدب بیٹھتے اور عمدہ لباس پہنتے' پھر حدیث بیان کرتے۔

مصعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اہتمام کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔ (گویا بیان حدیث میں جتنا بھی اہتمام و ادب ملحوظ رکھا جائے در حقیقت اس سے عظمت شان رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ مترجم)

مُطَرِّف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تو

پہلے آپ کی لونڈی (جاریہ) آتی اور ان سے کہتی کہ حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا تم حدیث کی سماعت کرنے آئے ہو یا مسئلہ دریافت کرنے۔ پس اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت کرنے آئے ہیں تو آپ فوراً ہی باہر تشریف لے آتے اور اگر وہ کہتے کہ حدیث کی سماعت کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ جاتے' غسل کرتے' خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہنتے۔ عمامہ باندھتے' پھر اپنے سر پر چادر لپیٹتے' تخت بچھایا جاتا پھر آپ باہر تشریف لاتے اور اس تخت پر جلوہ افروز ہوتے۔ اس طرح پر کہ آپ پر انتہائی عجز و انکسار طاری ہوتا۔ جب تک درس حدیث سے فارغ نہ ہوتے برابر اگر کی خوشبو سلگائی جاتی رہتی۔ دیگر راویوں نے کہا کہ اس تخت پر آپ جب ہی تشریف فرما ہوتے جبکہ آپ کو حدیث رسول ﷺ بیان کرنی ہوتی۔

ابن ابی اویس رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: میں اسے بہت محبوب رکھتا ہوں کہ حدیث رسول ﷺ کی خوب تعظیم کروں۔ میں باوضو بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں۔ فرمایا: میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ راستہ میں یا کھڑے کھڑے یا جلدی میں حدیث بیان کی جائے اور فرمایا کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو خوب سمجھا کر بیان کروں۔

ضرار بن مرہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک بلا وضو حدیث کی قرأت مکروہ ہے' اس طرح قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرتے۔ اگر بے وضو ہوتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ بلا وضو حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تھا اور آپ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اس حال میں آپ کے سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا۔ (شدت الم سے) آپ کا رنگ متغیر ہو گیا اور چہرہ مبارک زرد پڑ گیا مگر حدیث رسول ﷺ کو قطع نہ فرمایا۔

پس جب آپ مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو آپ سے میں نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی۔ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے حدیث رسول ﷺ کی عظمت وجلال کی بنا پر صبر کیا۔

ابن مہدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ (بازار) عقیق گیا۔ راہ میں میں نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا: کیا

تم میرے نزدیک اس سے بزرگ تر ہو کہ راستہ میں حدیث رسول ﷺ کو دریافت کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے جریر بن عبدالحمید قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے تھے تو آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے آپ سے کہا: یا امام یہ قاضی ہے؟ فرمایا: قاضی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ ہشام بن غازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس حال میں حدیث دریافت کی کہ آپ کھڑے ہوئے تھے۔ تب آپ نے اس کے بیس (۲۰) دُرّے (کوڑے) مارے اس کے بعد آپ نے مہربانی فرمائی اور بیس (۲۰) حدیثیں اسے بیان فرمائی۔

اس وقت ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کاش آپ رحمۃ اللہ علیہ اور زیادہ دُرّے (کوڑے) لگاتے اور زیادہ حدیث پاک بیان فرماتے یہ مجھے محبوب ہے۔

عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں بے وضو حدیث کی کتابت نہیں کرتے تھے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تو حدیث نبوی ﷺ کی بغیر وضو کے نہ قرأت کرتے تھے اور نہ بیان کرتے تھے اور حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو اگر بے وضو ہوتے تو تیمم ہی کر لیتے۔

چوتھی فصل

اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات کی تعظیم وتوقیر

حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی آل واولاد اور ازواج و امہات المومنین کی تعظیم وتوقیر کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی ترغیب وتلقین فرمائی ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ. (پ ۲۲ الاحزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (پ ۲۱ الاحزاب ۶)

اور ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اپنی

اہل بیت کے بارے میں اللہ ﷻ کی قسم دیتا ہوں۔ یہ تین مرتبہ فرمایا (یعنی اہل بیت کی تعظیم و توقیر کرو)۔[1]

ہم نے زید ؓ سے اہل بیت کی تشریح دریافت کی۔ فرمایا: یہ آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس ؓ۔

اور حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب اللہ ﷻ اور دوسری میری عترت اہل بیت ہے۔ اب تم غور کرو کہ کس طرح تم ان دونوں کے بارے میں میری نیابت کرو گے۔

(سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت جلد ۵ صفحہ ۳۲۹-۳۲۸)

حضور ﷺ نے فرمایا: آل نبی ﷺ کی معرفت دوزخ سے نجات اور آل نبی ﷺ سے محبت صراط پر گزرنے میں آسانی اور آل نبی ﷺ کی ولایت کا اقرار عذاب الٰہی سے حفاظت ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آل نبی ﷺ کی منزلت کی معرفت نبی کریم ﷺ کی معرفت و عزت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جس نے آل نبی ﷺ کی عزت پہچان لی بلا شبہ اس نے ان کی اس عزت و حقوق کی معرفت پالی جو نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ ؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۳) اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ آیت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اتری تھی تو اس وقت حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ایک چادر میں ان کو ڈھانپ لیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور ﷺ کے پس پشت بیٹھے تھے۔ پھر حضور نے یہ دعا کی: اے خدا یہ میری اہل بیت ہے ان سے یہ رِجْس (پلیدی) کو دور فرما کر طیب و طاہر بنا دے۔ (سنن ترمذی کتاب مناقب اہل بیت جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ جب آیت مباہلہ اتری تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہ ؓ کو بلایا اور کہا کہ اے خدا یہ لوگ میرے اہل ہیں

(صحیح مسلم کتاب فضائل علی جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۱)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ کے حق میں فرمایا: جس نے علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دوست رکھا تو علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی اس کے دوست ہیں۔ اے خدا جس نے ان سے دوستی رکھی تو بھی

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۳

اس کو دوست رکھ اور جس نے ان سے دشمنی کی تو بھی اسے مبغوض رکھ[1] اور یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں فرمایا:

اے علی کرم اللہ وجہہ الکریم تم سے مسلمان ہی محبت رکھے گا اور منافق ہی تمہارا دشمن ہوگا[2] اور حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان نہ ہوگا یہاں تک کہ تم کو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے دوست نہ رکھے اور جس نے میرے چچا کو ایذا دی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی اس لئے کہ چچا کا مرتبہ بمنزلہ باپ کے ہے اور (ایک دن) حضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے چچا کل صبح اپنے بچوں کے ساتھ میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ سب آئے اور حضور ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ لیا اور فرمایا: یہ میرے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں اور یہ میری اہل ہے اور خدا ان کو آگ سے اس طرح چھپائے رکھ جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔ اس پر گھر کے درو دیوار نے آمین کہا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۷۱)

(اسی طرح) حضور ﷺ اسامہ بن زید اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑتے اور دعا مانگتے: اے خدا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۲۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و تکریم آپ کی اہل بیت میں کرو[3] اور یہ بھی فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی قرابت اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنی قرابت کے ساتھ صلۂ رحمی کروں۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ جلد ۵ صفحہ ۱۸ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۰)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے حسن رضی اللہ عنہ سے محبت رکھی اس نے اللہ ﷻ سے محبت رکھی[4] اور یہ بھی فرمایا: جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے ان دونوں (یعنی حسن و حسین رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اور یہ کہ ان دونوں کے والدین میرے ساتھ میری جگہ پر بروز قیامت ہوں گے۔[5]

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے قریش کی بے عزتی کی اللہ ﷻ اس کی بے عزتی

۱۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۔۱۱۸

۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۸۶

۳۔ صحیح بخاری کتاب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ جلد ۵ صفحہ ۱۸

۴۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱

۵۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۲۲ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۱

کرے[1] اور فرمایا: قریش کو آگے بڑھاؤ تم ان سے آگے نہ بڑھو۔[2] اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵)

عقبہ بن حرث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے کندھوں پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سوار ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے ماں باپ قربان یہ نبی کریم ﷺ سے مشابہ ہیں اپنے والد علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مشابہ نہیں ہیں اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مسکرا رہے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۵)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی ضرورت سے گیا۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا: جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو کسی کو میرے پاس بھیج دیا کرو یا خط لکھ دیا کرو کیونکہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ آپ بنفس نفیس خود کسی ضرورت سے میرے دروازہ پر تشریف لائیں۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے جنازہ کی صلوٰۃ پڑھی اس کے بعد ان کے پاس ان کا خچر لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہو جائیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر اس کی رکاب کو تھام لیا۔ تب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد اسے چھوڑ دیجئے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم علماء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دست اقدس کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہمیں اہل بیت نبی ﷺ کے ساتھ اسی طرح پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہا:

کاش یہ میرے غلام ہوتے۔ اس وقت کسی نے آپ سے کہا کہ یہ تو محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تب آپ نے اپنا سر جھکا لیا اور زمین کو ہاتھوں سے کریدنے لگے اور کہا: اگر انہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو ضرور محبوب رکھتے۔

صحابی رسول ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اپنے غلام کا ہاتھ پکڑے پہنچی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس صاحبزادی کے لئے کھڑے ہو گئے اور دوڑ کر ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بچی (صاحبزادی) کا ہاتھ

۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۷۲

۲۔ بزار فضل قریش جلد ۳ صفحہ ۲۹۶

اپنے ہاتھوں میں کپڑا لپیٹ کر تھام لیا اور ان کو ساتھ لے کر اپنی مجلس میں لے آئے اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور جو بھی ضرورت تھی اُسے پورا فرما دیا۔

(اسی طرح) حضرت عمر بن خطاب ﷺ نے اپنے فرزند عبداللہ ﷺ کے لئے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) اور حضرت اسامہ بن زید ﷺ کے لئے ساڑھے تین ہزار (درہم یا دینار سالانہ) مقرر فرمائے تو حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ نے اپنے والد ماجد سے کہا: آپ نے حضرت اسامہ ﷺ کا اتنا کیوں زیادہ مقرر فرمایا حالانکہ خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کسی جنگ میں بھی سبقت نہیں لی ہے۔ تب حضرت عمر ﷺ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ حضرت زید ﷺ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اسی لحاظ سے حضرت اسامہ ﷺ تم سے زیادہ حضور ﷺ کو محبوب تھے۔ لہٰذا میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے محبوب کو اپنے محبوب (فرزند) پر ترجیح دی ہے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۳۳۰)

حضرت امیر معاویہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ کابس بن ربیعہ ﷺ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت صوری رکھتے ہیں۔ چنانچہ (ایک مرتبہ) جب وہ گھر کے دروازہ میں داخل ہوئے اور آپ کے دربار میں پہنچے تو آپ اپنے تخت پر (تعظیم کے لئے) کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور مرغاب کا علاقہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت صوری کی بنا پر ان کو عنایت فرما دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے جب جعفر بن سلیمان نے کوڑے مارے تھے اور وہ امام پر بہت ناراض ہوا تھا اور آپ کو بے ہوش وہاں سے اٹھا کر لایا گیا تھا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو لوگ (مزاج پرسی کے لئے) آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: میں نے اپنے مارنے والے (جعفر بن سلیمان) کو معاف کر دیا۔ کسی نے پوچھا: کیوں آپ معاف فرما رہے ہیں؟

فرمایا: اس لئے کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اگر مجھے موت آ گئی اور اس وقت نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی تو مجھے شرمندگی ہو گی کہ میری مار کے سبب سے حضور کے کسی قرابتی کو جہنم میں ڈالا جائے۔ (اللہ اکبر یہ عظمت ہے آل نبی ﷺ کی) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ منصور نے امام کا بدلہ جعفر سے لینے کا ارادہ کیا تو امام نے فرمایا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں واللہ اس کے کوڑوں میں سے جو کوڑا بھی میرے جسم سے ہٹتا تھا میں اسی وقت معاف کر دیتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی رسول ﷺ سے قرابت ہے۔

حضرت ابوبکر بن عیاش ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علی ﷺ کسی ضرورت سے تشریف لائیں تو پہلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ضرورت کو پورا

کروں گا کیونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہے۔ اگر مجھے آسمان سے زمین پر بھی ڈال دیا جائے تو بھی مجھے یہ محبوب ہوگا کہ ان دونوں پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مقدم رکھوں۔ (اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے شیخین افضل ہیں لیکن قرابت کے لحاظ سے انہیں فوقیت ہے۔ مترجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں زوجۂ نبی کریم ﷺ انتقال کر گئی ہیں تو آپ نے سجدہ کیا۔ کسی نے کہا کہ یہ کون سا سجدہ کا وقت ہوا۔ فرمایا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب تم کسی نشانی (آیت) کو دیکھو تو سجدہ کرو۔ لہٰذا زوجہ نبی ﷺ کے انتقال سے بڑھ کر کون سی نشانی ہوگی۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۷۰، سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۷۰۲)

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی مولاۃ (باندی) تھیں زیارت کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں زیارت سے نوازا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۷)

(اسی طرح) جب دایہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آتیں تو حضور ﷺ ان کے لئے اپنی چادر بچھاتے اور ان کی ضرورت کو پورا فرماتے۔ جب حضور ﷺ کا وصال ہوگیا اور وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پاس آتیں تو وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)

پانچویں فصل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم

حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت و تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و توقیر، ان کے حقوق کی نگہداشت، ان کی پیروی، خوبی سے ان کو یاد کرنا، ان کے لئے طلب رحمت کرنا، ان کے باہمی تنازعات و اختلافات سے پہلوتہی اور اعراض کرنا اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کرنا ہے اور (اس میں سے یہ بھی ہے کہ) مورخین (کی بے سروپا) خبریں اور جاہل راویوں، گمراہ رافضیوں، اہل بدعت و ہوا کی وہ خبریں جس میں کسی صحابی کی شان رفیع میں جرح و قدح کی گئی ہے اور ہر وہ بات جو ایسے لوگوں کی طرف سے (بلا تحقیق) منقول ہوں ان سب سے بچنا اور اعتماد نہ کرنا لازم ہے اور (اسی طرح) صحابہ کرام میں جو باہمی تنازعات ہوئے تھے انہیں تاویل حسن اور عمدہ مخرج پر محمول کرنا چاہیے اس لئے کہ صحابہ کرام کی علوِ مرتبت اسی کی مقتضی اور مستحق ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی کو برائی اور سوء قیمی سے یاد نہ کیا جائے اور نہ کسی پر کوئی عیب والزام منسوب کیا جائے بلکہ ان کے فضائل و مناقب،

حسنات و برکات اور خصائل محمودہ کو یاد کیا جائے اور ان کے سوا دیگر امور سے سکوت و خاموشی اختیار کی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میرے صحابہ کو (برائی سے) یاد کیا جائے تو خاموش رہو۔[1] اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. (پ ۲۶ الفتح ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ. (پ ۱۱ التوبۃ ۱۰۰)

ایمان میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے مہاجر و انصار ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (پ ۲۶ الفتح ۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ. (پ ۲۱ الاحزاب ۲۳)

کچھ مرد وہ ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حدیث: سیدنا حذیفہ ﷛ سے بالاسناد مروی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء و پیروی کرو[2] اور فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مثال ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے تم راہ یاب ہو جاؤ گے۔

حضرت انس ﷛ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کھانے میں نمک کی مثل ہیں کہ کھانا بغیر نمک کے عمدہ ہوتا ہی نہیں[3] اور فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ ﷻ سے ڈرو انہیں اپنی اغراض مشئومہ کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے کی اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی اور جس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آئے گا اور فرمایا:

۱۔ طبرانی کبیر جلد ۲ صفحہ ۹۶
۲۔ سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۲۷۱ مقدمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳۷
۳۔ کشف الاستار جلد ۳

کہ میرے صحابہ کو برا (گالی) نہ دو کیونکہ اگر تم میں سے (جو صحابی نہیں ہے) کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو میرے صحابہ کے ایک مُد یعنی دو رطل یا اس کے آدھے کی برابری بھی نہیں پہنچ سکتا[1] اور فرمایا:

جس نے میرے صحابہ کو گالی دی تو اس پر اللہ ﷻ کی اور اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ ﷻ اس شخص کا کوئی فرض و نفل قبول نہ فرمائے گا[2] اور فرمایا:

جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو خاموش رہو اور سیدنا جابر ﷛ کی حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ ﷻ نے سارے جہان کے لوگوں پر انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ میرے صحابہ کو فضیلت بخشی ہے۔ پھر ان میں سے میرے لئے چار صحابہ کو منتخب فرمایا۔ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ﷡ ہیں۔ یہ میرے صحابہ میں سب سے بہتر ہیں۔ درآنحالیکہ تمام صحابہ ہی بہترین ہیں[3] اور فرمایا:

جس نے حضرت عمر ﷛ سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے حضرت عمر ﷛ سے بغض و عداوت رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔[4]

حضرت مالک ابن انس ﷛ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ سے دشمنی کی اور انہیں گالیاں دی تو اس کا کوئی حق مسلمانوں کے مال غنیمت میں نہیں ہے اور یہ مسئلہ سورۂ حشر کی اس آیت وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ. سے استخراج کیا اور امام مالک بن انس ﷛ نے فرمایا کہ جس نے حضور ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (پ ۲۶ الفتح ۲۹) تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن مبارک ﷛ فرماتے ہیں کہ جس میں یہ دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا ایک صدق (سچائی) دوسری حضور ﷺ کے صحابہ سے محبت۔

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے حضرت ابوبکر ﷛ سے محبت کی بیشک اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے حضرت عمر ﷛ سے محبت رکھی اس پر سید ھا راستہ کشادہ ہو گیا اور جس نے حضرت عثمان ﷛ سے محبت رکھی تو وہ اللہ ﷻ کے نور سے مستفیض ہوا اور جس نے حضرت علی ﷛ سے محبت رکھی بلاشبہ اس نے عروۂ وثقی (مضبوط رسی) تھام لی اور جس نے تمام صحابہ کرام کی خوبی کے ساتھ تعریف کی تو وہ نفاق سے بری ہو گیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص شان کی وہ مبتدع، مخالف سنت اور طریقہ سلف صالح کا دشمن ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ ایسے شخص کا کوئی عمل (خیر) آسمان پر صعود نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ تمام صحابہ سے محبت نہ رکھے اور ان سے اس کا دل سالم ہو۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۹۶۷

۲۔ حلیۃ الاولیاء جلد ۷ صفحہ ۱۰۳، مسند الفردوس جلد ۵ صفحہ ۱۲

۳۔ مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶

۴۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۶۹

اور خالد بن سعید ﷺ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں حضرت ابوبکر ﷺ سے راضی ہوں تم بھی ان کو پہچان لو۔ اے لوگو! میں حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد' حضرت سعید' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ سے راضی ہوں تم بھی ان سب کو پہچان لو۔ اے لوگو! اللہ ﷻ نے تمام اہل بدر و حدیبیہ کو بخش دیا ہے۔ اے لوگو! میرے صحابہ' میرے خسر اور میرے داماد کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھو۔ ان میں سے کوئی تم سے اپنا ظلم (بدگوئی لعن طعن وغیرہ کرکے) طلب نہ کرے کیونکہ وہ ظلم ہے جو کل بروز قیامت نہ بخشا جائے گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۵۷)

ایک شخص نے معافی بن عمر سے کہا: کہاں عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ اور کہاں حضرت معاویہ ﷺ (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت معاویہ ﷺ پر بوجہ عدل فضیلت ہے) اس پر وہ غصہ ہوئے اور کہا: حضور ﷺ کے صحابہ کے ساتھ دوسروں کو قیاس مت کرو کیونکہ حضرت معاویہ ﷺ حضور ﷺ کے صحابی' حضور ﷺ کے صہر (سالے یعنی زوجہ کے بھائی) حضور ﷺ کے کاتب وحی اور اللہ ﷻ کی وحی کے امین تھے۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے نماز جنازہ نہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ عثمان ﷺ سے بغض و دشمنی رکھتا تھا لہٰذا خدا بھی اس سے دشمنی رکھتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۴)

حضور ﷺ نے انصار کے بارے میں فرمایا: مسلمانو! ان کی برائیاں (لغزشیں) معاف کر دو اور نیکیاں قبول کر لو اور فرمایا: میرے صحابہ اور سسرال کی عزت و احترام کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کرو جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد رکھی اسے اللہ ﷻ دنیا و آخرت میں محفوظ رکھے گا اور جس نے ان کے بارے میں میری نصیحت یاد نہ رکھی تو وہ خدا کی امان سے علیحدہ ہوگا اور جو اللہ ﷻ کی امان سے علیحدہ ہوا تو وہ بہت جلد اس کی پکڑ میں آنے والا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶)

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے بارے میں میری نصیحت کی حفاظت کی تو میں بروز قیامت اس کا محافظ ہوں گا اور فرمایا:

جس نے میرے صحابہ کے بارے میری نصیحت کی حفاظت کی وہ میرے پاس حوض کوثر پر آ جائے گا اور جس نے حفاظت نہ کی وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ مجھ دیکھ بھی نہ سکے گا مگر یہ کہ وہ مجھ سے بہت دور ہوگا۔

(مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶)

ا صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۹۰' صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۶ صفحہ ۱۹۳۹

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبی محترم ہیں جو لوگوں کو ادب سکھاتے ہیں اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی وجہ سے ہمیں ہدایت دی اور یہ وہ نبی ہیں جو سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ آدھی رات کو آپ ﷺ بقیع کی طرف تشریف لے جاتے ہیں ان کے لئے دعا مانگتے اور استغفار کرتے ہیں۔ اس طرح پر جیسے کہ کوئی انہیں رخصت کرتا ہے اور اسی بات کا تو حضور کو اللہ ﷻ نے حکم دیا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی محبت، دوستی کا حکم دیا اور حضور ﷺ نے ان سے دشمنی کا حکم دیا جو ان سے دشمنی رکھے۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

حضرت کعب ﷺ نے خواہش کی کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت کریں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۳)

سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص حضور ﷺ کے صحابہ کی عزت و توقیر نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے احکام و نصیحت کی عظمت نہیں کرتا اور وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا۔

چھٹی فصل

آثار و مقامات متبرکہ نبویہ ﷺ کی تعظیم

حضور ﷺ کی عظمت و احترام میں سے یہ بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ ﷺ سے منسوب ہو اس کی عزت و عظمت کی جائے۔ آپ ﷺ کی محافل مقدسہ، مقامات معظمہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مکانات منسوبہ اور ہر وہ چیز جس کو آپ ﷺ نے کبھی چھوا ہو یا جو آپ ﷺ کے ساتھ مشہور ہو گئی ہو ان سب کی تعظیم و توقیر کرنا (اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر واجب ہے)

صفیہ بنت نجدہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے بال اتنے دراز تھے جب وہ بیٹھ کر لٹکاتے تو زمین سے لگ جاتے تھے۔ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ تم اسے کٹواتے کیوں نہیں؟ فرمایا: میں اسے ہرگز کٹوانے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہے۔

اور حضرت خالد بن ولید ﷺ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند موئے مبارک (بال) تھے جب وہ ٹوپی کسی جہاد میں گر پڑی تو اس کے لینے کے لئے تیزی سے دوڑے۔ جب اس جہاد میں بکثرت صحابہ کرام شہید ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ پر اعتراض کیا۔ فرمایا:

میں نے صرف ٹوپی حاصل کرنے کے لئے اتنی تگ و دو نہیں کی ہے بلکہ اس ٹوپی میں حضور

ﷺ کے موئے مبارک (بال) تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اگر مشرکین کے ہاتھ میں پڑ گئی تو اس کی برکت سے میں محروم ہو جاؤں گا۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۴۹' مستدرک جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ کے منبر شریف کے اس مقام پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا ہاتھ رکھتے پھر ان کو اپنے چہرہ پر ملتے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۴۹)

اسی عظمت مقام کی وجہ سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں جانور پر سوار ہو کر نہ چلتے اور فرماتے کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں سواری کے جانور سے اس ارض مقدس کو پامال کروں جہاں اللہ ﷻ کے رسول ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ بروایت خود آپ ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جبکہ آپ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے گھوڑے عنایت فرمائے تو انہوں نے عرض کیا: ایک گھوڑا تو آپ ﷺ اپنے لئے روک لیتے اس کے جواب میں مذکورہ قول فرمایا۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ' احمد بن فضلویہ زاہد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوات (جہاد) میں (معروف) تیر انداز تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کمان کو کبھی بغیر وضو نہیں چھوا جب سے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک میں لیا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو بیس کوڑے مارنے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے (معاذ اللہ) یہ کہا تھا کہ مدینہ کی زمین روی ہے حالانکہ وہ شخص عزت دار تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص تو گردن مار دینے کے قابل تھا کہ جس مقدس زمین میں حضور ﷺ دفن ہوں وہ اسے پاک (طیب) گمان نہیں کرتا۔

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا: جو شخص اس مقدس سرزمین میں نئی بات (بدعت سیئہ) رائج کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ ﷻ کی' اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اس سے کوئی فرض و نفل اللہ ﷻ قبول نہ فرمائے گا۔

ایک روایت ہے کہ جہجاہ غفاری نے حضور ﷺ کی چھڑی مبارک حضرت عثمان ﷺ کے ہاتھ سے اس لئے چھینی کہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے۔ لوگ اس پر چیخ پڑے۔ بالآخر اس کے گھٹنے میں آکلہ پیدا ہو گیا (جب وہ گلنے لگا) تو وہ گھٹنہ کاٹا گیا اور اسی سال وہ مر گیا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے منبر کے پاس کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے

اور ابو الفضل جوہری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مجھے ملی کہ جب وہ زیارت کے لئے مدینہ منورہ

حاضر ہوئے تو آبادی شروع ہوتے ہی سواری سے اتر پڑے اور روتے ہوئے پیدل چلنے لگے۔ اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھا۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ لَنَا ۔ فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

جب ہم نے اس ہستی مقدس کے نشانات کو دیکھا جس نے ہمارے عقل وخرد کو نشانات کی معرفت کے لئے نہ چھوڑا۔

نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً ۔ لِمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنْ نُلِمَّ بِهٖ رُكْبًا

تو ہم اس محبوب کی بزرگی کی خاطر اپنی سواریوں سے اتر پڑے تاکہ اس سے بچیں جس نے سوار ہو کر زیارت کی اور دربار سے دور کر دیا گیا تھا۔ پاپیادہ چلتے ہیں۔

کسی ایک طالبان حق سے مروی ہے کہ جب وہ مدینہ میں حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو بے ساختہ کہنے لگا۔

رُفِعَ الْحِجَابُ لَنَا فَلَاحَ لِنَاظِرٍ ۔ قَمَرٌ تَقَطَّعَ دُوْنَهُ الْأَوْهَامُ

ہم سے جب پردہ اٹھایا گیا تو دیکھنے والے کو ایسا چاند نظر آیا جس سے تمام اوہام فنا ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا الْمَطِيُّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدًا ۔ فَظُهُوْرُهُنَّ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامٌ

جب ہماری سواری کی حضور تک رسائی ہو جائے تو اب کجاووں پر بیٹھنا حرام ہے۔

قَرَّبْنَنَا مِنْ خَيْرِ مَنْ وَطِئَ الثَّرٰى ۔ فَلَهَا عَلَيْنَا حُرْمَةٌ وَذِمَامٌ

ہم کو ایسی بارگاہ میں رسائی میسر آ گئی جو زمین کے پامال کرنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں تو اب سواریوں کو ہماری جانب سے امن وامان ہو۔

مشائخ کرام سے مروی ہے کہ کسی بزرگ نے پیدل حج کیا۔ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی۔ فرمایا: کیا نافرمان یا بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس سوار ہو کر آتا ہے؟ اگر مجھے قدرت ہوتی تو سر کے بل چل کر حاضر ہوتا نا کہ قدموں کے بل۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مقامات مقدسہ کی بھی تعظیم لازم ہے جہاں وحی قرآنی آیات اور جبریل و میکائیل علیہما السلام وغیرہ اترے ہیں اور وہاں سے فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اور وہ میدان جہاں تسبیح وتقدیس کی آوازیں گونجا کرتی تھیں اور وہ سرزمین مقدس جہاں حضور سید البشر ﷺ نے اوقات عزیزہ گزارے اور وہاں سے دین اسلام اور سنت رسول انام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور وہ نشانیاں اور مسجدیں جہاں درس دیا جاتا رہا اور نمازیں پڑھی گئیں، فضائل و برکات

اور معاہدۂ براہین و معجزات اور دینی احکام و مسائل' مسلمانوں کے لئے شعائر اسلام' سید المرسلین ﷺ کے قیام پذیر ہونے کے مقامات' خاتم النبیین ﷺ کے وہ منازل و جائے سکونت جہاں سے نبوت کے چشمے جاری ہوئے اور بکثرت فیضان رسالت جہان میں پھیلے اور وہ مکانات جہاں رسالت کے فیوض و برکات شامل ہیں اور وہ زمین مقدس جو سید عالم ﷺ کے جسم مقدس سے چھو کر سرفراز ہوئی' ان تمام میدانوں کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ وہاں کی خوشبوؤں کی ہوا لی جائے' ان کے مکانوں' دیواروں کو چوما (بوسہ دیا) جائے۔

يَا دَارَ خَيْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَمَنْ بِهٖ ۔۔۔ هُدَى الْاَنَامِ وَخُصَّ بِالْاٰيَاتِ

اے سید المرسلین کے کاشانہ اقدس اور ہر وہ چیز جو ان سے منسوب ہے جن سے لوگوں نے ہدایت پائی اور وہ معجزات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عِنْدِیْ لِاَجْلِکِ لَوْعَةٌ" وَصَبَابَةٌ" ۔۔۔ وَتَشَوُّقٌ مُتَوَقِّدُ الْجَمَرَاتِ

میرے پاس تمہارے لئے سوزشِ عشق اور ایسا شوق ہے جس سے چنگاریاں روشن ہیں۔

وَعَلَیَّ عَهْدٌ" اِنْ مَلَاْتُ مَحَاجِرِیْ ۔۔۔ مِنْ تِلْكُمُ الْجُدْرَاتِ وَالْعَرَصَاتِ

قسم بخدا میں اپنی آنکھوں کو تمہارے ان دیواروں اور میدانوں سے بھر لوں گا۔

لَاُعَفِّرَنَّ مَصُوْنَ شَيْبِیْ بَيْنَهَا ۔۔۔ مِنْ كَثْرَةِ التَّقْبِيْلِ وَالرَّشَفَاتِ

میں ان مقامات کو کثرت سے بوسہ دے کر اور لپٹ کر اپنی سیاہ داڑھی کو گرد آلود کر لوں گا۔

لَوْ لَا الْعَوَادِیْ وَالْاَعَادِیْ زُرْتُهَا ۔۔۔ اَبَدًا وَلَوْ سَحْبًا عَلَى الْوَجَنَاتِ

اگر مجھے موانع اور میرے دشمن نہ ہوتے تو میں ہمیشہ ان کی زیارت کرتا۔ اگرچہ میرے رخسار گرد آلود ہو جائیں۔

وَلٰكِنْ سَاُهْدِیْ مِنْ حَفِيْلِ تَحِيَّتِیْ ۔۔۔ لِقُطَّنِ تِلْكَ الدَّارِ وَالْحُجُرَاتِ

لیکن میں بہت جلد ان گھروں اور کمروں کے رہنے والوں پر صلوٰۃ و سلام کے بکثرت تحفے پیش کروں گا۔

اَزْكٰی مِنَ الْمِسْكِ الْمُفَتَّقِ نَفْحَةً ۔۔۔ تَغْشَاهُ بِالْاٰصَالِ وَالْبُكُرَاتِ

جو مشک سے زیادہ خوشبو کی لپٹیں مارتی ہوں گی۔ جسے صبح و شام ڈھانک لیں گی۔

وَتَخُصُّهُ بِزَوَاكِی الصَّلَوَاتِ ۔۔۔ وَنَوَامِیَ التَّسْلِيْمِ وَالْبَرَكَاتِ

ان کو پاکیزہ درود اور زیادتی سلام و برکات سے مخصوص کرتی ہیں۔

چوتھا باب

درود و سلام کی فرضیت و فضیلت

یہ باب حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کی فرضیت اور اس کی فضیلت کے بیان کرنے میں ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے (نبی) پاک پر درود بھیجتے ہیں۔

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۱) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے نبی پاک ﷺ پر برکت نازل کرتے ہیں[1] اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ ﷻ نبی پاک پر رحم فرماتا اور اس کے فرشتے دعا کرتے ہیں اور مبرد ﷫ کا قول ہے کہ صلوٰۃ کے اصل معنی رحم کرنے کے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ پر اللہ ﷻ کی جانب سے رحم اور فرشتوں کی طرف سے نرمی اور اللہ ﷻ سے رحمت فرمانے کی استدعا ہے۔

اور حدیث میں ملائکہ کی صلوٰۃ کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ شخص جو نماز کے انتظار میں بیٹھے (اس کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں کہ) اے خدا اسے بخش دے اے خدا اس پر رحم فرما گویا یہ فرشتوں کی دعا ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)

بکر قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی جانب سے صلوٰۃ کے نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے سوا ہیں ان پر رحمت نازل فرماتا ہے اور خاص نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ نازل فرماتا آپ ﷺ کی بزرگی و کرامت میں اضافہ کرتا ہے۔

ابو العالیہ ﷫ کا قول ہے کہ اللہ ﷻ کی صلوٰۃ یہ ہے کہ مجمع ملائکہ میں حضور ﷺ کی مدح و ثنا کرے اور فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ دعا کریں۔

حضرت قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ (خود) پر درود پڑھنے کی تعلیم کی اور حدیث میں لفظ صلوٰۃ اور لفظ برکت کے درمیان فرق فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ دلیل اس امر کی ہے کہ ان دونوں لفظوں کے جداگانہ معنی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا کہ وہ آپ ﷺ پر سلام بھیجیں تو اس

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۴۶

بارے میں قاضی ابوبکر ابن بکیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ حضور پر اس آیت کریمہ کے نازل فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ کے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ آپ پر سلام پیش کریں۔ اسی طرح صحابہ کے بعد والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بوقت حاضری قبر انور اور بوقت ذکر حضور ﷺ آپ پر سلام عرض کریں۔

آپ ﷺ پر سلام عرض کرنے کے معنی میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے رفیق پر سلامتی ہو۔ اس معنی میں "سلامت" مصدر ہو گا جیسے لذاذ اور لذاذت۔

دوسرا قول یہ کہ سلام کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محافظین' آپ ﷺ کی رعایت کرنے والوں' آپ ﷺ کے اصحاب اور آپ ﷺ کی کفالت کرنے والوں پر سلام ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے سلام اللہ ﷻ کا نام (اسمائے حسنٰی میں سے) ہو گا۔

تیسرا قول یہ کہ سلام بمعنی مسالمت یعنی آپ ﷺ سے صلح و فرمانبرداری کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پ۵ النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہیں ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پہلی فصل

درود شریف کی فرضیت

واضح ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا فی الجملہ فرض ہے۔ کسی خاص وقت کے ساتھ محدود و معین نہیں ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر علی الاطلاق درود بھیجنے کا حکم دیا۔

ائمہ و علماء نے اس حکم کو وجوب پر محمول کیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے اور ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو استحباب پر حمل کر کے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ایک مرتبہ سے زیادہ مستحب ہو چونکہ ایک مرتبہ درود پڑھنے سے بوجہ حرج کے واجب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ گناہ جو ترک واجب و فرض سے لازم آتا ہے وہ صرف ایک مرتبہ ہے جس طرح حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا (کہ صرف عمر میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا فرض ہے)

اس کے بعد مستحب ومحبوب ہے اور اہل اسلام کے شعار وعلامات میں سے ہے۔

قاضی ابوالحسن بن قصاء رحمۃ اللہ علیہ جو مالکیوں میں مشہور (فقیہہ ہیں) فرماتے ہیں کہ درود بھیجنا فی الجملہ انسان پر واجب ہے اور اس پر فرض ہے کہ اپنی تمام عمر میں باوجود قدرت زیادتی کے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

اور قاضی ابوبکر بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنی تمام مخلوق پر فرض کیا ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کریں۔ اس کے لئے کوئی معین وقت لازم نہیں ہے۔ لہٰذا انسان پر واجب ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرے اور اس سے غفلت نہ برتے۔

قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

قاضی ابوعبداللہ محمد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اہل علم وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ فی الجملہ بعد ایمان حضور ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔ نماز میں پڑھنے کی تخصیص نہیں ہے۔ کسی نے ایک مرتبہ بھی اپنی تمام عمر میں آپ ﷺ پر درود پڑھ لیا تو فرض اس سے ساقط ہو گیا۔

اور شوافع کا یہ مذہب ہے کہ جس درود شریف کے پڑھنے کا اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے وہ صرف نماز میں فرض ہے اور اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بالاتفاق واجب نہیں ہے اور امام ابوجعفر طبری اور امام طحاوی رحمہما اللہ وغیرہ نے تمام متقدمین ومتاخرین علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر تشہد (قعدہ نماز) میں درود پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ تنہا ہیں۔ ان کا قول ہے کہ جس نے تشہد کے بعد سلام سے پہلے درود نہ پڑھا' اس کی نماز فاسد ہے۔ اگر چہ وہ حضور ﷺ پر اس سے پہلے درود پڑھ چکا ہو پھر بھی جائز نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول میں نہ تو کسی سلف کا قول ہے اور نہ سنت مروی۔ جس کی پیروی کی جائے۔ اس مسئلہ کے انکار ومخالفت میں متقدمین کی ایک جماعت نے مبالغہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ متقدمین کے برخلاف ہے۔ ان میں سے طبری اور قشیری رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔

ابوبکر بن منذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو نماز پڑھے اس پر نماز میں حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور جس نے نماز میں درود شریف کو چھوڑ دیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' اہل کوفہ وغیرہ کے مذہب میں نماز ہو جائے گی اور یہی مذہب تمام اہل علم کا ہے۔

حضرت امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ آخری تشہد میں مستحب ہے اور اگر اس نے چھوڑ دیا تو گنہگار ہوگا۔ صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منفرد قول ہے کہ نماز میں چھوڑنے والے پر

نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ قصداً چھوڑنے والے پر اعادہ واجب بتاتے ہیں نہ کہ بھول کر چھوڑنے والے پر۔

ابو محمد بن ابی زید رحمتہ اللہ علیہ' محمد بن مواز رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرض ہے اور ابو محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم فرائض نماز میں سے نہیں ہے۔ اسے محمد بن عبدالحکیم رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا اور ابن قصار و عبدالوہاب رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن مواز رحمتہ اللہ علیہ نماز میں درود کو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح فرض خیال کرتے ہیں۔

اور ابو یعلی عبدی رحمتہ اللہ علیہ مالکی مذہب کے تین قول بیان کرتے ہیں۔

1. وجوب' 2. سنت اور 3. مستحب۔

شوافع میں سے خطابی رحمتہ اللہ علیہ نے اور دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ خطابی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز میں درود واجب نہیں ہے اور یہی قول تمام فقہاء کا ہے بجز امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے۔ میرے علم میں نہیں کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا کوئی پیشوا ہو۔ اب رہی اس کی دلیل کہ یہ فرائض نماز میں سے نہیں ہے تو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے پہلے تمام سلف صالحین کا عمل اور ان کا اجماع ہے۔ بلاشبہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ پر لوگوں نے خوب مخالفت میں شدت برتی ہے اور وہ تشہد جو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن مسعود ﷛ کا بیان کردہ ہے جسے ان کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ مگر ان کی روایت میں حضور ﷺ پر درود پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اسی طرح ہر وہ تشہد کی روایت جو حضور ﷺ سے مروی ہے مثلاً روایت حضرت ابوہریرہ' ابن عباس' جابر' ابن عمر' ابوسعید خدری' ابوموسیٰ اشعری[1] اور عبداللہ زبیر ﷢ کسی میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں تشہد اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح سورۃ قرآنی سکھاتے تھے۔ ابی سعید خدری ﷛ بھی یہی فرماتے ہیں اور حضرت ابن عمر ﷛ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ﷛ منبر پر اس طرح ہمیں تشہد سکھاتے تھے جس طرح بچوں کو کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر ﷛ نے منبر پر تشہد کو سکھایا[2] اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کی نماز نہیں جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔[3] اس روایت کو تمام محدثین نے

1۔ صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۳۰۲٬۳۰۱٬۳۰۰ سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۵۹۷٬۵۹۳
2۔ مستدرک کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۲۲۹ للبیہقی کتاب الصلوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۲
3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ جلد ا صفحہ ۱۴ دارقطنی کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۳۵۵ سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ مستدرک کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۲۶۹

ضعیف بتایا ہے۔

ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود ﷺ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میری اہل بیت پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول وہ ہے جو ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین ﷺ سے مروی ہے کہ اگر میں ایسی نماز پڑھوں جس میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی اہل بیت پر درود نہ پڑھوں تو یقیناً میرے نزدیک ایسی نماز پوری نہ ہوگی۔

دوسری فصل

وہ مواقع جہاں درود شریف مستحب ہے

حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا جہاں مستحب ہے اور جس کی ترغیب دی ہے اب ان مواقع کو بیان کیا جاتا ہے۔ اول مقام تو تشہد ہے جس کی حضور ﷺ نے ترغیب دی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے کہ یہ تشہد کے بعد دعا سے پہلے ہے۔

حدیث: فضالہ بن عبید ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا مانگی مگر نبی کریم ﷺ پر اس نے درود نہ پڑھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی پھر اسے بلایا' اسے اور دوسروں کو تعلیم فرمائی کہ جب تم نماز پڑھو تو اللہ ﷻ کی حمد وثنا سے شروع کرو پھر مجھ پر درود پڑھو اس کے بعد جو چاہو دعا مانگو۔ دوسری سند میں ہے کہ اللہ ﷻ کی تمجید سے شروع کرو یہی سند صحیح ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۶۲' سنن ترمذی جلد ۵ صفحہ ۱۸' سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۴)

حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے کہ دعا اور نماز آسمان وزمین کے مابین معلق رہتی ہے۔ اللہ ﷻ کے حضور میں اس وقت تک باریاب نہیں ہوتی جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔
(سنن ترمذی کتاب جلد ۱ صفحہ ۳۰۳)

حضرت علی ﷺ حضور نبی کریم ﷺ سے اسی کے ہم معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وَعَلٰی آلِ مُحَمَّد" بھی کہا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ دعا اس وقت تک محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب تک دعا مانگنے والا نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اللہ ﷻ سے سوال کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے اس کی شان جلالت وکبریائی کے مطابق اس کی حمد وثنا کرے پھر نبی کریم ﷺ پر

درود پڑھے اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے کیونکہ اس کے بعد سزاوار ہے کہ وہ جو مانگے قبول ہو۔
(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سوار کے پیالے کی مانند نہ بناؤ کہ سوار اپنے پیالے کو پانی سے بھرتا ہے پھر اسے رکھتا ہے اور سامان اٹھاتا ہے۔ جب اسے پانی کی حاجت ہوتی ہے تو اس سے پیتا ہے' وضو کرتا ہے ورنہ اسے پھینک دیتا ہے لیکن مجھے تم اپنی دعا کے اول و آخر اور درمیان میں رکھو۔ (یعنی تین مرتبہ درود پڑھو) (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵)

حضرت ابن عطاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ارکان 'پَر' سامان اور اوقات ہیں پس اگر دعا ارکان کے موافق ہوئی تو قوی ہوگی اور اگر پروں کے موافق ہوئی تو آسمان کی طرف اڑ جائے گی اور اگر وقتوں کے موافق ہوئی تو کامیاب ہو جائے گی اور اگر اسباب کے موافق ہوئی تو کمال تک پہنچ جائے گی۔ دعا کے ارکان حضور قلب' رقت سکون وقرار' خشوع اور اللہ ﷻ کے ساتھ دل لگاؤ ہے اور اسباب وعلائق سے قطع تعلق ہے اور اس کے پَر صدق وسچائی اور اس کے اوقات صبح اور اس کے اسباب نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ دو (۲) درودوں کے درمیان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر ایک دعا آسمانوں میں محجوب (پردے میں) رہتی ہے جب وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دعا بھی ساتھ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس ﷺ کی وہ دعا جسے حنش رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کی جس کے آخر میں اَسْتَجِبْ دُعَائِی (میری دعا قبول فرما) ہے اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر یہ درود ہے کہ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَرَسُوْلِکَ اَفْضَلُ مَا صَلَّیْتَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْنَ۔

آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے مواقع اور مقامات میں سے یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر کرے یا آپ ﷺ کا اسم مبارک سنے یا لکھے یا اذان سنے (تو درود پڑھے)

حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ورسوا ہو) جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (سنن ترمذی کتاب جلد ۵ صفحہ ۲۱۰)

ابن حبیب رحمتہ اللہ علیہ جانور کے ذبح کرتے وقت نبی کریم ﷺ کے ذکر کو مکروہ جانتے ہیں اور سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت درود پڑھنے کو مکروہ کہا ہے اور کہا کہ حساب وکتاب اور ثواب کی نیت سے ہی درود شریف پڑھا جائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہا: دو مقام ایسے ہیں جہاں بجز ذکر الٰہی کے کچھ نہ کہا جائے۔ ایک وقت ذبح دوسرے چھینک کے بعد۔ ان دونوں جگہوں پر ذکر الٰہی کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہا جائے اور اگر ذکر الٰہی کے بعد "صلی اللہ علی محمد" کہا تو اللہ ﷺ کے نام کے ساتھ اس درود کا ذکر نہ ہوگا۔ (یعنی بوقت ذبح غیر خدا کا نام لینا ثابت نہ ہوگا۔ ایسی صورت میں ذبح تسمیہ کے ساتھ ہی حلال ہوگا اور یہ اضافہ بہ نیت تقریب الٰہی ہوگا جو مکروہ نہیں ہے۔ مترجم) اس روایت کو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: یہ سزا وار نہیں کہ بوقت ذبح یا چھینک کے ابتداء میں حضور ﷺ پر درود پڑھے۔ (اس صورت میں ابہام وفساد کا خطرہ ہے)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی کہ بروز جمعہ کثرت سے درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔

(اسی طرح) درود وسلام کے بھیجنے کے مواقع میں سے دخول مسجد ہے۔ ابو اسحٰق بن شعبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس شخص کو لائق ہے (چاہئے) کہ جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجے اور آپ ﷺ کی آل پر رحمت و برکت کا خواستگار ہو اور آپ ﷺ کی آل پر سلام عرض کرے پھر کہے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (اے خدا میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو اسی طرح کرے کیونکہ مسجد کو اللہ ﷺ نے اپنے فضل ورحمت کا مقام گردانا ہے۔

عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ اسی آیہ کریمہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ۔ پھر جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو۔ (پ ۱۸ النور ۶۱) (ترجمہ کنز الایمان)

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو: اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ. اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں بیوت (گھروں) سے مراد مسجدیں ہیں[۱] اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہو: "اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ" اور جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو کہتا ہوں: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ صَلَّی اللّٰہُ وَمَلٰئِکَتُہٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ" اسی طرح کعب رضی اللہ عنہ

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۲۴۷

سے مروی کہ جب مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے تو یہ کہتے مگر درود بھیجنے کا اس میں ذکر نہیں ہے۔

ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر کیا ہے تو ان کی دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے ایسا ہی کرتے اور اسی کی مثل ابوبکر بن عمرو بن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ انہوں نے سلام و رحمت کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم نے آخری قسم میں بیان کر کے لفظوں کے اختلاف کو ظاہر کیا ہے۔

مقامات درود میں سے جنازہ کے ساتھ درود پڑھنا بھی ہے۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہے اور انہی مقامات درود میں سے وہ مقامات جن پر امت کا عمل برابر چلا آ رہا ہے اور کسی نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجنے کا انکار نہیں کیا۔ مثلاً رسالوں اور کتابوں میں بسم اللہ کے بعد درود کے صیغے لکھنے کا تعامل (عمل) ہے۔ حالانکہ یہ عمل صدر اول میں نہ تھا بنی ہاشم کے دور حکومت کے وقت سے رائج ہوا۔ اس کے بعد تمام روئے زمین پر یہ عمل پھیل گیا اور انہیں سے یہ ہے کہ رسالوں کتابوں کے اختتام پر بھی درود لکھا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے فرشتے برابر ہمیشہ اس لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ (اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا مِنْ ھٰذَا الْفَضِیْلَۃِ) اور مقامات درود میں سے نماز میں تشہد کے بعد حضور ﷺ پر درود پڑھنا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہے: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ آخر تک یعنی وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ. جب تم یہ پڑھو گے تو اس کی وہ رحمت جو آسمان و زمین کے ہر نیک بندے کے لئے ہے اسے ملے گی۔ سلام کے مواقع میں سے یہ ایک موقع ہے اور سنت یہ ہے کہ یہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سے پہلے کہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ وہ یہ اس وقت پڑھا کرتے جب وہ تشہد سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرنے کا قصد کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں اسے مستحب رکھا کہ ایسا ہی قبل سلام بھی دوبارہ پڑھے۔ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کی مراد وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ دونوں سلام پھیرنے سے پہلے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا کرتے تھے۔

اہل علم اسے مستحب جانتے ہیں کہ بوقت سلام انسان آسمان وزمین کے ہر صالح بندے خواہ وہ فرشتے ہوں بنی آدم ہوں یا جن ہوں سب کی نیت کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مجموعہ" میں فرمایا: میں مقتدی کے لئے مستحب جانتا ہوں کہ جب اس کا امام سلام کہے تو وہ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے۔

تیسری فصل

درود شریف کی کیفیت اور اس کے کلمات

☆ حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش کرے۔ چنانچہ

حدیث: ابوحمید ساعدی ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ پر ہم کس طرح درود بھیجیں؟ فرمایا: یوں کہو "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۶۴۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت جو حضرت ابومسعود انصاری ﷺ سے مروی ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یوں کہو "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" اور سلام وہی ہے جیسا کہ تم کو سکھایا گیا ہے۔

اور کعب بن عجرہ ﷺ کی روایت میں یہ ہے کہ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

اور حضرت عقبہ بن عمرو ﷺ کی حدیث میں یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۶۰)

حضرت ابوسعید خدری ﷺ کی روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اور اس کے معنی بیان کئے۔

حدیث: حضرت علی مرتضیٰ ﷺ سے بالاسناد مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان کلمات کو رسول اللہ ﷺ

نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور ارشاد فرمایا: ان کو جبریل علیہ السلام نے میرے ہاتھ میں شمار کرایا اور فرمایا کہ اسی طرح یہ رب العزت ﷻ کی جناب سے نازل ہوئے۔ وہ یہ کہ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ وَتَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اس سے خوش ہو کہ اسے پورا ناپ (ثواب) دیا جائے جب وہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود پڑھے تو چاہئے کہ یہ پڑھے: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"

اور زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ پر کس طرح درود بھیجیں تو فرمایا: درود پڑھو اور دعا میں خوب کوشش کرو پھر کہو: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

سلامہ کندی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا یوں سکھایا:

اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِیَٔ الْمَسْمُوْکَاتِ اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِکَ وَنَوَامِیَ بَرَکَاتِکَ وَرَأْفَةَ تَحَنُّنِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ وَالدَّامِغِ لِجَیْشَاتِ الْاَبَاطِیْلِ کَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِکَ لِطَاعَتِکَ مُسْتَوْفِزًا فِیْ مَرْضَاتِکَ دَاعِیًا لِوَحْیِکَ حَافِظًا لِعَھْدِکَ مَاضِیًا عَلٰی نَفَاذِ اَمْرِکَ حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسًا لِقَابِسٍ اٰلَاءَ اللّٰہِ تَصِلُ بِاَھْلِہٖ اَسْبَابُہٗ بِہٖ ھُدِیَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْھَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْاَحْکَامِ وَمُنِیْرَاتِ الْاِسْلَامِ فَھُوَ اَمِیْنُکَ الْمَامُوْنُ وَخَازِنُ عِلْمِکَ الْمَخْزُوْنِ وَشَھِیْدُکَ یَوْمَ الدِّیْنِ وَبَعِیْثُکَ نِعْمَةً وَّرَسُوْلُکَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً اَللّٰھُمَّ

اَفْسِحْ لَهٗ فِیْ عَدْلِکَ وَاَجْزِہٗ مُضَاعَفَاتِ الْخَیْرِ مِنْ فَضْلِکَ مُھَنَّاٰتٍ لَّہٗ غَیْرَ مُکَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِکَ الْمَحْلُوْلِ وَجَزِیْلِ عَطَائِکَ الْمَعْلُوْلِ اَللّٰھُمَّ اَعْلِ بِنَاءَ النَّاسِ بِنَاءَ ہٗ وَاَکْرِمْ مَثْوَاہُ لَدَیْکَ وَنُزُلَہٗ وَاَتِمَّ لَہٗ نُوْرَہٗ وَاَجْزِہٗ مِنِ ابْتِعَاثِکَ لَہٗ مَقْبُوْلَ الشَّھَادَۃِ وَمَرْضِیَّ الْمَقَالَۃِ ذَامَنْطِقٍ عَدْلٍ وَ خُطَّۃٍ فَصْلٍ وَبُرْھَانٍ عَظِیْمٍ۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے میں یہ بھی منقول ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبِّیْ وَسَعْدَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ الْبَرِّ الرَّحِیْمِ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَمَا سَبَّحَ لَکَ مِنْ شَیْئٍ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الشَّاھِدِ الْبَشِیْرِ الدَّاعِیْ اِلَیْکَ بِاِذْنِکَ السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَبَرَکَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ. اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۹۳)

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ حوض مصطفیٰ ﷺ سے پورا پیالہ پئے تو وہ یہ پڑھے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَوْلَادِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِبَیْتِہٖ وَاَصْھَارِہٖ وَاَنْصَارِہٖ وَاَشْیَاعِہٖ وَمُحِبِّیْہِ وَاُمَّتِہٖ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ پڑھا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدِ نِ الْکُبْرٰی وَارْفَعْ دَرَجَۃَ الْعُلْیَا وَاٰتِہٖ سُؤْلَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی کَمَا اٰتَیْتَ اِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی۔

وہب بن ورد رحمۃ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا سَاَلَکَ لِنَفْسِہٖ وَاَعْطِ مُحَمَّدًا اَفْضَلَ مَا اَنْتَ مَسْئُوْلٌ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب تم نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا کرو تو بہترین درود پڑھا کرو۔ تم نہیں جانتے کہ کون سا درود حضور ﷺ پر پیش کیا جائے؟

یوں کہو: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ. اَللّٰھُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَّغْبِطُهٗ فِیْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

اور اہل بیت اطہار وغیرہ سے بڑی بڑی طول وطویل درودیں اور بکثرت تعریفیں منقول ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ سلام پڑھو جو تمہیں سکھایا گیا ہے تو اس سے تشہد میں وہ سلام مراد ہے جو آپ ﷺ نے سکھایا یہ کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ.

حضرت علی مرتضی ﷺ کے تشہد میں یوں آیا ہے: اَلسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَنْبِیَاءِ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مَنْ غَابَ مِنْھُمْ وَمَنْ شَھِدَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمُحَمَّدٍ وَّتَقَبَّلْ شَفَاعَتَهٗ وَاغْفِرْ لِاَھْلِ بَیْتِهٖ وَاغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَمَا وَلَدَ وَارْحَمْھُمَا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

حضرت علی مرتضی ﷺ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کے لئے دعائے مغفرت آئی ہے اور اس سے پہلے درود کی حدیث میں بھی انہیں کی حدیث میں دعائے رحمت وارد ہے لیکن ان کے علاوہ کسی مشہور مرفوع حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے دعائے رحمت نہیں مانگنی چاہئے بلکہ آپ کے لئے صرف اس درود و برکت کی دعا مانگنی چاہئے جو کہ حضور ﷺ کے لئے خاص ہے۔ البتہ دوسروں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا مانگنی چاہئے۔

ابومحمد بن ابوزید رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ پر درود کی حدیث میں ذکر کیا کہ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَاٰلِ مُحَمَّدًا کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ لیکن یہ بات بھی صحیح حدیث میں نہیں آئی۔ اس کی دلیل خود حضور ﷺ کا ارشاد حدیث سلام ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ.

چوتھی فصل

درود وسلام کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام اور دعا کی فضیلت یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جب مؤذن کی اذان سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی وہی کہو اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اس پر اللہ ﷻ کی دس رحمتیں ہوں گی۔ پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک درجہ ہے جو صرف بندگان خدا میں سے کسی ایک کو حاصل ہوگا۔ میں خواستگار ہوں کہ وہ میں ہی ہوں تو جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا مانگی تو اس پر شفاعت حلال ہو گئی۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۹، سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ﷻ اس پر دس رحمتیں فرمائے گا اور اس سے دس گناہ محو (معاف) کر کے اسے دس درجے بلند کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(مستدرک کتاب الدعاء جلد ۱ صفحہ ۵۵۰، سنن نسائی کتاب الصلوۃ علی النبی ﷺ جلد ۳ صفحہ ۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ جس نے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ﷻ اس پر دس (رحمتیں) فرمائے گا اور دس درجے اسے بلند کرے گا۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۱)

اور ایک روایت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جبریل علیہ السلام نے مجھ سے ملاقات کر کے کہا: میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے جس نے آپ ﷺ پر سلام پیش کیا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا اور جس نے ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجا میں اس پر اتنی ہی رحمت نازل کروں گا۔ (مستدرک کتاب الدعا جلد ۱ صفحہ ۵۵۰)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ، مالک بن اوس بن حدثان، عبداللہ بن ابی طلحہ، زید بن حباب رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۴)

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی کہ بروز قیامت میرے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا۔ (سنن ترمذی کتاب الطلوع جلد ۱ صفحہ ۳۰۲)

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کتاب میں مجھ پر درود لکھا جب تک اس کتاب میں میرا نام رہے گا برابر فرشتے اس کے لکھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۳۶)

حضرت عامر بن ربیعہ ﷺ سے مروی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے مجھ پر درود بھیجا تو فرشتے اس پر اس وقت تک طالب رحمت رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اب چاہے بندہ کم بھیجے یا زیادہ۔ (سنن ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۲۹۴ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۵)

حضرت ابی بن کعب ﷺ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو کھڑے ہو کر فرماتے: اے لوگو ذکر الٰہی کرو فتنہ و فساد کا وقت آ گیا اور اس کے پیچھے علامات قیامت ظاہر ہو گئیں۔ موت اپنی تکلیفوں کے ساتھ آ گئی۔

حضرت ابی بن کعب ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ ﷺ پر درود کے لئے کتنا وقت مقرر کر لوں؟

فرمایا: جتنا تم چاہو۔ عرض کیا: چوتھائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر تم اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: تہائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: دو تہائی؟

فرمایا: جتنا چاہو اگر اس سے زیادہ کرو تو وہ بہتر ہے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اپنا تمام وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لئے وقف کرتا ہوں۔

فرمایا: اس وقت تمہیں کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی کتاب جلد ۴ صفحہ ۵۳)

حضرت ابو طلحہ ﷺ سے مروی کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ایسی رونق و بشاشت دیکھی کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے استفسار کیا تو فرمایا: مجھے ایسی مسرت سے کون روک سکتا ہے۔ بیشک ابھی ابھی جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور وہ میرے رب ﷻ کی طرف سے خوشخبری لائے۔ کہا کہ اللہ ﷻ نے آپ صلی اللہ علیک وسلم کی طرف مجھے بھیجا کہ میں آپ ﷺ کو بشارت دوں کہ آپ ﷺ کی امت میں سے ہر وہ شخص جو آپ ﷺ پر درود بھیجے اس پر اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے دس گنا رحمت فرمائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے سماعت اذان کے بعد پڑھا: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ. اس کے لئے بروز قیامت میری شفاعت حلال ہوگئی۔

(سنن نسائی باب الفضل فی الصلوۃ علی النبی ﷺ جلد ۲ صفحہ ۵۰ ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی جس نے سماعت اذان کے بعد کہا: "وَاَنَا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا." اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹)

حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے دس مرتبہ مجھ پر سلام عرض کیا تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔ (الترغیب والترہیب)

بعض حدیثوں میں مروی ہے کہ میری بارگاہ میں کچھ ایسے لوگ پیش ہوں گے کہ میں انہیں کثرت درود کی بنا پر جو انہوں نے مجھ پر پڑھا پہچان لوں گا۔ (کشف الغمہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ بروز قیامت اس کی سختیوں اور اس کی شدتوں سے نجات پانے والا تم میں سے وہی ہوگا جس نے مجھ پر بکثرت درود بھیجا ہوگا۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۴ سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے سے گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح ٹھنڈے پانی سے (پیاس یا آگ بجھتی ہے) اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ. (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۴ سورۃ الاحزاب آیت ۵۶)

پانچویں فصل

درود و سلام نہ بھیجنے والے کی مذمت اور گناہ

جس نے نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا اس کی برائی اور گناہ یہ ہے کہ

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی کہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل و رسوا ہو) کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس کی ناک خاک آلود ہو کہ ماہ رمضان آیا پھر وہ اس کے گناہ بخشائے بغیر گزر جائے (یعنی اس نے عمل خیر نہ کیے) اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کے بڑھاپے کو پایا پھر وہ اسے جنت میں داخل کئے

بغیر چلے جائیں۔ (سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۱۰)

حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے کہا کہ غالباً حضور ﷺ نے والدین میں سے کسی ایک کے لئے فرمایا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ پھر جب تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین۔ اس وقت حضرت معاذ ؓ نے دریافت کیا۔ فرمایا کہ جبریل ؑ حاضر ہوئے اور کہا:

اے محمد صلی اللہ علیک وسلم جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام اقدس لیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے پھر وہ مر جائے تو اللہ ﷻ اسے جہنم میں داخل کرے گا اور اسے اپنے سے دور کردے گا۔ آپ فرمائیں آمین۔ اور کہا کہ جس نے رمضان المبارک پایا اور اس نے اس سے کچھ حصہ نہ لیا پھر وہ مر گیا۔ پھر ویسا ہی کہا (آخر میں) کہا کہ جس نے والدین کو یا کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت نہ کی پھر وہ مر گیا آگے وہی کہا۔ (یعنی آپ کہیے آمین) (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۶)

حضرت علی ابن طالب ؓ نے حضور ﷺ سے روایت فرمائی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن ترمذی کتاب الاعوات جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)

حضرت جعفر بن محمد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد سے روایت کی۔ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو اسے جنت کا راستہ بھلا دیا جائے گا۔

(مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴، القول البدیع)

حضرت علی بن طالب ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پورا بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے پھر وہ اس سے پہلے کہ خدا کا ذکر کریں اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے بغیر اٹھ جائیں تو ان پر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں چاہے وہ عذاب کرے یا انہیں بخش دے۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۱۲۹، مستدرک کتاب الدعا جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)

حضرت ابوہریرہ ؓ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا تو اللہ ﷻ اسے جنت کا راستہ بھلا دے گا۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، الاحزاب ۵۶)

حضرت قتادہ ؓ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے کہ کسی شخص کے

سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (عبدالرزاق فی جامعہ کمافی مسائل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۰۵)

حضرت جابر ﷺ سے مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے سے پہلے جدا ہو جائے تو مردار کی بدبو اس کے ساتھ جاتی ہے۔

(تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، ۱۱۷ احزاب ۵۶)

حضرت ابوسعید ﷺ سید عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جو قوم مجلس میں بیٹھے اور اس میں نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجے تو ان پر حسرت ہوگی اگر چہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں جب وہ اس کے ثواب کو دیکھیں گے۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، ۱۱۷ احزاب ۵۶)

حضرت ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے نقل کر کے کہا جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ مجلس میں درود پڑھ لے تو جب تک وہ اس مجلس میں بیٹھا اسے اتنا ہی کافی ہے۔

چھٹی فصل

حضور ﷺ پر خصوصیت سے درود پیش ہوتا ہے

سید عالم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مخلوق میں سے جو بھی آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ چنانچہ

حدیث: ابوہریرہ ﷺ سے بالاسناد مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ ﷻ مجھ پر میری روح کو واپس کرتا ہے پھر میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۳۴ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۸)

حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت کی اور کہا کہ ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے جو میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے اسے خود سماعت کرتا ہوں اور جو دور سے بھیجتا ہے اسے پہنچایا جاتا ہے۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۳، ۱۱۷ احزاب ۵۶)

حضرت ابن مسعود ﷺ سے مروی کہ اللہ ﷻ کے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں تاکہ وہ میرے حضور میری امت کا سلام پہنچائیں۔ (سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۴۳ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۸۷)

اسی کی مثل حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی اور حضرت ابن عمر ﷺ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن تم اپنے نبی ﷺ پر کثرت سے سلام عرض کرو۔ کیونکہ وہ تمہاری جانب سے ہر جمعہ کو (خصوصیت کے ساتھ) پیش کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اس وقت اس کی فراغت کے بعد فوراً میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (جامع صغیر للسیوطی صفحہ)

حضرت حسن ﷺ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تم جہاں بھی ہو وہیں سے مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے حضور پہنچتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضور ﷺ کی امت میں سے جو کوئی درود و سلام آپ ﷺ پر بھیجا ہے وہ آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔ (ابن راھویہ فی مسندہ کمافی مناہل الصفا صفحہ ۲۰۶)

بعض علماء نے بیان کیا۔ بندہ جب نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں اس کا نام بھی پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے کاشانہ اقدس کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤں۔ تم مجھ پر درود بھیجو جہاں بھی تم ہو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۳)

حضرت اوس ﷺ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن درود کی خوب کثرت کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

سلیمان بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سلام عرض کرتے ہیں۔ کیا حضور ان کے سلام کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور انہیں سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَیْلَةُ الزَّهْرَاءِ اور یَوْمُ الْاَزْهَرُ (یعنی جمعرات اور جمعہ) کو خوب کثرت سے مجھ پر سلام بھیجا کرو کیونکہ یہ دونوں تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچتے ہیں اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین نہیں کھا سکتی۔ جو مسلمان بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس اس کے نام کے ساتھ لاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا عرض کیا ہے۔

ساتویں فصل

غیر نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیجنے کا مسئلہ

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود

بھیجنا چاہیے یا نہیں؟

قاضی عیاض بتوفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عام علماء حضور ﷺ کے سوا دوسروں پر بھی درود بھیجنے کے جواز پر متفق ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی کہ وہ حضور کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو ناجائز گردانتے ہیں[1] اور ان میں سے یہ بھی مروی کہ انبیاء کے سوا کسی پر درود بھیجنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے بجز نبی کے اور بعض مشائخ کے خط میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب پایا کہ وہ بجز سید عالم ﷺ کے کسی پر بھی درود بھیجنے کو جائز نہیں بتاتے۔ حالانکہ یہ مذہب ان کا مشہور نہیں ہے۔ بلاشبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں یحییٰ بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ نبیوں کے سوا دوسروں پر درود بھیجنے کو مکروہ جانتا ہوں اور ہمیں یہ سزاوار نہیں کہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کریں۔ یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں اس قول پر عامل نہیں۔ انہیں کوئی مضائقہ نہیں کہ تمام نبیوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر درود بھیجا جائے۔ انہوں نے حجت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے آپ پر درود بھیجنے کی تعلیم دی ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کی ازواج اور آپ کی آل کا بھی ذکر ہے اور میں نے ابو عمران فارسی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق روایت پائی کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ کے سوا دوسروں پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔[2] کہا کہ ہم یہی کہتے ہیں گزشتہ لوگوں کا اس پر عمل نہ تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجو[3] کیونکہ اللہ ﷻ نے انہیں بھی ایسا ہی مبعوث فرمایا ہے جیسے مجھے مبعوث کیا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو سندیں مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حالانکہ صلوٰۃ (درود) کے معنی زبان عرب میں رحم چاہنے اور دعا مانگنے کے ہیں اور یہ مطلق ہے جب تک کہ کوئی صحیح حدیث یا اجماع مانع نہ ہو اور بلاشبہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ. (پ ۲۲ الاحزاب ۴۳) — وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶

۲۔ تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۵۶ الاحزاب ۵۶

۳۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۵۷

اور ارشاد ہوا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (پ ۱۱ التوبہ ۱۰۳)

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کرو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ. قف (پ ۲ البقرہ ۱۵۷)

یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ﷻ ابو اوفیٰ کی آل پر رحمت فرما اور جب کوئی قوم آپ کی بارگاہ میں صدقہ لاتی تو فرماتے: اے اللہ ﷻ فلاں کی آل پر رحمت فرما اور حدیث صلوٰۃ (درود میں) ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ اور دوسری حدیث میں ہے کہ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

بعض علماء نے فرمایا کہ "آل" سے مراد آپ ﷺ کے تمام پیروکار ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمام امت (مستجاب) ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے متبعین، جماعت اور قبیلہ مراد ہے۔ کسی نے کہا کہ مرد کی آل اس کی اولاد ہے اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کی قوم مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وہ اہل مراد ہے جس پر صدقہ کھانا حرام ہے اور حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ "آلِ مُحَمَّدٍ" کون ہیں؟ فرمایا: ہر متقی پرہیزگار۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں آئے گا کہ "آل محمد" سے مراد خود حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضور ﷺ خود اپنے پر درود میں پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰاتِکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ. اس سے مراد اپنی ذات اقدس ہوتی تھی۔ اس لئے کہ حضور فرض کو چھوڑا نہ کرتے اور نفل کو بجالاتے تھے۔ کیونکہ فرض تو وہ ہے جس کا اللہ ﷻ نے حکم دیا وہ تو خود حضور کی اپنی ذات پر درود پڑھنا ہے۔ یہ فرمان خود حضور ﷺ کے قول کے موافق ہے کہ (آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے فرمایا کہ) یقیناً آل داؤد علیہ السلام کی لحن میں سے انہیں کچھ حصہ لحن عطا فرمایا گیا۔[1]

اس جگہ آل داؤد علیہ السلام سے خود حضرت داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔

ابو حمید ساعدی رحمۃ اللہ علیہ کی درود والی حدیث میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۹ صفحہ ۱۶۱ صحیح مسلم کتاب المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۴۶

وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ اور حضرت ابن عمر ﷺ کی حدیث میں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجا کرتے تھے۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "موطا" میں ذکر کیا جو کہ یحییٰ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ہے اور اس کے سوا دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگا کرتے تھے اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس ابن مالک ﷺ سے روایت کیا کہ ہم اپنے اصحاب کے لئے غائبانہ دعا مانگا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ﷻ اپنی طرف سے فلاں شخص پر اس قومِ ابرار (نیک) کی رحمتیں (درودیں) بھیجے جو راتوں کو قیام کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ اقوال ہیں جن کی طرف علماء محققین گئے ہیں اور میرا رجحان اس قول کی طرف ہے جسے امام مالک اور سفیان رحمہما اللہ نے کہا اور وہ حدیث وہ ہے جو حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے اور بکثرت فقہاء و متکلمین کا مذہب مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے پر ان کے ذکر کے وقت درود نہ پڑھا جائے بلکہ درود وسلام انبیاء علیہم السلام کی عزت وتوقیر کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح اللہ ﷻ کے ساتھ اس کے ذکر کے وقت تنزیہہ تقدیس اور تعظیم خاص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ اور تمام نبیوں کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کی خصوصیت واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۶) (ترجمہ کنز الایمان)

انبیاء علیہم السلام کے سوا جو ائمہ وغیرہ ہیں ان کو غفران ورضوان کے ساتھ یاد کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ. عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

(پ ۲۸ الحشر ۱۰) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی۔

(پ ۱۱ التوبہ ۱۰۰) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز یہ بات صدر اول میں معروف ومشہور نہ تھی بلکہ یہ روافض وشیعہ کی نو ایجاد ہے جو بعض ائمہ کے لئے کرتے ہیں لہٰذا وہ ان کے ذکر کے وقت صلوٰۃ وسلام میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کا شریک ومساوی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ بدعتیوں کی مشابہت ہے جس کی

شریعت میں ممانعت ہے۔ اس بارے میں ان کے اس لزوم کی مخالفت واجب ہے۔ البتہ آل وازواج کا ذکر درود میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ آپ کے اتباع واضافت میں کر سکتے ہیں نہ کہ مستقلاً خصوصیت کے ساتھ۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جن پر صلوٰۃ استعمال فرمایا ہے تو وہ دعا کے قائم مقام اور ان پر توجہ خاص کے لئے ہے نہ کہ اس سے ان کی تعظیم وتوقیر مراد تھی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(پ ۱۸ النور ۶۳) (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا اس لحاظ سے بھی حضور ﷺ کے لئے دعا کے الفاظ ایک دوسرے کی دعا کے الفاظ سے مخالف ومغائر ہونا واجب ہے۔ یہ مذہب مختار امام ابوالمظفر اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ اسے ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

آٹھویں فصل

قبرِ انور کی زیارت کا حکم اور زائر کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ کے قبہ خضراء (سبز گنبد) کی زیارت کا حکم اور زائر حرم نبوی ﷺ کی فضیلت اور وہاں حاضر ہو کر کس طرح سلام ودعا عرض کرنا چاہیے تو واضح ہو کہ روضۂ انور کی زیارت کرنا تمام اہل اسلام کے لئے طریقہ مسنون ہے اس پر سب کا اجماع ہے اس میں ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

(طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲)

حضرت انس بن مالک ﷺ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بہ نیت ثواب مدینہ منورہ میں میری زیارت کی تو وہ میری پناہ میں ہوگا اور بروز قیامت میں اس کا شفیع ہوں گا۔

(بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۴۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔ (سنن دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ اسے مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی یہ کہے ہم نے قبرانور کی زیارت کی ہے۔

اس (مکروہ جانے) کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نام کی کراہت ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک میں ہے۔ اللہ ﷻ قبروں کی زیارت کرنے والوں پر لعنت کرے[1] حالانکہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد خود حضور ﷺ کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ فرمایا کہ تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو[2] اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی'' تو حضور ﷺ نے خود اسم زیارت کا اطلاق فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس لئے مکروہ ہے کہ یوں کہا جاتا ہے کہ زائر نے جس کی زیارت کی اس سے افضل ہوتا ہے۔ یہ بات بھی کچھ نہیں ہے اس لئے کہ ہر زیارت کرنے والا اس صفت کا نہیں ہوتا اور نہ یہ عام قاعدہ ہے۔ بلاشبہ جنتیوں کی حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت اپنے رب ﷻ کی زیارت کریں گے۔ لہٰذا زیارت کے لفظ کا اطلاق جناب باری کے لئے کہیں ممنوع نہیں۔

ابو عمران رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے طواف زیارت اور زیارت قبر نبی ﷺ کو اس لئے مکروہ کہا کہ عام لوگ ایک دوسرے کے لئے باہمی استعمال کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی عام لوگوں کے ساتھ ایسے لفظوں میں بھی برابری کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا مستحب یہ ہے کہ خاص طور پر یوں کہا جائے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کیا۔

ایک وجہ کراہت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کی زیارت کرنا مباح ہے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ کی طرف رخت سفر باندھنا' سواریوں کو لے جانا واجب ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی مراد وجوب سے وجوب استحباب ترغیب اور تاکید ہے نہ کہ وجوب بمعنی فرض کے اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا لفظ زیارت کو منع کرنا اور مکروہ فرمانا قبر نبی ﷺ کی طرف اضافت اور نسبت کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ''ہم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہے۔'' تو اسے وہ مکروہ نہ فرماتے۔

کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے اللہ ﷻ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ میرے بعد اس کی عبادت کرنے لگیں۔ اللہ ﷻ کا اس قوم پر بڑا غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو

۱۔ سنن ترمذی کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۷۔ ۳۵۶ جلد ۳ صفحہ ۴۴۲

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز جلد ۲ صفحہ ۶۷۲

مسجدیں بنالیا یعنی ان کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ اس بنا پر امام نے اس لفظ کی نسبت کو قبر کی طرف کرنے اور ان لوگوں کی مشابہت کے ذریعہ کو منقطع کرنے اور اس دروازے کو بند کرنے کے لئے مکروہ بتایا۔ واللہ اعلم۔

اسحٰق بن ابراہیم فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ سے مسلسل جاری ہے کہ جو حج کا ارادہ رکھے وہ مدینہ منورہ ضرور جائے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا قصد کرے اور آپ ﷺ کے روضۂ انور، منبر، قبر شریف، مجلس اور جہاں جہاں آپ ﷺ کے دست اقدس نے مس فرمایا اور جہاں آپ کا قدم شریف پہنچا اور وہ ستون جس سے آپ ﷺ تکیہ لگایا کرتے اور جہاں جبریل علیہ السلام آپ ﷺ پر وحی لاتے اور وہ لوگ جو وہاں آباد ہیں اور جنہوں نے وہاں کا قصد کیا۔ صحابہ کرام اور ائمہ مسلمین وغیرہ ان سب کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرے اور ان سب سے نصیحت حاصل کرے۔

ابن ابی فدیک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض ان علماء سے جن سے ملا ہوں سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس کھڑا ہو یہ آیہ کریمہ پڑھے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ. (پ۲۲ الاحزاب ۵۶) پھر کہا: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ اور اسے ستر مرتبہ کہا تو فرشتہ اسے خبردار کرتا ہے کہ اے فلاں شخص تجھ پر اللہ ﷻ کی رحمت ہو تیری کوئی حاجت ضائع نہ جائے گی۔

یزید بن ابو سعید مہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو جب رخصت ہونے لگا تو آپ نے فرمایا: تم سے میری ضرورت ہے وہ یہ کہ جب تم مدینہ منورہ حاضر ہو تو بہت جلد روضہ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر میری طرف سے سلام عرض کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صرف سلام عرض کرانے کے لئے مستقلاً شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے وہاں ٹھہرے اور دونوں ہاتھ اٹھائے میرا خیال ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ پھر وہ چلے گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا۔ جب نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرو اور دعا مانگو تو قبر شریف کے سامنے آپ کے چہرۂ انور کے مواجہ کی جگہ کھڑے ہو قبلہ کی طرف کھڑے نہ ہو اور قریب ہو کر سلام عرض کرو اور آپ ﷺ کی قبر مبارک کو اپنے (گنہگار) ہاتھ سے نہ چھوؤ (کہ یہ ادب کے خلاف ہے)۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں فرمایا: میں اسے مناسب خیال نہیں کرتا کہ قبر نبی

ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگے لیکن وہ سلام عرض کرے اور گزر جائے۔

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ نبی کریم ﷺ کے مواجہ (کی جگہ) کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اس قندیل کو جو قبر شریف کے پاس قبلہ کی جانب ہے اپنے سر کے اوپر رکھے۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سو مرتبہ دیکھا کہ وہ قبر انور کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ، اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ. اس کے بعد وہ واپس چلے جاتے۔

(بیہقی فی الحج جلد ۵ صفحہ ۲۴۵)

حضرت ابن عمر ﷺ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ منبر شریف کی اس جگہ پر جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے۔ وہ اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر مس کرتے۔ ابن قسیط اور عتبی رحمہم اللہ سے مروی کہ حضور کے صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے، منبر کے اس کنارہ (کنگرہ) کو جو قبر انور کے قریب ہے اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگا کرتے تھے۔ "موطا" میں بروایت یحیٰی بن یحیٰی اللیثی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر نبوی ﷺ کے پاس کھڑے ہوتے پھر حضور ﷺ پر اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود بھیجتے۔

ابن قاسم اور قعنبی رحمہما اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا مانگتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ابن وہب ﷺ کی روایت میں فرماتے ہیں کہ سلام عرض کرنے والا کہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" اور "مبسوط" میں فرمایا کہ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرے۔ قاضی ابوالولید باجی رحمہ اللہ نے کہا کہ میرے نزدیک نبی کریم ﷺ کے لئے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے لفظ صلوٰۃ سے دعا مانگے۔ جیسا کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں خلاف وارد ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھ کر کہو۔

وَسَلَامٌ" عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا وَصَلَّى اللّٰهُ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَجَنَّتِكَ وَاحْفَظْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اس کے بعد روضہ مطہرہ کی طرف متوجہ ہو وہ قبر و منبر کے درمیان ہے۔ وہاں پہلے دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے یہ مواجہ شریف میں کھڑے ہونے سے پہلے ہے۔ ان میں اللہ ﷻ کی حمد کرے پھر اپنی وہ تمام حاجتیں خدا سے مانگے جس کے لئے نکلا ہے اور اس پر اس کی مدد مانگے۔ اگر یہ دو رکعتیں روضہ

شریف کے علاوہ کسی اور جگہ مسجد میں ہوں تو مضائقہ نہیں۔ مگر روضہ شریف میں افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ (روضہ) ہے۔[1]

پھر مواجہ شریف میں تواضع وقار کے ساتھ کھڑا ہو اس کے بعد حضور ﷺ پر درود بھیجے اور جتنا ہو سکے آپ ﷺ کی تعریف وثنا بیان کرے اور سلام کرے اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں کے لئے دعا مانگے۔ پھر رات دن اکثر اوقات میں مسجد نبوی میں درود شریف پڑھے۔ مسجد قبا اور قبور شہداء کی زیارت کو نہ چھوڑے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ" میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرے جب مدینہ منورہ میں داخل ہو یا نکلے یا وہاں رہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب مدینہ سے باہر نکلنے کا قصد ہو تو سب سے آخر میں مواجہ شریف میں کھڑا ہو اسی طرح مسافرین کریں جب وہ واپس لوٹیں۔

ابن وہب ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجو اور کہو: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اور جب مسجد سے نکلو تو تب بھی مجھ پر درود پڑھ کر کہو: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ مِنْ فَضْلِکَ[2] اور ایک اور روایت میں ہے کہ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ.[3]

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے: صَلَّی اللّٰہُ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ بِاسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ دَخَلْنَا وَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا اور جب وہ نکلتے تو اس کے مثل کہتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے پڑھتے صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ[4] اس کے بعد وہی الفاظ مذکور ہیں جو پہلے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گزرے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھی اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا اور اسی کے مثل ذکر کیا اور ایک روایت میں ہے کہ "بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ"[5] ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَیَسِّرْلِیْ اَبْوَابَ رِزْقِکَ.[6]

١۔ مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۸

٢۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

٣۔ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ (۴)۔ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۲۸۳

٥۔ سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات جلد ۱ صفحہ ۲۵۴

٦۔ سنن ترمذی کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷

اور ابو ہریرہ ﷺ سے مروی کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور کہے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ

اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں فرمایا کہ اہل مدینہ کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ یہ تو مسافروں کے لئے لازم ہے۔ اس میں یہ بھی کہا کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلے تو اسے مضائقہ نہیں کہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے حضور ﷺ کے لئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے۔

کسی نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ اہل مدینہ نہ تو سفر کرتے ہیں اور نہ سفر سے آتے ہیں لیکن ہر روز ایک مرتبہ یا اکثر ایسا کرتے ہیں اور بسا اوقات جمعہ کے دن ضرور مواجہ شریف میں حاضری دیتے ہیں یا کئی دنوں میں ایک یا دو مرتبہ مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے اور ایک گھڑی تک دعا مانگتے ہیں۔ فرمایا: مجھے یہ بات کسی فقیہہ مدینہ سے نہیں پہنچی۔ اس کا ترک بہتر ہے۔ اس امت کے آخری لوگ جب ہی درست ہو سکتے ہیں جب کہ پہلے والے اپنی اصلاح کی درستگی کرلیں اور مجھے اس وقت کے صدر اول کے لوگوں سے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے لہٰذا یہ مکروہ ہے بجز اس کے کہ وہ سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلنے کا ارادہ کرے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب سفر کو نکلتے یا سفر سے داخل ہوتے ہیں تو مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ کہا کہ یہ ایک رائے ہے۔ باجی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق ہے کیونکہ مسافر تو اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہل مدینہ وہاں کے مقیم ہیں۔ انہوں نے مواجہ شریف میں حاضر ہونے کے لئے سفر نہیں کیا اور حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ﷻ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ لوگ اسے پوجیں۔ اس قوم پر اللہ ﷻ کا سخت غضب ہے۔ جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے[1] اور فرمایا کہ میری قبر کو عید بھی نہ بنانا (کہ سال میں صرف ایک مرتبہ حاضر ہو گئے یا یہ کہ حاضری پر اترانے لگو۔ مترجم)

احمد بن سعید ہندی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ جو شخص مواجہ شریف میں کھڑا ہو تو نہ اسے چومے اور نہ لپٹے اور نہ زیادہ دیر کھڑا ہو (کہ یہ ادب کے خلاف ہے) اور ''عتبیہ'' میں ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہونے کے بعد سلام عرض کرنے سے پہلے دوگانہ پڑھے اور نوافل پڑھنے کے لئے بہترین جگہ مصلّٰی نبوی ہے اور وہ ستون ہے جو حرین ہے اور فرض نمازوں میں سب سے اگلی صف افضل ہے اور مسافروں کے لئے گھر میں نفل پڑھنے سے مسجد میں نفل پڑھنا مستحب ہے۔

۱۔ جامع الصلوٰۃ امام مالک صفحہ ۱۴۲

نویں فصل

مسجد نبوی شریف کی فضیلت وآداب

مسجد نبوی میں داخل ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کے وہ آداب وفضیلت جو اس سبق کے سوا ہیں اور مسجد مکہ، قبر انور اور منبر شریف کا ذکر اہل مدینہ ومکہ کی فضیلت یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۶)

بے شک وہ مسجد کہ پہلے دن ہی سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کون سی مسجد ہے؟ فرمایا: یہ میری مسجد ہے[1] یہ قول ابن مسیب، زید بن ثابت، ابن عمر، مالک بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ مسجد قبا ہے۔ (درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۸ التوبہ ۱۰۸)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی کہ وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین مسجدوں کے سوا کسی کے لئے رخت سفر نہ باندھو۔ ایک مسجد حرام، دوسری یہ مسجد نبوی، تیسری مسجد اقصیٰ ہے[2]۔ (اس سے مطلقاً سفر یا کسی بزرگان دین کے عرس یا حضور سید عالم ﷺ کے روضہ کی زیارت کے لئے خصوصیت کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ہر اس سفر کی ممانعت ہے جو ان تین کے سوا نیت عبادت سے سفر کیا جائے روضۂ مقدسہ اور اعراس اولیاء وغیرہ کے لئے سفر بہ نیت عبادت نہیں ہوتا بلکہ زیارت کے لئے ہوتا ہے جو مستحب ہے مترجم غفرلہ)

اس سے پہلے ہم دخول مسجد کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھتے[3]: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی کی آواز سنی تو بولنے والے کو بلایا۔ پوچھا: تم کس قبیلہ کے ہو؟ کہا: قبیلہ ثقیف سے ہوں۔ فرمایا: اگر تم مکہ ومدینہ کی بستی کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا بلاشبہ ہماری ان مسجدوں میں آواز بلند کرنے کا حکم نہیں ہے[4]۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۵، مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۶

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب المناسک جلد ۲ صفحہ ۵۲۹، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۱ صفحہ ۱۰۱۲، صحیح بخاری باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ والمدینہ جلد ۱ صفحہ ۵۳

۳۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۱۸

۴۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵

محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد میں قصداً آواز بلند کی جائے یا ایسی اذیت رساں کوئی چیز لائی جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ "مبسوط" کے باب فضل مسجد نبوی میں فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم باقی تمام مسجدوں کے لئے بھی ہے۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نمازیوں کو اتنی بلند آواز سے پکارنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو مکروہ ہے۔ اس طرح کے پکارنے میں کسی خاص مسجد کی خصوصیت نہیں۔ مسجد جماعت میں بلند آواز سے لبیک پکارنا بھی مکروہ ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد منیٰ کے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں سے ایک ہزار نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔[1]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس استثناء کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف مکہ و مدینہ کی باہمی فضیلت کے سلسلہ میں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں جو اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیان کی ہے اور ان کے شاگرد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کے اصحاب کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ایک نماز تمام مسجدوں سے بجز مسجد حرام کے ایک ہزار گنا افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا مکہ میں نماز پڑھنے سے ہزار سے کم افضل ہے۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی نسبت سو درجہ افضل ہے۔ (مسند حمیدی جلد ۲ صفحہ ۳۲۰)

گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنی تو سو درجے مکہ کی مسجد میں نماز سے افضل ہوئی اور دوسری مساجد کی نسبت ہزار نماز کے برابر ہوئی۔ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ یہی قول سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہل مدینہ کا ہے۔

لیکن اہل مکہ و کوفہ کا مذہب مسجد مکہ کی افضلیت پر ہے اور یہی قول عطاء بن وہب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور اسے ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اور اوپر کی حدیث کے استثناء کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا ہے۔

(جو علماء یہ کہتے ہیں کہ) مسجد حرام میں نماز افضل ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل بیان کیا ہے۔[2] اس میں یہ ہے کہ مسجد

۱۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۲، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۲

۲۔ مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۳۹۷_۳۴۳، ابن حبان جلد ۳ صفحہ ۷۴

حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجد سے سو درجے افضل ہے اور قتادہ ﷺ اسی کی مثل روایت کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا بہ نسبت اس کے باقی تمام مساجد سے ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قبر انور کی جگہ روئے زمین کے تمام حصوں سے افضل ہے (بلکہ کعبہ و عرش سے بھی افضل ہے کذا فی الشرح مترجم)

قاضی ابوالولید باجی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ حدیث کا اقتضاء یہ ہے کہ مسجد مکہ تمام مساجد سے حکم میں مختلف ہے۔ اس سے اس کا حکم مدینہ کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا۔ امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ یہ تفضیل (فضیلت) صرف فرض نماز میں ہے اور مالکیوں میں سے مطرف رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ تفضیل نوافل میں بھی ہے، کہا کہ وہاں کے جمعہ کا ثواب دیگر مقامات کے جمعہ اور وہاں کے رمضان کا ثواب دوسری جگہ کے رمضان سے افضل ہے۔

عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں رمضان مبارک اور دیگر عبادات کی فضیلت کے بارے میں اسی کے مثل ایک حدیث بیان کی ہے[1] اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے حجرۂ شریفہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے[2]۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی کہ انہوں نے اتنا زیادہ کیا کہ میرا منبر میرے حوض پر واقع ہے[3]۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میرا منبر جنت کے درجوں میں سے ایک درجہ پر ہے[4]۔

طبری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ بیت (گھر و حجرہ) سے مراد وہ ہے جہاں آپ ﷺ سکونت پذیر رہے اور یہ ظاہر معنی ہیں باوجودیکہ مروی ہے جو حدیث میں بیان ہوا کہ "میرے حجرے اور میرے منبر" دوسرے معنی یہ کہ بیت سے مراد قبر انور ہے۔ یہ قول زید بن اسلم ﷺ کا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مروی کہ "میری قبر اور میرے منبر کے درمیان اس کے بعد طبری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے گھر میں ہے تو ساری روایتیں متفق ہوئیں۔ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ رہا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے حجرۂ شریفہ میں ہے جو کہ آپ ﷺ کا گھر تھا۔ اب رہا حضور ﷺ کا ارشاد کہ "میرا منبر میرے حوض پر ہے۔" ایک قول کی بنا پر ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا بعینہٖ وہ منبر جو دنیا میں ہے مراد ہو اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۱۳۵

۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۷ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۱

۳۔ موطا امام مالک باب جامع مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۹۰

۴۔ موطا امام مالک باب جامع مسجد النبی ﷺ صفحہ ۱۹۰

پر منبر ہوگا۔ تیسرے یہ کہ حضور کے منبر کی طرف قصد کرنا اور اس کے سامنے یا متصل اعمال صالحہ کی بجا آوری کے لئے حاضر ہونا یہ حوض پر لے آئے گا اور اس سے پانی پینا واجب کردے گا۔

باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' میں دو معنی کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ وہ دخول جنت کو واجب کرتا ہے اور یہ کہ اس جگہ دعا مانگنا، نماز پڑھنا، اس ثواب کا مستحق کردیتا ہے جو مروی ہے کہ ''جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔'' دوسرے یہ کہ اللہ ﷻ بعینہٖ یہ بقعۂ طاہرہ جنت میں منتقل فرمادے گا جیسا کہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ سے مروی کہ

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ کی سختیوں پر صبر کرے گا میں اس کا بروز قیامت گواہ یا شفیع ہوں گا اور حضور ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: جو مدینہ سے چلا گیا تھا کہ درحقیقت مدینہ ہی ان کے لئے بہتر تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا اور فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو میل و گند کو جلاتی ہے اور طیب و طاہر بناتی ہے اور فرمایا: مدینہ سے کوئی خوشی و رغبت سے نہیں نکلے گا لیکن اللہ ﷻ اس سے بہتر شخص کو وہاں لے آئے گا اور حضور ﷺ سے مروی کہ جو شخص دونوں حرم میں سے کسی ایک میں حج یا عمرہ کرتا ہوا مر گیا اللہ ﷻ روز قیامت بلا حساب و کتاب و عذاب اٹھائے گا۔ دوسری سند سے ہے کہ وہ بروز قیامت مامون لوگوں میں محشور ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی جو اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ میں وہ مرے تو وہیں اسے مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا (الی قولہ) اٰمِنًا۔ (پ۴ اٰل عمران ۹۷-۹۶) بیشک پہلا وہ گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ مبارکہ میں ہے (آخر آیت تک) (ترجمہ کنزالایمان)

بعض مفسرین نے فرمایا: نار جہنم سے وہ محفوظ رہے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص جس نے حرم سے باہر آگ کو طلب کیا اور جہالت کے زمانہ کی نئی باتیں پیدا کیں اور اس کی طرف پناہ لے گیا۔ یہ اللہ ﷻ کے اس قول کے مثل ہے کہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا۔ (پ۱ البقرہ ۱۲۵) اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بعض کا قول ہے۔ منقول ہے کہ کچھ لوگ سعدون خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مقام مُنْسْتِیر میں آئے اور اسے بتایا کہ قبیلہ کتامہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور اسے جلا دیا۔ وہ ساری رات جلتا رہا مگر اس پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا اس کا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شاید اس نے تین

حج کیے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ جس نے ایک حج کیا اس نے اپنا فرض ادا کیا اور جس نے دو حج کیے اس نے اپنے رب کو قرض دیا اور جس نے تین حج کیے تو اللہ ﷻ اس کے بالوں اور بدن کو آگ پر حرام کر دے گا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف نظر مبارک ڈالی تو فرمایا: تجھے ایک گھر ہونے کی وجہ سے مرحبا' تیری کتنی بڑی عظمت ہے' تیرا کتنا بڑا احترام ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۳ صفحہ ۲۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو بھی اللہ ﷻ سے رکن اسود کے نزدیک دعا مانگے گا اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

اسی طرح میزاب (پرنالہ) کے پاس ایک حدیث حضور ﷺ سے مروی کہ جس نے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور بروز قیامت مامون و محفوظ لوگوں میں حشر ہو گا۔

فقیہہ قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی حافظ ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی کہ

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے جو بھی دعا اس ملتزم کے پاس مانگی وہ ضرور قبول ہو گی۔

(سنن بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے ملتزم کے پاس جو بھی دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی ہے۔ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سنا اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی اس مقام پر جو بھی دعا مانگی وہ مقبول ہوئی اور حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے جب سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی اور محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو ملتزم کے پاس جو دعا مانگی قبول ہوئی اور ابوالحسن محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو وہاں جو دعا مانگی قبول ہوئی۔ ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ کہا ہو لیکن میں نے جب سے حسن بن رشیق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا تو جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ دنیا کے بارے میں قبول کی گئی مگر مجھے امید ہے کہ آخرت کے بارے میں بھی ضرور قبول کی جائے گی اور عذری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب سے میں نے ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا

مقام ملتزم پر جو دعا مانگی ضرور قبول ہوئی اور ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اس مقام پر بہت سی دعائیں مانگی ہیں۔ کچھ تو مقبول ہوگئیں اور جو باقی ہیں اللہ ﷻ کے وسیع فضل سے امید ہے وہ بھی قبول ہوں گی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فصل میں ہم نے تھوڑے نکات بیان کیے ہیں اگرچہ ان کا تعلق اس باب سے نہ تھا بلکہ اس فصل سے تھا جو اس سے پہلے گزری مگر فائدے کی تکمیل کی خاطر لکھ دیا۔ واللہ الموفق للصواب برحمتہ۔

قسم سوئم

اس حصہ میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی کریم ﷺ کے لئے واجب، محال، جائز یا ممتنع ہیں اور ان کیفیات وحالات بشریہ کا بیان جن کی نسبت آپ کی جانب کرنا صحیح ہے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ. (پ۴ آل عمران ۱۴۴)

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ. (پ۶ المائدہ ۷۵)

مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ. (پ۱۸ ع۱ الفرقان ۲۰)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہوا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ.

میں تمہاری طرح ہی انسان ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے اور انسانوں کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ ان سے جنگ وجدال کی طاقت نہ

رکھتے اور نہ وہ ان کی ہدایتیں قبول کرتے اور نہ ان کی جانب توجہ کرتے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا۔ اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتا۔ (پ الانعام ۹) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی وہ فرشتہ بھی انسانوں ہی کی صورت میں ہوتا تاکہ تم اس سے مل جل سکتے کیونکہ تم فرشتے سے جنگ وجدال سرور اُنس و میلان اور فرشتے کی اپنی صورت دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے ہو۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا۔ تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے۔ (پ۱۵ الاسرٰی) (ترجمہ کنزالایمان)

سنت الٰہیہ یہ نہیں ہے کہ فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جائے مگر یہ کہ وہ رسول اس نوع کی جنس میں سے ہو یا وہ شخص ہو جسے اللہ ﷻ رسالت کے لئے خاص کرلے اور اس کے لئے برگزیدہ کر کے اسے مقابلہ کی طاقت مرحمت فرمادے جیسے انبیاء و رسل ہیں (صلوات اللہ علیہم اجمعین) پس انبیاء و رسل اللہ ﷻ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں جو کہ مخلوق کو اللہ ﷻ کے احکام' منہیات اور وعدہ وعید پہنچاتے ہیں اور انہیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جان سکتے ہیں یعنی اس کے احکام' اس کی تخلیق' اس کا جلال' اس کی ہیبت و جبروت اور اس کی حکومت و ملکوت وغیرہ۔

پس انبیاء علیہم السلام کے ظاہری اعضاء اجسام اور تخلیق انسانی بشری اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور ان پر وہ تمام باتیں طاری ہوتی ہیں جو انسانی عوارضات کے لئے خاص ہیں۔ مثلاً بیماریاں' موت' فنا وغیرہ۔ لیکن ان کی ارواح قدسیہ اور باطنی کیفیات انسانیت کی ان اعلیٰ درجہ کی صفات پر فائز ہوتی ہیں جو ملاءاعلیٰ سے متعلق ہوتی ہیں اور وہ صفات فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں۔ جو ہر قسم کے تغیر و آفات سے منزہ و محفوظ ہیں۔ اکثر حالات میں بشری کمزوریاں اور انسانی ناطاقتی ان تک پہنچ ہی نہیں سکتیں کیونکہ اگر ان کا باطن بھی ان کے ظاہری انسانی اعضاء کی طرح خالص ہوتے تو یقیناً وہ ملائکہ سے (وحی) لینے' ان کو دیکھنے' ان سے کلام کرنے اور ان سے میل جول (دوستی و انس) کی طاقت نہ رکھتے جس طرح دوسرے عام انسان و بشر اس کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر ان کے اجسام اور ظاہری حالت ملائکہ پر انسانی صفات کے خلاف ہوتے تو ہرگز انسان و بشر اور وہ لوگ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ہے ان سے ملنے جلنے کی طاقت نہ رکھتے۔ جیسا کہ اللہ ﷻ کے ارشاد میں پہلے گزر چکا ہے۔

تو وہ اپنی ظاہری حالت اور اجسام کے لحاظ سے تو بشر و انسان کے مشابہ ہیں لیکن اپنی باطنی حالت اور ارواح کے لحاظ سے ملائکہ کے ساتھ ملتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میں خلیل و دوست بناتا لیکن یہ اسلامی بھائی ہے۔ تمہارا مصاحب رحمٰن عزوجل کا خلیل ہے۔

اور فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے اور فرمایا کہ میں ہرگز تم جیسا نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام جلد ۳ صفحہ ۳۲، ۳۳، صحیح مسلم کتاب الصیام جلد ۲ صفحہ ۷۷)

لہٰذا (ثابت ہوا کہ) ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی باطنی حالت (انسانی بشری حالت سے) پاک و منزہ اور ہر عیب و نقص اور علتوں سے مبرا ہے۔ یہ ایک ایسا مجمل بیان ہے کہ ہر ذی ہمت کے لئے اس کا مضمون ہرگز کفایت نہیں کرے گا بلکہ اکثر لوگ بسط و تفصیل کی ضرورت محسوس کریں گے۔ چنانچہ ہم آگے اس خصوص پر دو باب بیان کرتے ہیں۔ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

پہلا باب

امور دینیہ اور عصمت انبیاء علیہم السلام

حضور سید عالم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے امور دینیہ اور عصمت کے بیان اور جو اس سلسلہ میں گفتگو و کلام ہے۔ یہ ہے کہ

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ جو فیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ لوگوں پر جو تغیرات اور آفتیں آتی ہیں وہ اس سے باہر نہیں کہ یا تو بغیر قصد و اختیار ان کے جسم و حواس پر طاری ہوتی ہیں۔ جیسے امراض و عوارض وغیرہ یا قصد و اختیار کے ساتھ ہوں گی۔

درحقیقت یہ سب کے سب ہیں تو عمل و فعل لیکن مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ 1. عقد بالقلب 2. قول باللسان اور 3. عمل بالجوارح۔

انسان پر جو بھی آفت و تغیر واقع ہوتا ہے خواہ وہ اس کے قصد و اختیار سے ہو یا بغیر قصد و اختیار کے ان تین ہی قسموں پر منحصر ہیں۔

نبی کریم ﷺ اگرچہ نوع انسان میں سے بشر ہیں اور آپ ﷺ کی جبلت (طبیعت) پر ان باتوں کا اطلاق جائز و ممکن ہے جو دیگر انسانوں کی جبلت و طبیعت پر ہوتی ہیں لیکن یقینی طور پر دلائل قاطعہ

قائم ہو چکیں ہیں اور کلمہ اجماع پورا ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ عام انسانوں کی جبلت وطبیعت سے باہر ہیں اور ہر اس آفت سے منزہ ومبرا ہیں جو قصد واختیار سے یا بغیر قصد واختیار کے واقع ہوں۔ جیسا کہ عنقریب انشاءاللہ ﷻ تفصیل کے ساتھ ہم بیان کریں گے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی دلی پختگی

نبی کریم ﷺ کی دلی پختگی اظہار نبوت کے وقت سے ہی تھی۔ چنانچہ ہمیں اور تمہیں اللہ ﷻ کی توفیق کے ساتھ معلوم ہونا چاہئے کہ حضور سید عالم ﷺ کو توحید باری، علم وصفات الٰہی، ایمان باللہ اور جو کچھ آپ ﷺ پر وحی کی گئی ان سب پر اعلیٰ درجہ کی معرفت، علم واضح اور یقین کامل حاصل تھا۔ ان میں نہ تو کسی قسم کی جہالت تھی اور نہ شک وشبہ۔ اس معرفت ویقین کے جو مخالف ہو سکتا تھا ان سب سے آپ ﷺ معصوم اور منزہ تھے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین واضح سے یہ بات صحیح نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا اعتقاد اس کے سوا ہو۔ اب یہ اعتراض بے جا ہے اگر کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ پر معترض ہو کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ

بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ دل کو قرار آ جائے۔ (پ۳ البقرہ ۲۶۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اس لئے (۱) کہ اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں اللہ ﷻ کی خبروں میں قطعاً شک نہ تھا ان کی مراد تو اطمینان قلب اور مردوں کے مشاہدہ سے متنازعہ کو ختم کرنا تھا ورنہ انہیں اس واقعہ سے پہلے علم حاصل تھا۔ اب ان کیفیات احیاء موتی کے مشاہدہ کے ذریعہ مزید علم کا حصول مقصود تھا۔

(۲) دوسری وجہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں اپنی قرب ومنزلت معلوم کرنی مقصود تھی اور یہ کہ اس کی بارگاہ الٰہی میں اپنے سوال کی مقبولیت کا علم حاصل کرنا تھا (کہ اپنا مرتبہ پہچانیں) اس وجہ کی بنا پر اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟) یعنی اے ابراہیم علیہ السلام کیا تم اس مرتبہ اور اپنی اس برگزیدگی وخلت پر یقین نہیں رکھتے جو میری بارگاہ میں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یقین کی زیادتی اور اطمینان کی تقویت کا سوال کیا اگرچہ انہیں پہلے ہی سے شک نہیں تھا کیونکہ علوم ضروریہ اور نظریہ بھی اپنی قوت میں بڑھتے رہتے

ہیں اور ضروریات میں شکوک کا جاری رہنا محال اور نظریات میں جائز ہوتا ہے۔ لہٰذا نظر یا خبر سے مشاہدہ کی طرف جانے اور علم الیقین سے عین الیقین تک ترقی کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لئے کہ خبر ہرگز مشاہدہ کا مقام نہیں رکھتی۔ اسی بنا پر تو سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے آنکھوں سے ظاہری پردے اٹھا دینے کا سوال کیا تا کہ نور یقین کے ساتھ اپنی اس حالت پر مزید یقین حاصل ہو جائے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ مشرکوں پر اس طرح پر حجت قائم کر دی جائے کہ یوں اللہ ﷻ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا تا کہ اعلانیہ طور سے ان پر حجت قوی ہو جائے۔

(۵) پانچویں وجہ یہ کہ بعض کا قول ہے کہ ان کا یہ سوال بطریق ادب تھا لیکن مراد یہ تھی کہ اے خدا تو مجھے مردے زندہ کرنے کی قدرت مرحمت فرما اور "لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" سے یہ مراد تھی کہ میرا دل اس تمنا سے تسلی پائے۔

(۶) چھٹی وجہ یہ کہ انہوں نے اپنے دل میں شک دیکھا۔ حالانکہ انہیں شک نہ تھا مگر یہ کہ اس طرح پر شک دور کر کے قرب مزید کا حصول ہو جائے۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّکِّ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ (ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ مستحق ہیں) یہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی ہے اور کمزور طبیعتوں کی مقام معرفت سے دوری ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ایسے گمان کی نسبت کریں۔

مطلب یہ کہ ہم اٹھائے جانے اور اللہ ﷻ کے احیاء موتیٰ پر یقین رکھتے ہیں۔ پس اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا تو یقیناً ہم ان سے زیادہ شک کریں گے یہ بطریق ادب فرمایا یا اس سے آپ کی وہ امت مراد ہے جن پر شک جائز ہے یا بطریق تواضع و شفقت فرمایا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ان کی اپنی حالت کی آزمائش یا یقین کی زیادتی پر محمول کیا جائے۔

اس کے بعد اگر تم یہ کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ ۔ پس اگر تم شک میں ہو اس کے جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے تو...... (پ ۱۱ یونس ۹۴) (ترجمہ کنز الایمان)

اے پڑھنے والے تو اس سے خوفزدہ رہ اور تیرے دل کو اللہ ﷻ مضبوط رکھے کہ تیرے دل میں اس خطرے کی گنجائش نکلے جو بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا کہ جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو وحی کے بارے میں (معاذ اللہ) شک کا اثبات ہے اور یہ کہ آپ ﷺ بشر ہیں اس قسم کے خطرات کا آپ ﷺ پر اطلاق ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے وحی کے بارے میں ہرگز شک نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ نے کسی سے استفسار کیا۔[1]

1۔ تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۸۹ یونس ۹۴

اسی طرح ابن جبیر اور جریج رحمہا اللہ سے مروی ہے قتادہ ﷜ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہ کبھی مجھے شک گزرا اور نہ اس بارے میں کسی سے دریافت کیا[1]۔ بالعموم مفسرین اسی قول پر ہیں۔ البتہ مفسرین نے اس کے معنی میں کئی قول بیان کئے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اے حبیب ﷺ شک کرنے والوں کو فرما دیجئے اگر تم شک کے مریض ہو تو...... الآیۃ۔ مفسرین نے کہا کہ اس سورۃ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس تاویل پہ دلالت کرتی ہو اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِیْ. (پ ۱۱ یونس ۱۰۴) اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل عرب کو خطاب ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ہی فرمایا:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ. (پ ۲۴ الزمر ۶۵) اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اگرچہ اس آیت میں مخاطب تو حضور ﷺ ہیں مگر مراد حضور کے سوا ہیں۔ اسی کے مثل یہ قول باری ہے۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ. اے محبوب تم اس سے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں شبہ میں نہ پڑو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس طرح کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔

بکر بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تم نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ ﷻ فرما رہا ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ. (پ ۱۱ یونس ۹۵) اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ تو وہ ہیں کہ جس دعوت کی تبلیغ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں پھر آپ ﷺ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ ان مکذبین کی ہمنوائی کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ تمام دلیل اس بات پر شاہد ہیں کہ بظاہر خطاب حضور ﷺ کو ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا. (پ ۱۹ الفرقان ۵۹) رحمٰن ہے پس اسے خبر دینے والے کو پوچھو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ یونس ۹۴

ایسا جنہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے سوا لوگ ہیں تا کہ وہ حضور ﷺ سے سوال کریں اور نبی کریم ﷺ تو خبر دینے والے اور مسئول عنہ ہیں نہ کہ خبر طلب کرنے والے اور سوال کرنے والے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شک جس کے ساتھ غیر نبی ﷺ کو ان لوگوں سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا جو کتاب پڑھتے ہیں سو وہ اس بارے میں ہے جن کا اللہ ﷻ نے قصہ بیان کیا ہے یعنی امتوں کی خبریں وغیرہ نہ کہ وہ امر جس کی طرف آپ کو بلایا ہے یعنی توحید و شریعت۔ اسی کے مثل اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا۔ اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ (پ ۲۵ الزخرف ۴۵) (ترجمہ کنزالایمان)

عُتبِیْ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بموجب بظاہر خطاب حضور ﷺ سے ہے لیکن مراد مشرکین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم سے ان نبیوں کے بارے میں دریافت کرو جو آپ سے پہلے ہم نے بھیجے ہیں یہاں خافض (یعنی حرف جر عن مَنْ اَرْسَلْنَا میں) محذوف ہے اور کلام پورا ہو گیا۔ پھر شروع کیا کہ

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ۔ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے کچھ اور خدا ٹھہرا لئے...... (پ ۲۵ الزخرف ۴۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ بطریق انکار ہے یعنی ہم نے نہیں کیا۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ شب معراج انبیاء علیہم السلام سے اس بارے میں استفسار فرمائیں۔ مگر آپ کا یقین اس سے زیادہ پختہ تھا کہ آپ ان سے استفسار کے محتاج ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں سوال نہیں کروں گا مجھے اسی پر یقین ہے۔

اسے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے رسولوں کی امتوں سے دریافت کیجئے کیا وہ بغیر توحید کے آئے تھے۔ اسی معنی میں مجاہد، سدی، ضحاک اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اسی آیہ کریمہ اور ماقبل کی آیت کے معنی و مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ آگاہ فرمانا تھا کہ اسی کے ساتھ تمام رسول علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بلاشبہ اللہ ﷻ نے کسی کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں دیا۔ دراصل اس میں مشرکین عرب وغیرہ کا رد فرمانا مقصود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی۔ ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس کر دیں۔" (پ ۲۳ الزمر ۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ○ اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا تو اے سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔

(پ الانعام ۱۱۴) (ترجمہ کنزالایمان)

مطلب یہ کہ ان کے علم میں یہ شک ہے کہ آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ نہیں۔ اگر چہ وہ زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کا شک مراد نہیں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں مذکورہ ہوا اور ممکن ہے یہ آیت بھی پہلے معنی کی طرح حامل ہو۔

یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں سے فرما دیں جو اس میں شک وتردد رکھتے ہیں کہ تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اس پر پہلی آیت دلیل بن جائے گی۔ ارشاد ہوا:

اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا. تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں

(پ الانعام ۱۱۴) (ترجمہ کنزالایمان)

بلاشبہ نبی کریم ﷺ اس طرح پر دوسروں کو خطاب فرما رہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تقریر و بیان ہے جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے۔

وَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰھَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا۔

(پ المائدہ ۱۱۶) (ترجمہ کنزالایمان)

یقیناً انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو تو شک نہیں ہے۔ پس سوال کرو تمہارا اطمینان وعلم اپنے علم واطمینان کے ساتھ زیادہ ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تم کو اس بارے میں شک ہے کہ جو ہم نے تم کو شرافت وفضیلت عنایت فرمائی تو ان سے اپنی صفت اور فضیلت کے بارے میں سوال کرو جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ابوعبیدہ ﷛ سے مروی ہے کہ اِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَکٍّ سے مراد آپ ﷺ کے غیر وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے اتارا ہے۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں کہ

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوۡۤا اَنَّھُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا. یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔

(پ یوسف ۱۱۰) (ترجمہ کنزالایمان)

تو ہم کہیں گے کہ اس کے وہ معنی ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ کیا رسول ﷺ اپنے رب ﷻ سے یہ گمان کریں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول ﷺ جب

مایوس ہو گئے تو گمان کیا کہ وہ متبعین جنہوں نے ان سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے ان سے جھوٹ بولا تھا۔ اسی قول پر اکثر مفسرین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ظَنُّوْا کی ضمیر متبعین اور امتوں کی طرف راجع ہے نہ کہ انبیاء و رسل کی طرف۔

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور نخعی، ابن جبیر رحمہما اللہ اور ایک جماعت علماء کا ہے۔ اسی معنی کی رعایت سے مجاہد رحمہ اللہ نے کَذَبُوْا (فتح کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے بعد اب تیرا دل کسی شاذ تفسیر کی طرف راغب نہیں ہونا چاہئے۔ جب یہ علماء کے منصب کے لائق نہیں تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو سیرت کی حدیث اور ابتداء وحی کے حال میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "میرے دل میں خوف گزرا تھا"۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ کو فرشتہ کی رویت کے بعد اللہ ﷻ جو آپ کو عطا فرمائے گا اس میں کوئی شک تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ خشیت قوت تحمل و برداشت مقابلہ و ملک اور تنزیل وحی کی وجہ سے ہو کہ شاید کہ قلب اطہر برداشت نہ کر سکے یا جان چلی جائے۔ یہ اس روایت کی تاویل ہے جو صحیح حدیث میں وارد ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات فرشتہ کی ملاقات کے بعد فرمائی یا یہ کہ فرشتہ کی ملاقات اور اللہ ﷻ کی نبوت سے اطلاع کی خبر دینے سے پہلے جب کہ آپ ﷺ پر عجائبات پیش ہو رہے تھے کہ شجر و حجر آپ ﷺ کو سلام عرض کرتے، آپ ﷺ کو خوابیں اور بشارتیں آنی شروع ہوئیں۔ اس وقت فرمایا ہو۔ جیسا کہ اسی حدیث کی دیگر سندوں میں مذکور ہے کہ یہ باتیں پہلے تو خواب میں ہوئیں اس کے بعد بیداری میں۔ اسی طرح دوبارہ دکھائی گئیں تا کہ آپ ﷺ کو یکدم اعلانیہ اور بالمشافہ دیکھنے سے گھبراہٹ نہ پیدا ہو اور خلقت بشری کی بنا پر ممکن ہے کہ برداشت نہ فرما سکیں۔

حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداء جو ہوئی تو رویائے صادقہ (سچی خواب) سے ہوئی۔ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ کو تنہائی (خلوت) محبوب ہو گئی۔ فرماتی ہیں یہاں تک کہ حق (قرآن یا فرشتہ یا وحی) غار حرا میں آنے لگا آخر حدیث تک۔

(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی جلد ۱ صفحہ ۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے آواز سماعت فرماتے اور سات سال تک صرف روشنی ملاحظہ فرماتے کچھ اس میں نظر نہ آتا اور آٹھ سال تک آپ پر وحی کی گئی۔ (طبقات ابن سعد)

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صحابی سے روایت کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور قریبی مقام غار

حرا کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ پس میرے پاس فرشتہ آیا درانحالیکہ میں سو رہا تھا۔ مجھ سے کہا: اِقْرَاْ (پڑھو) میں نے کہا: مَـا اَقْرَاُ (میں نہیں پڑھوں گا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مثل بیان کیا کہ فرشتہ نے آپ ﷺ کو چپٹایا اور قرأت کرائی کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ (پ۳۰ العلق ۱) تین مرتبہ ایسا کیا۔

فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ میرے پاس سے چلا گیا اور میں نیند سے بیدار ہو گیا گویا کہ وہ سورت میرے دل نشیں ہو گئی۔ حالانکہ میرے نزدیک شاعر اور دیوانہ پن سے بڑھ کر کوئی شخص مبغوض نہ تھی۔ میں نے خیال کیا کہیں قریش مجھ سے ہمیشہ ایسا گمان نہ کرنے لگیں اگر قریش نے ایسا گمان کیا تو یقیناً میں کسی بلند و بالا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے کو گرا کر ہلاک کر لوں گا۔ میں ایسا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آسمان سے ایک ندا آئی:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہو اور میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ اس وقت اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ مرد کی صورت میں جبریل علیہ السلام ہیں[1] اور حدیث کو بیان کیا۔ اس کے بعد (راوی حدیث حضرت اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے) بیان کیا کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا یا جو ارادہ کیا وہ تو اس وقت کا حال ہے جب کہ آپ ﷺ کی جبریل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی تھی اور اللہ ﷻ کے آپ ﷺ کو اپنی نبوت سے خبردار اور اس کے اظہار اور رسالت کے ساتھ سرفرازی کی خبر سے مطلع فرمانے سے پہلے کی بات تھی۔

اور اسی طرح عمرو بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب میں خلوت میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک ندا سنتا ہوں اور مجھے خوف ہے خدا کی قسم کہ یہ کوئی خاص بات ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: میں ایک آواز سنتا ہوں اور ایک (خاص قسم کی) روشنی دیکھتا ہوں مجھے خوف ہے کہ یہ کہیں میرا جنون نہ ہو۔ اس کی اس طور پر تاویل کی جائے گی کہ آپ کا قول جنون بعض احادیث میں ہے چونکہ ایسی باتیں شاعر اور مجنون سے بہت دور ہوتی ہیں اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جن سے شک کے معانی اس امر کی تصحیح میں جس کو آپ نے دیکھا سمجھے جاتے ہیں (اس کی یوں تاویل کریں گے کہ) یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جب کہ آپ ﷺ نے ابھی فرشتے سے ملاقات نہ فرمائی تھی اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دی تھی کہ آپ ﷺ اس کے رسول علیہ السلام ہیں اور ان الفاظ کے بعض طریقے صحیح نہیں ہیں لیکن اللہ ﷻ کی اطلاع اور فرشتے کی ملاقات کے بعد اس میں اصلاً شک نہ ہوا تھا اور اس پر شک

۱۔ صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۴۳، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۴۱

جائز بھی نہیں ہے۔ جو آپ ﷺ پر القاء (وحی) فرمائی گئی تھی۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ حدیث سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ میں منتر تھا نزول قرآن سے پیشتر منتر کیا جاتا تھا جب قرآن پاک نازل ہوا اور آپ ﷺ کو وہی (آنکھ کی) تکلیف ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ کی خدمت میں اس شخص کو بھیجوں جو آپ ﷺ پر منتر کرے۔ فرمایا: اب کوئی ضرورت نہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ انہوں نے اپنا سر کھول کر جبریل علیہ السلام کا امتحان لیا[1]۔ (آخر حدیث تک) تو یہ حدیث صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں خاص ہے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تحقیق کی آیا کہ جو شخص آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہی ہے۔ (یا کوئی اور) سوان کا شک جاتا رہا۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ انہوں نے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے لئے کیا تھا اور یہ کہ اس طرح پر آپ ﷺ کے حال کی خبر چاہی تھی بلکہ عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں جو کہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ تم اس معاملہ کا اس طرح پر امتحان کرو۔

اور اسماعیل بن ابو حکیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے ابن عم کیا آپ ﷺ یہ کر سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے صاحب (جبریل علیہ السلام) آئیں تو آپ ﷺ مجھے فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور جب آئے تو آپ ﷺ نے ان کو خبر دی۔ تب انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ میرے پہلو میں بیٹھیں اس کے بعد پوری حدیث بیان کی[2]۔ اس حدیث میں یہ ہے

کہ اے ابن عم! یہ شیطان نہیں فرشتہ ہی ہے آپ ﷺ ثابت قدم اور خوش رہیے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ یہ بات تو اس کی پختہ دلیل ہے کہ انہوں نے یہ جو کچھ کیا اپنے لئے طلب ثبوت تھا۔ اس طرح وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہتی تھیں نہ کہ یہ نبی کریم ﷺ کے لئے تھا۔

انقطاعِ وحی (وحی کا نہ آنا)

انقطاع وحی میں معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک اس کا اتنا غم کیا کہ کئی مرتبہ عزم کیا کہ بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ کر گر پڑیں۔ وہ اس کی اصلیت میں قدح

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸۔۱۴۷

۲۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۵۵

نہیں کرتے کیونکہ معمر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ہماری معلومات کی حد تک۔[1]" انہوں نے اس کی نہ تو حضور ﷺ تک اسناد کی ہے اور نہ اس کے راوی بیان کیے ہیں اور نہ اس کا ذکر کیا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے اور نہ یہ کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور اس قسم کی روایت نبی کریم ﷺ سے معروف ہے باوجودیکہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء امر کی بات ہو۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ کو ان لوگوں نے پریشان کیا ہو جن کو آپ ﷺ نے تبلیغ فرمائی۔

جیسا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ (پ۱۵ الکہف ۶)

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے (ترجمہ کنز الایمان)

اس تاویلی معنی کی تصحیح وہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے شریک رحمتہ اللہ علیہ نے محمد بن عبداللہ بن عقیل رحمتہ اللہ علیہ سے انہوں نے جابر بن عبداللہ ﷺ سے روایت کی کہ مشرکین مکہ جب دار الندوہ میں مشاورت کے لئے جمع ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے متعلق انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ سب کہیں کہ (معاذ اللہ حضور ﷺ) ساحر ہیں۔[2] یہ بات آپ ﷺ پر غایت درجہ گراں خاطر ہوئی اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور بدن اقدس کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور تلاوت کی کہ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (اے جھرمٹ والے نبی) یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (اے کمبل پوش نبی) یا یہ کہ انقطاع وحی کا سبب کسی ایسے سبب سے نہ ہوا جس کا مسدور آپ ﷺ سے ہوا ہو تو اس سے خائف ہوئے کہ یہ انقطاع وحی کہیں خدا کی جانب سے بطور مواخذہ نہ ہو تو اس وقت آپ ﷺ نے ایسا ارادہ کیا حالانکہ اس وقت تک شریعت میں ایسے خیال کرنے کی بھی ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی جس کی بنا پر کوئی اس پر اعتراض لازم آسکے۔

اسی سلسلہ میں سے حضرت یونس علیہ السلام کا اس اندیشہ سے بھاگنا کہ کہیں ان کی قوم ان کی تکذیب نہ کرے۔ جو کہ انہوں نے عذاب الٰہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اور حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ ﷻ کا فرمان کہ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ا صفحہ ۲۱۷

[2] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، لابی نعیم جلد ا صفحہ ۲۱۷

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ۔ تو گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔
(پ۱۷ الانبیاء ۸۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ ہم ان پر سختی نہ فرمائیں گے۔ اس میں مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ انہوں نے اپنے فرار (چلے جانے میں) میں رحمت الٰہی کی خواہش سمجھی کہ ان کے چلے جانے سے اللہ ﷻ ان کی قوم پر تنگی نہ فرمائے گا اور بعض کا قول ہے کہ انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کی قوم پر وہ عذاب لائیں گے جس میں ان کی قوم مبتلا کی گئی۔ نَقْدِرَ کو نُقَدِّرَ (دال کی تشدید کے ساتھ) بھی پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے گمان کیا ہم ان پر یہ عذاب مقدر نہ کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے فرار اور غصہ پر مواخذہ نہ کریں گے اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ اَفَظَنَّ کیا انہوں نے گمان کیا یعنی یہ کلام بطور استفہام صادر ہوا ہے اور ہمزہ استفہام تخفیف کے لئے محذوف ہے (یہ مسلہ امر ہے کہ) کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی نبی علیہ السلام پر یہ گمان کرے کہ نبی اپنے رب ﷻ کی صفات میں سے کسی صفت سے ناواقف ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے کہ

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا۔ (پ۱۷ الانبیاء ۸۷) جب چلا غصہ میں بھرا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ان کے کفر کی بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے یہی قول ابن عباس، ضحاک رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے رب ﷻ سے ناراض ہو کر چلے گئے اس لئے کہ اللہ ﷻ سے ناراضگی تو اس سے عداوت و بغاوت ہے اور اللہ ﷻ سے عداوت کفر ہے۔ یہ تو مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم سے حیا کی وجہ سے چلے گئے کہ انہیں کوئی جھوٹا نہ کہہ دے یا انہیں قتل نہ کردے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی بادشاہ سے اس بات پر ناراض ہو کر چلے گئے کہ اس کو جو اللہ ﷻ نے کسی نبی علیہ السلام کی وساطت سے حکم الٰہی بجالانے کا حکم دیا تھا (اور اس نے ان کی نافرمانی کی تھی) تو اس سے حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے فلاں نبی علیہ السلام اس (بادشاہ) پر زیادہ قوی ہے تو اس نے ان پر سختی کی تو وہ اس بنا پر ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت کی بعثت اس کے بعد ہوئی کہ مچھلی نے ان کو اپنے شکم سے باہر نکال دیا تھا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ۔ پھر ہم نے اسے میدان پر ڈال دیا وہ بیمار تھا اور ہم نے اس پر کدو کا پیڑ اگایا اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا۔
(پ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۴۵۔۱۴۶۔۱۴۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس سے بھی استدلال کیا کہ

وَلَا تَكُنْ لِصَاحِبِ الْحُوتِ۔ اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہوتا۔

(پ ۲۹ ع ۴) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کے بعد قصہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ O تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں کر لیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ ۲۹ الحاقۃ ۵۰)

پس واقعہ قبل نبوت کا ہے۔

اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ میرے دل پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ (جس کی وجہ سے میں) اپنے رب ﷻ سے استغفار دن میں سو مرتبہ کرتا ہوں [1] اور ایک روایت میں ہے ستر مرتبہ سے زیادہ ہر دن کرتا ہوں۔

تو اے پڑھنے والے! تو اس وسوسہ سے اپنے کو محفوظ رکھ تا کہ تیرے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ "غین" وسوسہ یا شک ہے جو نبی کریم ﷺ کے دل میں گزرتا ہے بلکہ اس جگہ "غین" سے مراد وہ شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ابو عبید ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ "غین" غین السما (آسمان کے بادل) سے مشتق ہے۔ وہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جو آسمان پر چھا جاتا ہے۔

دوسروں نے کہا کہ "غین" ایک ایسی شے ہے جو دل کو ڈھانپ لیتی ہے مگر اسے چھپاتی نہیں جیسے ہلکا بادل جو ہوا میں چھا جاتا ہے لیکن آفتاب کی شعاع کو روکتا نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ آپ ﷺ کے قلب اقدس پر ہر دن سو مرتبہ یا ستر مرتبہ سے زیادہ غین طاری ہوتا ہے کیونکہ لفظ مذکور جس کو ہم نے بیان کیا اس کا مقتضی نہیں ہے اور وہی اکثر روایتوں میں آیا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ یہ تعداد استغفار کی ہے نہ کہ غین کی۔

نبی کریم ﷺ کے لئے اس غین سے مراد غفلات قلبی فترات نفسانی اور سہو انسانی ہے جو بوقت ذکر و مشاہدۂ حق آپ پر بوجہ مقاسات بشری سیاستِ امت شفقت اہل و عیال مقارمت دوست و دشمن مصالحت نفس کی وہ کلفتیں جو خاص آپ ﷺ کو عطا ہوئیں ادائے رسالت حمل امانت وغیرہ ہو۔

آپ ﷺ ان سب حالتوں میں اپنے رب ﷻ کی طاعت اور اپنے خالق کی عبادت ہی میں مشغول رہتے تھے لیکن چونکہ آپ ﷺ کا مرتبہ و مقام بارگاہ الٰہی میں تمام مخلوق سے زیادہ ارفع و اعلیٰ تھا

۱۔ صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۲ صفحہ ۳۰۷

اور آپ ﷺ کو اللہ ﷻ کی معرفت سب سے زیادہ حاصل تھی اور آپ ﷺ کی وہ حالت جب کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک ملاحظۂ غیر سے خالی ہوتا اور آپ ﷺ کی ہمتِ رفیع اس کے ماسوا سے فارغ ہوتی اور آپ ﷺ اپنے رب ﷻ کے ساتھ متفرد اور ہمہ تن ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوتے اور آپ ﷺ کی وہ حالت ان دونوں حالتوں سے رفیع تر ہوتی تھی۔ تو آپ ﷺ اس حالت فترت اور شغل بالغیر کو اپنی حالت رفیعہ اور مرتبت جلیلہ کا نقصان اور انحطاط خیال فرماتے۔ اس بنا پر آپ ﷺ اپنے رب ﷻ سے استغفار کرتے تھے۔

اس حدیث کے معنی ومفہوم کے بیانات میں سے یہ معنی ومفہوم سب سے زیادہ قوی اور مشہور تر ہے۔ اسی معنی مذکور کی طرف اکثر علماء کا میلان ہے۔ اگرچہ وہ اس کے اردگرد گردش کرتے رہے ہیں لیکن جو بیان ہم نے کیا ہے اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ بلاشبہ ہم نے اس کے گہرے معنی کو فہم سلیم کے قریب کر دیا ہے اور اس شخص کے لئے جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے بالکل روشن کر دیا ہے۔ یہ تاویل اور توجیح اس پر مبنی ہے کہ طریق تبلیغ کے سوا اور امور میں انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو ونسیان اور غفلت کا طاری ہونا جائز ہے جیسا کہ عنقریب آنے والا ہے۔

اور ارباب باطن ومشائخ تصوف کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس فہم کی غفلت اور فترت سے بھی مبرا اور منزہ ہیں ان کا مذہب ہے کہ اس سے وہ غم وافکار مراد ہیں جو کہ وفور شفقت ورافت کی وجہ سے امت کے لئے آپ ﷺ کے دل ودماغ پر وارد ہوتے رہتے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ یہ استغفار ان کے لئے فرماتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں "غین" سے مراد سکینہ واطمینان ہو جو کہ آپ کے قلب سلیم کو حاصل ہوتا تھا۔ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ. (پ۱۰ التوبہ ۴۰) تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس توجیح پر آپ ﷺ کا استغفار کرنا اظہار عبودیت واحتیاج رب کے لئے ہوگا۔ ابن عطا رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا استغفار فرمانا تعلیم امت کے لئے ہے تاکہ انہیں استغفار میں رغبت ہو علاوہ بریں دوسروں نے بھی کہا کہ اس سے مقصود بچاؤ کی دریافت اور جائے امن کی طرف میلان ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ "غین" سے مراد حالت خشیت اور وہ عظمت الٰہی مراد ہو جو آپ ﷺ کے قلب اطہر پر وارد ہوتی ہو ایسی حالت میں ادائے شکر اور التزام عبودیت کے لئے استغفار فرماتے ہوں جیسا کہ عبادت کے (دوام) پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار خدا کا بندہ نہ ہوں۔ انہیں آخری وجوہات پر وہ حدیث محمول ہے جو اس حدیث کی دوسری سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے دل میں ایک خاص حالت دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس وقت میں اللہ ﷻ سے استغفار کرتا

ہوں۔ اگر تم یہ دریافت کرو کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ سے جو یہ فرمایا تو اس کا کیا مطلب ہے کہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔ اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے ہرگز نادان نہ بن۔

(پ۷ الانعام ۳۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ O تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔

(پ۱۲ ھود ۴۶) (ترجمہ کنزالایمان)

تو واضح ہونا چاہئے کہ اس بارے میں اس قائل کی طرف توجہ نہ کی جائے گی جو ہمارے نبی ﷺ کے بارے آیت کی تفسیر میں کہتا ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو اس سے جاہل ہیں۔ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہ آپ ﷺ ان میں سے نہ بنیں جو اس سے جاہل ہیں۔ یقیناً اللہ ﷻ کا وعدہ حق ہے کیونکہ فرماتا ہے:

اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ (پ۱۲ ھود ۴۵) بیشک تیرا وعدہ حق ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس تفسیر کی طرف التفات اس لئے نہ ہوگا کہ اس میں اللہ ﷻ کی صفات میں ایک صفت (معاذ اللہ) ''جہل'' کا اثبات ہوتا ہے جس کا صدور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے جائز نہیں اور مقصود تو ان کو نصیحت کرنا ہے کہ وہ اپنے امور میں جاہلوں کی روش کی مشابہت نہ کریں۔ جیسا کہ فرمایا: اِنِّیْۤ اَعِظُكَ (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اور ان آیتوں میں کوئی دلیل اس پر نہیں ہے کہ وہ اس صفت پر تھے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا بھلا یہ کیسے ان سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ آیت نوح علیہ السلام اس سے پہلے ہے کہ

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں۔

(پ۱۲ ھود ۴۶) (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا اس کے مابعد کو ماقبل پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا مثل اذن کا محتاج ہوتا ہے اور ابتداء میں اس کا سوال کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اللہ ﷻ نے ان کو اس سے منع فرمایا جسے اس کا علم حاوی اور اس کا غیب اس پر طاری جو ایسا سبب تھا جس میں ان کے بیٹے کی ہلاکت تھی۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان پر اپنی نعمت یہ بتا کر پوری فرما دی کہ

اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ۖ (پ ۱۲ ھود ۴۶) وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ معنی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے۔ اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو دوسری آیت میں آپ ﷺ کی قوم کی روگردانی پر آپ ﷺ کو لزوم صبر کی تلقین فرمائی تا کہ اس وقت آپ ﷺ تنگ دل نہ ہوں کہ لاعلمی میں کہیں شدت کے ساتھ افسردگی نہ فرمائیں۔ اسے ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب آپ ﷺ کی امت کے لئے ہے یعنی تم لوگ جاہلوں میں سے نہ بنو۔ اسے ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں اور اسی فضیلت کی بنا پر نبوت کے بعد قطعی طور پر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا قائل ہونا ضروری ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی اس سے عصمت ثابت کی اور یہ کہ ان پر ان باتوں میں سے کچھ بھی جائز نہیں تو پھر اس وقت اللہ ﷻ کی اس وعید کے کیا معنی ہوں گے جو حضور ﷺ کے لئے فرمائی اگر وہ ایسا کریں۔ چنانچہ فرمایا:

لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ (پ ۲۴ الزمر) اے سننے والے اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل رائیگاں جائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ۔ (پ ۱۱ یونس ۱۰۶) اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے اور نہ برا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ۔ (پ ۱۵ الاسراء ۷۵) اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ۔ ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے۔ (پ ۲۹ الحاقۃ ۴۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ۔ (پ ۸ الانعام ۱۱۶) اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

فرمایا:

فَاِنْ یَّشَاءِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ. (پ ۲۵ الشوریٰ ۲۴) — اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرما دے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فرمایا:

وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ. (پ ۶ المائدہ ۶۷) — اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہِ وَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ. (پ ۲۱ الاحزاب ۱) — اللہ کا یونہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا (ترجمہ کنز الایمان)

تو بتوفیق الٰہی معلوم ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کی طرف اس امر کی نسبت جائز نہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ نہ کریں اور نہ یہ جائز کہ آپ ﷺ اپنے رب ﷻ کی مخالفت کریں یا اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں یا اللہ ﷻ پر وہ بات لگائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اس پر افتراء کریں یا خود گمراہ ہو جائیں یا اللہ ﷻ آپ ﷺ کے دل پر مہر لگا دے یا آپ ﷺ کافروں کی پیروی کرنے لگیں (ان سب باتوں کا صدور آپ ﷺ سے ممکن ہی نہیں) لیکن یہ تمام باتیں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر منکشف کر کے اور ایک ایک کر کے بیان کر کے مخالفوں پر تبلیغ کرنا آسان کر دیا اور یہ بتا دیا کہ اگر آپ ﷺ کی تبلیغ اس نہج پر نہ ہوئی تو گویا آپ ﷺ نے تبلیغ ہی نہیں کی۔ اس طرح آپ ﷺ پر حقائق واقعیہ واضح کر کے آپ ﷺ کو خوش کر دیا اور آپ ﷺ کے دل کو مضبوط بنا دیا اور فرمایا:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. (پ ۶ المائدہ ۶۷) — اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم دونوں خوف نہ کرو تا کہ تبلیغ و اظہار دین میں ان کی بصیرت قوی ہو جائے اور دشمن کا خوف جاتا رہے جو دلوں کو کمزور بناتا ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا فرمان

لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ. (پ ۲۹ المعارج ۴۴) — اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ

إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ. اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر کا مزہ دیتے۔

(پ ۱۵ الاسراء ۷۵) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کا بدلہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ بھی ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا بھی یہی بدلہ ہوگا۔ حالانکہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اسی طرح اللہ ﷻ کا یہ فرمان ہے:

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ. اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

(پ ۸ الانعام ۱۱۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت سے آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگ مراد ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا. اگر تم سب کافروں کی پیروی کرو گے تو......

(پ ۲۵ الشوریٰ ۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان

فَإِنْ يَشَاءِ اللّٰهُ. یعنی اگر اللہ چاہے تو...... (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ

وَلَئِنْ أَشْرَكْتَ. اے سننے والے اگر تو نے شرک کیا۔

(پ ۲۴ الزمر ۶۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کی قسم کی دیگر تمام آیتیں درحقیقت آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے ہیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو شرک کرتے ہیں لہٰذا نبی کریم ﷺ کی طرف تو اس کی نسبت بھی جائز نہیں ہے اور اللہ ﷻ کا یہ قول کہ

اِتَّقِ اللّٰهَ. (پ ۲۱ الاحزاب ۱) یعنی اللہ سے ڈرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور کافروں کی اطاعت نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ حقیقتاً اللہ ﷻ جس سے چاہے جیسا چاہے منع فرما سکتا ہے اور جو چاہے حکم فرما سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

ولا تطرد الذين يدعون ربهم. یعنی آپ ان لوگوں کی سرزنش نہ فرمائیں جو رب کو پکارتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ حضور ﷺ نے نہ ان کی سرزنش فرمائی تھی اور نہ واقعتاً آپ ﷺ ظالموں سے تھے۔

دوسری فصل

قبلِ اظہار نبوت انبیاء علیہم السلام کی عصمت

عقد قلبی میں سے انبیاء علیہم السلام کا نبوت سے پہلے معصوم ہونا بھی ہے۔ چنانچہ اس خصوص میں لوگوں کا اختلاف ہے اور مذہب حق وصواب یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی اللہ ﷻ کی ذات وصفات اور اس میں شک کرنے سے معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے ان کی ولادت کے وقت سے ہی نہایت قوی ومضبوط آثار واخبار ہویدا (ظاہر) ہوتے ہیں اور وہ ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف توحید وایمان پر ہی پرورش پاتے ہیں بلکہ معارف کے انوار اور سعادت کے الطاف کی بارشوں میں ان کی نشو ونما ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے دوسرے باب میں خبردار کیا ہے۔

اہل سیر وتواریخ میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ کبھی بھی کوئی ایسا نبی چنا گیا ہو جو نبوت سے پہلے (معاذ اللہ) کفر وشرک میں معروف ومشہور رہا ہو جو کہ اس باب میں نقل پر اعتماد کیا جائے۔ حالانکہ بعض علماء استدلال میں کہتے ہیں کہ جس میں اس قسم کی عادت ہوتی ہے اس سے لوگ نفرت کیا کرتے ہیں۔

لیکن میں (فقیہ قاضی عیاض) کہتا ہوں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر قریش نے ہر قسم کے افتراءات اور بہتان اٹھائے اور آپ ﷺ پر ہر قسم کے طعن کئے اور نیز انبیاء وسابقین علیہم السلام کے کفار نے بھی اپنے اپنے نبی علیہ السلام پر جوان سے ممکن تھا قسم قسم کی الزام تراشی کی جیسا کہ اللہ ﷻ نے بیان فرمایا یا اہل سیر وتواریخ نے ہم سے نقل کیا۔ لیکن ہم نے ان پر اٹھائے گئے مطاعن میں یہ کہیں نہیں پایا کہ کسی نے ان پر یہ الزام لگایا ہو کہ انہوں نے اپنے معبود حقیقی یا اس حکم کی سرتابی کی ہو جو وہ لائے تھے اور اگر ایسا کہیں ہوا ہوتا تو یقیناً ایسے الزام دھرنے سے وہ کبھی نہ چوکتے اور اس پر انہیں عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے کہ ان کا کیا اعتبار! یہ تو اپنے معبود کے بارے میں ہی غیر مستقل ہیں۔ بلاشبہ وہ کفار اپنے نبی ﷺ کی اس پر زجر وتوبیخ کرنے میں، جس کی پرستش سے وہ نبی روکتے تھے ان کی حمایت کی خاطر زیادہ رسوا کن اور مضبوط دلیل ہوتی۔ حالانکہ انبیاء کرام ان کے اور ان کے آباؤ اجداد کے معبودان باطل کی پرستش پر برابر منع کرتے رہے ہیں۔ اب ان تمام کفار کا بالاتفاق اس طعن سے اعراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کو ایسا اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور ہم تک منقول

ہوتا اور وہ کبھی اس سے پہلو تہی نہ کرتے جیسا کہ وہ بوقت تحویل قبلہ خاموش نہ رہے اور کہہ اٹھے جیسا کہ اللہ ﷻ نے نقل فرمایا کہ

مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا. (پ۲ البقرہ ۱۴۲)

کس نے مسلمانوں کو اپنے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت و تقدس پر اللہ ﷻ کے اس فرمان سے استدلال کیا کہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ. (پ۲۱ الاحزاب ۷)

اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. (پ۳ آل عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو روز میثاق پاک فرمایا اور یہ بات تو بعید ہے کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی ولادت سے قبل عہد لے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے اس پر عہد لے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی نصرت و مدد کریں گے۔ ایسے عہد کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر شرک و معاصی وغیرہ کی نسبت کرنا جائز ہو سکے۔ ایسی نسبت کو وہی شخص جائز رکھ سکتا ہے جو ملحد ہو۔ یہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اس کے علاوہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی صغر سنی میں آ کر شق صدر کر کے اس سے علقہ (لوتھڑا) نکالا اور آپ ﷺ سے کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے اس کے بعد اسے غسل دے کر ایمان و حکمت سے پُر کر دیا[1]۔ جیسا کہ ابتدائی خبریں اس کی تائید کرتی ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا چاہیے جب کہ انہوں نے ستارے، چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا: یہ ہے رب؟ اگرچہ اس پر ایک قول یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ ﷺ کی ابتدائی عمر تھی جو بچپنے کی فکر و نظر ہے اور یہ عمر تکلیفات شرعیہ کے

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ا صفحہ ۱۴۷

لازم ہونے کی نہیں ہوتی لیکن اعاظم تبحر علماء و مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اپنی قوم کو عاجز کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے تھا

اور اس کے معنی میں ایک قول یہ ہے یہ ایسا استفہام ہے جو انکار کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ کیا یہ میرا خدا ہو سکتا ہے؟ (یعنی ہرگز نہیں!) اور زجاج رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ علیہ السلام کا قول "هٰذَا رَبِّیْ" کے معنی یہ ہیں تمہارے قول کے مطابق۔

جیسا کہ فرمایا "اَیْنَ شُرَكَآءِیَ" یعنی جو کہ تم میرا شریک بتاتے ہو وہ کہاں ہیں؟ اب رہی یہ بات کہ آپ علیہ السلام نے ایک آن کے لئے کبھی کسی معبود باطل کی عبادت نہ کی اور نہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو خدا کا شریک بنایا اس پر خدا کا یہ فرمان شاہد ہے کہ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ (پ۱۹ الشعراء ۷۰) یعنی جب انہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کسے پوجتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔ فرمایا:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (پ۱۹ ع الشعراء ۷۵۔۷۶۔۷۷)

کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○ (پ۲۳ الصّٰفّٰت ۸۴)

جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا تو غیر سے سلامت دل لے کر۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ط (پ۱۳ ابراہیم ۳۵)

اور بچا مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ وہ بتوں کی پرستش کریں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اگر تم کہو کہ اس کے کیا معنی ہیں کہ

لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ○ (پ۷ الانعام ۷۷)

اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کا جواب ایک قول کے مطابق یہ ہے کہ اگر وہ اپنی مدد سے میری نصرت نہ فرماتا تو میں گمراہی اور عبادت میں تمہاری طرح ہو جاتا۔ آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا بر سبیل خوف خدا تھا ورنہ آپ علیہ السلام تو روز ازل سے ہی ضلالت وغیرہ سے معصوم تھے اور اگر تم یہ کہو کہ اس فرمان الٰہی کے کیا معنی ہیں کہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْلَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط
کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا یقیناً ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ (پ ۱۳ ابراہیم ۱۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے بعد اللہ ﷻ نے اپنے رسولوں کی جانب سے فرمایا:

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ط
ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا۔ (پ ۹ الاعراف ۸۹) (ترجمہ کنزالایمان)

تو تم اس شک میں نہ پڑنا کہ "لوٹ آنا" (عود) اس کا مقتضی ہے کہ وہ اس دین پر لوٹ آئیں گے جس پر وہ پہلے سے تھے کیونکہ محاورتاً عرب میں یہ لفظ کبھی اس محل پر بھی بولا جاتا ہے جس کی ابتداء نہ ہو اس وقت اس عود کے معنی صَيْرُوْرَت یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹ جانے کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جہنمیوں کے لئے فرمایا کہ عَادُوْا حُمَماً[1] (یعنی وہ کوئلہ ہو جائیں گے) (اس جگہ پر عاد کا لفظ فرمایا گیا) حالانکہ وہ اس سے پہلے ایسے کوئلہ نہ تھے اور جیسا کہ شاعر نے کہا

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَا قَعْبَانِ مِنْ لَبَنٍ شَيْبًا بِمَاءٍ فَعَادَ اَبْعَدُ اَبْوَالًا

یعنی یہ مکارم جمیلہ اس دودھ کے برتنوں کی مانند نہیں ہیں جس میں پانی ملایا گیا۔ پھر اس کے بعد وہ پیشاب بن گئے ہوں حالانکہ اس سے پہلے وہ بول نہ تھا۔

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى O
اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (پ ۳۰ الضحیٰ ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

یہاں ضال کے معنی وہ گمراہی نہیں ہے جو کہ کفر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے وارفتہ تھے تو آپ ﷺ کو اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ اے محبوب آپ ﷺ کو گمراہوں میں پایا تو آپ ﷺ کی ان سے حفاظت کر کے ایمان و ارشاد کی راہ دکھائی اسی طرح سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی شریعت سے بے خبر تھے یعنی آپ جانتے نہ تھے تو ہم نے اس کی طرف ہدایت کی اور ضلال کے معنی اس جگہ حیرانی کے ہیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ غار حرا میں خلوت گزیں ہو کر اس چیز کے خواہش مند ہوتے تھے جو آپ

---

[1] بخاری کتاب الرقاق الفتح جلد ۱۱ صفحہ ۴۲۶ ، صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۷۰

رب ﷻ کی طرف راہ دکھائے۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے اسلام کی طرف راہ دکھائی۔ یہ مطلب قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ حق کو نہ جانتے تھے تو اللہ ﷻ نے اس کی طرف ہدایت فرمائی۔ یہ معنی خدا کے اس قول کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔

(پ۵ النساء ۱۱۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اسے علی ابن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی گمراہی معصیت نہ تھی اور ایک قول یہ ہے کہ "ہدایت فرمائی" یعنی دلائل کے ساتھ احکام کو واضح کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مکہ یا مدینہ اختیار کرنے میں سرگرداں پایا تو اللہ ﷻ نے مدینہ کی طرف ہدایت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو پایا تو آپ ﷺ کے سبب سے گمراہوں کو ہدایت ہوئی۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ کو اپنی محبت سے جو ازل میں آپ ﷺ سے تھی بے خبر پایا یعنی آپ ﷺ جانتے نہ تھے تو آپ ﷺ کو اپنی معرفت کرا کر آپ ﷺ پر احسان فرمایا اور حسن ابن علی رحمۃ اللہ علیہ نے وَوَجَدَکَ ضَالًّا "فَھَدٰی" پڑھا یعنی آپ ﷺ کو گمراہ نے پایا تو آپ کے سبب وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو وارفتہ پایا یعنی "میری معرفت کا دوست پایا" ضال کے معنی دوست کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ط یعنی آپ اپنی اسی پرانی محبت میں ہیں۔

(پ۱۳ یوسف ۹۵) (ترجمہ کنزالایمان)

یہاں دین میں گمراہی کے معنی نہیں ہیں اگر (برادران حضرت یوسف علیہ السلام) اس معنی میں اللہ ﷻ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کہتے تو یقیناً وہ سب کافر ہو جاتے۔ اسی طرح ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ ﷻ کا قول یہ ہے کہ

اِنَّا لَنَرٰھَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o (پ۱۲ یوسف ۳۰) یعنی ہم (زلیخا) کو کھلی محبت میں دیکھتے ہیں۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس چیز کے بیان کرنے میں متحیر پایا جو نازل ہوئی تو اس نے اس کے بیان کی راہ دکھائی۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ (پ۱۴ النحل ۱۶) اور ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن اتارا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ کو نبوت کے ساتھ کوئی جانتا

ہی نہ تھا حتیٰ کہ ہم نے تمہیں ظاہر کر دیا اب آپ ﷺ کے سبب سے نیک بخت ہدایت یافتہ ہو گئے۔
(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ) میں کسی ایسے مفسر کو نہیں جانتا جس نے اس جگہ ضلال کے معنی ایمان سے گمراہ کیے ہوں اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ

فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔

(پ ۱۹ الشعراء ۲۰) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ان خطا کاروں میں سے تھا جو بلا قصد و ارادہ کوئی کام کر لیتے۔ اسے ابن عرفہ رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا اور زہری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے معنی "بھولنے والوں میں سے" بیان کیے ہیں اور ایک قول وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو بھولنے والا پایا تو راہ دکھائی۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا۔ کہیں ان میں ایک عورت بھولے۔

(پ ۳ البقرہ ۲۸۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل۔

(پ ۲۵ الشوریٰ ۵۲) (ترجمہ کنز الایمان)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں کہا کہ آپ ﷺ وحی سے پہلے جانتے نہ تھے کہ قرآن کو پڑھو گے اور کیونکر مخلوق کو ایمان کی طرف دعوت دی جائے گی۔
قاضی ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا اور فرمایا کہ اس ایمان کو نہ جانتے تھے جو فرائض و احکام ہیں۔ کہا کہ آپ ﷺ پہلے توحید الٰہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ فرائض نازل ہوئے جن کو آپ ﷺ پہلے جانتے نہ تھے۔ اب مکلف بنا کر ایمان میں زیادتی فرمائی اور یہی بہترین توحید ہے۔
اگر تم کہو کہ اللہ ﷻ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ○ اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

(پ ۱۲ یوسف ۳) (ترجمہ کنز الایمان)

تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ○ اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں۔

(پ ۱۱ یونس ۷) (ترجمہ کنز الایمان)

بلکہ ابو عبداللہ ہروی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے معنی میں بیان کیا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے بے خبر (غافل) تھے ایسے کہ آپ کو معلوم نہ تھا مگر جبکہ ہم نے وحی فرمائی۔ اسی طرح وہ حدیث جسے عثمان بن ابی شیبہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ ایک دن مشرکوں کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لے جا رہے تھے تو سنا کہ دو فرشتوں نے جو آپ کے پیچھے تھے ایک نے دوسرے سے کہا: تم جاؤ اور اس کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا: میں کیسے کھڑا ہو جاؤں حالانکہ اس کا زمانہ بتوں کے چھونے کے قریب ہے۔ اس کے بعد آپ کبھی ان کے جلسوں میں نہیں گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵، ابن عدی ضعفاء الرجال جلد ۴ صفحہ ۱۴۷)

یہ حدیث بھی وہ ہے جس کا امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے شدت سے انکار کیا ہے اور کہا کہ یہ موضوع ہے یا موضوع کے مشابہ ہے اور دار قطنی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ عثمان (راوی حدیث نے) اس کی سند میں وہم کیا اور حدیث فی الجملہ منکر ہے اس کی اسناد پر اتفاق نہیں۔ لہٰذا یہ ناقابل توجہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس کے برعکس علماء میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے بت پرستی سے طبعی طور پر نفرت تھی اور دوسری اس حدیث میں جو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے چچا (ابو طالب) اور ان کی اولاد نے جب اپنی عید کے دن حضور ﷺ سے تشریف لے جانے کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے نفرت کا اظہار فرمایا تو انہوں نے قسم کے ساتھ اصرار کیا تب آپ ﷺ ان کے ساتھ گئے اور خوفزدہ واپس آئے۔

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: جب کبھی بھی میرا کسی بت کے نزدیک گزر ہوا تو ایک طویل قامت سفید روپ شخص نے ظاہر ہو کر چلا کر کہا: پیچھے ہٹو اسے نہ چھوؤ۔ اس کے بعد پھر کبھی ان کی کسی عید پر نہیں گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴)

اور بحیرہ کے قصہ میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا جبکہ اس نے نبی کریم ﷺ کو لات و عزیٰ کی قسم دلائی تھی[1] اور یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ آپ ﷺ اپنے چچا (ابو طالب) کے ساتھ شام کے سفر میں صغر سنی میں تشریف لے گئے تھے اور آپ ﷺ سے علامات نبوت ہویدا ہوئے تھے تو اس بحیرہ نے امتحاناً آپ ﷺ کو قسم دلائی تھی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لات و عزیٰ کی قسم دے کر سوال مت کرو۔ خدا کی قسم! مجھے ان دونوں سے بڑھ کر کسی سے نفرت نہیں ہے۔ اس پر بحیرا نے کہا: تمہیں خدا کی قسم تم مجھے وہ بات بتلاؤ جو میں دریافت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب جو چاہو پوچھو۔

اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت میں توفیق الٰہی سے یہ معروف و مشہور ہے کہ آپ ﷺ اظہار

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵

نبوت سے پہلے حج کے مواقعہ پر مزدلفہ میں مشرکین کے وقوف کے مخالف تھے اور آپ ﷺ عرفہ میں وقوف فرماتے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا۔

تیسری فصل

انبیاء علیہم السلام توحید ایمان اور وحی میں مضبوط تھے

قاضی ابوالفضل توفیق الٰہی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے جو کچھ بیان کر دیا ہے اس سے یہ بات ثابت اور ظاہر ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام توحید و ایمان اور وحی میں مضبوط تھے لیکن قطع نظر اس بات کے جو ان کے قلوب صافیہ کا اعتقاد و یقین ہے وہ تو علم یقین سے علی وجہ الکمال بھرا ہوا ہے اور یہ کہ یہ حضرات قدس دین و دنیا کے امور کی معرفت و علم میں اس قدر حاوی تھے کہ کوئی ان سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا۔ جس نے خبروں کا مطالعہ اور حدیث میں غور و فکر کیا ہے اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اس نے اس پر گہری نظر و فکر کی ہے تو اسے ثابت ہو جائے گا کہ ہم نے اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس کتاب کے چوتھے باب کی قسم اول میں جو تنبیہات کی ہیں اس کے لئے کافی ہیں مگر اب ہم ان کے ان حالات کو ظاہر کرتے ہیں جو بظاہر ان معارف سے مختلف اور امور دنیا سے متعلق ہیں۔

(تو معلوم ہونا چاہئے) انبیاء علیہم السلام کے لئے دنیاوی امور کی معرفت میں عصمت شرط نہیں ہے کیونکہ انبیاء کو ان میں سے بعض امور کی یا تو اطلاع نہیں ہوتی ہے یا ان کا اعتقاد اس کے خلاف ہوتا ہے اور یہ بات ان کے لئے اصلاً عیب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے تمام عزائم امور آخرت' ان کی خبریں، امور شریعت اور اس کے قوانین و احکام سے متعلق رہتے ہیں اور دنیاوی امور ان سب کی ضد اور غیر ہے بخلاف ان کے سوا اہل دنیا کے۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ○ — جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(پ ۲۱ الروم ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

جیسا کہ ہم عنقریب دوسرے باب میں انشاء اللہ ﷻ بیان کریں گے لیکن با ایں ہمہ انبیاء علیہم السلام کو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ وہ دنیاوی امور کو بالکل جانتے ہی نہ تھے۔ اگر ایسی بات ہو تو یہ ان کو غفلت اور نادانی کی طرف لے جائے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے پاک و منزہ ہیں بلکہ ان کو تو دنیا والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور ان کی سیاست (حکومت) و ہدایت اور ان کی دینی و دنیاوی اصلاح کی ذمہ

داری انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے اور ان امور کی بجا آوری کلیتہً دنیاوی امور سے لاعلمی کی صورت میں ہو نہیں سکتی۔ اس سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات اور سیرتیں معلوم ہی ہیں۔

ان کی ان سب سے واقفیت مشہور ہے لیکن اگر یہ اعتقاد دین سے متعلق ہے تو نبی کریم ﷺ کو ان کا معلوم ہونا ہی کہنا صحیح ہوگا اور فی الجملہ ناواقفیت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لامحالہ اس کا علم اللہ ﷻ کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہوا ہوگا اور اس میں شک وشبہ کرنا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔ تو اب ناواقفیت کہاں رہی بلکہ آپ ﷺ کو علم الیقین ہو گیا یا یہ کہ آپ ﷺ نے اسے اپنے اجتہاد سے کیا ہوگا تو یہ اس وقت ہے جب کہ آپ ﷺ پر اس سلسلہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو تو اس قول کی بنا پر محققین کے نزدیک وقوع اجتہاد جائز ہے۔

جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اقتضاء ہے کہ اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اپنے اجتہاد سے تمہاری ان باتوں کا فیصلہ کرتا ہوں جہاں مجھ پر وحی نہیں آتی[1]۔ اس کی تخریج ثقہ راویوں نے کی ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کا قصہ[2] اور جہاد میں پیچھے رہ جانے والوں کو اذن دے دینا ہے[3]۔ یہ بعض کی رائے پر ہے تو یہ بھی جس پر آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد کا نتیجہ ہے یقیناً حق وصحیح ہوگا اور یہ ایسا حق وصحیح ہے کہ کسی مخالف کی خلاف رائے کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے گی اور نہ اس شخص کے قول کے موافق جو کچھ مجتہدین کے صواب کی طرف گیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک حق و ثواب ہے اور نہ دوسرے قول پر کہ حق ایک طرف ہوگا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا شرعیات میں اجتہاد فرمانا خطا سے معصوم ہونا ثابت ہے اور اس لئے بھی کہ مجتہدین کی خطائے اجتہادی تو شریعت سے ثابت ہو جانے پر ہے اور نبی کریم ﷺ کی نظر واجتہاد تو ان امور میں ہوتی ہے جہاں آپ ﷺ پر وحی سے کچھ حکم نہ ملا ہو اور نہ اس سے قبل جب کہ آپ ﷺ نے دل سے ارادہ فرمایا کوئی حکم مشروع ہوا ہو لیکن وہ امور شرعیہ جن پر آپ ﷺ کا دل مضبوط نہیں وہ بیشک ابتداء میں آپ ﷺ اس سے لاعلم تھے مگر جب ان کو اللہ ﷻ نے تھوڑا تھوڑا علم مرحمت فرما دیا تو اب ان کا علم بھی آپ ﷺ کو مکمل حاصل ہو گیا یا تو وحی کے ذریعہ یا کسی کام کو شروع کرنے کی اجازت مرحمت فرمانے کی صورت میں آپ ﷺ نے اس پر حکم فرمایا ہو جو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دکھایا اور بلاشبہ آپ اکثر امور میں وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۵

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸۵

۳۔ تفسیر ابن جریر سورۃ توبہ آیت ۸۱ جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹

بایں ہمہ آپ ﷺ نے اس وقت تک دنیا سے کوچ نہیں فرمایا جب تک کہ آپ ﷺ کو تمام علوم حاصل نہ ہو گئے اور تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ کو تمام معارف ثابت نہ ہوئے اور ہر قسم کا شک وشبہ اور علیٰ وجہ الکمال جہل کا انتفاء آپ ﷺ سے نہ ہو گیا۔ حاصل کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ سے وہ تفصیلات شرعیہ جن کی دعوت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔ ان سے ناواقفیت کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کہ آپ ﷺ نے ان امور کی دعوت دی جن کو آپ ﷺ (معاذ اللہ) خود نہ جانتے تھے۔

لیکن وہ امور جو آپ ﷺ کے اعتقاد سے متعلق ہیں مثلاً آسمانوں زمینوں کے ملکوت مخلوقات الٰہیہ اس کے اسماء حسنیٰ اور آیات کبریٰ کی تعیین، امور آخرت، علامات قیامت، نیک و بد کی حالت، علم مَا کَانَ مَا یَکُوْنُ یعنی گزشتہ و آئندہ کی خبریں۔ ان سب کا علم آپ کو وحی الٰہی سے ہی حاصل ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے بیان کے موافق اس میں بھی آپ معصوم ہیں اور جو کچھ بھی آپ کو علم دیا گیا اس میں اصلاً شک وشبہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کو وہ یقین کی اعلیٰ منزل پر معلوم ہے لیکن اس میں یہ شرط نہیں کہ ان سب کی تفصیل کا آپ ﷺ کو علم ہو۔ اگرچہ آپ ﷺ کو اس کا اتنا علم ہے کہ کسی اور بشر کو ہرگز اتنا علم نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا کہ مجھے میرے رب ﷻ نے علم دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ کسی انسان کے دل پر گزرا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔ تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے۔ (پ۲۱ السجدہ ۱۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں معلوم ہوئی۔

(پ۱۵ الکہف ۶۶) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور اکرم ﷺ کا قول ہے کہ اے خدا بواسطہ اپنے اسماء حسنیٰ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے اسماء کا علم سکھا خواہ میں اسے جانتا ہوں یا اس کا مجھے علم نہیں ہے[1] اور ارشاد ہے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس نام کا جو تو نے اپنا رکھا ہے یا اسے ترجیح دی ہے علم غیب میں جو تیرے پاس ہے[2] اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ○ (پ۱۳ یوسف ۷۶) ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

۱۔ دیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۱۹

۲۔ مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۱

زید بن اسلم ﷺ وغیرہ فرماتے ہیں کہ علم کی آخری حد اللہ ﷻ کی ذات پر ہے اس لئے کہ معلومات الٰہیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کی کوئی آخری حد ہے۔ یہ حکم تو نبی کریم ﷺ کے اس اعتقاد کے بارے میں ہے جو توحید شریعت اور امور دینیہ کے معارف ولطائف کے سلسلہ میں ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ شرِ شیطان اور ہر شر وفساد پر معصوم تھے

واضح ہو کہ نبی کریم ﷺ کا شیطان سے محفوظ ومعصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ ہی آپ ﷺ کا محافظ ہے شیطان نہ تو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کسی قسم کی اذیت پہنچا سکتا ہے اور نہ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں وسوسہ ڈال سکتا ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا ہمنشیں جن نہ بنایا گیا ہو اور ایک ہمنشیں فرشتہ نہ ہو۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کے لئے بھی ہے؟ فرمایا: ہاں۔ لیکن اللہ ﷻ نے میری مدد فرمائی اور وہ اسلام لے آیا۔ (صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۲ صفحہ ۳۷۶)

دوسری حدیث میں منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زیادہ ہے کہ اب وہ مجھے صرف خیر کا ہی حکم کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے معنی میں مروی اور یہ کہ فَاَسْلَمُ میم کے پیش کے ساتھ یعنی میں اس سے بچتا ہوں اور بعض نے اس روایت کی تصحیح کی اور اس کو ترجیح دی ہے اور مروی ہے کہ وہ اسلام لے آیا یعنی وہ اپنی حالت کفر سے اسلام کی طرف منتقل ہو گیا ہے اب وہ صرف خیر کی تلقین کرتا ہے۔ فرشتہ کی طرح۔ یہ ظاہر حدیث میں ہے اور بعض نے فَاسْتَسْلَمَ یعنی "فرمانبردار ہو گیا ہے" روایت کی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) جو توفیقہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کہ وہ شیطان جو آپ ﷺ کا ہمنشیں ہے اور جو کہ بنی آدم پر مسلط ہے اس کا یہ حکم ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو آپ ﷺ سے دور ہے اور جس نے آپ ﷺ کی محبت کو لازم نہ کیا اور نہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ آپ ﷺ کے قریب بھی جا سکے

کیونکہ احادیث میں مروی ہے کہ شیاطین نے کئی موقعوں پر آپ ﷺ کے نور کو بجھانا چاہا اور آپ ﷺ کو ہلاک کرنے اور شغل میں مبتلا کرنے کی کوشش میں آپ ﷺ کا پیچھا کیا تھا۔ جب وہ آپ ﷺ کے اغوا کرنے سے مایوس ہو گیا تو وہ ناکام ہو کر رہ گئے جیسا کہ آپ ﷺ کو نماز میں ورغلانا چاہا تو

آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور صحاح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے پاس شیطان آیا۔ (صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۱ صفحہ ۹۹ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۸۵)

عبدالرزاق رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ بلی کی صورت میں تھا تو اس نے مجھ پر حملہ کیا تاکہ نماز قطع کرا دے تو اللہ ﷻ نے مجھے اس پر غلبہ عنایت فرمایا اس کے بعد اسے چھوڑ دیا اگرچہ یہ قصد ہوا کہ اسے ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کے وقت سب اسے دیکھیں۔ لیکن اس وقت مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا یعنی اے میرے رب مجھے ملک عنایت فرما غرضیکہ اللہ ﷻ نے شیطان کو ناکام لوٹا دیا اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دشمن خدا ابلیس میرے پاس آگ کا شعلہ لایا تاکہ وہ میرے چہرہ پر مارے درانحالیکہ حضور ﷺ نماز میں تھے۔ آپ ﷺ نے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور اس پر لعنت کا ذکر کیا۔ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اس کے بعد مذکورہ حدیث کے مطابق ذکر ہے اور فرمایا:

بلاشبہ صبح کے وقت تک بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے[1] اسی طرح معراج کی حدیث میں ہے کہ عفریت (شیطان) نے ایک آگ کے شعلہ کی جستجو کی اس وقت جبریل علیہ السلام نے اعوذ باللہ کے پڑھنے کی ترغیب دی یہ موطا (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) میں مذکور ہے[2]۔ جبکہ شیطان آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے پر قادر نہ ہوا تو پھر اس نے آپ کے دشمنوں کو ایذا رسانی پر برانگیختہ کر کے ذریعہ بنایا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے معاملہ میں قریش کے ساتھ مکہ میں شہید کرنے کے قصہ میں ہوا اور شیطان شیخ نجدی کی صورت میں آیا اور دوسری مرتبہ یوم بدر میں سراقہ بن مالک کی صورت میں نمودار ہوا[3] اور خدا کا فرمان ہے:

اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ. (پ ۱۰ الانفال ۴۸)
جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

ایک مرتبہ بیت عقبہ کے وقت قریش کو آپ ﷺ کی شان و شوکت سے ڈراتا تھا ان تمام واقعات میں اللہ ﷻ نے شیطان کے شر اور نقصان سے آپ ﷺ کی کفایت کرتے ہوئے معصوم و مصئون رکھا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا جب کہ وہ آیا تھا کہ بوقت ولادت ان کو پہلو سے چھوئے مگر اس نے حجاب (پردے) میں چھوا[4] اور

۱۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۳۸۵
۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۹۵ مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۳۱۹
۳۔ تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۵۱
۴۔ صحیح بخاری بدء الخلق جلد ۳ صفحہ ۹۹ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۳ صفحہ ۱۸۳۸

حضور ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کو دوا (لد) پلائی گئی اور اس وقت آپ ﷺ سے بار بری کے وقت کہا گیا کہ اس سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ (خدانخواستہ) آپ کو ذات الجنب ہو گیا ہے۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: ذات الجنب تو شیطان کے چھونے سے ہوتا ہے اور مجھے تو اللہ ﷻ نے اس سے محفوظ رکھا ہے کہ شیطان مجھ پر غالب آسکے۔

(صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۳۳)

اب اگر کہا جائے اس ارشاد باری کے کیا معنی ہیں کہ

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ۔۔ اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچ دے (کسی برے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ط

(پ ۹ الاعراف ۲۰۰) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کے جواب میں بعض مفسرین نے کہا کہ یہ اللہ ﷻ کے اس قول کی طرف راجع ہے کہ

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ O اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(پ ۹ الاعراف ۱۹۹) (ترجمہ کنزالایمان)

اس کے بعد کہا کہ اگر تمہیں نزغ پہنچ جائے یعنی اگر تم کو غضب ہلکا کرے جو کہ ان سے اعراض کے ترک پر برانگیختہ کرے تو اللہ ﷻ سے پناہ مانگو۔ بعض نے کہا کہ نزغ کے معنی فساد کے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا: "اس کے بعد کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈالے۔" اور ایک قول یہ ہے کہ نزغ سے مراد ابھارنا اور جوش میں لانا ہے اور نزغ وسوسہ کا ادنیٰ درجہ ہے تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جب دشمن پر آپ ﷺ کو غصہ حرکت میں لے آئے یا شیطان آپ ﷺ کو یوں پریشان کرے تو اللہ ﷻ سے پناہ مانگو اور خطرات تو وسوسہ سے کم درجہ پر ہے۔ آپ ﷺ پر تو اس کا بھی راستہ نہیں جب ہی تو پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ لہٰذا اللہ ﷻ اس میں بھی آپ ﷺ کی کفایت فرمائے گا اور یہ آپ ﷺ کی عصمت کی تکمیل کا سبب بنے گا کیونکہ آپ ﷺ کے اعراض سے بڑھ کر وہ غلبہ نہیں پا سکتا اور اسے آپ ﷺ پر ہرگز قدرت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کی تفسیر میں اقوال ہیں۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے شیطان فرشتہ کی صورت میں ظاہر ہو اور آپ ﷺ پر شبہ ڈالے نہ یہ قبل رسالت صحیح ہے اور نہ یہ بعد رسالت۔ اور اس میں اعتماد و دلیل معجزہ ہے بلکہ نبی کو اس میں قطعاً شک نہیں ہوتا۔ کہ فرشتہ جو کچھ اللہ ﷻ کی طرف سے لاتا ہے وہ حقیقتاً اسی کا قاصد ہے یا تو اس بدیہی علم سے کہ اللہ ﷻ ان کے لئے پیدا فرما دیتا ہے یا ان دلائل سے جس کو ان پر اپنی جانب سے

ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ وہ اپنے رب ﷻ کے کلام کو سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا کر سکیں۔ اللہ ﷻ کے کلام میں تبدیلی نہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ (پ۱۷ الحج ۵۲)

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے جب انہوں نے پڑھا شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پہ کچھ اپنی طرف سے ملا دیا (ترجمہ کنزالایمان)

تو معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں کے لئے اس آیت کی تاویل میں چند قول ہیں ان میں سے کچھ تو نرم و سہل ہیں اور کچھ سخت و بھاری ہیں۔ سب سے بہتر وہ قول ہے جس پر جمہور مفسرین ہیں وہ یہ کہ آرزو سے مراد تلاوت ہے اور دخل شیطانی سے مطلب یہ کہ وہ پریشان خاطر کرے اور تلاوت کرنے والے کو دنیاوی امور یاد دلائے یہاں تک کہ اس پر تلاوت میں وہم و نسیان داخل ہو جائے یا سننے والے پر اس کے سوا تحریف اور بری تاویل داخل کر دے جن کو اللہ ﷻ زائل اور منسوخ کر دیتا ہے اور اس کا شبہ دور کر دیتا ہے اور آیات کو محکم کر دیتا ہے۔ اس آیت پر عنقریب گفتگو آنے والی ہے۔ انشاء اللہ ﷻ۔

سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کا انکار کیا جس میں یہ کہا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک پر شیطان نے تسلط کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اسی قسم کے تمام قصے غلط ہیں اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے کھول کر بیان کر دیئے ہیں اور اس شخص کا قول بھی ذکر کیا ہے جس نے یہ کہا کہ جسم سے مراد وہ لڑکا ہے جو ان کے پیدا ہوا تھا۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے اور ان کے اس قول میں کہ

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ. (پ۲۳ ص ۴۱)

مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا لگا دی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ کوئی یہ تاویل کرے کہ شیطان نے انہیں بیمار کیا تھا اور ان کے بدن کو اذیت پہنچائی تھی۔ حالانکہ یہ صرف اللہ ﷻ ہی کے حکم سے ہوا تھا تاکہ وہ ان کا امتحان لے اور انہیں ثواب مرحمت فرمائے۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور ایک قول یہ ہے کہ شیطان نے جو انہیں تکلیف دی تھی وہ ان کی بیوی کا وسوسہ تھا۔

اگر تم یہ کہو کہ اللہ ﷻ کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ جو حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَمَآ اَنْسَانِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ. (پ۱۵ الکہف ۶۳) اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّهٖ. یعنی شیطان نے ان کے رب کے ذکر کو بھلا دیا۔ (پ۱۲ یوسف ۴۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ہمارے نبی ﷺ کا فرمان جب کہ ایک وادی میں سو جانے کی وجہ سے نماز سے رہ گئے تھے کہ "یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے" [1] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول جب کہ انہوں نے گھونسا مارا تھا کہ

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (پ۲۰ القصص ۱۵)

یعنی "یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا" (ترجمہ کنزالایمان)

تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایسا کلام ہے جسے اہل عرب اپنے کلام میں ہر بری بات کو جو کسی سے صادر ہو یا کوئی برا فعل ہو جائے تو وہ اس کو ہمیشہ شیطان کی طرف سے سمجھا کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ۝ اس کے پھل گویا شیطان کے سر ہیں۔ (پ۲۳ الصٰفٰت ۶۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ نے فرمایا: (اس شخص کے لئے جو نمازی کے آگے سے گزرے) کہ اس سے لڑو کیونکہ وہ شیطان ہے [2] اور یہ بھی ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے قول کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت تک ان کی نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ثابت نہیں ہوئی تھی اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ. اور جب حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا (پ۱۵ الکہف ۶۰) (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی تب وہ نبی ہوئے اور ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ان کی نبوت سے پہلے تھے جو قرآن کی دلیل سے ثابت ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تو وہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا

۱۔ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۲۳۷، موطا امام مالک صفحہ ۳۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۳ صفحہ ۹۷، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۶

ہے اور اللہ ﷻ کے قول اَنۡسٰہُ الشَّیۡطٰنُ (پ ۱۲ یوسف ۴۲) (ان کو شیطان نے بھلا دیا) کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جسے شیطان نے اپنے رب کے ذکر سے بھلا دیا تو وہ جیل خانے کے دو ساتھیوں میں سے ایک کے لئے ہے اور رب سے مراد بادشاہ ہے یعنی بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا حال بیان کرنے سے شیطان نے بھلا دیا اور یہ بھی ہے کہ اس قسم کے فعل شیطان سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام پر وسوسوں نے غلبہ کر لیا تھا بلکہ ان کا دل کسی دوسرے امور میں مشغول ہو گیا تھا۔ اب ان دونوں کو ان امور کو یاد دلانا مقصود ہے۔ جس نے ان کو بھلا دیا تھا لیکن حضور ﷺ کا فرمان کہ

''یہ ایسی وادی ہے کہ جس میں شیطان ہے۔'' سو اس میں یہ کہاں ذکر ہے آپ ﷺ پر وہ غلبہ پا گیا تھا اور نہ یہ کہ اس نے وسوسہ میں مبتلا کر دیا تھا بلکہ اگر اس کو اس کے ظاہری معنی کے اقتضاء پر رکھیں تو اس سے تو صرف شیطان کا کام ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ شیطان بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں تھپک تھپک کر سلا دیا جیسے بچے کو سلاتے ہیں یہاں تک کہ وہ سو گئے[1] تو معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کا اس وادی پر غلبہ صرف بلال پر تھا جو کہ نماز فجر کے ادائیگی پر مقرر تھے۔

یہ اس صورت میں تاویل ہے جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد کہ ''اس وادی میں شیطان ہے۔'' قضاء نماز پر نیند کو سبب بنا کر تنبیہ قرار دیں لیکن اگر اس کو ہم وادی سے کوچ کرنے پر تنبیہ قرار دیں اور اس کوچ کو وہاں نماز نہ پڑھنے کی علت ٹھہرائیں تو یہ دلیل زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سیاق کی بنی ہے تو اب اس پر اس باب میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیان ظاہر ہے اور اشکال اٹھ جاتا ہے۔

پانچویں فصل

حضور ﷺ کے اقوال میں عصمت

لیکن نبی کریم ﷺ کے اقوال میں عصمت کا ثبوت تو آپ ﷺ کی سچائی پر صحیح معجزہ کے ساتھ واضح دلائل قائم ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کے طریق تبلیغ پر امت کا اجماع ہے کہ جو خلاف واقعہ خبریں ہوں ان کی خبر دینے سے آپ ﷺ معصوم ہیں نہ تو قصداً' نہ سہواً اور نہ بطور غلط لیکن عمداً خلاف کہنا تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ معجزہ دلیل ہے اس پر کہ وہ اللہ ﷻ کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرے رسول نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا اور بالاتفاق تمام اہل ملت کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو قول غلطی و سہو

۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۲۷۲، موطا امام مالک صفحہ ۳۲

سے واقع ہو جائے تو استاد ابو اسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے (اور حضور ﷺ اس سے بھی پاک و منزہ اور معصوم ہیں۔ مترجم)

قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ محال ہونا بسبب اجماع اور شریعت میں اس کی نفی وارد ہونے اور عصمت نبی ﷺ کی جہت سے ہے نہ یہ کہ فی نفسہ معجزہ کے اقتضاء کی وجہ سے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک معجزہ کی دلیل کے اقتضاء میں اختلاف ہے ہم اس بحث میں اپنے بیان کو طویل نہیں کرنا چاہتے ورنہ اس بحث میں ہم کتاب کی غرض سے خارج ہو جائیں گے لہٰذا جس پر مسلمانوں کا اجماع واقع ہو گیا ہے اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

یعنی یہ کہ نبی کریم ﷺ سے یہ جائز نہیں کہ تبلیغ شریعت میں اور جو رب ﷻ کی طرف سے ہم کو پہنچائیں اور وہ جس کی وحی آپ ﷺ کی طرف آئے قصد و بلا قصد سے خلاف قول واقع ہو خواہ آپ ﷺ خوشی یا غصہ کی حالت میں ہوں یا صحت و مرض کی حالت میں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جو کچھ بھی آپ ﷺ سے سنوں اسے لکھ لیا کروں۔ فرمایا: ہاں۔ عرض کیا: خواہ آپ ﷺ خوشی میں ہوں یا غصہ میں۔ فرمایا: ہاں۔ کیونکہ میں ان تمام حالات میں سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتا[1] اور مناسب ہے کہ معجزہ کے دلیل ہونے کے بیان میں جیسا اس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کچھ مزید بیان کیا جائے۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جب کہ آپ ﷺ کے صدق پر معجزہ قائم ہو چکا اور یہ کہ آپ ﷺ حق کے سوا کچھ نہیں فرماتے اور یہ کہ اللہ ﷻ کی جانب سے تبلیغ احکام میں صدق ہی صدق ہے اور یہ کہ معجزہ قائم مقام اللہ ﷻ کے اس فرمان کے ہے کہ "اے رسول ﷺ تم نے جو کچھ میری طرف سے پہنچایا سچ پہنچایا" چنانچہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کا قول نقل فرماتا ہے:

اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ. — میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

(پ ۹ الاعراف ۱۵۸) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

وَاُبَلِّغُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ. — تا کہ جو میری طرف آیا اسے تم پر بیان کر دوں۔

(پ ۲۶ الاحقاف ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور جو تمہارے لئے اترا ہے اسے تمہارے لئے ظاہر کر دوں۔

۱۔ مستدرک کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی O — اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

(پ ۲۷ النجم ۳۔۴) (ترجمہ کنزالایمان)

نیز ارشاد ہے:

وَقَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ. — تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے۔

(پ ۶ النساء ۱۷۰) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. — اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(پ ۲۸ الحشر ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا اس باب میں خلاف واقع جو خبر بھی پائی جائے گی خواہ وہ کسی درجہ سے ہو صحیح نہ ہوگی۔ اگر معاذ اللہ ہم غلط اور سہو کو آپ ﷺ پر جائز رکھیں تو یقیناً ہمیں غیر سے فرق کی تمیز نہ ہوگی اور لامحالہ حق باطل کے ساتھ مل جائے گا لہٰذا فی الجملہ معجزہ آپ ﷺ کی تصدیق پر بغیر کسی تخصیص کے مکمل شامل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ان سب امور سے پاک و منزہ اور معصوم ہونا دلیل سے بھی واجب ہے اور اجماع امت سے بھی۔ جیسا کہ ابو اسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

چھٹی فصل

معترضین کے جوابات

اب ہم معترضین کے سوالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سورۃ نجم تلاوت فرمائی[1] اور ارشاد باری سنایا کہ

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى O وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى O — تو کیا تم نے دیکھا لات اور عزیٰ اور اس تیسری منات کو

(پ ۲۷ النجم ۱۹۔۲۰) (ترجمہ کنزالایمان)

تو کہا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهَا لَتُرْتَجٰى اور یہ بھی مروی کہ لَتُرْتَجٰى کی جگہ تُرْتَضٰى کہا اور ایک روایت میں ہے اِنَّ شَفَاعَتَهَا تُرْتَجٰى وَاِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِيْقِ الْعُلٰى اور ایک

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۶۳۹

روایت میں ہے وَالْغَرَانِقِ الْعُلٰی تِلْکَ شَفَاعَۃٌ تُرْتَجٰی پس جب سورہ مبارکہ ختم فرمائی تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا۔

جب کفار نے سنا کہ حضور ﷺ ان کے معبودوں کی تعریف کرتے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر القا کر دیا (معاذ اللہ) اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہشمند تھے کہ کوئی ایسی چیز نازل ہو جائے جس سے آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی قوم کے درمیان نزدیکی ہو جائے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ (چاہتے تھے کہ) کوئی چیز ایسی نازل نہ ہو جس سے کفار کو نفرت پیدا ہو اور اس قصہ کو بیان کیا کہ اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے ان کو یہ سورۃ سنائی تو جب ان دو کلموں پر پہنچے تو کہا یہ تو میں لے کر نہیں آیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ غمزدہ ہوئے۔ اس پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ۔ ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔
(پ ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا کہ

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ۔ اور قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے۔
(پ ۱۵ بنی اسرائیل ۷۳) (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ اس مشکل روایت میں کلام کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ماخذ (دلیلیں) ہیں ایک تو یہ کہ یہ روایت ہی کمزور ضعیف ہے دوسری یہ کہ ہم اس کو تسلیم کریں۔ لیکن پہلے ماخذ (دلیل) میں تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ روایت کسی صحاح میں محدث نے نقل نہیں کی اور نہ اس کی سند میں معتبر راوی ہیں اور نہ درستی کے ساتھ متصل ہے۔ صرف ان مفسرین و مورخین نے جو عجیب و غریب روایتوں اور خبروں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور وہ ہر صحیح و ضعیف روایت کو کتابوں سے نقل کر لیتے ہیں اس روایت کو بیان کیا ہے۔

قاضی بکر بن العلاء مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا سچ بات کہی ہے کہ بلاشبہ کچھ اہل ہوا بیوقوف و احمق لوگ ان تفسیروں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں اور اس سے بعض ملحد باوجود ضعیف راویوں کے اور مضطرب و منقطع السند روایتوں کے اختلافی کلمات سے چمٹ گئے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو یہ کہتا ہے کہ

(۱) آپ ﷺ نے اسے نماز میں پڑھا۔

(۲) اور کسی نے کہا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اپنی قوم کو بلا کر ان کے جلسہ میں پڑھا۔

(۳) اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی تھی اس میں یہ پڑھا۔
(۴) اور کسی نے کہا کہ آپ ﷺ دل میں باتیں کر رہے تھے تب بھول کر یہ پڑھا۔
(۵) اور کسی نے کہا کہ شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات ڈال دیئے تھے۔

جب آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے سامنے تلاوت کی تو اس نے کہا: میں نے یہ تو آپ ﷺ کو نہیں سنایا تھا اور جب یہ بات آپ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: واللہ اس طرح نازل نہیں ہوئی وغیرہ وغیرہ مختلف روایتیں ہیں اور جس مفسر یا تابعی نے اس حکایت کو آپ ﷺ سے نسبت دی ہے کسی نے بھی اس کی سند صحابہ تک یا آپ ﷺ تک متصل و مرفوع نہیں بیان کی اور ان سے اکثر طریقے اس میں ضعیف اور موضوع ہیں۔

اس سلسلہ میں صرف شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مرفوع ہے جو ابی بشر رحمۃ اللہ علیہ سے وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس حدیث میں گمان کرتا ہوں کہ یہ مشکوک ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے [1] اور پورا قصہ بیان کیا۔

اس بارے میں ابوبکر بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ حدیث حضور ﷺ تک متصل السند ہو جس کا بیان کرنا جائز ہو اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے امیہ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی جس کو وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال بیان کرتا ہے۔ یہ حدیث صرف کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پہنچائی جاتی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا جو ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ یہ روایت کسی بھی ایسی سند سے مروی نہیں جس کی بنا پر اسے بیان کرنا بھی جائز ہو۔ سوائے اس طریق کے اور اس میں بھی کمزوری اور ضعف ہے جس پر انہوں نے تنبیہ کی ہے نیز یہ مشکوک بھی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ لہٰذا یہ روایت نہ تو قابل اعتماد ہے اور نہ حقیقتاً اس میں کچھ واقعیت ہے۔ اب رہی کلبی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث تو یہ اس قبیل سے ہے جس کی روایت اس سے جائز ہی نہیں اور انتہائی ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر بھی جائز نہیں کیونکہ وہ متہم بالکذب ہے جیسا کہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا اور وہ جو ان سے صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورہ نجم کو مکہ میں پڑھا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں اور مشرکوں اور جن و انسان کے ساتھ سجدہ کیا تو یہ نقل کے لحاظ سے ہی کمزور ہے۔

اب رہی اس کی معنوی حیثیت تو اس پر مضبوط دلیل قائم ہو چکی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ اس قسم کی رذیل روایتوں سے منزہ و معصوم ہیں لیکن آپ ﷺ کی یہ تمنا کہ آپ ﷺ پر

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ النجم جلد ۶ صفحہ ۱۱۸

معبودان باطلہ کی تعریف میں آیتیں اتریں تو یہ کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ پر شیطان غالب آ جائے اور آپ ﷺ پر قرآن مشتبہ کر دے یہاں تک کہ آپ ﷺ قرآن میں وہ داخل کر دیں جو قرآن سے نہیں ہے اور آپ ﷺ اس قسم کا اعتقاد کر لیں کہ قرآن کی کچھ آیتیں ایسی ہیں جو قرآن کی نہیں ہیں حتیٰ کہ جبرئیل علیہ السلام اس پر آپ ﷺ کو خبردار کریں۔ یہ تمام باتیں حضور ﷺ کے حق میں محال اور ممتنع ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ عمداً اپنی طرف سے ایسا فرمائیں یہ بھی کفر ہے یا یہ کہ آپ ﷺ سہواً (بھول کر) ایسا فرمائیں آپ ﷺ ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

بلاشبہ ہم نے براہین اور اجماع سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب و زبان سے کلمہ کفر کا اجراء خواہ عمداً ہو یا سہواً یا آپ ﷺ کو جو فرشتہ وحی لائے اس میں شیطانی القا ہو جائے یا شیطان کو غلبہ کا آپ ﷺ پر کوئی راستہ مل جائے یا اللہ ﷻ پر آپ ﷺ اپنے دل سے ایسی باتیں گھڑ کر نسبت کریں جو آپ ﷺ پر نازل نہیں ہوئیں جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔

(پ۲۹ الحاقۃ ۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا کہ

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ○ اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی موت کا مزہ دیتے۔

(پ۱۵ الاسراء ۷۵) (ترجمہ کنزالایمان)

آپ ﷺ ان تمام باتوں سے پاک و منزہ اور معصوم ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ نظر اور طرف کے لحاظ سے یہ قصہ ہی ناممکن الوجود ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ کلام ایسا ہو جیسا کہ قصہ میں مذکور ہے تو یہ باہمی اتصال سے بعید ہوگا کیونکہ یہ متناقض الاقسام ہے کہ تعریف و مذمت یکجا ہوں جو کہ تالیف و نظم کے خلاف ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو یقیناً نبی کریم ﷺ اور موجود مسلمانوں اور مشرکوں سے پوشیدہ نہ رہتی جبکہ یہ بات ادنیٰ تامل (غور) کرنے والے پر مخفی نہیں ہے تو اس ذات مبارکہ کا کیا حال ہوگا جس کا حلم سب سے زائد جس کا علم بیان و معرفت اور فصاحت کلام میں اعلیٰ درجہ پر فائق ہو۔

اور تیسری وجہ کہ منافقوں، دشمن مشرکوں، کمزوردل اور جاہل مسلمانوں کی عادت معلوم ہے کہ پہلی ہی دفعہ ان کو نفرت ہو جاتی اور قلیل فتنہ کی خاطر نبی کریم ﷺ پر باتیں ملا دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو عار دلاتے تھے اور ان کے پے در پے مصائب پر خوش ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ جو دل کے روگی

ہوتے تھے مگر اسلام کا اظہار کرتے تھے ان کی یہ کیفیت تھی کہ ادنیٰ شبہ پڑ جانے سے مرتد ہو جایا کرتے تھے لیکن اس قصہ میں سوائے اس کمزور روایت کے اور کچھ منقول نہیں اور اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو یقیناً قریش اس بنا پر مسلمانوں پر غالب آ جاتے اور یہودی ضرور ان پر حجت قائم کرتے جیسا کہ انہوں نے قصہ معراج میں مکابرہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ ضعیف الایمان لوگ مرتد ہو گئے تھے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر واقعہ ہوا۔ بلا شبہ اس فتنہ سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ نہ ہوتا اگر اس کا وجود ہوتا اور اگر دشمن موقع پاتے تو اس سے زیادہ شدید موقع شور مچانے کا نہ ہوتا۔ مگر کسی دشمن سے اس قصہ میں ایک کلمہ بھی منقول نہیں اور نہ کسی مسلمان سے اس سلسلہ میں کوئی بات منہ سے نکلی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو اس قصہ کے باطل ہونے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کافی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کچھ شیاطین انس وجن نے اس روایت کو بعض بیوقوف نادان محدثین کے دل میں ڈال دیا تاکہ ضعیف الایمان مسلمان اس سے شبہ میں پڑ جائیں۔

چوتھی وجہ یہ کہ اس قصہ کے راویوں نے بیان کیا کہ اس سلسلہ میں آیہ کریمہ لَیَفْتِنُوْنَکَ (پ۱۵ بنی اسرائیل ۷۳) نازل ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں اس واقعہ کا رد کر رہی ہیں جو یہ بیان کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے تھے تاکہ آپ ﷺ اللہ ﷻ پر افتراء کریں۔ (معاذ اللہ) اگر آپ ﷺ کو خدا ثابت قدم نہ رکھتا تو مائل ہی ہو جاتے۔ اس کا مضمون و مفہوم بتلا رہا ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس امر سے معصوم رکھا کہ آپ ﷺ خدا پر افتراء کریں اور آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھا کہ ان کی طرف ادنیٰ جھکاؤ بھی نہ ہو چہ جائیکہ زیادہ۔

وہ اپنی اس واہی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے معبودان باطلہ کی تعریف میں میلان وافتراء سے بڑھ کر حصہ لیا (معاذ اللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اللہ ﷻ پر افتراء کیا اور وہ بات کہی جو نہ کہی گئی تھی۔" (معاذ اللہ) حالانکہ یہ مفہوم آیت کے بالکل خلاف ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو صرف یہی بات اس روایت کو بتا دیتی۔ اب جب کہ یہ بات سرے سے ہی درست نہیں تو اس کا حال ظاہر ہے اور یہ بات اس آیت کی مثل ہے جو دوسری جگہ ہے۔

اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَکَ مِنْ شَیْءٍ ؕ

(پ۵ النساء ۱۱۳)

اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکہ دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ بھی قرآن کریم میں لفظ کَادَ آیا ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ واقع نہ ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے۔ (پ ۱۸ النور ۴۳) (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ وہ نہیں لے گئی اور فرمایا: اَكَادُ اُخْفِيْهَا "عنقریب اسے مخفی کردوں گا" حالانکہ نہیں کیا۔

قاضی قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قریش اور بنی ثقیف نے اس وقت التجا کی جبکہ آپ ﷺ ان کے معبودوں کی طرف گزرے کہ آپ ﷺ ان کی طرف چہرۂ انور تو پھیریں اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر آپ ایسا کریں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور آپ ہرگز ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ نہ تو ان کے قریب ہوئے اور نہ اظہار میلان کیا۔

اور اس آیت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی مذکور ہیں جیسا کہ ہم نے عصمت رسالت کے بیان میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر آپ کی عصمت بیان فرمائی ہے جو ان نادانوں کی بیوقوفی کی تردید کر رہی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مکر و فتنہ سے آپ ﷺ کو ثابت قدم رکھ کر احسان فرمایا۔ اسی سے ہماری مراد آپ ﷺ کی پاکی اور آپ ﷺ کی عصمت ہے۔ یہی آیت کا مفہوم ہے۔

لیکن دوسرا ماخذ (دلیل) تو وہ بر بنائے تسلیم حدیث بشرط صحت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی صحت سے ضرور پناہ دی ہے لیکن بہر حال ائمہ مسلمین نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں جس میں کچھ ضعیف ہیں اور کچھ قوی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے جو قتادہ اور مقاتل رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کو اس سورۃ کی قرأت کے وقت اونگھ آ گئی تھی اور یہ کلام نیند کی وجہ سے آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر یہ کسی حال میں جائز نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی

زبان پر اسے پیدا کیا اور نہ یہ جائز ہے کہ خواب یا بیداری میں آپ ﷺ پر شیطان غلبہ پا سکے کیونکہ اللہ ﷻ نے اس باب آپ ﷺ کو میں ہر عمد و سہو سے معصوم کیا۔

اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے یہ بات بنائی لہٰذا یہ شیطان کا آپ ﷺ کی زبان پر القا ہے (معاذ اللہ) اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو ابوبکر بن عبدالرحمٰن ؓ سے ہے، کہا کہ آپ ﷺ کو سہو ہو گیا جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: اسے شیطان نے زبان پر جاری کر دیا اس قسم کی تمام باتیں غلط ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمداً یا سہو سے ایسا فرمائیں اور نہ شیطان ہی آپ ﷺ کی زبان پر قابو پا سکتا ہے۔

ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تلاوت کے دوران کفار کی مضبوطی اور تنبیہ کے طور پر ایسا فرمایا ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ ھٰذَا رَبِّیْ (یہ میرا رب ہے) اس کی کئی تاویلیں ہیں اور ان کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا. (پ۱۷ الانبیاء ۶۳)

بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(تو آپ نے) سکوت اور دو کلاموں کے درمیان وقفہ کر کے فرمایا۔ اس کے بعد تلاوت جاری رکھی۔ ایسے وقفہ و فصل کے بعد ممکن ہے اور قرینہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قرآن سے نہیں ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جسے قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو نماز میں پڑھنے کے بارے میں مروی ہے کیونکہ اس وقت تک نماز میں کلام کی مخالفت وارد نہ تھی۔

اور وہ بات جو قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین کے نزدیک اس کی تاویل میں ظاہر و قابل ترجیح تسلیم روایت میں ہے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمان الٰہی کے مطابق قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرتے اور اپنی قرأت میں ایک ایک آیت جدا جدا کر کے تلاوت کرتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کی۔ پس ممکن ہے کہ شیطان اس گھات میں رہتا ہو کہ حضور ﷺ کے سکتہ اور وقفہ کے درمیان اپنی طرف سے کلام بنا کر حضور ﷺ کی آواز کے مشابہ کر کے داخل کر دیتا ہو تا کہ قریب کے کفار سن لیں اور وہ گمان کر لیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے اور اس کی وہ اشاعت کرتے ہوں تو یہ بات مسلمانوں کے نزدیک ہرگز عیب نہیں کیونکہ سورۃ اترتے ہی اس واقعہ سے پہلے مسلمانوں نے اسے حفظ کر لیا تھا اور ان کو یہ بات ثابت تھی کہ نبی کریم ﷺ ہر حال میں بتوں کی مذمت اور ان کے عیوب بیان کرتے ہیں یہ بات خوب مشہور تھی۔

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مغازی میں اس کے مثل بیان کر کے کہا کہ مسلمانوں نے

اسے نہیں سنا۔ وہ تو شیطانی القا ہے جسے مشرکین کے کان اور دلوں نے سنا تھا اور جو مروی ہے کہ اس کی اشاعت شبہ اور فتنہ کے سبب آپ غمزدہ ہو گئے تھے اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ. اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول اور نبی بھیجے۔ (پ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنزالایمان)

تو معلوم ہوا کہ تَمَنّٰی کے معنی یہاں تلاوت ہے۔ اللہ ﷻ نے خود فرمایا:

لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ. وہ نہیں جانتے کتاب کو مگر امانی یعنی تلاوت کو۔

(پ۱ البقرہ ۷۸)

اور فرمایا:

فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ. تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو۔ (پ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی اسے محو کر دیتا ہے اور اس کے فریب کو زائل کر دیتا ہے اور دینی آیتوں کو محکم بنا دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جو سہو بوقت تلاوت ہو جاتا تھا معلوم ہونے پر اس سے آپ ﷺ رجوع کر لیتے تھے۔ سو یہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے جو کہ آیت کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے دل سے باتیں کیں اور کہا: جب آپ ﷺ نے تمنا کی یعنی دل سے باتیں کیں اور ابوبکر ابن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ قرأت میں سہو جب ہی صحیح ہوتا ہے کہ اس کے معانی اور لفظوں میں تغیر و تبدل اور ایسی زیادتی ہو جو قرآن میں نہ ہو بلکہ سہو تو یہ ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا کلمہ کی تلاوت رہ جائے لیکن ایسا سہو قائم و باقی نہیں رہتا بلکہ اسی پر فوراً خبردار کر کے یاد دلایا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب سہو کے جواز و عدم جواز پر آپ ﷺ کے حق میں بحث کریں گے۔

اس روایت کی تاویل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ میں بیان کیا کہ "وَالْغَرَانِقَةُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتُهُنَّ تُرْتَجٰی" اس سے فرشتے مراد ہیں۔

اس روایت کے موافق کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کی کہ اس سے فرشتے مراد ہیں یہ اس بنا پر کہ کفار یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے اور یہ بت اللہ ﷻ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) جیسا کہ اللہ ﷻ ان کی حکایت کر کے اسی سورۃ میں رد فرماتا ہے:

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی. کیا تم کو بیٹا اور اس کی بیٹی

(پ۲۷ النجم ۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اللہ ﷻ نے ان کی یہ تمام باتیں مردود فرمادیں اور فرشتوں سے شفاعت کی امید صحیح ہے اور جب مشرکوں نے اس کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں ذکر سے مراد ان کے معبود ہیں اور شیطان نے انہیں فریب اور شبہ میں ڈال دیا اور ان کے دلوں کو یہ اچھی معلوم ہوئی جو ان کے دلوں میں شیطان نے ڈالی تو اللہ ﷻ نے اسے منسوخ کر دیا جسے شیطان نے ڈالا اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اور ان دونوں لفظوں کی تلاوت کو جن سے شیطان نے راہ پائی تھی اشتباہ کی وجہ سے اٹھا لیا۔

جیسا کہ قرآن میں اکثر نسخ واقع ہوا اور اس کی تلاوت اٹھالی گئی۔ اللہ ﷻ کے اس اتارنے میں بھی حکمت تھی اور منسوخ کرنے اور اٹھانے میں بھی حکمت ہے تا کہ وہ یہ دیکھے اس طرح پر کون گمراہ ہوتا ہے اور کون راہ یاب ہوتا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔

(پ ا البقرہ ۲۶) (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ ۢ بَعِيْدٍ. اور بے شک ستم گار ادھر کے (پرلے درجے کے) جھگڑالو ہیں۔

(پ۱۷ الحج ۵۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے وہ اسے اپنے رب ﷻ کی طرف سے حق جانیں تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس پر اور مضبوط ہو جائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اس سورۃ کی تلاوت کی اور اس آیت کریمہ اَللّٰتَ وَالْعُزّٰى پر پہنچے تو کفار ڈرنے لگے کہ اس کے بعد ان کی مذمت میں آیت آئے گی تو انہوں نے جھٹ ان کی مدح میں ان دو کلموں کا اضافہ کر دیا تا کہ نبی کریم ﷺ کی تلاوت میں گڈمڈ ہو جائے۔ پھر وہ کفار اپنی عادت کے مطابق حضور ﷺ پر طعنہ زنیاں کریں۔ جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ غل (شور) لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔

(پ۲۴ حم السجدہ ۲۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اس فعل کی شیطان کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ اس نے ان کو اس پر برانگیختہ کیا اور اس نے اسے شائع وذائع کیا تھا اور نبی کریم ﷺ سے جب اسے کہا تو آپ ﷺ ان کے اس افتراء اور کذب پر غمگین ہوئے۔

اس پر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی یوں تسلی فرمائی کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ ۔ اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔ (پ۱۷ الحج ۵۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور قرآن کی حفاظت فرمائی اپنی آیتوں کو محکم بنایا اور جو دشمنوں نے اشتباہ ڈالا اسے دفع فرمایا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ خود اس کا ضامن ہے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (پ۱۴ الحجر ۹) (ترجمہ کنزالایمان)

اسی قبیل سے وہ روایت ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے اپنے رب ﷻ کی طرف سے عذاب کا وعدہ کیا۔ جب انہوں نے توبہ کر لی تو ان سے عذاب دور کر دیا تب کہا کہ میں ان کی طرف جھوٹا بن کر کبھی نہ جاؤں گا اور غصہ ہو کر چلے گئے۔

خدا تمہیں عزت دے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بات کسی روایت تواریخ میں مذکور نہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے کہا ہو کہ اللہ ﷻ ان کو ہلاک کرنے والا ہے اس میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے ان کو ہلاک کر ڈالنے کی استدعا کی تھی اور دعا ایسی خبر نہیں جس کے صدق و پورا ہونے یا جھوٹے ہونے کا مطالبہ کیا جا سکے لیکن ان سے یہ کہا تھا۔

فلاں روز صبح کے وقت ایسا ایسا عذاب آنے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے ان سے عذاب کو دور کر کے ان پر مہربانی فرمائی۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ ۔ یونس کی قوم جب ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا۔ (پ۱۱ یونس ۹۸) (ترجمہ کنزالایمان)

اخبار و سیر میں ہے کہ انہوں نے عذاب کے دلائل و علامتیں دیکھی تھیں۔ اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا[۱] حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم یونس کو عذاب نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا جس طرح چادر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ اس روایت کے کیا معنی ہیں کہ عبداللہ بن سرح جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا پھر وہ مرتد اور مشرک ہو کر قریش سے مل گیا۔ ان سے کہا کہ میں حضور ﷺ کو جس طرف چاہتا تھا پھیر لیتا تھا آپ اگر عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لکھاتے تو میں کہتا یا عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ہے۔ فرماتے: ہاں ٹھیک ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اس سے فرماتے: ایسا لکھو۔ تو وہ کہتا: ایسا لکھ دوں۔ تب آپ ﷺ فرماتے: جیسا تو چاہے لکھ۔ مثلاً آپ ﷺ فرماتے: عَلِيْمًا حَكِيْمًا لکھو۔ تو وہ کہتا: کیا سَمِيْعًا بَصِيْرًا لکھ

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۹۲۔۳۹۱

دوں۔ فرماتے: جیسا چاہے لکھو اور صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک نصرانی اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ کا کاتب بنا پھر وہ مرتد ہو گیا اور وہ کہتا کہ حضور ﷺ تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں انہیں لکھ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

تو اے مسلم تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے اور شیطان کو ہم پر راہ نہ دے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کر دے کہ اس قسم کی حکایتیں اولاً تو مسلمان کے دل میں کسی قسم کا شک ڈال ہی نہیں سکتیں کیونکہ یہ حکایتیں ان لوگوں کی طرف سے ہیں جو مرتد ہو گئے اور انہوں نے اللہ ﷻ کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ ہم اس مسلمان کی خبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے جو کذب وغیرہ کے ساتھ متہم ہو چہ جائے کہ اس کافر کے افتراء کو مانیں جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھا۔ وہ تو اس سے بڑھ کر ہے اور ہر ایسے سلیم العقل پر تعجب ہے جس نے ایسی حکایتوں کی طرف توجہ بھی کی۔ بلاشبہ یہ حکایتیں دشمن کافر اور دین اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے اور اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھنے والے سے صادر ہوئیں اور کسی مسلمان سے اس قسم کی کوئی روایت منقول نہیں اور نہ کسی صحابی نے ایسا تذکرہ کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ اس نے کہا اس نے اللہ ﷻ کے نبی ﷺ پر افتراء کیا۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ○ (پ ۱۴ النحل ۱۰۵)	جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ ہی جھوٹے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور وہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے تو یہ ظاہر حکایت ہے اس میں یہ کہاں ہیں کہ وہ اس کا شاہد ہے کہ انہوں نے جو سنا حکایت کر دی۔ حالانکہ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور کہا کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس پر اس کا کوئی تابع نہیں ہے اور اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور کہا کہ میرا گمان ہے کہ اسے ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ (واللہ اعلم) اسی وجہ سے کسی اہل صحاح نے اس روایت کو نہ تو ثابت رضی اللہ عنہ سے اور نہ حمید رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج کی اور صحیح حدیث عبداللہ بن عزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اسے اہل صحت نے تخریج کی ہے اور ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اپنا کوئی قول نہیں ہے۔ صرف مرتد نصرانی کی حکایت

ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور نہ اس میں نبی کریم ﷺ کی نسبت جو آپ ﷺ پر وحی ہوئی وہم کا گمان ہوتا ہے اور نہ اس میں آپ ﷺ کی تبلیغ پر سہو غلطی اور تحریف کا جواز ہے اور نہ کوئی نظم قرآن کے منجاب اللہ ﷻ ہونے میں طعن ہے۔

اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس سے زیادہ نہیں کہ کاتب نے آپ ﷺ سے کہا: یَا عَلِیْمُ حَکِیْمُ اسے لکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا ہی ہے تو یہ ایک یا دو کلموں پر سبقت لسان یا قلم نہیں ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ آپ ﷺ کے اظہار فرمانے سے قبل اس لئے کہ جو کچھ آیت رسول اللہ ﷺ نے لکھائی ہے وہ اس پر دلالت کر رہی تھی اور اسی کلمہ کا تقاضا کرتی تھی۔ اس میں تو کاتب کے کلام کی معرفت وقوت اور ذہانت وفطانت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ بسا اوقات ایسا اتفاق کسی سمجھ دار آدمی کے لئے ہو جاتا ہے جبکہ وہ کوئی شعر سنتا ہے تو اس کے قافیہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے یا جب وہ کسی عمدہ کلام کے ابتدائی حصہ کو سنتا ہے تو ایسے جملہ کی طرف اس کا ذہن سبقت کر جاتا ہے جس سے کلام پورا ہو جاتا ہے اور یہ اتفاق پورے کلام میں نہیں ہوتا جیسا کہ ایک آیت یا ایک سورۃ میں نہیں ہوتا۔

یہی صورت حضور ﷺ کے اس فرمان کی ہے اگر وہ صحیح ہو" کہ سب ٹھیک ہے" تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت کے آخر میں دو وجہیں یا دو قرأتیں ایک ساتھ حضور پر نازل ہوئی ہوں ان میں سے ایک تو لکھا دی اور دوسری کی طرف کاتب کی اپنی ذہانت اور دانائی کہ مقتضائے کلام کے موافق ذہن دوڑ گیا۔ تو اس نے اس کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا اس پر آپ ﷺ نے اس کی تصویب کر دی۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے جسے چاہا محکم فرما دیا اور جسے چاہا منسوخ اور محو فرما دیا۔ جیسا کہ بعض آیتوں کے آخری حصہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O (پ المآئدہ ۱۱۸)	اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یہ جمہور کی قرأت ہے اور قاریوں کی ایک جماعت نے فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (تو ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) پڑھا ہے حالانکہ یہ مصحف میں نہیں ہے۔ یہی صورت ان کلمات کی ہے جو درمیان میں دو وجہوں پر آئی ہیں۔ جس میں سے ایک کو تو جمہور نے پڑھا اور مصحف میں برقرار رکھا اور دوسرا مصحف میں نہیں ہے) مثلاً وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا اور نُنْشِرُهَا دونوں ہیں۔ اور بعض

الْحَقُّ اور بِقُصُّ الْحَقَّ دونوں ہیں۔ یہ اختلافات شک کے موجب نہیں اور نہ نبی کریم ﷺ کی طرف غلطی اور وہم کی نسبت کی جا سکتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے یہ ان خطوط میں لکھا گیا ہو جو حضور ﷺ کی طرف سے لوگوں کی طرف قرآن کے سوا لکھا گیا ہو اور اس میں اس نے خدا کی تعریف و تسمیہ میں جو چاہا لکھ دیا ہو۔

ساتویں فصل

دنیاوی امور میں صدقِ مقال اور احوالِ بشریہ

یہ بحث تو اس کلام میں تھی جو تبلیغ سے متعلق تھا لیکن وہ جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہے یعنی وہ خبریں جو نہ تو احکام سے متعلق ہیں اور نہ وہ امورِ آخرت سے اور نہ وحی کی طرف اس کی اسناد ہے بلکہ وہ دنیاوی امور اور آپ ﷺ کے حالات میں وارد ہیں تو ان میں بھی نبی کریم ﷺ کو منزہ سمجھنا واجب ہے کہ آپ ﷺ کی کوئی خبر خلاف واقع ہو نہ عمداً نہ سہواً اور نہ غلطاً اور یہ کہ آپ ﷺ خوشی، غصہ، محبت، مزاح اور مرض وغیرہ ہر حالت میں معصوم تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سلف کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔

یہ یوں ہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صحابہ کے دین اور عادت یہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کے تمام حالات کی تصدیق میں سبقت کرتے تھے اور آپ ﷺ کی ہر بات پر ان کو بھروسہ اور اعتماد تھا خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو اور کسی جانب سے واقعہ ہو اور ہرگز انہیں کسی وقت بھی توقف اور تردد نہ ہوتا تھا اور نہ وہ اس وقت اس بات کا ثبوت مانگا کرتے تھے کہ کہیں اس میں سہو ہے یا نہیں؟

جب ابن ابی الحقیق یہودی کو حضرت عمر ؓ نے خیبر سے نکالا تو اس نے آپ ؓ سے جھگڑا کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو برقرار رکھا تھا (اور آپ نکال رہے ہیں) اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا۔ تو یہودی نے کہا: یہ تو ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) کا مذاق تھا۔ تب آپ ؓ نے فرمایا: اے دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط جلد ۳ صفحہ ۱۶۹)

آپ ﷺ کے اخبار و آثار سیر و شمائل وہ ہیں جن کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور انہیں تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنی غلطی کا تدارک کیا ہو یا جو فرمان بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یا جو خبر بھی آپ ﷺ نے دی ہے اس میں وہم کا اقرار کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ بھی منقول ہوتا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ایک مرتبہ انصار سے کھجور کے پیوند لگانے کے قصہ میں رجوع کرنا منقول ہے حالانکہ یہ بھی ایک مشورہ تھا نہ کہ خبر تھی۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۵)

اس کے سوا اور بہت سے امور ہیں جو اس باب سے نہیں جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر میں کسی معاملہ میں قسم کھالوں پھر اس کے سوا دوسری طرف بھلائی کو دیکھوں تو قسم کو توڑ کر اسے کرلوں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا[1] اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم لوگ میرے پاس جھگڑا لے کر آتے ہو[2] اور یہ فرمانا کہ اے زبیر ؓ اپنی کھیتی کو اتنا پانی دے کہ پانی دیوار کو پہنچ جائے[3] وغیرہ۔

جیسا کہ ہم ہر وہ قصہ جو اس باب میں مشکل نظر آتا ہے اور جو اس کے بعد ہے ان دونوں شبہوں کے ساتھ انشاء اللہ ﷻ بعد میں بیان کریں گے۔

ایک یہ بھی بات ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی جھوٹی خلاف واقعہ خبر معروف ہو جائے تو اس کی باتوں میں شک پڑ جاتا ہے اور وہ حدیث میں متہم کہلاتا ہے۔ اس کا قول لوگوں کے دلوں میں نہیں پڑے گا۔ لہٰذا محدثین اور علماء کرام نے باوجود ثقہ ہونے کے وہم و غفلت سوء حفظ اور کثرت غلط کی وجہ سے ایسوں سے حدیث لینے کو ترک کر دیا ہے۔

ایک یہ بھی ہے کہ عمداً دنیاوی امور میں جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بکثرت جھوٹ بولنا بالاجماع گناہ کبیرہ ہے اور مروت کو ساقط کر دیتا ہے اور ان سب امور میں منصب نبوت پاک و منزہ ہے اور جبکہ ایک مرتبہ جھوٹ بولنا جس میں برائی اور شناعت ہو اسے (منصب نبوت) واغدار اور عیب دار بنا دیتا ہے اور اس کے قائل کو گنہگار کر دیتا ہے وہ اسی کے ساتھ ملتا ہے جو اس مرتبہ پر نہ پہنچے پھر اگر ہم اس کو صغیرہ میں شمار کریں تو کیا اس کا حکم ایک مرتبہ جھوٹ بولنے کے حکم میں ہوگا اور مختلف فیہ بن جائے گا؟

لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ نبوت کو اس کے تھوڑے اور بہت سے اور سہو و عمد سے منزہ رکھا جائے اس لئے کہ نبوت کا مقصود تبلیغ، اخبار اور تصدیق ہے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں۔ اگر اس میں (سہو و عمد) سے کچھ جائز رکھا جائے تو یہ منصب نبوت کے مخالف اور شک پیدا کرنے والی اور معجزات میں متناقض ہوگا۔

لہٰذا ہمارا یقینی طور پر اعتقاد ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال میں کسی وجہ سے خلاف نہیں

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۰۸ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۳ صفحہ ۱۲۶۹

[2] صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۷، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۷

[3] بخاری کتاب التفسیر جلد ۶ صفحہ ۳۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۰، سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۵۲، سنن ترمذی کتاب الاحکام جلد ۳ صفحہ ۴۰۸، سنن نسائی کتاب القضاء جلد ۸ صفحہ ۲۳۸، سنن ابن ماجہ کتاب الرھون جلد ۲ صفحہ ۸۲۹

ہے نہ قصداً اور نہ بدونِ قصد کے اور جو لوگ سستی کرتے ہیں اور اس کو جائز رکھتے ہیں کہ جو امور تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں اس میں سہو ممکن ہے ہم اس سے تسامح نہیں کرتے البتہ بعد نبوت ہرگز نہیں اور اس کے باوجود نبوت سے پہلے بھی ان پر جھوٹ جائز نہیں اور نہ ان کی طرف امور دنیا اور ان کے حالات میں اس کی نسبت کرنی جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ بات ان کو عیب دار اور شکی بناتی ہے لوگوں کے دل بعد کو ان کی رسالت وتبلیغ کی تصدیق سے نفرت کرنے لگیں گے۔ نبی کریم ﷺ کے ہم زمانہ قریش وغیرہ امتِ دعوت پر ذرا غور کرو اور ان کے سوالات کو دیکھو کہ وہ کس طرح آپ ﷺ سے حالات اور آپ ﷺ کی سچائی کے معترف تھے۔ انہوں نے معروف باتوں کا اقرار کیا تھا۔

ناقلین کا ہمارے نبی ﷺ کی عصمت پر قبل نبوت اور بعد نبوت اتفاق ہے اور ہم نے ان آثار کو اس کتاب کے پہلے حصہ کے دوسرے باب میں بیان کیا ہے اب اس بات کی صحت کو جس کی طرف ہم ارشاد کر چکے ہیں، بیان کرتے ہیں۔

آٹھویں فصل

سہو حدیث

اب اگر تم یہ کہو کہ سہو حدیث میں حضور ﷺ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ اس پر ذوالیدین ﷺ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے نماز کو قصر فرمایا یا آپ کو سہو ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہیں[1]۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نہ تو میں نے قصر کیا اور نہ سہو ہوا۔

آپ ﷺ نے دونوں حالتوں کی نفی فرمائی کہ ان میں سے کوئی بات نہیں حالانکہ ان میں سے ایک بات ضرور ہوئی جیسا کہ ذوالیدین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کچھ تو ہے۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں خیر کی توفیق بخشے کہ علماء کرام کے اس واقعہ میں چند جواب ہیں جن میں سے کچھ تو منصفانہ ہیں اور کچھ بنیت ظلم اور متعصبانہ ہیں۔

باخبر ہو میں کہتا ہوں کہ اس قول کے موافق جس میں آپ ﷺ پر وہم وغلط کو ان باتوں میں جو تبلیغ سے متعلق نہیں ہیں جائز رکھا ہے تو اس کو تو ہم نے دو قولوں سے کمزور کر دیا ہے۔ لہٰذا اس بنا پر تو

---

[1] صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۶۰۔ ۵۹ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۴۰۳

اس قسم کی حدیث پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ لیکن اس مذہب کی بنا پر جس میں سہو ونسیان حضور ﷺ کے تمام افعال میں ممنوع ہے ان کے نزدیک تو اس قسم کی بظاہر نسیان کی صورتوں میں قصداً اور عمداً افعال کیے گئے ہیں تاکہ سہو میں سنت کی تعلیم مل جائے لہٰذا آپ ﷺ اپنی خبر میں صادق ہیں اس لئے کہ نہ تو آپ ﷺ سے سہو ہوا اور نہ قصر فرمائی لیکن اس قول پر یہ فعل قصد وارادہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تاکہ اس شخص کو جسے ایسی صورت پیش آجائے سنت ہو جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے ہم اسے اپنی جگہ پر بیان کریں گے۔ لیکن آپ ﷺ پر اقوال میں سہو کا محال ہونا اور غیر اقوالی میں سہو کا جائز ہونا" ہم عنقریب انہیں بیان کریں گے" اس (واقعہ مذکورہ) میں بھی کئی جواب ہیں۔

ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اعتقاد اور اپنے ضمیر سے خبر دی لیکن قصر سے انکار کرنا تو یہ صحیح ہے جو ظاہر و باطن پر صادق ہے۔ رہا نسیان تو اس کی آپ ﷺ نے اپنے اعتقاد سے خبر دی کہ آپ ﷺ نے اپنے گمان میں سہو نہیں فرمایا گویا کہ اس خبر کو آپ ﷺ نے اپنے گمان سے قصد و عمد مراد لیا۔ اگرچہ الفاظ میں اس اعتقاد وظن کا ذکر نہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔

دوسری وجہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ میں بھولا نہیں اسلام کی طرف راہ ہے یعنی میں نے قصداً سلام پھیرا ہے اور تعداد رکعات میں سہو واقع ہوا یعنی نفس سلام میں سہو واقع نہیں ہوا۔ یہ توجیہہ محتمل اور بعید ہے۔

اور تیسری توجیح اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس کی طرف علماء گئے ہیں کہ الفاظ ہی محتمل ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ان میں سے کچھ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قصر و نسیان دونوں جمع نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک ہے لفظوں کا یہ مفہوم دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے کہ آپ نے فرمایا: "نہ تو نماز قصر کی ہے اور نہ سہو واقع ہوا۔" یہ باتیں میں نے اپنے ائمہ سے نقل کی ہیں۔ یہ سارے وجوہ (جہیں) لفظ کے لئے محتمل ہیں باوجود اس کے بعض بعید ہیں اور بعض میں تعسف وعناد ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ جو میں کہوں گا اور جو مجھے ظاہر ہوا وہ ان تمام وجوہات میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بھولا نہیں ہوں اس لفظ کا انکار ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے اپنے آپ سے نفی کی ہے اور دوسروں پر آپ ﷺ نے اپنے اس قول سے اس کا انکار کر کہ "تمہارے لئے یہ بری بات ہے کہ تم یوں کہو کہ میں فلاں فلاں آیت کو بھول گیا ہوں" لیکن یوں کہو کہ میں بھلایا گیا ہوں۔ چونکہ آپ ﷺ نے دوسری حدیثوں کی

روایتوں میں فرمایا کہ میں بھولا نہیں کرتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

پھر جب آپ ﷺ سے سائل نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے نماز قصر کی ہے یا سہو واقع ہوا تو آپ ﷺ نے قصر کا انکار کیا جیسا کہ واقعہ میں تھا اور آپ ﷺ کا نسیان سو یہ اپنے نفس کی جانب سے تھا اگر کوئی بات اس میں سے جاری ہو گئی تو یقیناً آپ بھلائے گئے۔ یہاں تک کہ دوسرے نے سوال کر ہی لیا تو یہ متحقق ہو گیا کہ آپ ﷺ بھلائے گئے تھے اور اس میں سے کچھ جاری کر دیا گیا تا کہ مسنون ہو جائے۔

اب حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ "نہ تو بھولا ہوں اور نہ قصر کی ہے ان میں سے کچھ بات نہیں۔" صدق وحق ہے کیونکہ آپ نے نہ تو قصر کیا اور نہ حقیقتاً بھولے ہیں لیکن آپ ﷺ بھلائے گئے ہیں۔

اور ایک اور وجہ بھی ہے جسے میں نے بعض مشائخ کے کلام سے اشارتاً سمجھا ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کو سہو تو ہوتا تھا لیکن بھولتے نہ تھے اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے نفس سے نسیان (بھول) کی نفی فرمائی۔

بعض مشائخ نے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ نسیان ایک غفلت اور مصیبت ہے اور سہو وہ ایک شغل ہے۔ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی نماز میں سہو ہو جاتا تھا لیکن اس سے غفلت اور نسیان واقع نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو نماز کی حرکات کی ادائیگی میں کمال استغراق ہوتا تھا لہٰذا اس مشغولیت کی وجہ سے سہو ہو جاتا تھا نہ کہ اس سے غفلت ولاپرواہی کی بنا پر۔

اب اگر یہ معنی متحقق ہو جائیں تو حضور ﷺ کے اس فرمان میں کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا کوئی اختلاف نہیں رہتا اور میرے نزدیک حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ نہ میں نے قصر کیا اور نہ نسیان واقع ہوا۔ اس کے معنی اس ترک کے ہیں جو نسیان کی دو وجوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم

کہ آپ ﷺ کی یہ مراد ہو کہ میں نے نہ تو دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اور نہ پوری نماز کا تارک ہوا ہوں لیکن میں بھلایا گیا ہوں اور یہ میرے نفس کی جانب سے نہ تھا اس پر آپ کی یہ صحیح حدیث دلالت کر رہی ہے جو آپ نے فرمایا کہ میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل قرآن جلد ۶ صفحہ ۱۵۹۔۱۵۸ صحیح مسلم کتاب المسافرین جلد ۱ صفحہ ۵۲۵)

لیکن حضرت ابراہیم ؑ کے قصہ میں مذکورہ کلمات جو کہ تین کذب تھے جس میں سے دو قرآن میں منصوص میں ایک یہ کہ اِنِّی سَقِیْمٌ (پ ۲۳ الصفت ۸۹) میں بیمار ہوں اور دوسرا یہ کہ بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا (پ ۱۷ الانبیاء ۶۳) بلکہ ان کے بڑے نے یہ کیا اور تیسرا وہ قول جو بادشاہ سے اپنی بیوی کے

بارے میں کہا کہ یہ "میری بہن ہے"۔ (صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۱۱۲ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے یہ تمام باتیں کذب سے خارج ہیں نہ قصداً صادر ہیں نہ بغیر قصد کے بلکہ یہ ان معارضات میں داخل ہیں جو کذب سے خارج ہیں اِنِّیْ سَقِیْمٌ (پ ۲۳ الصّٰفّٰت ۸۹) "میں بیمار ہوں" کے قول میں حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں یعنی ہر مخلوق کو مرض لاحق ہوا ہی کرتا ہے تو انہوں نے اپنی قوم سے ان کے ساتھ ان کے میلے میں جانے سے اس طرح عذر کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ میں بیمار ہوں یعنی موت مجھ پر مقدر ہو چکی ہے ایک قول یہ ہے کہ انہیں ایک ستارہ معلوم کے طلوع کے وقت بخار آ جایا کرتا تھا۔ پس جب انہوں نے وہ ستارہ طلوع ہوتا دیکھا تو اپنی عادت کے مطابق عذر کر دیا۔ ان تمام صورتوں میں کذب کہاں ہیں بلکہ ایک خبر صحیح و صادق ہے اور بعض نے کہا: انہوں نے اپنی بیماری کے ساتھ ان پر تعریضاً حجت قائم کی اور ان کی اس دلیل کو کمزور ثابت کیا جو وہ ستاروں کی وجہ سے مشغول رہا کرتے تھے اور یہ کہ آپ اسی دیکھنے کی حالت میں اور پہلے اس کے کہ آپ کی حجت ان پر قائم ہو کہ بیماری اور مرض کی حالت میں ہیں باوجودیکہ خود آپ کو شک نہ تھا نہ آپ کا ایمان ضعیف تھا لیکن جو استدلال ان کے سامنے پیش کیا تھا اس میں ضعف تھا اور اس کی دلیل کمزور تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے دلیل کمزور ہے اور نظر معلول ہے حتیٰ کہ اللہ ﷻ نے انہیں ان کے استدلال کی صحت و حجت ہونے پر ستاروں، سورج و چاند کے ساتھ وحی فرمائی جس کا خدا نے ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اب رہا آپ علیہ السلام کا یہ قول کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (پ ۱۷ الانبیاء ۶۳) سو یہ خبر گویائی کے ساتھ مشروط فرمائی گویا کہ آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ اگر وہ بول سکتا ہے تو اس نے یہ کیا ہے لہٰذا یہ قول اپنی قوم کو جھڑکنے کے لئے تھا۔ یہ کلام بھی صادق ہے اس میں بھی کوئی خلاف واقع نہیں۔

اب رہا تیسرا قول یہ "میری بہن ہے" سو اس کی وجہ تو حدیث میں ہی مذکور ہے کہ آپ نے کہا کہ تو اسلام میں میری بہن ہے۔ یہ بھی سچ ہے کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"۔ (پ ۲۶ الحجرات ۱۰)

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے تو ان کا کذب رکھا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے ہیں اور حدیث شفاعت میں فرمایا کہ وہ اپنے ان کذبوں کو یاد کریں گے۔[1] سو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان تین کلموں کے سوا کبھی اور کوئی ایسا کلام نہیں کیا جو صورۃً تو کذب ہو مگر باطن میں واقعتاً وہ حق ہو اور جبکہ ان کے ظاہری معنی ان کے باطنی مفہوم کے خلاف تھے بنا

۱۔ صحیح بخاری کتاب التوحید جلد ۹ صفحہ ۱۰۶

بریں حضرت ابراہیم علیہ السلام مواخذہ سے خوفزدہ ہو گئے لیکن وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے سوا دوسری طرف بطور توریہ ذکر کیا کرتے[1] تو اس میں بھی کوئی خلاف گوئی نہیں کیونکہ یہ تو اپنے ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے تھا تاکہ دشمن اپنے بچاؤ کا سامان نہ تیار کر لے اور اپنے جانے کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دوسری جگہ کا ذکر بطریق سوال کرتے اور اس کے حالات پر بحث اور اس کے ذکر کا توریہ کرتے تھے اور یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں جنگ کے لئے چلو اور ہمارا ارادہ فلاں مقام کا ہے جس جانب آپ ارادہ نہ رکھتے ہوں۔ لہٰذا یہ نہ ہوتا تھا اور یہ تو یہ خبر نہیں ہے جس سے خلاف گوئی پائی جائے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون زیادہ عالم ہے؟ فرمایا: میں زیادہ عالم ہوں[2]۔ اس پر اللہ ﷻ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ ﷻ کی طرف نہیں کی۔

اسی میں یہ ہے کہ فرمایا بلکہ مجمع بحرین میں ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ یہ وہ خبر ہے جسے اللہ ﷻ نے فرمایا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کی بعض دوسری صحیح سندوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ ہے کہ کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو تم سے زیادہ عالم ہے پس جبکہ ان کا جواب ان کے علم پر ہے تو وہ خبر حق و صادق ہے اس میں نہ خلاف گوئی ہے اور نہ شبہ ہے اور دوسری سندوں کی بنا پر تو اس کا محمول ان کا گمان و اعتقاد ہے جیسا کہ اگر آپ اس کی تصریح کر دیتے۔ اس لئے کہ نبوت و اصطفاء میں ان کی حالت اس کی مقتضی ہے۔ لہٰذا ان کا اس امر کی بابت خبر دینا بھی اپنے اعتقاد و گمان کے موافق سچ تھا اس میں کوئی خلاف گوئی نہیں ہے کبھی اَنَـا اَعْـلَـمُ ''میں زیادہ عالم ہوں'' سے مراد وہ امور لئے گئے ہیں جو ان کے مقتضی تھے یعنی نبوت کے وظائف مثلاً علوم توحید امور شریعت اور سیاست امت اور حضرت خضر علیہ السلام دوسرے امور کو ان سے زیادہ جانتے تھے جنہیں کوئی نہیں جانتا مگر عطائے الٰہی کے ساتھ علوم غیبیہ کا جاننا۔ جیسے وہ قصے جو ان دونوں کے حال میں مذکور ہیں۔ لہٰذا فی الجملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلم تھے جیسا کہ گزرا اور حضرت خضر علیہ السلام خصوصی طور پر اعلم تھے جیسا کہ انہیں سکھایا گیا۔

اس پر اللہ ﷻ کا یہ فرمان شاہد ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (پ۱۵ الکہف ۶۵) اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۳۹ صحیح مسلم کتاب التوبہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۲۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۲۲۳ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۴۷

اور اللہ ﷻ کا ان (موسیٰ ؑ) کو اس پر عتاب کرنا جیسا کہ علماء نے کہا تو یہ ان کے اس قول کے انکار پر ہے کیونکہ موسیٰ ؑ نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ جیسا کہ ملائکہ نے کہا تھا:

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔

(پ البقرہ ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

یا یہ اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول شرعاً اللہ ﷻ کو پسند نہ آیا (واللہ اعلم) کیونکہ وہ شخص جوان کے کمال کو ان کے تزکیہ نفس اور ان کے بلند درجے تک امت میں سے نہیں پہنچا اس میں ان کی اقتداء کرے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اس میں انسان کا اپنے نفس کی تعریف کرنا پایا جاتا ہے جس سے اس کو کبر و عجب تعاظمی اور دعویٰ پیدا ہو جائے گا۔

اگر چہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ان رزائل سے منزہ ہے لیکن دوسرے لوگ اس راہ پر چل سکتے ہیں اور ان کا اندھیرے میں گر پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے مگر جسے اللہ ﷻ اپنی حفاظت میں لے۔

لہٰذا اپنے نفس کی اس سے حفاظت کرنا بہتر ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسی بنا پر ان جیسی باتوں سے حفظ ماتقدم کے لئے نبی کریم ﷺ نے ان باتوں میں جن کو آپ نے جان لیا تھا۔ فرمایا: اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ. میں اولاد آدم کا سردار ہوں فخریہ نہیں کہتا۔ اور یہ حدیث قائلین نبوت حضرت خضر ؑ کے دلائل میں سے ایک ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ میں موسیٰ ؑ سے زیادہ عالم ہوں حالانکہ ولی نبی سے زیادہ عالم نہیں ہوتا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام معرفتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اور حضرت خضر ؑ کے نبی ہونے پر) اس قول سے دلیل پکڑی ہے کہ "یہ کام میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا۔" تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انہوں نے وحی سے کیا اور جو حضرت خضر ؑ کو نبی نہیں کہتے انہوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ ان کا یہ کام کسی دوسرے نبی کے حکم سے ہو اور یہ ضعیف قول ہے کیونکہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کے زمانہ میں ان کے بھائی حضرت ہارون ؑ کے سوا کوئی اور نبی موجود ہو اور کسی اہل سیر نے اس بارے میں ایسی کوئی بات نقل نہیں کی جس پر اعتماد کیا جا سکے اور جبکہ ہم نے اَعْلَمُ مِنْكَ "تم سے زیادہ عالم" کو عموم پر نہیں رکھا بلکہ اسے خصوص پر محمول کیا جو خاص خاص واقعات میں ہے تو اب ہمیں حضرت خضر ؑ کی نبوت کے ثابت کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ اسی بنا پر بعض مشائخ نے فرمایا کہ موسیٰ ؑ خضر ؑ سے اللہ ﷻ سے احکام لینے میں زیادہ عالم تھے اور حضرت خضر ؑ حضرت موسیٰ ؑ سے ان قضایا میں جو انہیں دیے گئے تھے زیادہ عالم تھے اور بعض نے یہ کہا کہ حضرت موسیٰ ؑ حصول ادب کے لئے حضرت خضر ؑ کی طرف مجبور کیے گئے تھے نہ کہ حصول تعلیم کے لئے۔

نویں فصل

حضور ﷺ کے اعضاء جوارح کی عصمت

نبی کریم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے عمل سے متعلق عصمت کا بیان یہ ہے اور اسی قبیل سے وہ زبانی ارشادات بھی ہیں جو پہلے خبروں میں بیان ہو چکے ہیں اور وہ قلبی اعتقادات توحید کے ماسوا جو مخصوص معارف کے ضمن میں پہلے مذکور ہو چکے ان کے سوا ہیں۔ (یہ تمام اعضاء مبارکہ کے اعمال میں سے ہیں)

کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر قسم کے فواحش اور گناہ کبیرہ مہلکہ سے معصوم و منزہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جمہور کی دلیل یہی اجماع ہے جسے ہم نے بیان کیا اور یہی قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور دیگر علماء نے اجماع کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے بھی ان سب کی ممانعت اور عصمت ثابت کی ہے یہی قول سب کا ہے اور اس کو استاذ ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے مختار رکھا ہے۔

اسی طرح تمام علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام رسالت کے چھپانے اور تبلیغ میں کمی کرنے سے معصوم ہوتے ہیں کیونکہ عصمت کا اقتضاء ہی یہ ہے اور اسی سلسلہ میں سب سے اجماع کے ساتھ معجزہ (ثابت) ہے۔

اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام ان برائیوں سے جہاں وہ اللہ ﷻ کی طرف سے معصوم ہوتے ہیں وہاں وہ باختیار خود اور بکسب خویش بھی معصوم ہوتے ہیں سوائے حسین نجار رحمۃ اللہ علیہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں معاصی پر سرے سے قدرت ہی نہیں ہوتی۔

اب رہا گناہ صغیرہ! تو سلف صالحین وغیرہ کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کو جائز رکھا ہے اور یہی مذہب ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء و محدثین و متکلمین کا ہے۔ ہم عنقریب ان کے دلائل بھی بیان کریں گے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں اور ایک گروہ توقف کی طرف گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ محال عقلی نہیں ہے اور نہ شریعت سے کوئی قطعی دلیل متعدد وجوہ سے وارد ہے اور محققین فقہاء و متکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کبیرہ سے عصمت کی طرح گناہ صغیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف و اشکال ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ جس سے خدا کی نافرمانی ہو وہ کبیرہ

ہے اوران میں سے وہ صغیرہ ہے جو کبیرہ کی نسبت چھوٹا ہو اور جس میں کسی امر الٰہی کی مخالفت ہو ضروری ہے کہ وہ کبیرہ ہو۔ اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ کہا جائے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانیاں چھوٹی (صغیرہ) ہیں بجز اس معنی کے کہ جب کبیرہ سے اجتناب کیا جائے تو وہ بخشے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے بھی یہ بات نہیں کہ اس کے بخشے جانے پر کوئی خدا کا حکم ہے۔ بخلاف کبائر کے کہ جب تک وہ ان سے توبہ نہ کرے تو کوئی شے ان کو نہیں مٹا سکتی۔ البتہ ان کی معافی اللہ ﷻ کی مشیت پر موقوف ہے۔ یہی قول قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ اشعریہ کی ایک جماعت اور بکثرت ائمہ فقہا کا ہے اور کچھ مالکی ائمہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ دونوں قولوں کی بنا پر ضروری نہیں کہ اس میں اختلاف ہو کہ انبیاء علیہم السلام صغائر کی تکرار اور ان کی کثرت سے بھی معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان (صغائر) کی تکرار اور کثرت کبیرہ تک پہنچا دیتی ہے

اور اس صغیرہ میں بھی اختلاف نہیں جو حیا و عزت کو زائل کرے مروت کو کم کرے اور برائی و کمینہ پن کو لازم کرے لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام ان سب سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر اجماع ہے اس لئے کہ یہ باتیں ان کے بلند و بالا مرتبے کو گراتیں عیب دار بناتیں اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام ان باتوں سے منزہ و پاک ہیں۔ بلکہ ان کی اس عصمت و تنزیہہ میں کچھ مباح چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جو پھر اس مباح کے کرنے سے اسم مباح سے نکل کر حرام تک نوبت پہنچتی ہے۔

اور کچھ علماء کا یہ مذہب ہے کہ مکروہات میں قصداً پڑنے سے معصوم ہیں۔ بعض ائمہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے صغائر سے معصوم ہونے پر اس سے دلیل پکڑی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ ان کے افعال کی پیروی اور ان کے نقش قدم کا اتباع اور ان کی خصلتوں' سیرتوں اور عادتوں کا مطلقاً اتباع کیا جائے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے یعنی امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے اصحاب بدون التزام قرینہ شرعیہ کے اور بعض کے نزدیک مطلقاً ہے۔ اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے۔

ابن خویز منداذ اور ابوالفرج رحمہم اللہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں التزام کو واجب نقل کرتے ہیں۔ یہی قول ابہری' ابن قصار رحمہما اللہ اور اکثر مالکیوں کا ہے اور یہ قول اکثر اہل عراق ابن سریج' اصطخری اور ابن خیران رحمہم اللہ شوافع کا ہے اور اکثر شوافع استحباب پر ہیں اور ایک گروہ اباحت کی طرف گیا ہے اور بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ جو امور دینیہ ہیں اور اس سے قربت کا مقصد پایا جائے اس میں اتباع ہے۔

ا۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۱۲ صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۶

اور جو افعال میں اباحت کے قائل ہیں انہوں نے کوئی قید نہیں لگائی اور کہا کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام پر صغائر کو جائز رکھتے ہیں لیکن ان میں ان کے افعال کی پیروی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ آپ کے افعال میں کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں آپ کے مقصد میں تمیز ہو سکے۔ آیا کہ اس میں قربت ہے یا اباحت منع ہے یا گناہ اور یہ صحیح نہیں کہ کسی شخص کو کسی حکم کے بجالانے کا حکم ہو پھر اس میں گناہ بھی ہو۔ خصوصاً اصولیوں کے قواعد کی روشنی میں کیونکہ وہ فعل کو قول پر مقدم رکھتے ہیں جبکہ عمل و فعل میں تعارض واقع ہو۔

ہم اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جس نے صغائر کو جائز رکھا اور جس نے اس کی نفی کی سب اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کسی قولی یا فعلی منکر (برائی) پر کسی کو قائم نہیں رہنے دیتے تھے اور آپ ﷺ کی شان سے یہ ہے کہ آپ ﷺ جب کسی شے کو ملاحظہ فرما لیتے اور اس پر آپ ﷺ خاموش رہتے تو وہ اس کے جواز پر دلیل بن جاتی تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے لئے تو آپ ﷺ کی یہ شان ہو اور خود آپ ﷺ سے منکر (برائی) کا وقوع جائز رکھا جائے۔ اسی بنا پر مکروہات کے مقامات سے آپ ﷺ کی عصمت واجب ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کے افعال کی پیروی کا واجب یا مستحب ہونا فعل مکروہ پر زجر و نہی کے منافی ہے۔ نیز صحابہ کرام کے دین و طریقے سے یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ آپ ﷺ کے تمام افعال کی ایسی ہی پیروی کرتے تھے خواہ وہ کسی جہت سے ہوں یا کسی فن میں ہوں جس طرح کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کی پیروی کرتے تھے۔

بلاشبہ (ایک مرتبہ) جب آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی انگوٹھیاں اتار ڈالیں[1]۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے اپنی کفش مبارک اتاری تو تمام صحابہ نے اپنی جوتیاں اتار دیں[2] اور صحابہ نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رویت کو حجت قرار دیا جبکہ انہوں نے حضور ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے قضائے حاجت کرتے دیکھا[3]۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ نے عبادت و عادت کے بکثرت امور میں حضرت ابن عمر ﷺ کے اس قول کو دلیل و ماخذ قرار دیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور فرمایا:

کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں بتائی کہ فرمایا کہ روزے کی حالت میں تقبیل کرتا ہوں[4]

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بطور دلیل فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے[5]

۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۸ صفحہ ۱۱۲ صحیح مسلم کتاب اللباس جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۶

۲۔ سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ مستدرک کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۶۰

۳۔ صحیح بخاری کتاب الوضو جلد ۱ صفحہ ۳۵ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ جلد ۱ صفحہ ۲۲۵

۴۔ موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۷

۵۔ موطا امام مالک کتاب الصیام صفحہ ۲۳۸-۲۳۷

اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر غصہ فرمایا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو چاہا حلال کر دیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے بڑھ کر اس کی حدود کو جانتا ہوں۔

اس باب میں بکثرت احادیث و آثار ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بحیثیت مجموعی قطعی طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے افعال کی پیروی اور اتباع کیا کرتے تھے۔ اگر وہ اس میں آپ ﷺ کی مخالفت کسی فعل میں جائز سمجھتے تو یہ انتظام نہ ہوتا اور ضرور یہ بھی ان سے منقول ہوتا اور ان سے اس میں ان کی بخششیں ظاہر ہوتی اور یقیناً دوسروں پر ان کے قول و اعتذار پر انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

البتہ انبیاء کرام علیہم السلام سے مباحات جائز الوقوع ہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس پر کوئی برائی نہیں آتی بلکہ مباحات میں وہ اجازت یافتہ ہیں اور ان کے ہاتھ دوسروں کے ہاتھوں کی مانند مباحات پر مسلط ہیں بجز اس کے کہ انہیں کسی رفیع المنزلت مرتبہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہو اور ان کے سینے انوار معرفت سے کشادہ کر دیے گئے ہوں اور وہ خدا اور دار آخرت سے اپنے دلی تعلق کی وجہ سے برگزیدہ کر دیئے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ مباحات کی طرف بھی توجہ نہیں فرماتے مگر اتنا ہی جتنی کہ ان کی ضرورت پوری ہو سکے جس سے کہ ان کو راستہ کے چلنے کی طاقت اور دین کی اصلاح کرنے کی قوت اور دنیاوی ضرورت حاصل ہو جائے اور جو چیز بھی اس راہ میں لے جاتی ہے وہ بھی طاعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وہ قربت و عبادت بن جاتی ہے

جیسا کہ ہم نے شروع کتاب میں اپنے نبی کریم ﷺ کی خصلتوں کے بیان میں ظاہر کیا ہے تو اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہمارے نبی ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر اللہ ﷻ کا کتنا فضل عظیم ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ان کے افعال بھی عبادت اور بندگی میں شامل ہیں جو کہ مخالفت اور معصیت کی راہ سے بہت دور ہیں۔

دسویں فصل

قبلِ اظہارِ نبوت کی عصمت

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام قبل نبوت بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؟ چنانچہ کچھ نے تو اسے محال کہا اور کچھ نے اسے جائز رکھا۔ لیکن درست بات یہی ہے کہ وہ مشیت

الٰہی سے ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہوتے ہیں اور ہر اس برائی سے بھی پاک ہوتے ہیں جو شک کا موجب ہو یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ اس مسئلہ کا تصور بھی محال ہے۔ اس لئے کہ گناہ اور منہیات تو شریعت کے تقرر کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ نزول وحی سے قبل ہمارے نبی کریم ﷺ کے حال میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا آپ ﷺ اس سے پہلے بھی متبع شریعت تھے یا نہیں؟

اس پر ایک جماعت نے کہا کہ آپ ﷺ کسی شے کے متبع نہ تھے یہی قول جمہور کا ہے۔ اس قول کی بنا پر تو معاصی کا وجود ہی نہیں پایا جا سکتا اور اس وقت آپ ﷺ کے لئے یہ معتبر ہی نہ تھے۔ اس لئے کہ احکام شریعت اوامر و نواہی اور تقرر شریعت سے متعلق ہیں۔ پھر اس امر کے قائلین کے دلائل میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ سیف السنۃ جماعہائے امت کے مقتدیٰ قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے باخبر ہونے کے لئے نقل اور بطریق سماعت حدیث کا وارد ہونا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی اور عادتاً اس کا چھپانا ناممکن ہے کیونکہ آپ ﷺ کی روش میں یہ ایک مہتم بالشان اور بڑا معتبر امر تھا اور اس شریعت کے پیروکار اس پر فخر کرتے اور یقیناً وہ لوگ آپ ﷺ پر اس سے حجت لاتے۔ (کہ آپ نے پہلے تو اس شریعت پر عمل کیا اب کیوں اسے چھوڑتے ہیں وغیرہ) لیکن اس باب میں اصلاً کوئی شے مروی ہی نہیں ہے

اور ایک جماعت ممتنع عقلی کی طرف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اس لئے محال عقلی ہے کہ جو متبوع ہو کر مشہور ہو جائے پھر اس کا تابع بننا بہت دور کی چیز ہے ان کی بنیاد حسن و قبح پر ہے اور یہ راستہ سیدھا نہیں ہے۔ اس سے تو بہتر "نقل" سے حجت لانا جیسا کہ قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کا قول گزرا بہت عمدہ اور ظاہر ہے۔

ایک اور جماعت حضور ﷺ کے لئے توقف کی قائل ہے اور اس میں کسی قسم کے قطعی حکم کی آپ ﷺ پر متروک (رخصت ظاہر) کرتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک دونوں وجہوں کو عقل محال نہیں جانتی اور ان کے نزدیک ان دونوں میں کوئی نقل ظاہر نہیں ہوئی۔ یہ مذہب ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

اور ایک تیسرا گروہ کہتا ہے۔ آپ ﷺ پہلی شریعت کے عامل تھے۔ اس کے بعد وہ شریعت کی تعیین میں مختلف ہو گئے۔ آیا آپ کسی خاص شریعت کے پابند تھے یا نہیں؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو شریعت کی تعیین میں توقف اختیار کیا اور کچھ نے دلیری اور جزم کیا اور کچھ لوگوں نے متعین و متقرر کیا۔ پھر یہ تعیین کرنے والے بھی اس پر مختلف ہو گئے کہ آپ ﷺ نے کس کی شریعت کا اتباع کیا چنانچہ کسی

نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کہا۔ یہ خلاصہ ان مذاہب کا ہے جو اس سلسلہ میں ہیں لیکن سب سے زیادہ ظاہر وہ مذہب ہے جس پر قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں یعنی پہلے آپ ﷺ نے کسی متعین شریعت پر عمل نہ فرمایا۔

اور سب سے زیادہ بعید مذہب شریعت کی تعین کرنے والوں کا ہے۔ اس لئے اگر یہ بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ پہلے گزرا اور اصلاً یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ رہتی اور ان کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر الانبیاء (بنی اسرائیل) ہیں تو لازم آتا کہ جو نبی بعد کو آیا اس نے بھی ان کی شریعت کا اتباع کیا ہو جیسا کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عام تھی۔ بلکہ صحیح یہی ہے کہ کسی نبی کی بھی دعوت عام نہ تھی بجز ہمارے نبی ﷺ کی دعوت کے (کیونکہ آپ کی ہی دعوت سارے عالم کے لئے ہے) نیز دوسروں کے لئے یوں بھی حجت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا (پ ۱۴ النحل ۱۲۳) دین ابراہیم کی پیروی کیجئے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور نہ دوسروں کے لئے حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا. تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا۔ (پ ۲۵ الشوریٰ ۱۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اس لئے کہ اس آیت میں اس کا محل یہ ہے کہ ان کا اتباع صرف توحید میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی نام لیا جو مبعوث نہ تھے اور وہ بھی ہیں جن کی کوئی خاص شریعت نہ تھی جیسے کہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام اس قول کے بنا پر جو ان کی رسالت کا قائل نہیں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس جماعت کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی شریعتیں باہم مختلف تھیں۔ جن کا اجتماع ممکن ہی نہیں

لہٰذا اب دلیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ان سب کا مجتمع ہونا توحید و عبادت باری تعالیٰ میں ہی مراد ہے۔ اس کے بعد اب کیا اس شخص پر یہ قول لازم نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ اب ہمارے نبی ﷺ کے سوا کسی نبی کی پیروی لازم نہیں ہے یا وہ اس میں مختلف ہیں۔ لیکن جس نے اتباع کو عقلی طور پر ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا یہ قاعدہ بلا تردد ہر رسول علیہ السلام میں جاری ہوگا اور جو لوگ نقل کی طرف مائل ہوئے ہیں تو اس کے لئے جہاں بھی ایسی صورت پائی گئی وہ اس کا اتباع کرے گا اور جو توقف کے قائل

ہیں وہ اپنی اصل پر ہیں اور جو اتباع کے وجوب کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کسی پہلی شریعت کا اتباع کرتے تھے تو انہوں نے اس کا التزام کیا کہ وہ اپنی دلیل کو ہر نبی علیہ السلام کے لئے جاری کرے۔

گیارھویں فصل

وہ افعال و اعمال جو بلا قصد و ارادہ صادر ہوئے

یہ حکم تو ان مخالفتوں کا ہے جنہیں بالقصد عمل میں لایا جائے جن کا نام معصیت ہے جو تحت تکلیف ہیں لیکن وہ عمل جو بلا قصد و عمد صادر ہوں جیسے وہ معمولات شرعیہ جنہیں شریعت نے مقرر کیا ہے جن کا تعلق خطاب سے نہیں ہے اس میں سہو و نسیان واقع ہو جائے تو ان پر (جب عوام سے) کوئی مواخذہ نہیں ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان پر ترک مواخذہ اور عدم عصیان لازمی ہے۔ اس معاملہ میں وہ امتوں کے ساتھ مساوی حکم میں ہیں۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ امر طریقہ تبلیغ، بیان شریعت، متعلقات احکام اور اس عمل کے ذریعہ تعلیم امت مقصود ہو کہ ان کو دلیل بنا کر ان کی پیروی کی جائے اور دوسرا یہ کہ وہ عمل ان سے خارج ہو اور صرف انبیاء علیہم السلام کی اپنی ذات کے لئے خاص ہو

لیکن اول قسم کا عمل علماء کی جماعت کے نزدیک اس باب میں قولی سہو کا حکم رکھتا ہے حالانکہ پہلے ہم نے بالاتفاق نبی کریم ﷺ کے لئے اس کا محال ہونا اور آپ پر قصداً یا سہواً جواز کی نسبت سے آپ ﷺ کا معصوم ہونا بیان کر دیا ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں اسی زمرۂ قول میں آپ ﷺ کے افعال ہیں جن میں کسی طرح بھی خلاف جائز نہیں ہے۔ خواہ بالقصد ہوں یا بطور سہو۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کے اعمال بھی ادائے تبلیغ کی جہت سے قول کے معنی میں ہیں۔ اب اگر ان عوارض کو آپ کے اعمال پر جاری کر دیا جائے تو یہ شک و شبہ کا باعث اور طعنہ زنی کا موجب بنے گا اور سہوی احادیث میں علماء کرام نے کئی طرح کی تاویلیں کر کے عذر کیا ہے جن کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ اسی طرف ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے

لیکن اکثر فقہاء و متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ بطور سہو بلا قصد افعال بلاغیہ اور احکام شرعیہ میں مخالفت کا صدور آپ ﷺ سے جائز ہے۔ جیسا کہ نمازیں کہ سہو کی حدیثوں سے ثابت ہے اور انہوں نے عمل کے اور اقوال بلاغیہ کے درمیان تفریق کی ہے کیونکہ معجزہ قول کے صدق پر قائم ہے اور قول میں مخالفت اس کے برخلاف ہے لیکن افعال میں سہو کا وقوع وہ اس کے برخلاف نہیں ہے اور نہ وہ

نبوت کے منافی ہے بلکہ افعال میں غلطی اور دل کی غفلت لازمہ بشریت ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں بھی ایک بشر ہی ہوں جو بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ لہٰذا جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔

(سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۷۴ 'صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۲۰۲)

البتہ یہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نسیان و سہو کی حالت طاری ہونا افادہ علم اور بیان شرع کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں خود بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ وہ تمہارے لئے سنت بن جائے بلکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں خود نہیں بھولتا مگر بھلایا جاتا ہوں تا کہ اسے سنت بناؤں[1] اور آپ ﷺ پر ایسی حالت واقع ہونا تو آپ ﷺ کی تبلیغ کی زیادتی اور آپ ﷺ پر اتمام نعمت ہے جو کہ نقص کی نشانیوں اور طعن کی غرضوں سے بہت بعید ہے کیونکہ اس کے جواز کے ماننے والے حضرات بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ بلاشبہ رسول سہو و غلط پر قائم و ثابت نہیں رہتا بلکہ انہیں اس پر فوراً خبردار کر دیا جاتا ہے اور اسی وقت اس کے حکم کی معرفت ہو جاتی ہے۔ یہ بعض کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور دوسرے قول پر کہتے ہیں کہ وصال شریف سے پہلے آگاہ کیے جاتے ہیں۔

لیکن وہ افعال جو طریقہ تبلیغ اور بیان احکام سے متعلق نہیں ہیں مگر وہ آپ کے امور دینیہ اور اذکار قلبیہ کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو آپ ﷺ نے اس لئے نہیں کیا کہ اس میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے تو ایسے امور میں علمائے امت کے اکثر طبقے آپ ﷺ پر سہو غلط' تساہل و تغافل قلبی کے جواز کے قائل ہیں اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اس امر کی تکلیف دی گئی ہے کہ آپ ﷺ مخلوق کے امور امت کی سیاست' اہل خانہ پر شفقت اور اعداء کا لحاظ فرمائیں پھر بھی ایسے امور پے در پے اور متواتر نہیں ہوتے تھے بلکہ شاذ و نادر ہی واقع ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بعض اوقات میرے قلب پر ایسی کیفیت واقع ہوتی ہے کہ میں اللہ ﷻ سے پناہ مانگتا ہوں اور یہ بات ایسی نہیں کہ آپ ﷺ کے مرتبے میں اس سے کوئی کمی واقع ہو اور معجزات کے مخالف ہو اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ کی طرف سہو' نسیان' غفلت' تساہل کی نسبت بھی محال ہے۔ یہی مذہب جماعت صوفیاء اور قلوب و مقامات کے عرفاء کا ہے اور اس بیان میں اور بھی مذاہب ہیں جن کو انشاء اللہ ﷻ بعد میں ذکر کریں گے۔

[1] موطا امام مالک کتاب السہو صفحہ ۹۷

بارھویں فصل

سہوی احادیث پر مکمل بحث

ہم نے اس سے پہلے متعدد فصلوں میں بیان کر دیا ہے کہ سہو سے متعلق جواز و محال کے بارے میں حضور ﷺ کے لئے کیا صورت ہے اور یہ کہ ہمارے نزدیک تمام حدیثوں میں اور تمام دینی ارشادات میں بالکل سہو جائز ہی نہیں ہے اور یہ کہ افعال میں صرف اس حد تک جائز رکھا ہے جس کو ہم نے سلسلہ کلام میں اشارہ کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں جو سہوی حدیث نماز میں مروی ہے وہ تین ہیں۔ پہلی حدیث وہ جوذوالیدین ﷺ کی ہے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا[1] اور دوسری حدیث ابن بُحَینَۃَ کی ہے جس میں آپ نے دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے قیام فرمایا تھا[2] اور تیسری حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے۔ جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھیں۔[3]

یہ تینوں حدیثیں سہو پر مبنی ہیں جو کہ افعال میں واقع ہوا جسے ہم نے بیان کر دیا ہے اور یہ کہ اس میں خدا کی یہ حکمت مضمر تھی اس طرح آپ ﷺ کی سنت ثابت ہو جائے کیونکہ افعال کے ساتھ تبلیغ بہ نسبت قول کے زیادہ روشن اور احتمال کو زیادہ اٹھانے والی ہے۔ پھر بھی یہ شرط ہے کہ آپ کو سہو پر ثبات نہیں رہتا۔ بلکہ فوراً آپ ﷺ کو محسوس ہو جاتا ہے تا کہ اشتباہ جاتا رہے اور حکمت کا فائدہ ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ اس قسم کے نسیان اور سہو کا حضور کے افعال میں واقع ہونا آپ ﷺ کے معجزے کے مخالف اور تصدیق کے منافی نہیں ہے

اور بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہی ہوں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہٰذا جب بھول واقع ہو تو یاد دلا دیا کرو اور فرمایا کہ اللہ ﷻ فلاں شخص پر رحم فرمائے کہ اس نے فلاں فلاں آیت مجھے یاد دلائی جس کو میں نے (سہواً) چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی مروی ہے کہ مجھے وہ بھلا دی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تا کہ میں سنت کر دوں۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۵۹، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۴۰۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب السہو جلد ۲ صفحہ ۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۳۹۹

۳۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ جلد ا صفحہ ۵۷، صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ا صفحہ ۴۰۱

یہ لفظ شک راوی سے ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ میں بذات خود نہیں بھولتا ہوں لیکن بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ سنت بناؤں۔ ابن نافع اور عیسیٰ بن دینار رحمہا اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شک واقع نہیں ہے اور یہ کہ اس کے معنی میں ہی تقسیم ہے یعنی یہ کہ میں خود نہیں بھولتا اور مجھے اللہ ﷻ بھلا دیتا ہے۔

قاضی ابوالولید باجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دونوں ارشادات میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ ہو کہ بیداری میں تو خود بھولتا ہوں اور خواب میں مجھے بھلایا جاتا ہے یا یہ کہ میں بشری طور پر تو بھول جاتا ہوں کیونکہ انسان سے کسی شے کا ذہول اور سہو ہوتا ہی ہے یا یہ کہ اس طرف پوری طرح انہماک اور فارغ بالی کی بناپر بھلایا جاتا ہوں۔ پس آپ نے دونوں نسیان میں سے ایک کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ آپ ﷺ کے لئے اس میں ایک سبب تھا اور دوسرے کی اپنی طرف سے نسبت کے وقوع کی نفی فرمائی کیونکہ اس میں مضطرب کی طرح تھے۔

اور اصحاب معانی وکلام کی ایک جماعت اس حدیث میں اس طرف گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حالت نماز میں جو سہو واقع ہوا وہ آپ ﷺ خود نہیں بھولے تھے کیونکہ نسیان تو ذہول، غفلت اور مصیبت ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ ان تمام حالتوں سے پاک و منزہ ہیں جو سہو لے آتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ نماز کی حرکات وسکنات میں خوب انہماک فرماتے تھے۔ تو یہ نماز میں غایت انہماک کی بناپر ہے نہ کہ غفلت کی وجہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ کے دوسرے قول سے حجت پکڑی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں خود نہیں بھولتا ہوں (بلکہ بھلایا جاتا ہوں)

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ پر یہ تمام باتیں سرے ہی سے محال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ (بظاہر) آپ ﷺ کا یہ سہو تو قصد و عمد کے ساتھ ہوتا تا کہ یہ مسنون بن جائے۔ یہ قول ناپسندیدہ ہے اور اس کے مقاصد متناقض ہیں۔ یہ قول بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک حال میں آپ قصداً ساہی (بھولنے والے) بن جائیں۔ تو ان کے اپنے اس قول میں کوئی وزن نہیں کہ آپ قصداً نسیان کی صورت اختیار کر لیتے تھے تا کہ وہ مسنون ہو جائے۔ اس لئے کہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں خود نہیں بھولتا بھلا دیا جاتا ہوں" بلاشبہ دونوں وصفوں میں سے کوئی ایک وصف ضرور پایا جاتا ہے۔ جس سے تعمد وقصد کے تناقض کی نفی ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ میں بھی بشر ہی ہوں جو تمہاری طرح بھول میں واقع ہوتا ہوں۔ اس پر ہمارے بڑے بڑے ائمہ کرام مائل ہیں اور وہ ابوالمظفر اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس کے سوا کوئی اس تاویل کو قبول نہیں کرتا اور نہ میں ہی اسے مختار جانتا ہوں اور ان دونوں گروہوں کے لئے حضور ﷺ کے اس فرمان میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں خود

نہیں بھولتا ہوں بلکہ مجھے بھلایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بالکل نسیان کی نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس میں صرف لفظ نسیان کی نفی اور اسی لفظ کی کراہت ہے۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں وہ شخص بہت برا ہے جو یہ کہے کہ میں فلاں آیت بھول گیا۔ البتہ میں بھلایا گیا ہوں[1] (یہ کہنا چاہئے) یا یہ بات ہے کہ امر صلوٰۃ میں آپ ﷺ کے قلب اطہر کی طرف سے غفلت اور قلت اہتمام بسبب انہماک تام فی الصلوٰۃ کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بعض حصہ کو اس کے بعض سے سہو فرما گئے۔ جیسا کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر نماز کے ترک کرنے کا واقعہ ہوا یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر گیا اور آپ ﷺ دشمن کی مدافعت میں مشغول رہے[2]۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک امر کی طاعت میں مشغول رہنے کی بنا پر دوسری طاعت میں تاخیر فرما دی۔ ایک قول یہ ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں قضا ہوئی تھیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء[3]۔ اسی سے خوف کی حالت میں تاخیر نماز کے جواز میں دلیل پکڑی گئی ہے جبکہ نماز کو اس کے وقت میں ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہوں یہ شامیوں کا مذہب ہے لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ نماز خوف کا حکم اس کے بعد نازل ہوا لہٰذا یہ حکم پہلی صورت کا ناسخ ہے۔

اب اگر تم یہ کہو کہ وادی (جنگل) کے دن تو نبی کریم ﷺ کے خواب استراحت کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری یہ دونوں آنکھیں سو رہی تھیں مگر میرا دل بیدار تھا[4]۔ تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علماء کرام کے اس باب میں کئی جواب ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ حکم تو بوقت خواب آپ ﷺ کے قلب اطہر اور آپ ﷺ کی چشم ہائے مبارک کا اکثر اوقات کے بارے میں ہے نادر وقت میں آپ ﷺ کا اور حال ہوتا تھا۔ جیسا کہ نادر صورت میں کسی دوسرے سے کوئی عمل خلاف عادت ہو جائے اس تاویل کی تصحیح آپ ﷺ کے فرمان سے ہی نفس حدیث کے ذریعہ ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ کبھی مجھ پر ایسی نیند طاری ہی نہیں ہوئی جیسی کہ اب ہوئی۔ اسی قسم کی باتیں اسی وقت صادر ہوتی ہیں جبکہ اللہ ﷻ کسی امر میں اثبات حکم تاسیس سنت اور اظہار شریعت کے لئے ایسا ارادہ فرمائے جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ضرور ہم بیدار ہو جاتے

۱۔ صحیح بخاری کتاب الشہادات جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۷

۲۔ صحیح بخاری کتاب المواقیت جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ صحیح مسلم کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۲۲۷

۳۔ سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۹۷

۴۔ صحیح بخاری کتاب الوضوء جلد ۱ صفحہ ۲۳

لیکن اس نے تمہارے بعد والوں کے لئے ایسا ارادہ فرمایا۔

دوسرا جواب یہ کہ آپ کے قلب اطہر پر گہری نیند طاری نہیں ہوتی تھی تا کہ آپ پر نیند میں حدیث واقع نہ ہو کیونکہ مروی ہے کہ آپ اس سے محفوظ تھے حالانکہ آپ سو جاتے تھے اور نیند کی آواز بھاری ہو جاتی یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز معلوم ہونے لگتی تھی۔ پھر بیدار ہو کر یونہی نماز پڑھ لیا کرتے اور وضو نہیں کرتے تھے[1] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جس میں اٹھنے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے تو وہ خواب اپنی زوجہ (بیوی) کے ساتھ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات جلد ۸ صفحہ ۵۸، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲۹)

لہٰذا اس سے محض سو جانے سے آپ ﷺ کے وضو کرنے پر حجت نہیں لائی جا سکتی کیونکہ ممکن ہے اپنی زوجہ سے ملامت یا کسی اور حدث کی بنا پر وضو کرتا ہو۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اسی حدیث کے آخری حصہ میں یہ ہے کہ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی سی آواز سنی گئی۔ اس کے بعد اقامت کہی گئی تو آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا قلب اطہر اس لئے نہیں سوتا تھا کہ خواب کی حالت میں وحی ہوتی تھی۔ لہٰذا وادی کے قصہ میں صرف آپ ﷺ کے چشم ہائے مبارک کی نیند سورج کے نہ دیکھنے میں ہے اور یہ قلبی کیفیات میں سے نہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے ہماری روحوں کو قبض فرمالیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت کے سوا (نماز کے وقت) لوٹا دیتا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر آپ کی نیند میں استغراق کی عادت نہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ کیوں فرماتے کہ تم ہماری صبح کا خیال رکھنا۔ تو اس کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ صبح کو اندھیرے میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور جس کی آنکھ سو جائے اس پر اول فجر کی رعایت آسان نہیں ہوتی یہ تو بدیہی بات ہے کہ ظاہری اعضاء سے اس کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اول وقت کی رعایت کی خاطر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہداشت کا حکم فرمایا تا کہ وہ آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دیں۔ جیسا کہ آپ نیند کے سوا میں بھی اگر کسی اور کام میں مشغول ہو جائے تو اس کی رعایت کراتے تھے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کا اس سے منع فرمانے کا کیا مطلب ہے کہ "میں بھول گیا ہوں۔" حالانکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرح بھول جاتا ہوں پس جب بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جس سے میں بھلا دیا گیا تھا۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۲۹، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۵

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کا ایسا کہنے سے منع فرمانا کہ یوں کہا جائے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں تو یہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کی تلاوت قرآن سے منسوخ ہوگئی ہے یعنی اس میں آپ ﷺ کی جانب سے غفلت نہیں ہے لیکن اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس پر مجبور فرمایا تا کہ وہ جو چاہے (لوح قلب سے) محو فرما دے یا جو چاہے باقی و ثابت رکھے اور جو سہو و غفلت آپ ﷺ کی جانب سے ہو تو اس میں یہ صلاحیت ہے کہ یوں کہا جائے میں بھول گیا ہوں (حالانکہ سہو و غفلت آپ ﷺ سے واقع ہوتا ہی نہیں بلکہ اللہ ﷻ کی طرف سے بھلا دیا جاتا ہے۔ مترجم)

اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ سے یہ بات بطریق استحباب وارد ہوتی ہے کہ فعل کو اپنے خالق کی طرف منسوب کریں اور دوسری حدیث میں بطریق جواز ہے کیونکہ اس میں بندے کا عمل ہے اور حضور ﷺ کا تبلیغ شریعت اور بندوں تک پہنچا دینے کے بعد کسی آیت کو چھوڑنا پھر امت کو آپ ﷺ کو یاد لانا یا خود بخود یاد آ جانا جائز ہے بجز اس کے کہ اللہ ﷻ ہی اسے منسوخ کر کے دلوں سے محو فرما دیتے اور اس کے ذکر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ فرما دے۔

بلا شبہ یہ جائز ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی مرتبہ ایسے طریقہ پر بھلا دیے جائیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ ﷻ آپ ﷺ کے پہنچانے سے پہلے ہی اسے جو نظم میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس سے حکم میں خلط ملط نہ ہو اور وہ جو خبر میں خلل نہ ڈالے آپ سے بھلا دے۔ پھر اسے اللہ ﷻ ہی یاد دلا دے اور یہ محال ہے کہ آپ ﷺ اسے ہمیشہ ہی بھول جایا کریں کیونکہ اللہ ﷻ اپنی کتاب (قرآن) کی خود حفاظت فرماتا اور اس کے پہنچانے کی تکلیف نبی کریم ﷺ کو خود دیتا ہے۔

تیرھویں فصل

انبیاء کرام علیہم السلام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں

اس فصل میں ان لوگوں کا رد ہے جو گناہ صغیرہ کو انبیاء علیہم السلام پر جائز بتاتے ہیں اور ان دلیلوں پر بھی بحث کی ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔

واضح ہونا چاہیے کہ جو فقہاء و محدثین اور ان کے متبعین متکلمین میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کا صدور جائز رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس پر قرآن و حدیث کے بکثرت صریح نصوص سے استدلال کیا ہے۔ اگر وہ ظاہر نصوص کا التزام کریں تو اس سے گناہ و کبیرہ اور خرق اجماع تک

نوبت پہنچی ہے جس کا کوئی مسلمان قائل ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ جن نصوص سے استدلال کرتے ہیں اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے اقتضاء میں متعدد احتمالات متقابل ہیں اور ان کے اس التزام کے برخلاف سلف کے بہت سے اقوال وارد ہیں۔ اب جبکہ ان کے مذہب پر اجماع نہیں اور ان کے استدلال پر پرانا اختلاف چلا آتا ہے اور ان کے اس قول کے خطا وغلط پر اور دوسرے قول کی صحت پر دلائل موجود ہوں تو اس کا ترک واجب اور قول صحیح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اب ہم انشاء اللہ ﷻ ان کے دلائل پر بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے استدلات میں سے ایک اس آیات کریمہ میں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (پ ۲۶ الفتح ۲)

تاکہ اللہ آپ کے سبب آپ کے اگلے اور پچھلوں کے گناہ بخشے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط (پ ۲۶ محمد ۱۹)

اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (پ ۳۰ الم نشرح ۲۔۳)

اور تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ ۚ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ. (پ ۱۰ التوبہ ۴۳)

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. (پ ۱۰ الانفال ۶۸)

اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانوں تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۝ (پ ۳۰ عبس ۱۔۲)

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور کچھ ان قصوں میں مروی ہیں جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ ﷻ کا قول ہے:

وَعَصٰی آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی. (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱)
اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ. (پ ۹ الاعراف ۱۹۰)
پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہئے بچہ عطا فرمایا تو انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا. (پ ۸ الاعراف ۲۳)
اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں کہ

سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. (پ ۱۷ الانبیاء ۸۷)
پاکی ہے تجھے بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے:

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ. (پ ۲۳ ص ۲۴)
اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گرا اور رجوع لایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا. (پ ۱۲ یوسف ۲۴)
بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی اس کا ارادہ کرتا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور وہ قصہ جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے مابین واقع ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ○ (پ ۲۰ القصص ۱۵)
پس اس کو موسیٰ نے گھونسہ مارا وہ اس پر مر گیا کہا کہ یہ شیطان کا کام ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضور ﷺ کا اپنی دعا میں یہ الفاظ لانا۔ اے میرے خدا میرے اگلے پچھلے چھپے ظاہر سب گناہ معاف کر دے۔ (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۳۶) اسی قسم کی دیگر آپ ﷺ کی دعائیں ہیں اور حدیث شفاعت میں ہے کہ بروز قیامت انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ذنوب کا ذکر کریں گے اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا

کہ بعض وقت میرے دل کی عجیب حالت ہوتی ہے اس وقت اپنے رب ﷻ سے استغفار کرتا ہوں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں اللہ ﷻ سے استغفار کرتا ہوں اور اس سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں۔" اور اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے فرمایا:

وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ. (پ ۱۲ ھود ۴۷) اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور بیشک اللہ ﷻ نے ان سے کہا تھا کہ

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ج اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ○ (پ ۱۸ المومنون ۲۷) ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈوبائے جائیں گے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ○ (پ ۱۹ الشعراء ۸۲) اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہ

تُبْتُ اِلَیْکَ. (پ ۹ الاعراف ۷) تیری طرف رجوع کرا ہوں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا کہ

لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ. (پ ۲۳ ص ۳۴) بیشک ہم نے حضرت سلیمان کو جانچا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس قسم کی بہت سی ظاہر مثالیں ہیں۔ (اب ان سب کا جواب سنو) لیکن اللہ ﷻ کے اس فرمان سے حجت پکڑنا کہ لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ. (پ ۲۶ الفتح ۲) تو اس کے معنی و تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کا تو یہ قول ہے کہ اس سے قبل نبوت اور بعد نبوت مراد ہے اور کچھ نے یہ کہا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ سے جو لغزشیں واقع ہو گئی ہیں اور وہ جو واقع ہوں گی ان سب کی اللہ ﷻ نے اطلاع دے دی کہ آپ ﷺ بخشے ہوئے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نبوت سے پہلے اور جو بعد کو ہیں آپ ﷺ سب سے معصوم ہیں اسے احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے آپ ﷺ کی امت مراد ہے اور بعض نے کہا: آپ ﷺ کا سہو و غفلت اور تاویل مراد ہے۔ اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختار جانا اور بعض نے یہ کہا کہ "مَا تَقَدَّمَ" (جو پہلے ہوئے) سے مراد آپ کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور وَمَا تَاَخَّرَ (جو پیچھے ہوئے) سے مراد آپ ﷺ کی امت کے گناہ ہیں اسے سمرقندی اور سلمی رحمہما اللہ نے ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا۔ اسی تاویل کے مطابق اللہ ﷻ کے اس قول کی تاویل کی جائے گی کہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. چنانچہ مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضور ﷺ سے خطاب بھی دراصل آپ ﷺ کی امت سے ہی خطاب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرمانے کا حکم دیا کہ آپ فرما دیں:

(تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۵)

مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ط — اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا
(پ۲۶ الاحقاف ۹) اور تمہارے ساتھ کیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اس پر کفار بہت خوش ہوئے۔ تب اللہ ﷻ نے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ. نازل فرمائی اور مومنین کے انجام کے بارے میں دوسری آیت میں اس کے بعد فرمایا۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ لہٰذا آیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر طرح مغفور ہیں اگر کوئی لغزش ہو بھی تب بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ مغفرت سے مراد ہر عیب و نقص سے براءت ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا یہ فرمان کہ

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ. (پ۳۰ الم نشرح ۲) اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ قبل نبوت کی آپ ﷺ کی گزشتہ لغزشیں مراد ہیں۔ یہ قول ابن زید اور حسن رحمہما اللہ کا ہے۔ اسی معنی میں قتادہ ﷺ کا قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نبوت سے پہلے بھی محفوظ و معصوم تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر بوجھل ہو جاتی۔ اسے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور بعض نے کہا کہ کمر توڑنے والے بوجھ سے مراد رسالت کی مشقت ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے ادا فرمایا۔ اسے ماوردی اور سلمی رحمہما اللہ نے بیان کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ سے ایام جاہلیت کے بوجھ کو دور فرما دیا۔ اسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کی خفیہ مشغولیتیں، آپ ﷺ کی حیرتیں اور آپ کی شریعت میں جستجو و طلب کا بوجھ مراد ہے یہاں تک کہ ہم نے شریعت کو آپ ﷺ پر واضح فرما دیا۔ اسی معنی میں قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ پر وہ بوجھ ہلکا کر دیا جو آپ ﷺ کے ذمہ کیا گیا تھا کیونکہ ہم نے اس کی حفاظت کی جس کا آپ ﷺ کو محافظ بنایا گیا تھا اور اَنْقَضَ ظَهْرَکَ (آپ کی کمر کے بوجھل ہونے) کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی کمر بوجھ سے دوہری ہو جائے اور جس نے اس کے معنی نبوت سے پہلے کے کئے ہیں تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے آپ ﷺ کے قبل (اظہار) نبوت وہ امور جن میں آپ پہلے مشغول تھے۔ اب (اظہار) نبوت کے بعد آپ ﷺ پر وہ ممنوع قرار دے دیئے گئے۔ پھر اس کو بوجھ شمار کیا اور آپ ﷺ پر وہ بوجھل ہوئے تو انہیں دور کیا۔ یا ''وضع'' سے مراد اللہ ﷻ کی کفایت و عصمت تمام گناہوں سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقیناً آپ کی کمر ٹوٹ جاتی یا یہ کہ رسالت کا بوجھ مراد ہے یا امور جاہلیت سے جو آپ کا دل بوجھل اور مشغول تھا مراد ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ نے آپ کو مطلع کر دیا کہ جو وحی آپ پر ہوگی اس کی میں حفاظت کروں گا۔ لیکن اللہ ﷻ کا فرمان کہ

عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ. اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن
(پ۱۰ التوبہ ۴۳) دے دیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو یہ تو ایسی بات ہے کہ اس سے قبل اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو کوئی ممانعت فرمائی ہی نہیں تھی جس کو گناہ یا نافرمانی کہا جائے اور نہ اسے اللہ ﷻ نے ہی معصیت شمار فرمایا بلکہ اہل علم نے تو اسے عتاب بھی شمار نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو وہ اس طرف گئے ہیں۔

اور نفطویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس سے مبرا رکھا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کی اجازت دی تھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس کی اجازت دی تھی جس میں کوئی وحی نازل نہ ہو جیسا چاہیں عمل کریں۔ یہ کیونکر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ۔ (پ ۱۸ النور ۶۲) جسے تم چاہو اجازت دے دو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ جب آپ ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تب اللہ ﷻ نے آپ کو مطلع فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کے دل کے بھیدوں سے واقف نہیں۔ اگر آپ ان کو اذن نہ بھی دیتے تب بھی وہ ضرور بیٹھے رہتے اور آپ کو اس پر بھی مطلع فرمایا کہ اب جو کچھ ہو گیا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس آیت میں عَفَا یعنی معافی کے معنی غفر یعنی بخشنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ ویسے ہی معنی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عَفَا اللّٰہُ لَکُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَیْلِ وَالرَّقِیْقِ یعنی گھوڑے اور غلاموں کی زکوٰۃ سے اللہ ﷻ نے تم کو معاف فرما دیا[1]۔ حالانکہ ان پر پہلے سے کوئی فرض نہیں ہوا تھا۔ یعنی تم پر یہ لازم نہیں ہے۔ اسی طرح امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''عفو'' کو صرف اسی معنی میں لینا کہ گناہوں سے ہی معافی ہوتی ہے۔ اسے وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کلام عرب کے محاورات سے نابلد (ناواقف) ہے اور فرمایا: درحقیقت عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روایت یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کی عزت و تکریم ہے۔ مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے کلام کے طریق پر ارشاد فرمایا گیا جیسے یوں کہا کرتے ہیں۔ اَصْلَحَکَ اللّٰہُ ''خدا تمہیں نیکی کی توفیق دے'' یا یہ کہ اَعَزَّکَ یعنی تمہیں عزت بخشے وغیرہ اور فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ عَافَاکَ اللّٰہُ یعنی خدا آپ کو عافیت سے رکھے لیکن بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ آیہ کریمہ کہ

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ط

(پ ۱۰ الانفال ۶۷)

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵، سنن ترمذی کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۷۶، سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵۷

تو اس آیت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت کی جائے بلکہ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ خدا نے آپ کو اس کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کو تمام نبیوں پر اس میں فضیلت عطا فرمائی۔ گویا کہ اللہ ﷻ نے یوں فرمایا کہ آپ کے سوا یہ کسی نبی علیہ السلام پر جائز نہ تھا۔

جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاص میرے ہی لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا حالانکہ پہلے یہ کسی نبی علیہ السلام پر حلال نہ تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے معنی ہیں کہ

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا (پ۱۰ الانفال ۶۷) تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

سو اس میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ ان لوگوں سے خطاب فرمایا گیا جو اسی کو مقصودِ اصلی خیال کرتے تھے اور محض دنیاوی غرض اور اس کی بہتری کے خواستگار تھے اور اس سے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ یقینی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین بدر کے دن بھاگے تھے اور لوگ مال غنیمت لوٹنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول اور خطرات جنگ سے بے پرواہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خوف پیدا ہو گیا کہ ان پر پھر کفار واپس نہ لوٹ پڑیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے فرمایا:

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ. اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا۔

(پ۱۰ الانفال ۶۸) (ترجمہ کنز الایمان)

(تو کفار لوٹ ہی پڑتے) چنانچہ مفسرین کے اس آیت کے معنی میں مختلف قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر میری طرف سے یہ بات نہ گزری ہوتی کہ میں کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دوں گا جب تک کہ انہیں منع نہ کر دوں تو یقیناً تم کو عذاب دیتا۔ سو اس قول کی بنا پر قیدیوں کا معاملہ تو گناہ رہتا ہی نہیں۔ اس کی نفی یہ تفسیر کر رہی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا کہ وہی پہلی کتاب ہے پھر تم نے درگزر کرنے کو واجب کر لیا تو یقیناً تم کو مال غنیمت لینے پر عذاب کیا جاتا۔ اس تفسیری قول اور اس بیان کی مزید وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ اگر تم قرآن پر ایمان نہ رکھتے اور ان لوگوں میں سے ہوتے جن کے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں تو یقیناً تمہیں بھی ویسا ہی عذاب دیا جاتا جیسا ظالموں کو دیا گیا تھا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ بات پہلے سے نہ ہوتی کہ تمہارے لئے یہ مال غنیمت حلال ہے تو لازماً تمہیں سزا دی جاتی یہ تمام تفسیری اقوال گناہ اور معصیت کی نفی کر رہے ہیں اس لئے کہ جو شخص وہ کام کرے جو اس کو حلال ہے تو وہ نافرمان اور گنہگار نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔

(پ ۱۰ الانفال ۶۹) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ اس میں مختار تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت یقینی طور پر مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں بدر کے دن آئے اور کہا کہ آپ کے صحابہ قیدیوں کے بارے میں مختار ہیں چاہے وہ انہیں قتل کریں چاہے وہ فدیہ لے لیں بایں شرط کہ ان میں سے آئندہ سال ان کے برابر قتل کئے جائیں۔ تو انہوں نے فدیہ کو قبول کرتے ہوئے اسے منظور کیا کہ ہم سے قتل کئے جائیں۔

(سنن ترمذی کتاب السیر جلد ۳ صفحہ ۶۳ تحفۃ الاشراف جلد ۷ صفحہ ۴۳۱)

یہ قول اس بات کی صحت پر دلیل ہے کہ جو ہم نے کہا ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا ہے جس کی انہیں اجازت دی گئی ہے لیکن بعض صحابہ نے دو وجہوں میں سے زیادہ کمزور درجہ کی طرف میلان کیا حالانکہ اس کے سوا دوسری وجہ زیادہ درست و صحیح تھی یعنی انہیں جوش و خروش سے قتل کیا جاتا۔ اس پر انہیں عتاب فرمایا گیا اور ان پر ان کے کمزور پہلو کے اختیار کرنے پر واضح کیا گیا اور دوسرے پہلو کی صحت و درستگی بتائی گئی۔ لہٰذا یہ سب نافرمان اور گنہگار نہیں ہوئے۔ اسی طرف طبری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اشارہ ہے۔

لیکن حضور ﷺ کا اس قضیہ میں یہ ارشاد "اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو ہم میں سے بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا" سو یہ بھی اس رائے کی صحت و درستگی کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس شخص کی رائے کی طرف جو اس کے موافق ہو کہ اس میں دین کی عزت اس کے کلمہ کا غلبہ و اظہار اور اس کے دشمن کی ہلاکت و بربادی ہے اور اس طرف بھی مشیر (اشارہ) ہے کہ یہ قضیہ اگر عذاب کو واجب کرنے والا ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے ہی نجات پاتے ہمیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تخصیص و تعیین اس لئے ہے کہ کفار کے قتل کرنے کا مشورہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دیا تھا لیکن اللہ ﷻ نے ان پر عذاب اس قضیہ میں اس لئے مقدر نہیں فرمایا کہ یہ ان کے لئے حلال تھا جیسا کہ گزرا۔

داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اختیار کی یہ روایت ثابت ہی نہیں اگر ثابت ہوتی تو کیونکر یہ گمان کرنا نبی کریم ﷺ پر جائز ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی حکم ایسا جس میں کوئی اشارہ یا صریح دلیل نہیں دیا ہو اور نہ اس میں آپ کی طرف کوئی حکم ہو۔ یقیناً اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اس سے منزہ فرمایا ہے۔

اور قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو اس آیت میں خبر دی ہے کہ آپ کی تاویل مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کی فرضیت کے موافق ہے۔ بلاشبہ اس سے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس لشکر میں جس میں کہ ابن حضرمی رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تھے تو حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے فدیہ لیا گیا تھا[1]۔ اس وقت تو اللہ ﷻ نے ان پر عتاب نہیں فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ واقعہ بدر کے سال سے پہلے ہوا۔

لہٰذا یہ تمام باتیں اس کی دلیل ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فعل آپ ﷺ کی تاویل اور اپنی بصیرت کی بنا پر تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو اس وقت اللہ ﷻ نے ان پر انکار نہیں کیا لیکن اللہ ﷻ نے بدر کے معاملہ کو بڑا بنایا چونکہ اس میں قیدی بہت زیادہ تھے اور اللہ ﷻ ہی اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید زیادہ جانتا ہے ان کی تعریف لوح محفوظ میں مرقوم ہے کہ ان کے لئے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہے۔ اس میں کوئی عتاب' انکار اور گناہ نہیں ہے۔ یہ اس کے کلام کا مفہوم و مراد ہے۔

لیکن اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۝ (پ ۳۰ عبس ۱) تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس میں بھی حضور ﷺ کے لئے معصیت کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس میں تو اللہ ﷻ خبر دے رہا ہے کہ آپ کا جو مقابل ہے وہ تو ان میں سے ہے جو کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ ﷺ پر اصل حال منکشف کر دیا جاتا تو آپ ﷺ بطریق اولیٰ ان دونوں مردوں میں سے نابینا کی طرف توجہ فرماتے۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم ﷺ نے اس کافر کی طرف رخ انور پھیر کر پوری توجہ فرمائی تو یہ اللہ ﷻ کی طاعت احکام الٰہی کی تبلیغ اور کافر کی تالیف قلب کے لئے تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ پر اللہ ﷻ نے مشروع فرمایا تو یہ کوئی معصیت اور اس کی مخالفت نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے جو بات بیان فرمائی ہے وہ تو دو مردوں کی حالت کا اظہار اور آپ ﷺ کے سامنے کافر کی توہین کرنا اور کافر سے پہلوتہی کرنا مقصود تھی۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے خود ہی فرمایا:۔

وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ۝ تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔

(پ ۳۰ عبس ۷) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ایک قول یہ ہے کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی سے وہ کافر مراد ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا اسے ابوتمام (صاحب دیوان حماسہ) نے بیان کیا۔

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۷

لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ

فَاَكَلَا مِنْهَا۔ ان دونوں نے اس میں سے کھالیا۔

(پ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) (ترجمہ کنز الایمان)

بعد اس کے کہ یہ فرمادیا تھا کہ

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ مگر اس پیڑ کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والے ہوجاؤ گے۔

(پ۱ البقرہ ۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ. کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا۔

(پ۸ الاعراف ۲۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ کا "معصیت" صاف طور پر فرمانا کہ

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى○ اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

(پ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) (ترجمہ کنز الایمان)

ایک قول یہ کہ اس نے خطا کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کو بیان فرمایا کہ

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا○ بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

(پ۱۶ طٰہٰ ۱۱۵) (ترجمہ کنز الایمان)

ابن زید رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام ابلیس کی عداوت کو جو وہ آپ کے ساتھ رکھتا تھا اور اس عہد کو بھول گئے جو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے اپنے اس قول کے بارے میں لیا تھا۔

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ. بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے۔

(پ۱۶ طٰہٰ ۱۱۷) (ترجمہ کنز الایمان)

ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اس عہد و دشمنی شیطان کو بایں سبب بھول گئے جو اس نے ان دونوں کو دھوکا دیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان کو اسی لئے انسان کہا جاتا ہے کہ اس سے جو عہد لیا گیا تھا وہ اسے بھول گیا تھا[1] اور ایک قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے حلال جان کر اس کی

[1] تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۶۰۳ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۱۵

مخالفت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو شیطان کی قسم سے دھوکا ہوا کہ اس نے بقسم کہا کہ ”میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔“ انہیں یہ گمان ہو گیا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ عذر بعض آثار میں بھی مروی ہے اور ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیطان نے ان دونوں سے خدا کی قسم کھائی یہاں تک ان دونوں کو دھوکا دے دیا اور مومن (صادق الایمان) دھوکے میں آ ہی جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کا نسیان تھا مخالفت کی نیت نہ تھی۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا. (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۱۵) اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اکثر مفسرین اسی پر ہیں اس جگہ عزم کے معنی حزم وصبر کے ہیں۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اس کے کھاتے وقت نشہ میں تھے اس میں ضعف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نشہ میں نہیں لاتی۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ علیہ السلام سے بھول ہو گئی تھی اور بھول معصیت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آپ علیہ السلام پر غلطی سے یہ امر مشتبہ ہو جائے جب بھی معصیت نہیں کیونکہ بھولنے والا اور سہو میں مبتلا ہونے والا حکم تکلیف سے بالاتفاق نکل جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ امر نبوت سے پہلے ہوا ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی ○

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱۔۱۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجتبا اور ہدایت کو ”عصیان“ کے بعد ذکر فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے تاویلاً کھایا کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ وہی درخت ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی تاویل یہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تو ایک مخصوص درخت کی ممانعت فرمائی ہے نہ کہ جنس درخت کی۔ اسی لئے کہ کہا گیا کہ توبہ ترک تحفظ سے تھی نہ کہ مخالفت و نافرمانی سے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعت اس قسم کی نہیں تھی جس سے حرام ہو جانا پایا جائے۔

اب اگر یوں کہا جائے کہ بہرحال اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ اور آدم سے اپنے رب کے حکم بارے لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۱) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى. اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔ (پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۲) (ترجمہ کنز الایمان)

اور یہ حدیث شفاعت میں ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یاد کرینگے اور کہیں گے کہ مجھے درخت کے کھانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی مگر میں نے نافرمانی کی۔

اس جیسے دیگر اعتراضات کا جواب مجملاً آخر فصل میں انشاءاللہ ﷻ آئے گا۔

جبکہ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا کچھ حصہ تو ابھی گزر چکا ہے اور اس قصۂ یونس علیہ السلام میں بھی گناہ کی کوئی صراحت نہیں ہے اس واقعہ میں تو صرف یہ ہے کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور ناراض ہو کر چلے گئے ہم اس پر بھی بحث کر چکے ہیں۔

اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ نے ان پر اپنی قوم سے خروج کی بنا پر کہ ان پر عذاب اترے گا ناراضگی فرمائی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جب اللہ ﷻ نے ان سے عذاب کا وعدہ فرما کر اللہ ﷻ نے انہیں معاف کر دیا تب کہا کہ خدا کی قسم میں جھوٹا بن کر کبھی ان سے نہ ملوں گا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے کو قتل کر دیا کرتے تھے یوں وہ خوفزدہ ہو گئے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بار رسالت کے اٹھانے سے کمزور ہو گئے۔

بلاشبہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ ان تمام باتوں میں کوئی اس کی صراحت نہیں کہ انہوں نے معصیت کی۔ بجز اس قول کے جو ناپسندیدہ ہے۔ اور اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے کہ

اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ جب وہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔

(پ ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۴۰) (ترجمہ کنز الایمان)

تو مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ دور ہو گئے۔ لیکن اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ (پ ۱۷ الانبیاء ۸۷) (ترجمہ کنز الایمان)

تو ظلم کی تعریف تو "وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ" یعنی کسی چیز کو اس کے غیر محل میں

رکھ دیتا ہے۔ تو اب ان کا اپنے گناہ کا اقرار کرنا بعض کے نزدیک تو یہ ہے کہ یا تو اس وجہ میں کہ وہ اپنے رب ﷻ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکلے تھے یا بایں وجہ کہ وہ بار رسالت کے تحمل کی برداشت نہ رکھتے تھے یا یوں کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا مانگی تھی۔ (اور وہ معاف کر دیا گیا تھا) حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا مانگی تھی مگر اس پر تو مواخذہ نہیں ہوا تھا۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ کہ انہوں نے ظلم کی نسبت اپنے رب ﷻ کی طرف کرنے سے خود کو منزہ رکھا اور اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت کر کے اقرار کیا اور خود اس کو (نفس) اس کا مستحق جانا۔ اسی طرح حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا یہ قول ہے کہ

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا. اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ برا کیا۔

(پ۸ الاعراف ۲۳) (ترجمہ کنزالایمان)

اس لئے کہ یہ دونوں جہاں اتارے گئے تھے اس کے غیر موضع پر پڑنے اور جنت سے نکلنے اور زمین پر اترنے کا سبب بنے تھے۔

جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس قصہ کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے جسے اہل کتاب کے ان مورخین نے لکھا ہے جنہوں نے تغیر و تبدل کیا ہے اور اسے ان سے مفسرین نے نقل کر لیا ہے۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے اس پر کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں آیا ہے اور وہ جسے اللہ ﷻ نے صراحت سے بیان فرمایا وہ تو صرف یہ ہے کہ

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

اب داؤد سمجھا کہ ہم نے اس کی جانچ کی تھی تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑا اور رجوع لایا تو ہم نے اسے پھر معاف فرمایا بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

(پ۲۳ ص ۲۵-۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور اس کا یہ فرمان کہ فِیْهِ اَوَّابٌ یعنی وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے پس فَتَنّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمایا اور اَوَّاب کے معنی میں قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ مطیع ہے۔ یہ تفسیر بہت بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص سے اس سے زیادہ نہیں فرمایا کہ میری خاطر اپنی بیوی سے جدا ہو یا اسے میرے ذمہ کر دے اس پر اللہ ﷻ نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آگاہ کیا کہ تم دنیا میں مشغول نہ ہو اس معاملہ میں یہی بات

زیادہ مناسب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پیغام دے دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ دل سے اسے پسند کیا کہ وہ حاضر ہو اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا آپ نے جس گناہ سے استغفار کی وہ دو شخصوں کا جھگڑا تھا (آپ نے فرمایا) کہ اس نے تم پر ظلم کیا تو انہوں نے مقابل کے قول سے ہی ظالم بنایا۔ ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے استغفار کی کہ انہوں نے اپنی جان سے خوف کھایا اور آزمائش کا گمان کیا کہ انہیں ملک اور دنیا دی گئی۔

اور وہ جو کچھ مؤرخین نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اس کی نفی میں احمد بن نصر اور ابوتمام رحمہما اللہ وغیرہ محققین گئے ہیں۔ چنانچہ داؤدی رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کے قصہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے اور کسی نبی سے ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محبت کی خاطر کسی مسلمان کو قتل کرا دیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان دو شخصوں کا جھگڑا آپ علیہ السلام سے بکریوں کے بچوں کے بارے میں تھا ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا قصہ! تو اس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اب رہے ان کے بھائی تو ان کی نبوت ہی کب ثابت ہے جس کی وجہ سے ان کے افعال پر بحث کریں اور قرآن کریم میں اسباط (اولاد) کا ذکر کرنا اور انہیں انبیاء میں شمار کرنا سو اس بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے وہ نبی مراد ہیں جو ان کی اولاد میں ہوئے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ وہ فعل کیا تھا تو اس وقت ان کی عمریں چھوٹی تھیں اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ.	کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے۔
(پ ۱۲ یوسف ۱۲)	(ترجمہ کنزالایمان)

لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ	بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔
(پ ۱۲ یوسف ۲۴)	(ترجمہ کنزالایمان)

تو اس میں بھی اکثر فقہاء و محدثین کا یہ مذہب ہے کہ نفس کی خواہش پر مواخذہ نہیں ہوتا اور نہ یہ گناہ ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ

کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے[1] تو معلوم ہوا کہ صرف نفس کی خواہش پر گناہ نہیں ہے لیکن فقہاء محققین اور متکلمین کے مذہب کے نزدیک جب قصد پر نفس کا مصمم ارادہ ہو جائے تو وہ گناہ ہے اور جس پر اس کا نفس پختہ نہ ہو تو وہ معاف ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

لہٰذا ان شاء اللہ عزوجل حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ اسی قبیل سے ہوگا اور فرمان الٰہی کہ

مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ. اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔

(پ۱۳ یوسف ۵۳) (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی میں اپنے نفس کی اس ارادے سے برأت نہیں کرتا یا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے بطریق تواضع فرمایا ہو جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں نفس کی مخالفت کرتا ہوں کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے پاک و منزہ تھا اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ارادہ کیا ہی نہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَلَوۡ لَآ اَنۡ رَّاٰی بُرۡهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا ''زلیخا نے ان کی طرف قصد کیا اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی دلیل نہ دیکھتے تو ضرور اس کی طرف قصد فرماتے'' کیونکہ اللہ عزوجل نے زلیخا کے لئے فرمایا کہ

وَلَقَدۡ رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچایا۔

(پ۱۲ یوسف ۳۲) (ترجمہ کنز الایمان)

نیز فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

(پ۱۲ یوسف ۲۴)

اور فرمایا:

وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَ قَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ ؕ اور دروازے سب بند کر دیئے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں کہا اللہ کی پناہ وہ عزیز تو میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔

(پ۱۲ یوسف ۲۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اور رَبِّیۡ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے اللہ عزوجل مراد ہے اور ایک قول یہ کہ بادشاہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ هَمَّ بِهَا اس نے ارادہ کیا یعنی زلیخا کو تنبیہ کرنے کا قصد کیا ہے اور اسے نصیحت کی اور ایک قول یہ ہے کہ هَمَّ بِهَا کے یہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو اس سے باز رہنے میں غمزدہ

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۱۱۷

کر دیا اور ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام نے اس کی جانب (غصے) دیکھا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے دھکا دے کر دور کر دیا اور بعض نے کہا کہ یہ تمام قصہ آپ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ عورتیں ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مائل بشہوت ہوتی ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا فرما کر اس کی ہیبت ڈال دی پھر ہیبت نبوت نے ہر دیکھنے والے کو ان کے حسن و جمال سے غافل کر دیا۔

اب رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مقتول کا قصہ جسے انہوں نے مکا مارا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ آپ علیہ السلام کا دشمن تھا۔ سو ایک قول تو یہ ہے کہ فرعونی دین پر قائم ایک قبطی تھا۔ پوری سورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا ہے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہوں نے عصا سے پیٹا تھا اور جان سے مار ڈالنے کا قصد نہ تھا۔ اس بنا پر تو اس میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔

(پ۲۰ القصص ۱۵) (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْلِىْ. میں نے اپنی جان پر زیادتی کی۔

(پ۲۰ القصص ۱۶) (ترجمہ کنز الایمان)

اس کی تفسیر میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ کسی نبی علیہ السلام کو سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بلا حکم قتل کر دے اور نقاشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ارادۂ قتل سے انہوں نے قصداً قتل نہیں کیا۔ انہوں نے مکا اس لئے مارا کہ اس کے ظلم کو کے سے دور کر دیں اور کہا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے اور یہی اقتضاء تلاوت ہے۔ اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۝ (پ۱۶ طٰہٰ ۴۰) اور تجھے خوب جانچ لیا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی ابتلا کے بعد دوبارہ ابتلا میں ڈالا اور ایک قول یہ ہے۔ اس قصہ میں وہ مراد ہے جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈالنا وغیرہ مراد ہے اور ایک قول یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو خوب خالص کر دیا۔ اسے ابن جبیر اور مجاہد رضی اللہ عنہما نے کہا اور یہ اس محاورۂ عرب پر مبنی ہے کہ فَتَنْتَ الْفِضَّةَ فِى النَّارِ اِذَا خَلَّصْتَهَا یعنی چاندی کو آگ میں ڈال کر صاف کر لیا جبکہ وہ خوب صاف ہو جائے دراصل فتنہ کے معنی ہی آزمائش اور شئی پوشیدہ کے

ا۔ صحیح بخاری کتاب الفضائل جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۲

اظہار کے ہیں۔سوائے اس جگہ کے جہاں عرف شریعت، میں اختیار میں کسی ناپسند و مکروہ معنی میں بولا گیا ہو۔

اسی طرح صحیح حدیث میں یہ ہے کہ ملک الموت علیہ السلام ان کے پاس جب آئے تو طمانچہ مارا اوران کی آنکھ گدھی پر چلی گئی۔اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعدی یا کوئی فعل غیر واجب ثابت ہوتا ہو۔کیونکہ یہ ایک ظاہر اور کھلی بات ہے جو عقلاً بھی جائز ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ان سے مدافعت کی ہے جو ان کی جان لینے آئے تھے اور یقیناً وہ آدمی کی صورت میں آئے تھے۔اس وقت علم کی کوئی ایسی صورت ہی نہ تھی کہ وہ جان لیتے کہ وہ ملک الموت علیہ السلام ہے انہوں نے اپنی پوری پوری مدافعت اس طرح پر کی ہو کہ اس سے اس صورت کی آنکھ پھوٹ گئی ہو جس صورت میں وہ ان کے لئے خدا کی طرف سے ظاہر ہوئے تھے۔اس کے بعد جب دوبارہ وہ آئے اور اللہ عزوجل نے انہیں علم دیا کہ یہ اس کا قاصد ہے تب انہوں نے سر جھکا دیا۔

اس حدیث کے علماء متقدمین و متاخرین نے کئی جواب دیئے ہیں جس میں میرے نزدیک یہ جواب سب سے زیادہ بہتر ہے۔اور یہ جواب ہمارے شیخ امام ابو عبداللہ ماوردی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔

اور متقدمین میں سے ابن عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے طمانچہ مارنے اور آنکھ باہر آجانے کی یہ تاویل کی ہے وہ اس پر حجت میں غالب آگئے اور انہوں نے اس کی دلیل کی آنکھ پھوڑ دی۔اس قسم کا کلام اس باب میں لغت اور محاورہ عرب میں منقول ہے۔

اب رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے آزمائش میں ڈالا اور یہ ان کی آزمائش تھی اور وہ روایتیں جنہیں مفسرین نے ان کے گناہ میں بیان کیا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ. (پ ۲۳ ص ۳۴) بے شک ہم نے سلیمان کو جانچا (ترجمہ کنزالایمان)

تو اس کے معنی یہ ہیں ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور ان کا امتحان یہ تھا جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں آج کی رات سو عورتوں یا ننانوے عورتوں پر گشت کروں گا اور ان سب سے ایک ایک سوار پیدا ہوگا جو اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرے گا۔

اس پر ان کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ آپ انشاء اللہ عزوجل بھی فرمائیے۔تو انہوں نے یہ نہ کہا جس پر صرف ایک ہی عورت حاملہ ہوئی اور وہ بھی نصف بچہ پیدا ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر

وہ انشاء اللہ ﷻ کہہ دیتے تو یقیناً وہ سب پیدا ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتے۔

اصحاب معانی نے کہا کہ حدیث میں جو لفظ شق وارد ہے اس سے وہ دھڑ مراد ہے جو کرسی پر ڈال کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا تا کہ معلوم ہو جائے یہ ان کی عقوبت ومحنت کا ثمرہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ وہ مر گیا تھا اور اسے مردہ کرسی پر ڈال کر پیش کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اس پر حرص وتمنا کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غلبہ حرص وتمنا میں انشاء اللہ ﷻ نہ کہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی عقوبت یہ تھی کہ ان کا ملک مسلوب ہوا اور ان کا گناہ یہ کہ انہوں نے دل میں یہ چاہا کہ ان کے سسرال کا حق ان کے دشمنوں پر ثابت ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کے گناہ پر مواخذہ کیا گیا تھا۔

اور یہ بات صحیح نہیں جسے بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر ان کے ملک پر مسلط ہو گیا تھا اور ان کی امت پر ظلم وستم کا حکم کرنے لگا تھا[1] کیونکہ ایسے امور پر شیاطین کو قدرت نہیں دی جاتی اور نیز انبیاء کرام علیہم السلام ایسے امور سے معصوم رکھے جاتے ہیں۔

اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قصہ مذکورہ میں انشاء اللہ ﷻ کیوں نہ کہا تو اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک وہ کہ جو حدیث صحیح میں مروی ہے کہ وہ کہنا بھول گئے تھے تا کہ اللہ کی مراد پوری ہو جاتی اور دوسرا یہ کہ انہوں نے اپنے مصاحب کی آواز سنی ہی نہیں کیونکہ کسی اور طرف مشغول ہو گئے تھے۔

اور ارشاد کہ

وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ. اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (پ۲۳ ص ۳۵) (ترجمہ کنز الایمان)

تو یہ سوال دنیا طلبی اور اسی سے رغبت کی بنا پر نہ تھا لیکن ان کا اس سے مقصد وہ تھا جسے مفسرین نے بیان کیا کہ اس پر کوئی غلبہ نہ پا سکے جیسا کہ اس ملک پر وہ شیطان مسلط کر دیا گیا تھا جس نے زمانہ امتحان میں آپ سے (ملک) چھین لیا تھا۔ اس قول کی بنا پر جو اس کا قائل ہو اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ انہوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ ﷻ کی جانب سے کوئی ایسی فضیلت اور خصوصیت عطا ہو جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ دیگر انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو بعض خصوصیتیں مرحمت فرمائی گئی ہیں اور یہ خصوصیت ان کی نبوت کی دلیل اور حجت سے ہو۔

مثلاً آپ کے والد ماجد کے ہاتھ پر لوہے کا نرم ہو جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۷ صفحہ ۱۷۹

مردوں کا زندہ کرنا اور حضور ﷺ کو شفاعت عظمیٰ سے مخصوص فرمانا وغیرہ فضائل وخصائص ہیں۔

اب رہا حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ! تو اس کا عذر تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس میں تاویل اور ظاہر لفظ کے ساتھ تمسک کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ

اَہْلَکَ۔ (پ ۱۲ ھود ۴۶) وہ تمہارا اہل ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تو وہ مقتضائے لفظ کے طالب اور اس سے شے کے علم کے خواہاں ہوئے جو ان سے مخفی تھا نہ یہ کہ انہوں نے وعدۂ الٰہی میں شک کیا تھا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ان پر ظاہر فرما دیا کہ یہ تمہاری اس اہل میں سے نہیں ہے جس کی نجات کا وعدہ فرمایا تھا کیونکہ وہ کافر ہے اور اس کے اعمال غیر صالح ہیں اور یقیناً اللہ عزوجل نے ان کو آگاہ فرما دیا تھا کہ وہ ظالموں کو ڈبونے والا ہے اور مخاطبت سے آپ کو روک دیا کہ وہ اس تاویل سے تمسک نہ کریں اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جو انہوں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی قوم کے لئے اس اقدام کے بارے میں سوال کیا جس کی انہیں اجازت نہ تھی

اور نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے بیٹے کے کفر سے لاعلم تھے اور آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی معصیت پر مقتضی نہیں ہیں بجز اس کے جو ہم نے ان کی تاویل اور اقدامِ سوال بلا اذن کی صورت میں بیان کیا اور یہ ممنوع نہ تھا۔

اب رہی وہ صحیح حدیث جس میں ہے کہ کسی نبی کے چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی آبادی ہی کو جلا دیا تھا[1]۔ اس پر ان کی طرف اللہ عزوجل نے وحی فرمائی کہ ایک چیونٹی نے کاٹا تھا مگر تم نے اس کے بدلے میں پوری ایسی جماعت کو جلا دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

سو اس حدیث میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے معصیت ثابت ہو بلکہ انہوں نے وہ کام کیا جو ان کی مصلحت وصواب کا اقتضاء تھا کہ ایسی ایذا رساں جنس ہی کو مار دیا جائے جو اس سے باز رکھے جسے اللہ عزوجل نے مباح کیا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے نیچے پڑاؤ کئے تھے پس جب چیونٹی نے اسے کاٹا تو انہوں نے دوبارہ کاٹنے کے خوف سے اسے مسل دیا حالانکہ اللہ عزوجل کی ایسی کوئی وحی نہیں ہے جس میں یہ معصیت ہو بلکہ صبر و برداشت اور موانعات کو چھوڑنا مستحب ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ. (پ ۱۴ النحل ۱۲۶) اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر (ترجمہ کنزالایمان)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۹، صحیح مسلم کتاب السلوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۹، سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۴۱۸، سنن ابن ماجہ کتاب الصید جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۵

لہٰذا ان کا فعل ظاہر بات ہے اسی وجہ سے ہے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق ایذا پہنچاتی ہے۔ (زیادہ سے زیادہ) انہوں نے یہ کیا کہ اپنی جان کا بدلہ لیا اور اس مضرت کو دور کیا جو بقیہ چیونٹیوں سے جو وہاں موجود تھیں خطرہ تھا تو اس بارے میں کہیں بھی ایسا کوئی حکم نہیں جس سے پہلے منع کیا گیا اور اب اس کے کرنے سے معصیت اور نافرمانی ٹھہرے اور نہ اس بارے میں اللہ ﷻ نے کوئی وحی صراحت سے نازل فرمائی اور نہ ان سے توبہ و استغفار مروی ہے (واللہ اعلم) اب اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا کیا معنی نہیں کہ فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یا وہ گناہ کے قریب نہ گیا بجز حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے۔'' یا جو بھی کچھ آپ نے فرمایا ہو[1]۔ تو اس کا وہی جواب ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو گناہ واقع ہوئے ہیں وہ سہو اور مشغولیت کی بنا پر صادر ہوئے۔

چودہویں فصل

دفع اشکال از عصیان انبیاء کرام علیہم السلام

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم انبیاء علیہم السلام ان ذنوب و معاصی کی نفی کر دی جن میں مختلف مفسرین اور محققین کی متعدد تاویلوں میں بیان کیا ہے تو اب اللہ ﷻ کے فرمان وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ اور وہ امور جو بار بار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں انبیاء کرام علیہم السلام سے ذنوب' توبہ' استغفار' گریہ و زاری وغیرہ میں منقول ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ وہ ان کا اعتراف کرتے رہے اور ڈرتے رہے کیا کوئی بے گناہ بھی ڈرتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے؟

تو ان کا جواب تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ رفیع اور بلند معرفت الٰہی اور سنت بندگان خدا پر فائز اور اللہ ﷻ کی عظمت و ہیبت اور اس کی مضبوط گرفت و طاقت کا عرفان وہ ان کو اس امر میں خوف و خشیت الٰہی اور اندیشۂ گرفت باری تعالیٰ برانگیختہ کرتا رہتا تھا حالانکہ وہ امور ایسے ہوتے تھے کہ غیر انبیاء سے مواخذہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

انبیاء کرام کا تو حال یہ تھا کہ وہ ان امور میں بھی خوفزدہ رہتے تھے جن میں نہ کوئی ممانعت تھی اور نہ انہیں ان کا حکم دیا گیا تھا لیکن پھر بھی ان پر وہ ماخوذ معاتب ہوئے اور انہیں مواخذے سے خوفزدہ کیا گیا حالانکہ یہ انبیاء کرام ان امور کے یا تو بوجہ تاویل یا سہو یا بر سبیل زیادتی طلب مباح امور

---

[1] مسند امام احمد جلد ا صفحہ ۲۹۲۔۲۵۴۔ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۰۹

دنیاوی کے مرتکب ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی خائف ولرزاں رہتے تھے اور یہ گناہ بھی ان کے مرتبہ عالیہ کی نسبت سے ہے اور ان کے کمال طاعت کے لحاظ سے وہ معاصی ہیں نہ یہ کہ وہ دوسروں کے گناہ کی طرح گناہ اور معاصی ہیں۔

اس لئے کہ گناہ دنائت اور رذالت سے ماخوذ ہے اور اسی سے یہ کہ ذَنْبُ کُلِّ شَیْئٍ یعنی ہر شی کی ذنب یعنی آخر اور لوگوں کے اذناب ان کی رذالت ہے گویا کہ یہ لوگوں کے ادنیٰ افعال اور ان کے برے احوال ہیں تا کہ انبیاء علیہم السلام ان کی تطہیر کریں اور انہیں ستھرا بنائیں اور خود انبیاء علیہم السلام کی باطنی اور ظاہری حالت عمل صالح، کلمہ طیب، ذکر ظاہر وخفی اور خشیت الٰہی سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے۔ ان کی خشیت الٰہی باطن وظاہر میں بڑھتی رہتی ہے اور ان کے سوا دوسرے لوگ کبائر، قبائح اور خواہش سے آلودہ رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں اور گناہ بہ نسبت دوسرے کے نیکیاں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مقولہ ہے کہ

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ. یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

یعنی اپنی علومرتبت کے لحاظ سے وہ گناہوں کی مثل ہیں۔ اسی طرح عصیان وترک مخالفت کا حال ہے۔ لہٰذا باعتبار الفاظ وہ کسی طرح کا سہو یا تاویل ہو ان کے حق میں مخالفت اور ترک ہے اور اللہ ﷻ کا ارشاد "فَغَوٰی" سو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے بے خبر ہو گئے کہ یہ وہی درخت ہے جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور غَیٌّ کے معنی جہل کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ دائمی رہائش کی طلب میں انہوں نے خطا کی۔ جب انہوں نے کھالیا تو ان کی آرزوئیں رائیگاں گئیں۔

اور یہی صورت حال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بیشک اس قول میں ان سے مواخذہ کیا گیا جو انہوں نے قید خانہ میں اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ

اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ. (پ ۱۲ یوسف ۴۲)

اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ) کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس جیل خانہ میں رہا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ایک قول یہ کہ یوسف علیہ السلام کو ذکر الٰہی سے بھلا دیا گیا اور ایک قول یہ کہ ان کے ساتھی کو بھلا دیا گیا کہ وہ اپنے بادشاہ کے سامنے ان کا تذکرہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات نہ کہتے تو وہ اتنے عرصہ قید خانے

میں بند رہے۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۴۱)

ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو ان سے کہا گیا کہ تم نے میرے سوا دوسرے کو وکیل بنایا تو اب ضرور تمہاری مدت قید کو دراز کروں گا۔

اس وقت انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب بلاؤں کے اژدحام نے میرے قلب کو بھلا دیا۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۴۱)

اور بعض علماء نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام سے ایک ذرہ بھر لغزش پر بھی گرفت ہو جاتی تھی کیونکہ خدا کی بارگاہ میں ان کی بڑی منزلت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باوجود ان سے کئی گنا زیادہ بے ادبی ہونے کے درگزر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی

اور اس پہلے گروہ نے جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ان کے سہو ونسیان پر بھی مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے اور یہ کہ ان کی حالت بہت بلند و بالا ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا حال دوسروں سے برا ہے؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ ہم نے یہ تو ثابت نہیں کیا کہ ان پر مواخذہ دوسروں کے برابر ہوتا ہے۔ بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسی باتوں کا ان پر مواخذہ کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ان کے درجات اور زیادہ بڑھیں اور اس لئے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تا کہ ان کے مرتبے اور بلند ہوں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ — پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔

(پ ۱۶ طٰہٰ ۱۲۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ — تو ہم نے اسے معاف فرمایا۔

(پ ۲۳ ص ۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تُبْتُ اِلَيْكَ میں تیری طرف رجوع لایا تب اللہ ﷻ نے فرمایا:

اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ. — میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا۔

(پ ۹ الاعراف ۱۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش اور رجوع کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ (الی) حُسْنَ مَآبٍ۔ تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کر دی۔

(پ ۲۳ ص ۳۶) (ترجمہ کنزالایمان)

اور بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں ظاہر میں تو لغزشیں ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان کی کرامتیں اور قرب ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا نیز یہ کہ ان کے سوا دوسرے انسانوں کو یا ان لوگوں کو جو ان کے درجے میں نہیں ہیں (اولیاء و متقین) ہوشیار کیا جاتا ہے کہ ایسی باتوں پر بھی ان سے مواخذہ ہوتا ہے چاہیے کہ وہ بھی ڈرتے رہیں اور حساب و کتاب پر اعتقاد رکھیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہمیشہ شکر بجا لاتے رہیں اور سختیوں پر جبکہ ایسے بلند و بالا منصب والوں پر جو کہ معصوم ہیں شدائد واقع ہوتی ہیں تو وہ بھی صبر کرنا سیکھیں اور جب کہ انبیاء کا یہ حال ہے تو ان کے سوا دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

اسی صالح مری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ توابین کے لئے بڑی گنجائش ہے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے صاحب حوت (حضرت یونس علیہ السلام) کا قصہ ان کی تنقیص شان کے لئے نہیں بیان فرمایا مگر اس لئے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا صبر و تحمل اور زیادہ ہو۔

نیز اس گروہ (اعتراض کرنے والے) سے یہ بھی کہا جائے کہ تم اور تمہارے موافقین یہ کہتے ہیں کہ کبائر کے اجتناب سے صغائر معاف کیے جاتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کبائر سے معصوم ہیں لہٰذا اب جو تم صغائر کے صدور کو انبیاء علیہم السلام کے لئے جائز رکھتے ہو تو وہ تو تمہارے قول کے بموجب معاف ہو جاتے ہیں لیکن پھر ان سے مواخذہ ہونے کے تمہارے نزدیک کیا معنی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ڈرنے اور ان کا اس سے توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حالانکہ وہ تو مغفور ہی ہیں۔ لہٰذا اب جو وہ اس کا جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہوگا۔ یعنی یہ کہ ان پر مواخذہ سہو اور تاویل افعال پر ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کثرت سے توبہ و استغفار کرنا دائمی خضوع اور اظہار بندگی کے لئے ہے نہ کہ تقصیر کے اعتراف کی وجہ سے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر بجا لانا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اگرچہ میں گزشتہ و آئندہ کے مواخذے سے محفوظ ہوں لیکن کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خشیت الٰہی رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ کو جانتا ہوں۔

حارث بن اسد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا خوف عظمت وجلال کے خوف اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو مامون ومحفوظ ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں اور ان کی امت کے لئے وہ امر مسنون بن جائے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جتنا میں جانتا ہوں اگر تم بھی جانتے تو یقیناً بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

نیز توبہ واستغفار میں ایک دوسرے لطیف معنی بھی ہیں جس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے کہ وہ اس محبت الہی تعالیٰ کی خواہش ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ (پ۲ البقرہ ۲۲۲)

بے شک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا انبیاء ورسل علیہم السلام کا استغفار وتوبہ اور انابت ورجوع میں ہمیشہ مشغول رہنا محبت الہی تعالیٰ کی خواہشمندی کے لئے ہے اور اس میں استغفار کے معنی توبہ ورجوع کے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے گزشتہ وآئندہ کی لغزشوں کی معافی کے مژدہ کے بعد فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے نبی اور مہاجرین وانصار کی توبہ قبول فرمائی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (پ۳۰ النصر ۳)

تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

پندرہویں فصل

حقوق نبوت ورسالت ﷺ پر تنبیہات

اے پڑھنے والے ہماری اس بحث سے تم کو یقیناً اچھی طرح حق ظاہر ہو گیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اس امر سے کلیتہً معصوم ہیں کہ آپ ﷺ ذات وصفات باری تعالیٰ سے بے خبر ہوں یا آپ ﷺ کسی ایسی حالت پر ہوں جو کسی نہج سے علم کے منافی ہو۔ ان باتوں سے نبوت کے بعد آپ ﷺ کا پاک ہونا تو بدلیل عقل واجماع اور نبوت سے پہلے بدلیل نقل وسمع ثابت ہے اور نہ امور شرعیہ میں سے جن کو آپ

نے مقرر فرمایا اور بواسطہ وحی جسے آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ کی طرف سے پہنچایا آپ کا کسی ایسی حالت پر ہونا جائز ہے جو علم کے منافی ہے۔ یہ بدلائل قطعیہ عقلیہ اور شرعیہ ثابت ہیں۔

اور آپ ﷺ کذب وخلاف گوئی سے بھی بوقت اعطاء نبوت ورسالت قصد وبلا قصد ہر طرح معصوم ہیں اور بالاتفاق آپ ﷺ سے اس امر کا صادر ہونا شرعاً' اجماعاً' عقلاً اور برہاناً ہر طرح محال ہے اور آپ ﷺ کا قبل نبوت اس سے منزہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے اور کبائر سے پاک ہونا بطور اجماع اور صغائر سے منزہ ہونا بطور تحقیق ثابت ہے اور ان امور میں جنہیں آپ ﷺ نے امت کے لئے مشروع فرمایا ان پر دائمی سہو وغفلت اور استمرار غلط ونسیان سے معصوم ہیں اور آپ ﷺ ہر حالت خوشی و غضب اور مسرت ومزاح میں ایسی باتوں سے پاک ہیں۔

اب تم کو واجب ولازم ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو پوری قوت سے لازم پکڑو اور ان پر کامل مضبوطی سے عمل پیرا ہو۔ جیسا کہ کوئی بخیل کسی شے کو پکڑتا ہے اور چاہیے کہ ان قصوں کی بڑی قدر کرو اور ان کے فوائد عظیمہ سے علم حاصل کرو اور جو ان کی لاعلمی سے خطرات ونقصانات ہیں ان سے بے خبر نہ رہو کیونکہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے حقوق واجبہ یا وہ جو جائز ہے یا وہ جو آپ ﷺ پر محال ہے ان سے غافل وجاہل ہے وہ آپ ﷺ کے احکام کی معرفت کر ہی نہیں سکتا اور وہ شخص خلاف واقع امور کے اعتقاد سے محفوظ رہ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ آپ ﷺ کو ان امور سے معصوم جان سکتا ہے جن کا کہ آپ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ پس وہ ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ وہ نہیں جانتا کہ کس طرف سے ہلاکت واقع ہوئی اور جہنم کے نچلے تاریک گڑھے میں جا پڑتا ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کے حق میں باطل کا گمان کرنا اور اس شے کا گمان کرنا اور اس شے کا اعتقاد رکھنا جو آپ ﷺ پر نا جائز ہو ایسا اعتقاد رکھنے والا دَارُ الْبَوَارُ (ہلاکت کے گڑھے) کا مستحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان دو شخصوں پر احتیاط فرمائی جو مسجد میں معتکف تھے اور انہوں نے آپ کو ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیکھا تھا آپ نے ان سے فرمایا: یہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہے۔

اس کے بعد ان دونوں سے فرمایا: بیشک شیطان بنی آدم کے جسم میں دوران خون کے ساتھ دوڑتا ہے اور میں نے اندیشہ کیا کہ کہیں تم قذف کے مرتکب نہ بن جاؤ اگر ایسا تمہارے دل میں واقع ہو گیا تو تم دونوں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف جلد ۳ صفحہ ۲۳۲ صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۲)

اے قاری! اللہ ﷻ تمہیں عزت بخشے کہ ان فصلوں میں جو بحثیں ہم نے کی ہیں ان سے ایک

تو فائدہ یہی ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل اپنی لاعلمی کے سبب اس بات کو نہ جانے اور انہیں سن کر کہنے لگے کہ ان امور میں گفتگو کرنا فضول اور بے فائدہ ہے اور خاموش رہنا زیادہ مناسب ہے۔

حالانکہ اب تمہیں واضح ہو گیا ہوگا کہ ہم نے کن کن فوائد کے لئے ان کا ذکر کیا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اصول فقہ میں ان باتوں کی بڑی ضرورت پڑتی ہے اور ان پر بکثرت ایسے مسائل موقوف ہوتے ہیں جنہیں فقہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور یہ کہ ان کے سبب سے مسائل میں شور و شغب اور اختلاف فقہاء رحمہم اللہ سے روخلاصی ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ حکم حقیقتاً اقوال و افعال نبی کریم ﷺ ہی کا نام ہے۔ یہ ایک عظیم باب اور اصول فقہ کی بڑی اصل ہے جو اسی پر مبنی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان امور میں جن کی آپ ﷺ خبریں دیں یا تبلیغ فرمائیں صادق جانیں اور مانیں اور یہ کہ ان امور میں سہو و نسیان کی نسبت آپ ﷺ پر جائز نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ عمداً افعال میں مخالفت کے صدور سے معصوم ہیں اور اختلاف علماء کے لحاظ سے وقوع صغائر مختلف فیہ ہے۔ اسی طرح امتثال فعل میں اختلاف ہے۔ ان کی تفاصیل کتب اصول میں مذکور ہیں ہم اس سے کلام کو طویل کرنا نہیں چاہتے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان فصلوں کی حکام اسلام اور مفتیان شرع کو اس شخص کے لئے ضرورت پڑتی ہے جو ان امور میں سے کسی امر کو نبی کریم ﷺ کی جانب نسبت کرے اور ان میں۔ یہ کسی کے ساتھ آپ ﷺ متصف کرے۔ لہٰذا جو یہ نہیں جانتا کہ آپ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے اور کس میں اجماع واقع ہے؟ اور کس میں اختلاف ہے؟ وہ کیونکر اطمینان قلب کے ساتھ اس میں فتویٰ دے سکتا ہو اور اسے یہ کہاں سے معلوم ہوگا کہ اس نے جو کہا اس میں نقص ہے یا مدح؟

لہٰذا ایسا نادان شخص یا تو اس پر جرأت کرے گا کہ کسی مسلمان کی ناحق گردن مارے یا نبی کریم ﷺ کے حقوق و حرمت کی پامالی کرے گا اور ارباب اصول اور ائمہ محققین نے جس طرح عصمت و حقوق انبیاء علیہم السلام میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح عصمت ملائکہ میں بھی اختلاف واقع ہوئے۔

سولہویں فصل

عصمتِ ملائکہ

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کل ملائکہ مومن اور صاحب منزلت ہیں اور کئی ائمہ مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ رُسُل ملائکہ کا حکم عصمت کے بارے میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حکم کے

مساوی ہے۔جیسا کہ ہم نے ان کی عصمت کے بارے میں بیان کیا ہے اور یہ رسل ملائکہ انبیاء اوران کی طرف تبلیغ احکام میں ویسے ہی ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے ساتھ ہیں لیکن غیر رُسل ملائکہ میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ تمام ملائکہ معاصی سے معصوم ہیں۔ان کی دلیل اللہ ﷻ کا یہ ارشاد ہے:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○ (پ۲۸ التحریم ۶)

جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہ ہی کرتے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ○ (پ۲۳ الصّٰفّٰت ۱۶۶۔۱۶۵)

اور ہم میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے اور بیشک ہم پر پھیلائے حکم کے منتظر ہیں اور بیشک ہم اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ○ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ○ (پ۱۷ الانبیاء ۱۹)

اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ. (پ۹ الانفال ۲۰۶)

بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے کہ

کِرَامٍ بَرَرَةٍ. (پ۳۰ عبس ۱۶)

جو کہ کرم والے نکوئی والے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. (پ۲۷ الواقعہ ۷۹)

اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اسی قسم کے دیگر دلائل سمع سے استدلال کیا ہے۔

اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تمام خصوصیتیں رُسل و مقربین ملائکہ کے لئے ہیں اور انہوں نے وہ دلائل بیان کئے ہیں جنہیں اہل سیر و اخبار اور مفسرین نے بیان کیا ہے عنقریب بعد کو انشاء اللہ ﷻ بیان کریں گے اور انشاء اللہ ﷻ اس میں اور بھی وجوہات ظاہر کریں گے۔

مذہب صحیح وصواب یہی ہے کہ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور ان کا مرتبہ عالی ان تمام برائیوں سے پاک ہے جس سے کہ ان کے رتبۂ عالیہ اور منزلت رفیعہ میں فرق آئے اور اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا کہ فقیہہ کو ان کی عصمت میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی عصمت میں بحث کرنا بھی وہی فوائد رکھتا ہے جو عصمت انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں بجز ان کے افعال واقوال میں گفتگو کرنے کے کیونکہ وہ یہاں ساقط ہے۔

چنانچہ اس گروہ کے دلائل جو تمام ملائکہ کے لئے عصمت کے قائل نہیں ہیں ان میں سے ایک دلیل ہاروت وماروت کا قصہ ہے[1] جسے اس بارے میں اہل اخبار نے ذکر کیا اور مفسرین نے ان سے نقل کیا اور دوسری وہ روایت ہے جو حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان دونوں کی روایت میں ہے کہ دونوں فرشتوں کا امتحان لیا گیا۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ ﷻ عزت بخشے کہ ان روایتوں میں کوئی روایت بھی صحیح ہو یا کمزور رسول اللہ ﷺ سے مروی نہیں ہے اور نہ یہ ایسی چیز ہے جسے قیاس سے معلوم کیا جا سکے اور وہ جو قرآن میں مذکور ہے تو اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور بعض علماء کے اقوال کی تنکیر کی ہے اور اکثر علماء سلف نے انکار کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب بیان کریں گے اور یہ تمام خبریں کتب یہود اور ان کے اختراعات سے ماخوذ نہیں۔

جس طرح اللہ ﷻ نے یہودیوں کے اختراعات کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بیان کیے ہیں اور بالخصوص یہودیوں کی تکفیر کو ابتدائے آیات میں بیان فرمایا ہے۔ یہ قصہ بڑی بڑی شناعتوں اور برائیوں پر مشتمل ہے۔ اب ہم اس قصہ میں ان اشکالات کو بیان کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ ﷻ تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

چنانچہ پہلے تو ہاروت وماروت میں ہی اختلاف ہے۔ آیا یہ فرشتے ہیں یا انسان اور آیت میں مَلَكَيْنِ. سے مراد وہ فرشتے ہیں یا نہیں اور کیا قرأت میں مَلَكَيْنِ ہے یا مَلِكَيْنِ (بمعنی دو بادشاہ) اور کیا آیہ کریمہ وَمَا اُنْزِلَ اور وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ. (پ ا البقرہ ۱۰۲) میں ما، نافیہ ہے یا موجبہ؟

چنانچہ اکثر مفسرین کے نزدیک تو یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے انسانوں کا دو فرشتوں کے ذریعہ امتحان لیا کہ وہ جادو سکھائیں اور انہیں بتائیں اور کہیں کہ یہ عمل کفر ہے لہٰذا جو اسے سیکھے گا کافر ہو جائے گا اور جو اس سے باز رہے گا مومن ہوگا اور اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

ا۔ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۲۳۹-۲۳۸

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ" فَلَا تَكْفُرْ. کہ ہم نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو۔

(پ البقرہ ۱۰۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اوران دونوں کا لوگوں کو تعلیم دینا ڈرانا ہے یعنی جو بھی اسے طلب کرنے اور سیکھنے ان کے پاس آتا تھا۔ اس سے وہ دونوں کہتے ایسا نہ کرو کیونکہ اس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوتی ہے۔ تو اس قسم کے خیال میں نہ پڑو کیونکہ یہ جادو ہے ایسا کر کے کافر بنو۔

اس تقدیر پر تو ان دونوں فرشتوں کا عمل تو طاعت الٰہی اور مامور بہ کو عمل میں لاتا ہے اور یہ معصیت کہاں ہے؟ حالانکہ وہ دوسروں کے لئے فتنہ اور امتحان ہے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے از خالد بن ابی عمران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ان کے سامنے ہاروت و ماروت کا تذکرہ ہوا کہ وہ جادو سکھاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہم ان دونوں کو اس سے منزہ جانتے ہیں۔

اس پر کسی نے پڑھا کہ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ. (پ البقرہ ۱۰۲) تو خالد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جادو ان پر نہیں اتارا گیا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ خالد رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جو بڑی جلالت علمی رکھتے ہیں۔ یہ بھی ان دونوں کو تعلیم سحر سے مبرا خیال فرماتے ہیں حالانکہ ان کے سوا دیگر علماء ان دونوں کو تعلیم سحر کا ماذون گردانتے ہیں مگر بایں شرط کہ وہ دونوں یہ بھی بیان کر دیں کہ یہ کفر اور تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے ہے۔ اب یہ علماء کیونکر ان دونوں کو کبیرہ معاصی سے منزہ ہونا ثابت نہ کریں اور ان کفریات سے معصوم بتائیں جسے مؤرخین نے بیان کیا ہے اور فقیہہ خالد رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ قول لَمْ يُنَزَّلْ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ما نافیہ ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے جسے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

تقدیر کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سحر سے ملوث بکفر نہیں ہے جسے ان کے ملک میں شیاطین اور اس کے پیروکار یہود نے گھڑا تھا اور نہ فرشتوں پر کوئی شے اتاری گئی۔

مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ جن پر یہود نے اس کے لانے کا ادعا (دعویٰ) کیا تھا جیسا کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے دعویٰ کیا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں تکذیب فرما دی۔

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ ہاں شیطان کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔

(پ البقرہ ۱۰۲) (ترجمہ کنزالایمان)

اور ہاروت و ماروت کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دو مرد تھے جو جادو سکھاتے تھے اور حسن

رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو پہلوان تھے اور انہوں نے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلِكَيْنِ (لام کے زیر کے ساتھ) پڑھا۔ اس تقدیر پر لفظ مَا ایجابی یعنی موصولہ ہوگا اور اسی طرح عبدالرحمٰن بن انبری رحمتہ اللہ علیہ کی قرأت میں لام کے زیر کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ یہاں دو بادشاہ سے مراد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ اس تقدیر لفظ مَا نافیہ ہوگا جیسا کہ گزرا اور ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بادشاہ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا۔ اسے سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا اور لام کے زیر کے ساتھ قرأت شاذہ ہے۔

لہٰذا اس آیت کو ابو محمد مکی رحمتہ اللہ علیہ کی تقدیر پر محمول کرنا اچھا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تنزیہہ کرتے اور ان سے ہر برائی کو دور کرتے ہیں اور ان کے دامن عصمت کو خوب ستھرا بناتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف میں مطھران اور کِرَامٍ بَرَرَةٍ O (پ ۳۰ عبس ۱۶) اور لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (پ ۲۸ التحریم ۶) فرمایا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ابلیس کے قصہ میں مذکور ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا اور ان کا سردار تھا اور یہ کہ وہ جنت کا خازن تھا اور وہ باتیں جو اس سلسلہ میں منقول ہیں کہ اس کو ملائکہ میں سے نکال دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا: فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط (پ ۱ البقرہ ۳۴) ''تمام ملائکہ نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔''

تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے، جس پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ اکثر اس کی نفی کرتے ہیں کہ ابلیس جنات کا باپ تھا۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں یہی حسن، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اور شہر بن حوشب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس ان جنات میں سے ہے جسے فرشتوں نے زمین کی طرف بھگا دیا جبکہ انہوں نے فساد مچایا۔

اور آیت میں استثنا غیر جنس ہے جو کلام عرب میں شائع و ذائع ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. (پ ۶ النساء ۱۵۷) انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور وہ جو خبروں میں آیا ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تب وہ جلا دیئے گئے کیونکہ انہیں حکم تھا کہ وہ سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو انہوں نے انکار کیا پس وہ جلا دیئے گئے [1] اسی طرح دوسرے یہاں تک کہ ان فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے مگر ابلیس نے۔

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ سورۃ البقرہ آیت ۳۴

تو یہ خبریں ان میں سے ہیں جن کی کوئی اصلیت واقعیت نہیں بلکہ صحیح روایتیں اس کو مردود کر رہی ہیں۔ ہم ان (فضولیات کی طرف) مشغول نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا باب

انبیاء علیہم السلام کی امور دنیویہ میں خصوصیت اور ان پر عوارض بشریہ کا اطلاق

عوارضِ بشریہ

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء و مرسلین بشر علیہم السلام میں سے ہیں اور یہ کہ ان کا جسم اور ظاہری حالت خالص بشری ہوتی ہے اور ان کے جسم و ظاہری حالت پر آفتیں، تغیرات، مصیبتیں اور بیماریاں پہنچنا جائز ہے اور یہ کہ انہیں ذائقہ موت بھی چکھنا ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر انسانوں پر یہ تمام باتیں جائز ہیں باوجود اس کے یہ سب باتیں ان میں نقصان کا باعث نہیں۔

اس لئے کہ کسی چیز کا ناقص کہنا اس نسبت کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اس سے اتم اور اس نوع میں زیادہ کامل ہو اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس دنیا کے رہنے والوں کے لئے قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (پ الاعراف ۲۵) کے بموجب "فرمایا وہ اس میں زندہ رہیں گے اور اسی میں ان کی موت واقع ہوگی اور اسی سے نکالے جائیں گے" اور اللہ ﷻ نے ہر انسان کو تغیر پذیر بنایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ بیمار بھی ہوئے، گرمی سردی بھی لگی، بھوک و پیاس بھی معلوم ہوئی، غصہ و رنج بھی لاحق ہوا، تھکان و تکلیف بھی پہنچی، ضعف و کبرسنی بھی آئی، آپ ﷺ گھوڑے سے بھی گرے جس سے آپ ﷺ کا ایک پہلو زخمی ہوا[1]۔ کفار نے مجروح کیا، سامنے کے چار دندان مبارک بھی شہید ہوئے، زہر بھی پلایا گیا، جادو بھی کیا گیا، علاج بھی کیا[2]، پچھنے بھی لگوائے[3] (جائز طریقہ پر) جھاڑ پھونک تعویذ[4] وغیرہ بھی ہوا پھر آپ ﷺ پر آخری وقت بھی آیا اور اپنی ظاہری مدت حیات پوری فرما کر رفیق اعلیٰ سے ملے اور اس آزمائش و بلیات کی دنیا سے رستگاری پائی۔

یہ سب وہ بشری کیفیات اور علامتیں ہیں جن سے خلاصی نہیں ہو سکتی اور آپ کے سوا دیگر

۱۔ صحیح بخاری کتاب الاذان جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰۸

۲۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۳۱

۳۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۱۳، صحیح مسلم کتاب السلام جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۲

۴۔ صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۳ صفحہ ۲۶۷، سنن نسائی کتاب الاستعاذہ جلد ۸ صفحہ ۲۷۱

انبیاء علیہم السلام کو اس سے بڑھ کر تکلیفیں پہنچیں چنانچہ انہیں قتل بھی کیا گیا' آگ میں بھی ڈالا گیا اور آرے سے بھی چیرا گیا اور کسی کو اللہ ﷻ نے اس سے بعض اوقات محفوظ بھی رکھا اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ ﷻ نے غلبۂ کفار سے بچایا جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کو غلبۂ کفار کے وقت ان سے بچایا۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے ہی ہمارے نبی ﷺ پر احد کے دن ابن قمہ کا ہاتھ روکا اور اہل طائف کی دعوت و تبلیغ کے وقت دشمنوں کی آنکھوں سے محجوب کیا اور یقیناً اللہ ﷻ ہی نے بوقت ہجرت غار ثور کی طرف دیکھنے سے قریش کی آنکھوں کو پکڑ لیا تھا اور اسی نے غورث کی تلوار کے وار سے اور ابوجہل کے پتھر سے اور سراقہ کے گھوڑے سے روکا اور اگر آپ ابن اعصم کے جادو سے نہ بچے تو بلاشبہ اللہ ﷻ نے اس سے بڑے وقت یعنی یہودیہ کے زہر سے بچایا۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام مبتلائے آلام کیے گئے اور بچایا بھی گیا۔

یہ اسی کی حکمت تامہ کی وجہ سے ہے تا کہ ایسے مواقع پر ان کی بزرگی اور شرافت ظاہر اور اس کا حکم واقع ہو جائے اور ان میں اس کی بات پوری ہو جائے اور یہ کہ ان امتحانات سے ان کی بشریت محقق اور ثابت ہو جائے اور کمزور دلوں کے شبہات جو ان کے بارے میں ہوں جاتے رہیں تا کہ ان کے ہاتھوں پر جو عجائبات ظاہر ہوتے ہیں ان سے گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وجہ سے نصاریٰ گمراہ ہوئے اور یہ کہ ان کے مشقت اٹھانے سے ان کی امت کے لئے تسلی ہو اور ان کے رب ﷻ کے حضور ان کا اجر بہت ہو' خدا کا احسان ان پر پورا ہو۔

• بعض محققین فرماتے ہیں کہ مذکورہ خواص و تغیرات صرف ان کے اجسام بشریہ کے ساتھ ہی خاص تھے جن سے مشاکلت جنس کے سبب مقاومت بشر اور مخالطت بنی آدم مقصود ہے۔ مگر ان کی باطنی حالت! تو وہ اکثر ان سے منزہ و معصوم اور ملاء اعلیٰ اور ملائکہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں کیونکہ وہ ملائکہ سے خبریں اور وحی لیتے ہیں منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری آنکھیں تو سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں' مجھے میرا رب سلاتا' کھلاتا اور پلاتا ہے اور فرمایا: میں خود نہیں بھولتا بلکہ بھلایا جاتا ہوں تا کہ میری سنت پر عمل کیا جائے۔

گویا آپ ﷺ نے یہ خبر دی کہ آپ کا دل اور آپ ﷺ کا باطن اور آپ ﷺ کی روح' آپ ﷺ کے جسم اور ظاہری حالت کے خلاف ہے اور جو آفتیں بھی آپ ﷺ کو پہنچتی ہیں وہ آپ ﷺ کے ظاہری جسم پر ہوتی ہیں۔ مثلاً ضعف' بھوک' بیداری اور نیند وغیرہ جبکہ وہ آپ ﷺ کے باطن پر قطعاً اثر

انداز نہیں ہوتا۔ بخلاف آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کے کہ وہ حکم باطن میں آپ ﷺ سے جدا ہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی دوسرا سوتا ہے تو نیند اس کے جسم اور دل پر بھی غالب ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حاضر القلب رہتے جس طرح اپنی بیداری میں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی نیند میں حدث سے محفوظ و معصوم تھے کیونکہ آپ ﷺ کا دل بیدار رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اسی طرح اگر دوسرے لوگوں کو بھوک لگتی ہے تو ان کا جسم کمزور اور ان کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کے باعث ان کی ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی یہ حالت تھی کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ آپ ﷺ کی ایسی حالت نہ ہوتی آپ ﷺ کی حالت دوسروں کے برعکس ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: میں تمہاری مثل نہیں ہوں، میں سوتا ہوں تو میرا رب ﷻ مجھے کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی تمام حالتیں ایسی ہی ہیں خواہ وہ مرض ہو یا جادو یا غصہ وغیرہ وہ آپ ﷺ کی باطنی حالت پر اثر انداز ہوتی ہی نہ تھیں اور نہ کوئی خلل واقع ہوتا تھا اور نہ اس سے غیر مناسب صورت میں آپ ﷺ کی زبان اور اعضاء میں نقصان آتا تھا جس طرح دوسرے لوگوں کی وہ حالت ہو جاتی ہے جسے ہم بعد میں بیان کرتے ہیں۔

پہلی فصل

آپ ﷺ پر جادو کا اثر

اب اگر تم یہ کہو کہ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول للہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے کچھ نہ کیا ہوتا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ آپ کسی بی بی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ تشریف نہ لے گئے ہوئے تھے (آخر حدیث تک) جب مسحور کی یہ حالت ہے کہ اس پر امر مشتبہ ہو جاتا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا حال ہے۔ ایسی کیفیت آپ ﷺ پر کیسے طاری ہو سکتی ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں؟

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تمہیں محفوظ رکھے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ بلاشبہ اس میں ملاحدہ نے طعن کیا ہے اور اپنی حماقت و تلبیس سے اس کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں

پر شریعت میں شک ڈالنے کا وسیلہ ٹھہرایا ہے حالانکہ بلا شبہ اللہ ﷻ نے اپنی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کو اس سے پاک و منزہ رکھا ہے کہ کوئی آپ ﷺ کی ذات و صفات میں کسی قسم کا شک و شبہ ڈالے درحقیقت جادو بھی دیگر امراض کی مانند ایک مرض ہے یہ بھی اسی طرح آپ ﷺ پر ممکن ہے جس طرح دیگر امراض و عوارض۔ جن سے آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی انکار و قدح لازم نہیں آتا۔

اب رہی وہ بات جو حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے آپ ﷺ پر کسی امر میں کوئی قدح لازم نہیں آتا نہ آپ ﷺ کی تبلیغ میں نہ آپ ﷺ کی شریعت میں اور نہ آپ ﷺ کی صداقت میں۔ کیونکہ یہ امر دلائل اور اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں بلکہ یہ باتیں تو آپ ﷺ کے ان دنیاوی امور سے متعلق ہیں جن کا صدور آپ ﷺ پر جائز ہے جس کے لئے آپ ﷺ پر بھی اسی طرح عوارض پیش آتے ہیں جس طرح دوسرے انسانوں کو لہٰذا یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ آپ ﷺ پر دنیاوی امور میں ایسا خیال ہوتا ہو جن کی حقیقت نہ ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ پر وہ روشن ہو جاتا ہو جیسا کچھ بھی ہو۔

نیز اس فصل کی دوسری حدیث نے ان لفظوں میں تفسیر کی ہے کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ اپنی کسی بی بی کے پاس ہو کر آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہ لے جاتے۔ چنانچہ سفیان نے کہا: یہ جادو کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور کسی روایت میں آپ ﷺ سے یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سحر کی حالت میں بھی کوئی ایسی خلاف بات کی ہو یا کہی ہو جسے آپ ﷺ نے پہلے فرمایا ہو یا کیا ہو یہ تو صرف خدشات و تخیلات ہی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ روایت کے الفاظ کہ آپ ﷺ کو خیال ہو جاتا یہ کام کیا ہے حالانکہ اسے کیا نہ ہوتا۔ تو اس سے مراد تخیل ہے۔ یعنی صرف تخیل ہی تخیل ہوتا تھا اس کی صحت پر اعتماد تام نہ ہوتا تھا پس آپ ﷺ کے تمام اعتقادات درستی پر ہی قائم رہتے تھے آپ ﷺ کے ارشادات صحت پر۔

یہ وہ موقف ہے جسے ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے جواب میں اختیار فرمایا۔ اس کے ساتھ جو ہم نے ان کے کلام کے معنی کی وضاحت کی ہے اور ان کے اشارات کی تشریح و توضیح کی ہے وہ زیادہ ہے اور ان کی ہر وجہ ظاہر و روشن ہے لیکن مجھے جو اس حدیث کی تاویل میں ظاہر ہوا ہے وہ بہت روشن اور گمراہوں کے مطاعن سے بہت بعید ہے اور وہ نفس حدیث ہی سے مستفاد ہے وہ یہ کہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ان دونوں نے کہا کہ

یہود بنی رزیق نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر کے کنویں میں دبا دیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا رسول اللہ ﷺ اپنی بصارت کا انکار فرما دیں تب اللہ ﷻ نے یہودیوں کے کرتوتوں کی رہنمائی فرمائی اس پر آپ ﷺ نے کنویں سے اس کو نکلوایا۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۱۴)

اسی طرح واقدی، عبدالرحمٰن بن کعب اور عمر بن حکم رحمہم اللہ سے مروی ہے اور عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال رو کے گئے۔ اس دوران میں جب آپ سوتے تو دو فرشتے آتے ایک سرہانے اور دوسرا پائنتی بیٹھ جاتا۔ (الحدیث) عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال تک رو کے گئے یہاں تک کہ آپ نے ضعف بصر کا شکوہ کیا[1] اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ از ابن عباس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ بیویوں سے اور کھانے پینے سے رو کے گئے تو آپ ﷺ پر دو فرشتے اترے اور پورا قصہ بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ للبیھقی جلد ۶ صفحہ ۲۴۸)

لہٰذا اب تمہیں ان تمام روایتوں کے مضمون سے پتہ چل گیا ہو گا کہ جادو نے آپ کے قلب، اعتقاد اور عقل پر تسلط نہ کیا تھا اور یہ اثر بھی صرف آپ کی بینائی اور آپ کو بیویوں سے روکنے اور کھانے پینے اور ضعف بدن اور مرض میں تھا۔ (کہ آپ اس کے سبب سے بیمار ہو گئے تھے) اور ہو سکتا ہے کہ اس قول کے یعنی یہ کہ "آپ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنی بیوی کے پاس ہو آئے ہیں حالانکہ آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔" یہ معنی ہوں کہ آپ پر وہ چیز ظاہر ہوتی ہو جو اس کے سرور اور مقدمات قدرت علی النساء وغیرہ میں ہو۔ پس جب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کا ارادہ فرماتے ہوں تو وہ چیز درپیش آ جاتی ہو جو سحر کا اثر ہے۔ تب آپ ﷺ ان کے قریب جانے کی طاقتِ جسمانی نہ پاتے ہوں۔ جیسا کہ ایسے دوسروں کو جو اس میں ماخوذ ہوں لاحق ہوتا ہے۔

شاید کہ اسی معنی کی طرف سفیان ﷺ کا اشارہ ہے کہ یہ سحر کا سب سے زیادہ شدید اثر تھا اور دوسری روایت میں جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ آپ کو ایسا خیال ہو جاتا کہ آپ نے یہ کام کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہ ہوتا۔ یہ از باب اختلال بصر ہو گا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ نے اپنی کسی بیوی کو دیکھا ہے یا کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا ہے۔ حالانکہ آپ کا یہ خیال محض ضعف بصر کے سبب تھا اور نہ اس سبب سے کہ (معاذ اللہ) آپ کو فرق ہی نہ رہا اور جبکہ یہ باتیں سحر کے اثر کی وجہ میں رونما ہوئیں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپ پر کوئی شک و شبہ وارد ہو سکے اور کسی ملحد کے لئے جائے اعتراض بن سکے۔ (واللہ اعلم)

دوسری فصل

دنیاوی امور میں آپ ﷺ کی حالت

یہ حالت تو آپ ﷺ کے جسم اقدس کی تھی اب رہی دنیاوی امور میں آپ کے احوال! تو اب ہم ان کا بھی اسلوب سابق کی مانند موازنہ کرتے ہیں یعنی (1) عقدو (2) قول اور (3) فعل کے ساتھ۔

(1) سو ان میں سے عقیدے کی تو یہ صورت ہے کہ ممکن ہے کہ کسی امر دنیاوی میں بِمِنْ وَجْہٍ آپ ایسا اعتقاد رکھتے ہوں جس کے برعکس ظاہر ہو جائے یا کسی امر دنیاوی میں شک و گمان ہو۔ بخلاف امور شرعیہ کے (کہ ان میں یہ محال ہے) جیسا کہ رافع بن خدیج ﷺ سے بالا سناد مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ کھجور کے درختوں کی تابیر (نر و مادہ کا باہم ملاپ) کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم یہ کیا کرتے ہو۔ عرض کیا: ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ فرمایا: کاش تم اگر ایسا نہ کرتے تو تمہارے لئے بہتر تھا۔ اس پر انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ (اس سال) پھل کم لگے۔

اس کا پھر آپ ﷺ سے ذکر کیا۔

فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں جب تم کو کوئی دینی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب تم کو اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میں ایک بشر ہی ہوں[1] اور حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ فرمایا: ''تم اپنی دنیاوی باتوں کو زیادہ جانتے ہو[2]'' اور ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے تو گمان سے کہا تھا لہٰذا میرے گمان کی پیروی نہ کرو[3] اور قصہ خرص[4] کی روایت میں حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تو ایک بشر ہی ہوں پس جو بات اللہ ﷻ کی جانب سے کہوں وہ تو حق ہے اور جو بات اپنی طرف سے کہوں تو میں تو ایسا بشر ہی ہوں جس سے خطا صواب بھی صادر ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۶۸)

یہ باتیں وہ ہیں جنہیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی یہ ان باتوں میں سے ہے جسے آپ ﷺ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۵

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۳۶

[4] انگوروں اور کھجوروں کے جانچنے کے بارے میں

نے دنیاوی امور میں دنیاوی امور کے پیش نظر اپنی طرف سے یا اپنے گمان سے فرمایا ہے نہ یہ کہ شرعی امور میں مشروع و مسنون کرنے کے لئے اپنی طرف سے یا اپنے اجتہاد سے فرمایا ہو۔ (جس کی پیروی فرض ہو) جیسا کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بدر کے دن کنویں سے دور پڑاؤ ڈالا تو حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا یہ وہ منزل ہے جہاں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو اترنے کا حکم فرمایا۔ جس سے آگے ہم بڑھ نہیں سکتے یا یہ آپ ﷺ کی رائے اور لڑائی اور حیلہ کی بنا پر ہے۔

فرمایا: نہیں بلکہ یہ اپنی رائے لڑائی اور حیلہ ہے۔

عرض کیا: جب تو یہ مقام پڑاؤ کے لئے مناسب نہیں یہاں تک کہ ہم قوم کے پانی کے قریب پہنچیں اور وہاں پڑاؤ کریں اور اپنے کنویں کے سوا باقی کنوؤں کو بند کر دیں تا کہ ہم تو پانی پئیں اور وہ لوگ نہ پی سکیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست مشورہ دیا اور جو انہوں نے کہا تھا آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ سے فرمایا ہے کہ[1]

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ. اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

(پ ۴ ال عمران ۱۵۹) (ترجمہ کنزالایمان)

(اسی طرح) اپنے بعض دشمنان دین سے تہائی مدینہ کی کھجور پر مصالحت کا ارادہ فرمایا اور انصار سے مشورہ لیا۔ جب انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا[2]۔ اسی قسم کے دنیاوی امور تھے جس میں علم دین کو کچھ دخل نہ تھا نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ اس کی تعلیم میں۔

لہٰذا جو کچھ ہم نے بیان کیا امور دنیاوی میں ان کا اطلاق آپ پر جائز ہے کیونکہ نہ اس میں کوئی نقصان ہے نہ کمی۔ یہ سب ان امور عادیہ میں سے ہیں جس نے اس کا تجربہ کیا اور اپنی صلاحیتیں اور کوششیں اس پر صرف کیں وہی جان سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا قلب اطہر تو معرفت الٰہی اور علوم شرعیہ سے معمور اور اپنی امت کے مصالح دینی و دنیوی سے آپ کا دل مشغول تھا پھر بھی ایسی باتیں شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہیں اور وہ بھی صرف انہیں معاملات دنیاوی میں خصوصیت کے ساتھ ہے۔ جس میں دنیا کی حفاظت اور اس کے فوائد میں موشگافیاں ہیں۔

اکثر امور میں ایسی صورت نہیں ہے۔ جس سے آپ کی ناواقفیت اور غفلت پائی جائے۔ بلاشبہ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے دقیق معاملات و مصالح دنیاوی اور دنیاداروں کے

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۵

[2] مجمع الزوائد جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

فرقوں پر حکومت کرنے کی معرفت میں وہ باتیں فرمائی ہیں جو ایک بشر میں ایسا ہونا معجزہ ہے جسے ہم نے اسی کتاب کے باب المعجزات میں پہلے بیان کر دیا ہے۔

تیسری فصل

بشری احکام و معتقدات

اب رہے وہ بشری احکام اور ان کے فیصلہ جات جو آپ ﷺ کے دست اقدس سے جاری ہوئے اور حق کو باطل سے اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کی معرفت میں آپ کے اعتقاد کا وہی طریقہ تھا جسے خود آپ نے ہی فرمایا کہ میں تو ایک بشر ہی ہوں تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو بیان کرنے میں دوسرے سے تیز ہو۔ پس میں اسی کے مطابق جیسا کہ سنوں فیصلہ کر دوں اور جس کے لئے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو (خبردار) اس میں سے اس کو کچھ لینا نہ چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں میں اس کو آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں گا۔

حدیث: سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بروایت زہری رحمۃ اللہ علیہ از عروہ رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ شاید کہ کوئی تم میں سے دوسرے سے زیادہ بلیغ ہو پس میں گمان کر لوں کہ وہ سچا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔

(سنن ابوداؤد کتاب الاقضیہ جلد۳ صفحہ۱۲ صحیح بخاری کتاب الحیل جلد۹ صفحہ۲۲ صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد۳ صفحہ۱۳۳۹)

حضور اکرم ﷺ ظاہری حال پر احکام جاری فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ظن غالب اور گواہ کی شہادت اور قسم کھانے والے کی قسم کے بموجب حکم فرماتے اور مشابہت حق کی رعایت کرتے۔ چمڑے کے برتنوں کی بندش کی معرفت سے حکم لگایا کرتے تھے۔ ساتھ ہی اس میں حکمت الٰہیہ کا بھی یہی اقتضاء ہوتا تھا کیونکہ اللہ ﷻ اگر چاہتا تو اپنے بندوں کے بھیدوں اور حضور کی امت کے دلوں کے خفیہ امور پر آپ کو اطلاع بخش دیتا اور محض آپ ﷺ اپنے علم و یقین سے حکم لگا دیا کرتے۔ اعتراف یا ثبوت یا قسم وغیرہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن جبکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کے اتباع واقتداء کا آپ ﷺ کے افعال و احوال اور قضایا و سیرت میں حکم فرمایا ہے اور اگر یہ بات آپ کے علم پر مخصوص ہوتی اور اللہ ﷻ آپ ﷺ کے علم کو اثر انداز فرماتا تو آپ ﷺ کی امت کے لئے اسی طرح کے قضایہ جات اور فیصلہ مقدمات میں کوئی صورت اقتداء کی ممکن ہی نہ تھی اور نہ یہ ممکن تھا آپ کی شریعت میں کسی کے لئے فیصلہ مقدمات میں ثبوت قطعی قائم ہو سکے۔

اس لئے کہ ہمیں یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ پر فیصلہ مقدمات میں اللہ ﷻ کی حکمت کیسے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ان غیوبات میں سے جس قدر چاہتا ہے اطلاع بخشتا ہے اور ان غیوبات کی تعلیم ہر امتی کو نہیں دی گئی (بجز وابستہ نبی خاصان خدا پر یہ غیوب منکشف ہو جاتے ہیں۔ مترجم) اس لئے اللہ ﷻ نے احکام کو ان کے ظواہر پر جاری کرایا جس میں آپ اور آپ کی امت برابر ہے تاکہ آپ کی امت تعیین مقدمات اور آپ کے احکام کے نفاذ میں آپ کی پوری پیروی کر سکے اور جو کچھ بھی فیصلۂ مقدمات کریں وہ سنت کے مطابق اپنے علم و یقین کے ساتھ کریں اس لئے کہ بیانِ فعل قول سے زیادہ وقیع اور احتمالِ لفظ اور تاویل متأوّل سے زیادہ بلند ہے کیونکہ ظاہر پر آپ ﷺ کا حکم کرنا بیان سے زیادہ روشن اور وجوہ احکام میں زیادہ واضح اور اکثر تخالف و تنازع کے اسباب میں زیادہ مفید ہے۔

اور ایک یہ بھی بات تھی کہ آپ ﷺ کی امت کے حکام اسی کے مطابق پیروی کریں اور جو آپ سے منقول ہو اس پر اعتماد کریں تاکہ آپ کی شریعت کا قانون مرتب اور منضبط ہو۔ اسی بنا پر آپ سے وہ علوم غیبیہ مخفی رکھے گئے جو عالم الغیب (اللہ ﷻ) کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ. (پ ۲۹ الجن ۲۷-۲۶)

اللہ ﷻ اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

پس اس رسول کو غیب میں سے جتنا چاہتا ہے بتاتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی نقصان نہیں آتا اور نہ آپ کی عصمت میں سے کوئی حصہ کم ہوتا ہے۔

چوتھی فصل

حضور ﷺ کے دنیاوی اقوال

لیکن آپ ﷺ کے وہ دنیاوی اقوال جو آپ ﷺ نے اپنے اور دوسروں کے احوال میں ارشاد فرمائے جسے آپ زمانہ آئندہ میں کریں گے یا گزشتہ میں کر چکے ہیں۔ سو اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان میں کسی قسم کی خلاف گوئی ہر حال میں آپ سے محال ہے خواہ وہ قصداً ہو یا سہواً، صحت میں ہو یا مرض میں، خوشی میں ہو یا غصہ میں بہر طور آپ ﷺ اس سے معصوم ہیں۔

یہ صورت تو ان اقوال میں ہے جو بطریق خبر محض ہیں جن میں صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں کا دخل ہے لیکن وہ اشارات جن میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ بظاہر اپنے باطن کے خلاف ہے تو آپ ﷺ سے امور دنیاوی میں اس کا صدور جائز ہے۔ خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت مقصود ہو۔ مثلاً

آپ ﷺ غزوات میں توریہ فرماتے (اور اپنے مخفی ارادہ کو پوشیدہ رکھتے) تا کہ دشمن مطلع ہو کر بچاؤ کی تیاری نہ کرے اور جیسا کہ آپ ﷺ کی خوش طبعی کی نسبت مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کی خوشی اور مسلمانوں کے دلوں کی رضا جوئی کے لئے تا کہ ان کی محبت اور باہمی مسرت میں مزید استحکام پیدا ہو۔

جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں ضرور تم کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا[1] اور اس عورت کے بارے میں جس نے آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے بارے میں پوچھا تھا ارشاد ہے کہ کیا وہ وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے[2]۔ حالانکہ حقیقتاً یہ سب باتیں سچی ہیں کیونکہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہے اور ہر انسان کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے اور یقیناً حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں خوش طبع تو ضرور ہوں مگر سچ فرمایا کرتا ہوں[3] یہ تمام باتیں خبر ہی کی اقسام میں سے ہیں۔

لیکن وہ باتیں جو خبر کی اقسام میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ امور دنیاوی میں امر و نہی کی صورت رکھتی ہیں تو اس میں بھی خلاف گوئی آپ ﷺ سے صحیح نہیں اور آپ پر یہ جائز ہی نہیں کہ آپ کسی کو کوئی ایسا حکم دیں یا اس سے روکیں جس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی علیہ السلام کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت[4] کرے تو اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ دل کی خیانت کریں۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ

وَاِذْ تَقُوْلُ الَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ زَوْجَکَ.	اور اے محبوب جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دو۔
(پ ۲۲ الاحزاب ۳۷)	(ترجمہ کنز الایمان)

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے کہ اس لفظ کی ظاہر کیفیت سے حضور ﷺ کی تنزیہ و پاکی میں ہرگز شک نہ کرنا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تو روکنے کا حکم فرمایا اور دل سے آپ اس کی طلاق کے خواہاں تھے جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے لیکن زیادہ صحیح وہ بات ہے جسے مفسرین نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی حالت کو زیادہ جانتا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عنقریب آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

---

[1] سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۳۱ سنن ابو داؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۷۰

[2] ابن ابی دنیا کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۳

[3] سنن ترمذی کتاب البر جلد ۳ صفحہ ۲۳۱ مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۹ ے جلد ۹ صفحہ ۱۷

[4] سنن نسائی التحریم جلد ۷ صفحہ ۱۰۶ سنن ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ کتاب الحدود جلد ۴ صفحہ ۵۲۸

چنانچہ جب حضرت زید ﷜ نے آپ سے اپنی بیوی کا شکوہ کیا تو ان سے فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) اور آپ ﷺ نے اپنے دل میں اسے مخفی رکھا جس کی اطلاع اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دی تھی کہ بہت جلد آپ ﷺ اس سے نکاح فرمائیں گے جسے اللہ ﷻ ظاہر فرمائے گا کہ زید ﷜ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ﷺ انہیں اپنے حبالہ عقد میں لائیں گے۔[1]

اس کے مثل عمر بن فائد رحمۃ اللہ علیہ نے زہری ﷜ سے روایت کی۔ کہا کہ نبی کریم ﷺ پر حضرت جبریل ؑ نازل ہوئے اور بتایا کہ اللہ ﷻ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں لائے گا۔ پس یہی وہ چیز ہے جسے آپ نے اپنے دل میں مخفی رکھا۔ مفسرین کے اس قول کی تصحیح اللہ ﷻ کا یہ فرمان کر رہا ہے جو اس کے بعد وارد ہے کہ

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) اور اللہ کا حکم ہو کر رہنا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمائیں اور یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے اور کسی معاملہ کو ظاہر نہیں فرمایا بجز تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اسی چیز کو حضور ﷺ نے مخفی رکھا جس کی اطلاع (پہلے ہی) اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دی تھی اور اسی قصہ میں اللہ ﷻ کا یہ ارشاد کہ

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۸) نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لئے مقرر فرمائی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس یہ دلالت کر رہی ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ ﷻ ایسا نہیں کہ اپنے نبی کو اس میں جو آپ ﷺ کے لئے حلال تھا گنہگار کر دے۔ جس کو آپ ﷺ سے پہلے رسول بھی کرتے چلے آئے ہوں۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۸) اللہ کا دستور چلا آ رہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یعنی یہ نبیوں کی ایسی سنت ہے جسے اللہ ﷻ نے ان کے لئے حلال فرمایا تھا اور اگر وہ بات ہوتی جو قتادہ ﷜ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان سے محبت ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کو وہ بھلی معلوم ہوئی تھیں اور یہ کہ آپ ﷺ اس کے خواہاں تھے کہ حضرت زید ﷜ ان کو طلاق دے دیں[2] تو یقیناً یہ

---

[1] تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۵ الاحزاب ۳۷

[2] تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۶۱۷ الاحزاب ۳۷

بات بڑے عیب کی تھی اور یہ ایسی بات ہے جو آپ ﷺ کے شایانِ شان نہ تھی کہ آپ ﷺ اس طرف نگاہ مبارک اٹھائیں جس کی ممانعت فرما دی گئی تھی یعنی دنیاوی زندگی کی خوبصورتی کی طرف نظر فرمائیں اور یقیناً یہ بات حسد کی بنا پر ہوتی جو کہ بری ہے جسے متقی لوگ بھی کبھی اسے پسند نہیں کرتے۔ چہ جائے کہ سید الانبیاء ﷺ اختیار کریں۔

اور قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کی طرف ایسے قول کی نسبت بھی بہت بڑی جرأت اور آپ ﷺ کے حقوق اور آپ ﷺ کی فضیلت کی قلت معرفت کی وجہ سے ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گئے حالانکہ وہ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹی ہیں اور ان کی ولادت سے ہی برابر آپ دیکھتے رہے ہیں اور نہ یہ سبب بھی صحیح ہے کہ عورتیں آپ ﷺ سے پردہ کرتی ہوں۔ حالانکہ آپ ﷺ ہی نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرایا اور اب اللہ تعالیٰ نے زید رضی اللہ عنہ سے طلاق دلوائی اور وہی آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں لایا۔

اس قصہ میں یہ خاص حکمت الٰہی ہے کہ اس طرح پر متبنّٰی حرمت کا ازالہ اور زمانہ جاہلیت کی رسموں کا ابطال ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ. (پ ۲۲ الاحزاب ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ. (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷)

کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کی بیویوں میں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اسی طرح ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے اور ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یوں کہا جائے کہ پھر نبی کریم ﷺ کا اس میں کیا فائدہ تھا کہ آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ انہیں روکے رکھو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتا دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی بیوی بننے والی ہے۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان کو طلاق دینے سے باز رکھا اس لئے کہ ان دونوں کے مابین کوئی الفت نہ تھی اور اپنے دل میں اس اعلام الٰہی کو پوشیدہ رکھا۔ جس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو لوگوں کی اس چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ (دیکھو) اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔

اس پر اللہ ﷻ نے ان سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا تا کہ آپ ﷺ کی اُمت کے لئے اس قسم کے نکاح مباح بن جائیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ۔ تا کہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک کی بیویوں سے نکاح کرنے میں حرج نہ ہو۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۷)

اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا حضرت زید ﷛ کو روکے رکھنے کا حکم فرمانا اس لئے تھا کہ شہوت کو روکیں اور نفس کو اس کی خواہش سے محفوظ رکھیں۔ یہ بات بھی اس وقت درست ہوسکتی تھی جبکہ ہم آپ ﷺ پر یہ جائز رکھیں کہ آپ ﷺ نے اس کو اچانک دیکھ کر پسند فرمالیا۔ اس قدر کہنے کا کوئی انکار نہیں اس لئے کہ انسان طبعاً حسن کو پسند کرتا ہے اور اچانک نظر پڑ جانا بھی معاف ہے۔ پھر اپنے دل کو اس سے دور کیا اور حضرت زید ﷛ کو ان کے روکنے کا حکم دیا۔

البتہ انکار ان زیادتیوں کا ہے جو اس قصہ میں ہیں اور سب سے بہتر اور معتمد وہ روایت ہے جسے ہم نے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے بیان کیا اور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے یہی قول ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اسی کو قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور اسی پر ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اعتماد ہے اور کہا کہ محققین مفسرین کے نزدیک یہی معنی درست ہیں۔

ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس میں نفاق کے استعمال اور مافی الضمیر کے خلاف اظہار فرمانے سے منزہ ہیں اور یقیناً اللہ ﷻ نے اس سے آپ ﷺ کو منزہ رکھا کیونکہ اس کا ارشاد ہے: مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ۔ (پ۲۲ الاحزاب ۳۸) نبی پر کوئی حرج نہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ بھی ابن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسا گمان کیا یقیناً اس نے غلطی اور خطا کی اور کہا کہ حدیث میں لفظ خَشْيَةً کے معنی یہاں خوف کے نہیں ہیں بلکہ حیاء کے ہیں۔ اس کے معنی حیا کرنے کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کو ان کی ان چہ میگوئیوں سے حیا آئی کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا اور آپ کا یہ شرم کرنا منافقین اور یہود کی شرارتوں کی بنا پر تھا کہ وہ مسلمانوں پر آوازے کستے تھے کہ دیکھو اپنی بہوؤں سے نکاح کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد خود بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا جیسا کچھ بھی شور مچایا۔

اس پر اللہ ﷻ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی بکواس کی طرف توجہ فرمانے سے آپ ﷺ کو منزہ کردیا کیونکہ یہ آپ ﷺ کے لئے اللہ ﷻ ہی کا حلال کردہ ہے جیسا کہ اس وقت آپ ﷺ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جبکہ آپ ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کی خوشی کو ملحوظ رکھا تھا۔ سورۂ تحریم میں اللہ

ﷻ کا ارشاد ہے:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ۔ اے غیب بتانے والے نبی تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی۔ (پ ۲۸ التحریم ۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اسی طرح پر اللہ ﷻ کا یہاں یہ بیان فرماتا ہے کہ

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ط اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۳۷) (ترجمہ کنزالایمان)

حضرت حسن ﷺ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (بالفرض) اگر رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو چھپاتے تو یقیناً اس آیت کو چھپاتے کیونکہ اس میں اللہ ﷻ کی اس بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے جسے آپ ﷺ نے مخفی رکھا تھا۔ (واللہ اعلم) (تفسیر ترمذی جلد ۶ صفحہ ۱۶۷ الاحزاب ۳۷)

پانچویں فصل

بیان حدیث قرطاس (وصیت)

اب اگر تم یہ کہو کہ جبکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو اقوال اور تمام احوال میں معصوم ہونا ثابت کر دیا اور یہ بھی کہ آپ ﷺ سے خلاف گوئی اور اضطراب کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً خواہ صحت میں ہو یا بیماری میں خواہ جھگڑے میں ہو یا خوش طبعی میں خواہ مسرت وانبساط میں ہو یا غصہ میں کسی حال میں جائز نہیں ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہیں جو آپ ﷺ کی وصیت کے بارے میں ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالا سناد روایت کیا گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت کچھ لوگ آپ کے کاشانہ اقدس میں موجود تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھ دوں تا کہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ کیفیت شدت الم کی ہے[1] (آخر حدیث تک) دوسری روایت میں ہے کہ "لاؤ میں ایک وثیقہ لکھ دوں تا کہ میرے بعد ہرگز گمراہی میں نہ پڑو پھر وہ باہم جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے (دیکھتے نہیں) کہ حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہے کیا یہ شدت الم ہے؟ آپ ﷺ کی حالت کو سمجھو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری مرض النبی ﷺ وفات النبی ﷺ جلد ۶ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵۹

مجھے میری حالت پر چھوڑ دو میں جس حالت میں بھی ہوں بہتر ہوں اور بعض سندوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ شدت مرض میں مبتلا تھے اور ایک روایت میں ھَجَرَ دوسری میں اَھَجَرَ" اور اَھُجْرٌ مروی ہے اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر ﷺ نے کہا کہ آپ پر درد کی شدت ہے کیوں کتابت کی حضور ﷺ کو تکلیف دیتے ہو حالانکہ ہمارے پاس اللہ ﷺ کی کتاب کفایت کرنے والی موجود ہے اور شور بڑھ گیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس سے کھڑے ہو جاؤ اور ایک روایت میں کہ گھر والے مختلف ہو کر جھگڑنے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ (کاتب کو قریب کرو) تاکہ رسول اللہ ﷺ وثیقہ تحریر کرا دیں اور کسی نے وہ کہا جو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا۔

ہمارے ائمہ نے اس حدیث کے سلسلہ میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ امراض سے معصوم نہ تھے اور عوارضات مرض میں شدت الم بھی ہے اسی طرح ہر وہ چیز جو آپ ﷺ کے جسم اقدس پر پہنچے آپ ﷺ اس سے بھی معصوم نہ تھے البتہ آپ ﷺ اس سے ضرور معصوم تھے کہ اثنائے مرض میں آپ ﷺ کے کلام میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو آپ ﷺ کے معجزے میں خلل انداز ہو یا آپ ﷺ کی شریعت میں فساد کی مقتضی ہو۔ جیسے ہذیان یا اختلال کلام وغیرہ (آپ ان سے ضرور معصوم تھے)

علیٰ ہذا القیاس یہ بھی صحیح نہیں جو ظاہر روایت میں جس نے ھَجَرَ نقل کیا ہے کیونکہ اس کے معنی ہذیان کے ہیں جیسے مقولہ ہے ھَجَرَ ھَجْرًا اِذَا ھذَبِی اور یہ کہ اَھْجَرَ ھَجْرًا اِذَا فَحَشَ اور اَھْجَرَ ھَجَرَ کا متعدی صیغہ ہے۔ البتہ سب سے زیادہ صحیح اور بہتر اَھَجَرَ بطریق استفہام انکاری ہے مطلب یہ کہ یہ اس شخص پر انکار ہے جس نے کہا نہیں لکھتے۔ اسی طرح ہماری اس روایت کے مطابق صحیح بخاری میں تمام روایتوں سے پہلے زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور محمد بن سلام رحمۃ اللہ علیہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مذکور ہے۔ اسی طرح اسے اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں مرتب کیا اور دوسروں نے بھی اسی طریق پر نقل کیا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے سفیان رحمۃ اللہ علیہ اور دوسروں کی حدیث میں روایت کیا اور اسی روایت پر اس شخص کی روایت کو بھی محمول کیا جائے جس نے ہمزۂ استفہام کو حذف کر کے صرف ھَجَرَ کو اَھَجَرَ کی جگہ نقل کیا ہے یا یہ کہ قائل کے اس قول کو یعنی ھَجَرَ یا اَھْجَرَ کو اس پر محمول کیا جائے کہ شدت مرض اور تکلیف رسول اللہ ﷺ کو اور اس مقام کے سبب جس میں کہ آپ ﷺ پر اختلاف کیا گیا تھا اور جس کے باعث آپ ﷺ نے قصد کتابت فرمائی تھی قائل مذکورہ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ لفظوں کو بھی ضبط و محفوظ نہ رکھ سکا اور شدت الم کی جگہ وہ لفظ ھَجَرَ بمعنی ہذیان کہہ گیا۔ اس وجہ میں نہیں کہ اس کا یہ اعتقاد تھا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر

ہذیان کا حمل کرنا جائز ہے۔ جس طرح کہ کمال محبت و شفقت میں انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت کی۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴿ (پ۶ المائدہ ۶۷) اس کے مثل اور بھی صورتیں ہیں۔

لیکن وہ روایت جس میں اَهْجَرًا ہے وہ روایت ابواسحاق مستملی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح بخاری میں ہے۔ اس حدیث کو ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت قُتَيْبَة رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے ممکن ہے یہ ان لوگوں کی طرف راجع ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اختلاف کیا اور یہ باہم ایک دوسرے کو خطاب ہو مطلب یہ کہ ابھی سے تم رسول اللہ ﷺ کے روبرو ایسی بات لے آئے ہو جو بری اور چھوڑنے کے قابل ہے اور هُجر ہاء کے پیش کے ساتھ بمعنی کلام میں برائی کے ہیں۔

اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تم سامان کتابت لاؤ تو پھر انہوں نے کیوں اختلاف کیا؟

چنانچہ علماء نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کے احکام کی کئی نوعیتیں ہوتی تھیں بعض واجب، بعض مستحب اور مباح اور یہ بات قرائن سے سمجھی جاتی تھی۔ شاید کہ یہاں بھی حضور ﷺ کے اس حکم کو کسی قرینہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ کا یہ عزم مصمم نہیں ہے (یعنی حکم وجوبی نہیں) بلکہ آپ ﷺ کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے اختیاری ہے (یعنی مستحب یا مباح ہو) اور ممکن ہے بعض نے اسے سمجھا ہی نہ ہو۔ اس پر کسی نے کہا: آپ ﷺ سے دریافت کر لو۔ پس جب لوگوں کا اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ اس سے رک گئے کیونکہ یہ عزم مصمم نہ تھا۔

اور اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے صائب ہے۔ اس کے بعد علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا منع کرنا حضور ﷺ کی محبت و شفقت کی بناء پر ہو کہ ایسی شدت مرض کی حالت میں وثیقہ لکھوانے کی زحمت دینا آپ ﷺ کو اس سے مزید مشقت و تکلیف ہو گی۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ (دیکھتے نہیں) نبی کریم ﷺ پر کیسا شدت الم ہے اور بعضوں کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں حضور ﷺ ایسا حکم تحریر نہ فرما دیں جس سے امت عاجز رہے اور مخالفت کے ذریعہ حرج میں پڑ جائے اور یہ خیال کیا ہو کہ امت کے لئے یہی بہتر ہے کہ ان کے لئے اجتہاد غور و فکر اور اس صواب کی جستجو جس کے صواب و خطا میں بھی اجر ہے وسعت باقی رہے اور یقیناً یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ شریعت اور ملت کی اساس مقرر ہو چکی ہے۔

کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ. آج تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

(ترجمہ کنزالایمان) (پ۶ المائدہ۳)

اور یہ کہ حضور ﷺ کا بھی ارشاد ہے کہ میں تم کو کتاب الٰہی اور اپنی عترت کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔[1] اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ یعنی ''ہمیں کتاب الٰہی کافی ہے۔'' سو یہ اس کا جواب ہے جس نے آپ ﷺ سے نزاع کیا نہ یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم وارشاد کی مخالفت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ طعنہ زنی نہ کرنے لگیں کہ یہ وثیقہ تنہائی میں گھڑ لیا گیا ہے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگیں جیسا کہ روافض نے وصیت وغیرہ کا من گھڑت دعویٰ کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم ﷺ کی طرف سے ان کے لئے بطریق مشورہ و اختیار تھا آیا وہ سب اتفاق کرتے ہیں یا اس سے اختلاف۔ پس جب ان سے اختلاف رونما ہوا تو آپ ﷺ نے یہ ترک فرمایا۔ ایک اور جماعت اس حدیث کے معنی میں یہ کہتی ہے کہ دراصل نبی کریم ﷺ تو ان کی استدعا کو قبول فرمانے والے تھے چونکہ وہ آپ سے ایسے وثیقے کے خواہشمند تھے نہ یہ کہ شروع ہی میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا بلکہ آپ ﷺ سے بعض صحابہ نے ایسی استدعا کی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی خواہش قبول فرمائی لیکن دیگر اصحاب نے اس استدعا کو ان وجوہات کی بنا پر ناپسند کیا جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور اس جماعت نے اس قصہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا جو انہوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو بس اگر امر ہمارے لئے ہے تو ہم جان لیں گے مگر حضرت علی نے اسے ناپسند رکھا ان کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا (آخر حدیث تک)[2] اور اس جماعت نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اسی میں بہتر ہوں۔ مطلب یہ کہ میں امر کو پہنچانے کی بہ نسبت اس حال میں زیادہ خوش ہوں کہ میں اس امر سے باز رہوں اور تمہارے پاس صرف کتاب الٰہی ہے اور تم اپنی اس استدعا سے مجھے باز رکھو اور ذکر کیا کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کی تعیین اور اس کی کتابت کے خواہاں تھے۔

---

[1] طبرانی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۵

[2] صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ وباب وصال النبی ﷺ جلد ۶ صفحہ ۱۱

چھٹی فصل

کلمات بددعا کی توجیہات

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کی بھی توجیح بتا دی جائے جو

حدیث: حضرت ابوہریرہ ﷺ سے بالا سناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے خدا محمد تو ایک بشر ہی ہے جو اسی طرح غصہ کرتا ہے یقیناً میں نے تجھ سے وعدہ لے لیا ہے اے خدا تو ہرگز مجھ سے خلاف نہ کرنا۔ لہٰذا میں جس مسلمان کو بھی تکلیف دوں یا برا کہوں یا کوڑے ماروں تو تو اس کے لئے کفارہ اور قربت بنا دینا جس سے وہ بروز قیامت تیرا قرب حاصل کر سکے[1] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس کو بھی میں بددعا دوں اور ایک روایت میں ہے اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی میں برا کہوں یا اسے راندہ درگاہ کہوں یا اسے کوڑے ماروں تو اے خدا ﷻ یہ اس کے لئے پاکی، بخشش اور رحمت کا سبب بنا دے۔

حالانکہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے نبی کریم ﷺ غیر مستحق پر لعنت کریں یا غیر سزاوار کو برا کہیں یا غیر لائق پر کوڑے ماریں یا اسی قسم کی اور کوئی بات غصہ کی حالت میں کریں کیونکہ آپ ﷺ تو ان تمام باتوں سے معصوم ہیں۔

تو اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ تمہیں شرح صدر مرحمت فرمائے کہ حضور ﷺ کا اول یہ ارشاد کہ اے خدا ﷻ وہ اس کا اہل نہ تھا مطلب یہ کہ اے خدا تیرے نزدیک اس کی باطنی حالت ایسی نہ تھی کیونکہ آپ کا حکم تو ظاہر پر ہے جیسا کہ فرمایا اور ایسا فرمانا اس حکمت سے بھی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے (یعنی یہ کہ اس تواضع و انکسار میں بھی آپ کی امت آپ کی پیروی کرے) لہٰذا حضور ﷺ نے اسے کوڑے مار کر یا ادب سکھانے کے لئے برا کہہ کر یا لعنت کر کے جس کی بھی آپ ﷺ کے نزدیک اس کی ظاہری حالت مستحق تھی حکم بتا دیا پھر اپنی امت پر شفقت و مہربانی اور مسلمانوں کے لئے اپنی اس صفت رحمت سے جس سے اللہ ﷻ نے آپ کو متصف کیا ان کے لئے خاص طور پر دعا مانگی اور آپ اس سے ڈرے کہ اللہ ﷻ آپ کی بددعا قبول نہ کر لے اور دعا کی کہ اے خدا ﷻ اس بددعا اور اس فعل کو اس کے لئے رحمت بنا دے۔

یہی مطلب آپ ﷺ کے اس ارشاد کا ہے کہ وہ اس کے لائق نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۲۰۰۸

(معاذ اللہ) آپ کو غیظ وغضب نے برانگیختہ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ غیر مستحق مسلمان کے ساتھ ایسا فعل کریں۔ یہی معنی و مطلب صحیح ہے اور آپ کے اس ارشاد کا کہ "میں انسان کی طرح ہی غصہ کرتا ہوں۔" یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ آپ کو (معاذ اللہ) غیظ وغضب غیر واجبی عمل پر برانگیختہ کر دیتا ہے بلکہ جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ غضب نے آپ ﷺ کو لعنت یا برا کہنے سے بطور سزا برانگیختہ کر دیا ہو یا یہ کہ اس سزا میں کوئی احتمال نکلتا ہو اور اس کا معاف کرنا جائز تھا یا یہ کہ اس میں آپ ﷺ مختار ہوں کہ چاہے سزا دیں یا معاف فرما دیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امت کی تحذیر و ترہیب کے قائم مقام ہو اور حدود الٰہی سے تجاوز نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا اور دیگر کئی مواقع پر آپ ﷺ کی بد دعا بغیر قصد و ارادہ کے ہو بلکہ اہل عرب کی عادت و محاورہ کی بنا پر فرمایا ہو اور اس سے قبولیت مراد نہ ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد تیرا ہاتھ خاک آلود ہو[1] اور اللہ ﷻ تیرا پیٹ نہ بھرے[2] اور عقری حلقی[3] (کونچی کی سر منڈی) (عرف عام کی) دیگر بد دعائیں۔

اور آپ ﷺ کی صفت مبارکہ دوسری حدیثوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بدگو (فحش کلام) نہ تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ تو گالی دیتے تھے اور نہ بدگوئی (فحش کلامی) کرتے اور نہ لعنت کیا کرتے تھے۔ (زیادہ سے زیادہ) عتاب کے وقت ہم میں سے کسی کے لئے یوں فرما دیا کرتے کہ "اسے کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔" (صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۱)

لہٰذا (مذکورہ) حدیث کو اسی مفہوم پر محمول کرنا چاہئے۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ امت پر شفقت کے لئے ایسی دعاؤں کے قبول ہو جانے سے خوفزدہ ہو گئے اس لئے آپ ﷺ نے اپنے رب ﷻ سے عہد (وعدہ) کیا کہ اس قسم کے مقولوں اور محاورات کو بھی مسلمان کے لئے پاکی رحمت اور قربت کا ذریعہ بنا دے۔
(صحیح بخاری کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۹، صحیح مسلم کتاب الحدود جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۳)

اور کبھی آپ ﷺ کا یہ فرمانا اس کے لئے جس پر آپ ﷺ نے ایسی بد دعا کی ہے اس پر شفقت و محبت کے لئے ہوتا تاکہ وہ نبی کی لعنت سے ڈر کر اور خوفزدہ ہو کر اپنے کو اس کا حقیقتاً مستحق نہ سمجھ لے اور اسے وہ مقبول دعاؤں میں سمجھ کر اسے ناامیدی کا شکار نہ بنا دے۔

اور کبھی آپ ﷺ کا اپنے رب ﷻ سے اس شخص کے لئے جس کو آپ کوڑے ماریں یا اسے برا کہیں سوال کرنا بجا اور صحیح ہوتا تھا تاکہ یہ بد دعا اس کے لئے کفارہ بن جائے یا جو اسے صدمہ پہنچا ہے

[1] صحیح بخاری کتاب الادب جلد ۸ صفحہ ۳۱، صحیح مسلم کتاب الحیض جلد ۱ صفحہ ۲۵۰
[2] صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۱، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۴۳
[3] صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۱۱۹، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۶۸

وہ اس کے جرم کو مٹا دے اور ممکن ہے کہ دنیا میں اس کا سزا پانا آخرت میں اس کی مغفرت اور معافی کا سبب بن جائے جیسا کہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہوگا اسے دنیا میں سزا دی جائے گی پس وہی سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے جبکہ ان کا جھگڑا ایک انصاری کے ساتھ حرہ کی نالی پر ہوا تھا کہ اے زبیر رضی اللہ عنہ تم اتنا پانی پلا دو کہ ٹخنوں تک پہنچ جائے۔ اس وقت آپ ﷺ سے انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ تو آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس پر حضور ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا:

اے زبیر رضی اللہ عنہ پانی پلا لے پھر روکے رکھ یہاں تک کہ دیوار تک پانی پہنچ جائے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً نبی کریم ﷺ اس سے پاک ہیں کہ جو کسی مسلمان کے دل میں اس واقعہ سے کوئی شک وتردد واقع ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بطریق اعتدال صلح جوئی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پہلے تلقین فرمائی کہ وہ اپنی حاجت تک ہی اکتفا کریں۔ پھر جب دوسرا شخص اس پر راضی نہ ہوا تو از روئے انصاف انہیں ان کا پورا حق دلا دیا۔

اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ باب ہی مقرر کیا کہ جب امام صلح کا اشارہ کرے اور دوسرا انکار کرے تو اس پر پورا حکم نافذ کیا جائے اور اس حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پورا حق دلا دیا۔

بلاشبہ مسلمانوں نے اس قسم کے مقدمات میں اس حدیث کو اصل وضابطہ قرار دیا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی خواہ آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں فیصلہ کیا ہو یا خوشی کی حالت میں۔ اگرچہ آپ ﷺ نے قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے[1] مگر حضور ﷺ چونکہ دونوں حالتوں میں معصوم تھے (لہٰذا آپ کی پیروی ہر حال میں کی جائے گی) اور یہ بات بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ غصہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اپنے لئے نہ تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اسی طرح عکاشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی پیروی کی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو[2] اور یہ عمداً نہیں فرمایا تھا کہ (معاذ اللہ) غصہ نے آپ ﷺ کو برانگیختہ کر دیا ہو بلکہ خود حدیث میں آیا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ پر چھڑی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۹ صفحہ ۵۱، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۲

[2] ابو نعیم فی الحلیہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی صفحہ ۲۳۶

ماری تھی یہ میں نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے قصداً ماری تھی یا اونٹ کو مارنا چاہتے تھے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے عکاشہ رضی اللہ عنہ میں تجھے خدا کی پناہ دیتا ہوں کہ اللہ ﷻ کا رسول ﷺ تجھ پر قصداً چھڑی مارے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں مذکور ہے جو ایک اعرابی کا واقعہ ہے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ اے اعرابی تو اپنا بدلہ لے لے۔ اس پر اعرابی نے عرض کیا کہ میں نے آپ ﷺ کو معاف کیا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے اس وقت کوڑا مارا تھا جبکہ وہ اونٹ کی لگام سے چمٹا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ پھر دوسری مرتبہ سمجھایا اور اسے باز رکھا اور فرمایا: کیا تجھے کچھ ضرورت ہے اور اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ کوڑا مارا تھا۔ حالانکہ یہ بات بھی آپ ﷺ کی اس وقت ہے جبکہ پہلے دو مرتبہ اسے سمجھایا۔ اب وہ آپ کے سمجھانے اور منع کرنے پر بھی نہ مانے تو یہ عمل درست ہے اور یہ ادب سکھانے کا مقام ہے لیکن حضور ﷺ اتنے شفیق و مہربان تھے کہ اپنے اس حق کے لئے بھی اس سے معافی چاہی۔ بالآخر آپ ﷺ نے معاف کرا ہی لیا۔

اب رہی وہ حدیث جو سواد بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایسی حالت میں آیا کہ وہ خوشبو سے لت پت تھا تب آپ ﷺ نے فرمایا: ورس ہے ورس (جو ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے) اسے کھرچ دے کھرچ اور اپنے دست اقدس کی چھڑی میرے پیٹ پر ماری جس سے درد محسوس ہوا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم قصاص چاہتا ہوں۔

تب آپ ﷺ نے میرے لئے اپنا بطن اقدس کھول دیا[1]۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے ایک مکروہ بات میں آمادہ دیکھا تو اسے مارا تھا اور شاید کہ آپ ﷺ کا اپنی چھڑی سے مارنا اس کی تنبیہ کے لئے ہو مگر جب اسے درد محسوس ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا بدلہ دینے کا قصد فرمایا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ساتویں فصل

آپ ﷺ کے دنیاوی افعال

اب رہے آپ ﷺ کے دنیاوی افعال! تو ان کا حکم بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ دنیاوی افعال میں بھی معاصی اور مکروہات سے معصوم ہیں جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا اور یہ کہ ان میں سے کسی

---

[1] الحدیث بغوی فی معجم الصحابہ اخرجہ ابن سعد و عبدالرزاق فی جامعہ کمافی المناہل للسیوطی صفحہ ۲۳۶

فعل میں سہو وغلط بطریق مذکور خود جائز ہے اور یہ تمام باتیں آپ ﷺ کی نبوت کے لئے نقصان رساں نہیں ہیں بلکہ ان کا وقوع بھی نادرات میں سے ہے کیونکہ آپ ﷺ کے عام افعال درستی وصواب پر ہی ہوتے تھے بلکہ اکثر یا سب کے سب عبادت وقرب الٰہی کے قائم مقام ہوتے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ دنیاوی افعال کو صرف اتنا ہی اختیار فرماتے تھے جتنے سے ضرورت پوری ہو سکے اور جس سے جسمانی حیات قائم رہ سکے اور اس میں یہ مصلحت وحکمت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات شریف تو وہ ہے جو اپنے رب ﷻ کی عبادت کرتی اور اس کی شریعت کو قائم کرتی اور اپنی امت کے سیاسی امور کو بجالاتی اور وہ افعال جو آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کی امت کے درمیان دائر ہیں بایں طور انجام دیتے کہ آپ ﷺ ان سے حسن سلوک کرتے یا بھلائی میں فراخی کرتے یا قول حسن فرماتے یا ان کی سنتے یا کسی سرکش کی تالیف کرتے یا کسی معاند دشمن کو مغلوب فرماتے یا کسی حاسد کی مدارات کرتے تھے۔ یہ سب افعال اور امور آپ ﷺ کے اعمال صالحہ اور معمولات مقدسہ کے ساتھ حق ہیں۔

اور کبھی آپ ﷺ کے دنیاوی افعال مختلف حالتوں میں مخالف بھی ہوتے تھے اور دنیاوی افعال کے مشابہ امور کے لئے فراہمی سامان بھی کرتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ کسی کے پاس جاتے تو عام طور پر "دراز گوش" (حمار) پر سواری فرماتے اور سفر کی حالت میں اونٹ پر سوار ہوئے اور معرکہ جہاد میں ثابت کی خاطر خچر پر سوار ہوتے اور گھوڑے کی سواری کرتے اور گھوڑے کو نا گہانی وقت اور فریادی کی امداد واعانت کے لئے تیار رکھتے تھے۔

علیٰ ہذا القیاس باعتبار مصالح ذاتی اور مصالح امت کی خاطر آپ ﷺ اپنے لباس اور احوال میں بھی تبدیلی فرماتے تھے۔ اسی طرح اپنی امت کی مساعدت اور سیاست کے لئے وہی دنیاوی امور میں افعال اختیار کرتے تھے جس کا اقتضاء ہوتا تھا اور اس کے خلاف کو ناپسند فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی رائے میں اس کے سوا میں بھلائی نظر آتی ہو جیسا کہ بعض باتیں سبب بعض افعال کو چھوڑ دیا کرتے تھے حالانکہ آپ ﷺ اس کے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر خیال فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات امور دینیہ میں بھی آپ ﷺ ایسا کر گزرتے تھے جن کے کرنے یا نہ کرنے میں آپ ﷺ مختار ہوتے تھے۔

مثلاً مدینہ طیبہ سے اُحد کی طرف نکلنا حالانکہ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جہاد کے وقت مدینہ میں قلعہ بند ہوتے تھے یا جیسے کہ منافقین کی حالت کا علم ویقین کے باوجود دوسرے اشخاص کی تالیف اور

ان کے مسلمان اعزاء (عزیزوں) کی رعایت کی خاطر آپ ﷺ نے ان کے قتل کو ترک فرمادیا۔

اور یہ بھی ہے کہ آپ اسے ناپسند رکھتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرانے کو اختیار نہ فرمایا[1] اور یہ ترک قریش کے دلوں کی رعایت اور بایں خدشہ کہ کہیں اس کے تغیر و تبدل سے ان کے دل متنفر نہ ہو جائیں اور ان کی عداوت سابقہ جو وہ اسلام اور مسلمانوں سے رکھتے تھے پھر عود نہ کر آئے اسے برقرار رکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر مجھے تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو ضرور خانہ کعبہ کو قواعد ابراہیم علیہ السلام پر پورا کردیتا۔

(اسی طرح) آپ کوئی کام کرتے پھر اسے ترک فرمادیتے کیونکہ اس کے غیر میں بھلائی ہوتی تھی جیسے کہ روز بدر ان کنوؤں کے قریب پڑاؤ کرنا جو دشمنان قریش کے نزدیک تھے یا جیسے کہ (حجۃ الوداع میں) آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اپنے معاملہ میں پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی جواب ہوئی ہے تو میں ہدی (قربانی کے جانور) کو نہ لاتا[2] اور یہ کہ آپ ﷺ کفار و دشمن کی تالیف قلوب کے لئے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور نادان کی ایذا پر صبر فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ لوگ بہت شریر ہیں جن کے شر کی وجہ سے لوگ ان سے کنارہ کشی کریں اور آپ ایسوں کو عمدہ عمدہ اشیاء مرحمت فرماتے تاکہ وہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی شریعت کو اور آپ ﷺ کے رب ﷻ کے دین کو پسند کرنے لگیں اور آپ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں ایسے بھی کام کرتے جسے خادم و ملازم انجام دیتے ہیں اور آپ ﷺ ایسی ہیئت اختیار فرماتے جس کے اطراف و جوانب سے کوئی شے ظاہر نہ ہوتی اور آپ ﷺ کی مجلس میں حاضرین کی یہ ہیئت ہوتی کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ اپنے ہم نشینوں سے اس طرح کلام فرماتے گویا وہ پہلے سے واقف ہے اور آپ ﷺ بھی اسی طرح تعجب کا اظہار فرماتے جس طرح وہ متعجب ہوتے اور اسی طرح ہنسی کا اظہار فرماتے جس میں وہ لوگ ہنستے تھے اور آپ ﷺ کی اس کشادہ روئی اور عدل گستری نے لوگوں کو گرویدہ بنا لیا تھا اور غصہ کے سبب آپ ﷺ میں خفت اور سبکی نہ پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ ﷺ اپنے ہمنشینوں سے دل میں کوئی کدورت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ خائن ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۶۸

[2] صحیح بخاری کتاب الحج جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۸۸۸

اللہ عنہا سے اس شخص کے بارے میں فرمایا جب وہ داخل ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ "یہ خاندان کا برا بیٹا ہے۔" پس جب وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے نرم گفتگو فرمائی اور اس کے ساتھ مہربانی کا بھی اظہار فرمایا پھر جب وہ چلا گیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔

آپ نے فرمایا: وہ شخص لوگوں میں بدتر ہے جو لوگ اس کے شر کی وجہ سے بچنے لگیں اور یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ سے باطن کے خلاف ظاہر ہو اور اس کے پیچھے ایسی باتیں فرمائیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعل اس کے تالیف قلب کے لئے تھا تا کہ وہ خوش ہو جائے اور اس کا ایمان قائم رہے اور اس کے ساتھی اس سبب سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کو اس جیسا دیکھیں تو وہ اسلام کی طرف کھنچ آئیں اور آپ ﷺ کی اس قسم کی باتیں اس لئے ہوتی ہیں تا کہ وہ اس دنیاوی مدارات کے سبب دینی سیاست کی طرف راغب ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں) اور کبھی آپ ﷺ اللہ ﷻ کا مال دے کر تالیف قلوب کیا کرتے تھے تو نرم گفتگو کیسے اثر نہ کرے گی۔

چنانچہ صفوان ﷺ فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ دشمن تھے اس وقت آپ ﷺ مجھے مال بہت دیتے تھے اور آپ ﷺ برابر عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ اب آپ ﷺ میرے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ پیارے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "خاندان کا برا بیٹا" ہے درحقیقت یہ غیبت کی ضد ہے بلکہ جو اس کے حال سے لاعلم ہے اسے خبردار کرنا ہے تا کہ وہ اس کے حال سے ڈرے اور اس سے محترز رہے اور اس پر کامل اعتماد نہ کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ وہ قوم کا سردار اور مطاع ہو اور اس قسم کا اظہار جبکہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو اور نقصان کو دور کرنا متصور ہو تو وہ غیبت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات واجب ہوتا ہے جیسا کہ محدثین کی عادت ہے کہ راویوں پر جرح و قدح کرتے ہیں یا جیسے شہادت میں تنقیح و صفائی کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت بریرہ ﷺ[1] کی حدیث میں اس مشکل کے کیا معنی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت فرمایا جبکہ آپ کو انہوں نے باخبر کیا کہ بریرہ ﷺ کے مالکوں نے اس کی فروختگی سے انکار کر دیا بجز اس شرط کے کہ ان کے لئے ولاء باقی رہے۔ تب آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم ان سے خرید لو اور ان کی شرط ولاء کو مان لو۔ پھر آپ ﷺ جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب الٰہی میں نہیں ہے لہٰذا ہر وہ شرط جو کتاب الٰہی میں نہ ہو باطل ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ان کی

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ صحیح مسلم کتاب العتق صفحہ ۱۱۴۳_۱۱۴۲

شرط کو مان لینے کا حکم فرمایا اور اسی شرط پر انہوں نے فروخت کیا تھا۔ اگر یہ شرط منظور نہ ہوتی تو واللہ اعلم وہ اس کو حضرت صدیقہ کے ہاتھ نہ فروخت کرتے جس طرح کہ انہوں نے اس شرط سے پہلے نہیں فروخت کیا یہاں تک کہ وہ شرط اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شرط کو باطل قرار دے دیا۔ حالانکہ آپ نے ملاوٹ اور دھوکہ حرام قرار دیا ہے۔ تو اس کے جواب میں معلوم ہونا چاہیے اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ نبی کریم ﷺ اس سے منزہ ہیں جو نادان لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی عصمت وتنزیہہ کے پیش نظر ایک جماعت نے اس اضافہ کا انکار کیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ ولاء کی شرط مان لو'' اس لئے کہ اکثر سندوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اس اضافہ کو برقرار مان لینے کے باوجود بھی کوئی اعتراض وارد نہیں کیونکہ لَهُمْ کے معنی عَلَيْهِمْ کے کے بھی آتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے خلاف پر پر شرط مان لو) کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ. (پ۱۳ الرعد ۲۵) ان کا حصہ لعنت ہی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

لہٰذا اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے برخلاف شرط ولاء کو اپنے لئے مان لو اور آپ ﷺ کا قیام فرما کر نصیحت کرنا اس لیے ہوگا کہ انہوں نے پہلے اپنے لئے ولاء کی شرط کی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ''ان کے ولاء کی شرط یہ حکم کے معنی میں نہ تھا بلکہ تسویہ (برابری) اور اعلام (خبر) کے معنی میں تھا کہ ان کی یہ شرط نبی کریم ﷺ کے بیان فرمانے کے بعد نفع نہ دے گی کیونکہ یہ شرط آپ بتا چکے ہیں کہ ولاء صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم شرط مانو یا نہ مانو بہرصورت یہ شرط نفع بخش نہ ہوگی اور اسی طرف داؤدی رحمہ اللہ وغیرہ گئے ہیں۔ دراصل نبی کریم ﷺ کا ان کو جھڑکنا اور ملامت کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو اس کا پہلے سے علم تھا۔

اور تیسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کا فرمان کہ ان کے ولاء کی شرط لو'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اس کا حکم ظاہر کر دو اور ان کو آپ ﷺ کی سنت واضح کر دو کہ ولاء تو صرف غلام کے آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ اس کا حکم بیان کرنے اور اس کی مخالفت پر تنبیہ کرنے کے لئے جو ان سے سرزد ہوا کھڑے ہوئے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ فعل جو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کے کجاوے میں پیالہ رکھوا کر ان کو اس کے سرقہ کے الزام میں پکڑا اور وہ ماجرا اس سلسلہ میں ان کے بھائیوں پر گزرا اور آپ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ تم ضرور چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تو اس کے جواب میں تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ اللہ ﷻ تمہیں عزت دے کہ آیہ کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فعل اللہ ﷻ کے حکم سے تھا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ (پ ۱۳ یوسف ۷۶)

ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی بادشاہی قانون میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا چاہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

جب واقعہ اللہ ﷻ کی جانب سے ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی اس میں واقع ہے۔

نیز ایک یہ بھی سبب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی (بنیامین) کو مطلع کر دیا تھا کہ میں تیرا بھائی ہوں تم فکر نہ کرنا لہٰذا جو بھی ماجرا اس کے بعد گزرا وہ اس کی موافقت اور خواہش پر ہوا اور اس یقین پر کہ اس کے پیچھے بھلائی ہے اور اس طرح پر ان کی برائی اور مضرت دور کرنے کے لئے تھا لیکن یہ قول کہ

اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ (پ ۱۳ یوسف ۷۰)

اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو۔ (ترجمہ کنز الایمان)

تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے قول نہیں ہے۔ جس کا جواب دینا لازمی ہے جس سے شبہ کا ازالہ ہو اور یہ سزاوار ہے کہ اس قول کے کہنے والے پر خواہ وہ کوئی ہو عمدہ تاویل کی جائے یعنی یہ کہ اس کہنے والے نے گمان کیا ہو گا ظاہر حال میں تم چور ہو اور بلاشبہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اس بنا پر کہی کہ پہلے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا اور ان کو فروخت کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لہٰذا ہمیں یہ لازم نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وہ باتیں منسوب کریں جو ان سے مروی نہیں "کہ انہوں نے ایسا کہا ہے" حتیٰ کہ ان سے وہ باتیں دور کی جائیں اور ان کے سوا دوسروں کی لغزشوں کا عذر بیان کرنا لازم نہیں (کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں)

آٹھویں فصل

حکمتِ ابتلاء انبیاء و رسل علیہم السلام

اب اگر کوئی کہے اس میں کیا حکمت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر امراض

آتے اور ان پر اس کی شدت ہوتی تھی اور اس کی کیا وجہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ ﷻ نے بلاء و امتحان میں مبتلا کیا تھا جیسے حضرت ایوب' حضرت یعقوب' حضرت دانیال' حضرت یحیٰ' حضرت زکریا' حضرت عیسٰی' حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام وغیرہ پر گزرے حالانکہ یہ حضرات اللہ ﷻ کی مخلوق میں اس کے مختار محبوب اور برگزیدہ تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے کہ اللہ ﷻ کے تمام افعال مبنی بر انصاف اور اس کے تمام کلمات ایسے صادق جس میں قطعاً تبدیلی ممکن نہیں وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ ان سے فرمایا:

لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ٥ (پ ۱۱ یونس ۱۴) کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز فرمایا:

وَلِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ٥ (پ ۱۵ الکہف ۷) کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ. (پ ۴ آل عمران ۱۴۱) اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز ارشاد ہے:

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ٥ (پ ۴ آل عمران ۱۴۲) اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ ٥ (پ ۲۶ محمد ۳۱) اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

پس اللہ ﷻ کا طرح طرح کے امتحانوں میں مبتلا کرنا ان کے مرتبہ کی زیادتی اور ان کے درجات کی رفعت و بلندی کے لئے ہے اور یہ کہ ان کے صبر و رضا' شکر و فرمانبرداری' توکل و سپردگی' دعا و گریہ وزاری کے حالات و اسباب کو ظاہر کرتا ہے تاکہ آزمائش میں مبتلا ہونے والوں پر رحمت اور

مصائب و آلام میں پڑنے والوں پر شفقت دیکھ کر ان کی بصیرتیں اور زیادہ ہو جائیں جوان کے علاوہ دوسروں کے لئے یادگار اور ان کے سوا کے لئے نصیحت بن جائے تا کہ وہ بلا و مصائب میں ان کی پیروی کریں اور ان قصوں کو یاد کر کے جو ان پر گزرے ہیں خود کو تسلی دیں اور صبر میں ان کی اقتداء کریں اور یہ کہ ان کی لغزشوں اور غفلتوں کو جو ان سے صادر ہوئے مٹا دیئے جائیں تا کہ پاک و صاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں ان کی حاضری ہو اور انہیں پورا پورا اجر و ثواب ملے۔

حدیث: حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ کون سے حضرات ہیں جن پر سخت مصیبتیں اور بلائیں اتریں۔ فرمایا: انبیاء علیہم السلام پھر جو ان کی مثل ہیں پھر جو ان کی مثل ہیں کسی آدمی کا مبتلائے آلام و مصائب ہونا اس کے دین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ بندگان خاص سے بلائیں نہیں ٹلتیں یہاں تک کہ وہ ایسا کر دیتی ہے کہ زمین پر جب چلتا ہے تو اس پر کوئی خطا کا بار نہیں ہوتا[1]۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ (پ۴ ال عمران ۱۴۶) اور بہت سے نبی ایسے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بکثرت اللہ والے لڑے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان کی جان و اولاد اور اس کے مال میں ہمیشہ آزمائشیں ہوتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل سے جب ملاقات کرے گا تو اس پر ایک غلطی کا بھی بار نہ ہو گا۔ (سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۸)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل اپنے کسی خاص بندے پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے دنیا میں سختیاں ڈالنے میں جلدی کرتا ہے اور جب اللہ عزوجل کسی جان پر شر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو گناہوں کی حالت میں ہی چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بروز قیامت اس کی پوری سزا دے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اسے مبتلائے آلام کرتا ہے تا کہ گریہ و زاری کرے[2] اور سمرقندی رحمہ اللہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ عزوجل کی بارگاہ میں زیادہ عزت والا ہے اس پر اتنی ہی شدید بلائیں ہوتی ہیں تا کہ اس کی فضیلت ظاہر ہو جائے اور پورے ثواب کا مستحق بن جائے۔ جیسا کہ حضرت لقمان رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے میرے فرزند! سونے اور چاندی کو تو آگ پاک و صاف بناتی ہے اور مسلمان کو بلائیں ستھرا کرتی ہیں۔

---

[1] سنن ترمذی کتاب الزھد جلد ۴ صفحہ ۲۸، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۴، تحفۃ الاشراف جلد ۳ صفحہ ۳۱۸، مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۴۳

[2] مسند الفردوس جلد ۱ صفحہ ۲۵۱

منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ علیہ السلام نے ان سے وفور محبت میں نماز کی حالت میں ان کی طرف نظر ڈالی تھی حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام محو خواب تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ بلکہ وہ اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ایک بھنی ہوئی بکری کے کھانے میں مشغول تھے اور دونوں ہنس رہے تھے اور ان کے ایک ہمسایہ یتیم بچے نے اس کی مہک سونگھ کر اس کی خواہش کی اور رونے لگا۔ اس بچے کے رونے کے سبب اس کی بوڑھی ماں بھی رونے لگی حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزند اس سے لاعلم تھے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے افسوس میں رونے کے ساتھ عتاب فرمایا گیا اور انہیں اتنا رونا پڑا کہ ان کے دونوں حدقے بیٹھ گئے اور غم میں آنکھیں سفید ہو گئیں۔ پھر جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو مدت عمر تک آپ اپنے مکان کی چھت پر منادی کے ذریعہ نداء کراتے رہے کہ جس کے پاس روزینہ نہ ہو وہ آل یعقوب علیہ السلام سے آ کر لے لے اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جن سختیوں کے ذریعہ عتاب فرمایا اسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو مبتلائے آلام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی بستی والوں کے ساتھ ان کے بادشاہ کے پاس اس کے مظالم کی شکایت لے کر گئے بستی والوں نے بادشاہ کو سخت وست کہا مگر حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی زراعت کے خوف سے نرمی کا برتاؤ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بلا و مشقت میں مبتلا فرمایا۔

اور انہیں فوائد کے پیش نظر نبی کریم ﷺ پر مرض اور درد کی شدت ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی پر درد کی ایسی حالت نہ دیکھی[1] اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو آپ کے مرض میں دیکھا تو آپ پر شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ ﷺ پر تو بہت سخت و شدید بخار ہے۔ فرمایا: ہاں تم میں سے دو مردوں کے برابر مجھے بخار کی شدت ہے۔ عرض کیا گیا: یہ اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کو دوگنا اجر ملے۔ فرمایا: ہاں اس لئے یہ ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۰، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۰۔۱۹۹۱)

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ پر رکھا تو کہا: خدا کی قسم میں آپ پر اپنے ہاتھ کو آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں ہمارے لئے دوگنی مشقت ہوتی ہے کچھ نبی تو ایسے ہوئے ہیں جن کو قمل (جوئی) کے ذریعہ مبتلا کیا گیا یہاں تک اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور

---

[1] صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۰، صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۰۔۱۹۹۱

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۵، مستدرک کتاب الایمان جلد ۱ صفحہ ۴۰

کچھ نبی ایسے ہوئے جنہیں فقر میں مبتلا کیا گیا۔ یہ حضرات بلاؤں پر اتنے خوش ہوتے تھے جتنا کوئی فراخی پر خوش ہوتا ہے۔

سیدنا انس ﷜ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اجر عظیم بلاءِ عظیم کے ساتھ مربوط ہے[1] چنانچہ اللہ ﷻ جب کسی قوم کو محبوب بناتا ہے تو مبتلائے آلام کرتا ہے پس جو اس پر راضی رہا تو اس کے لئے اللہ ﷻ کی رضا ہے اور جو اس سے ناخوش ہوا تو اس کے لئے اللہ ﷻ کی ناراضگی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۔ (پ۵ النساء ۱۲۳) جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

یعنی مسلمان کو دنیا میں مصیبتوں کے ساتھ جزا دی جائے گی اور وہ اس کے لئے کفارۂ گناہ بن جائے گا۔ یہ روایت حضرت عائشہ، ابی اور مجاہد رضی اللہ عنہم کی ہے[2] اور حضرت ابوہریرہ ﷜ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد ہے کہ جس پر اللہ ﷻ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے مصیبت میں ڈالتا ہے[3] اور کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ جو بھی کوئی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی ہے اسے اللہ ﷻ اس کے لئے کفارہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اگر کانٹا بھی چبھے[4] اور کہا کہ

حضرت ابوسعید ﷜ کی روایت ہے کہ جو بھی کوئی تکلیف مسلمان کو پہنچے خواہ وہ مصیبت و تکلیف ہو یا حزن والم وغم حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو اللہ ﷻ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے[5] اور حضرت ابن مسعود ﷜ کی حدیث میں ہے کہ جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچتی تو اللہ ﷻ اس کے گناہوں کو اس کے ذریعہ جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔[6]

دوسری حکمت

اور دوسری حکمت جس کو اللہ ﷻ نے ان حضرات کے امراضِ جسمانی اور متواتر درد والم اور جانکنی میں شدت کو پسند کیا ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے قوائے نفسانی کمزور ہو جائیں۔ جانکنی کے وقت ان کی روح کے اخراج میں آسانی ہو جائے اور مرض کے مقدم ہونے اور جسم کے کمزور ہو

---

[1] سنن ترمذی کتاب الزہد جلد ۲ صفحہ ۲۷

[2] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۶، ۲۶، مستدرک کتاب التفسیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۸، حاکم معرفۃ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۵۵۳

[3] صحیح بخاری کتاب مرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰

[4] صحیح بخاری کتاب البر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۲ صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۹۹

[5] صحیح بخاری کتاب الطب جلد ۷ صفحہ ۱۹۹ صحیح مسلم کتاب البر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۳

[6] صحیح بخاری کتاب المرض جلد ۷ صفحہ ۱۰۰

جانے کے سبب وقت نزع اور شدت سکرات میں خفت ہو جائے۔ بخلاف اس جان کے جس پر اچانک موت آ جائے اور وہ موت کی گرفت میں آ جائے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ میت کی حالتیں شدت میں مختلف ہوتی ہیں اور ان پر طرح طرح کی سختیاں یا نرمیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن کی مثال کھیتی کے تنا کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہے[1] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی حیثیت اس نرم تنے کی سی ہے جسے ہوا جھکاتی رہتی ہے ہوا ساکن ہو جاتی ہے تو وہ تنا اعتدال پر رہتا ہے[2] یہی کیفیت مسلمان کی ہے جسے بلاء جھکاتی رہتی ہے اور کافر کی مثال درخت صنوبر کی ہے جو سیدھا کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان آفت رسیدہ، مصیبت زدہ، بیماری کا مارا تقدیرات الٰہیہ پر راضی اس پر اطاعت گزار اور رضائے الٰہی کی خاطر گردن خمیدہ رہتا ہے۔ ان بلاؤں پر اس کا ناراض نہ ہونا کھیتی کے نرم تنا کی طرح ہے جو بادِ صرصر کے آگے فرمانبردار رہتا ہے اور جدھر وہ چلتی ہے ادھر ہی جھک جاتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ مومن سے مصائب و آلام کے بادِ تند کو دور فرما دیتا ہے تو پھر وہ اعتدال پر آ جاتا ہے جس طرح سکون ہوا کے وقت کھیتی کا نرم تنا معتدل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بندۂ مومن بلاؤں کے دور ہونے کے بعد اپنے رب تعالیٰ کے شکر اور اس کے انعام کی معرفت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی رحمت و ثواب کا منتظر رہتا ہے تو جب بندے کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو نہ مرض الموت ستاتا ہے اور نہ اس پر ان بلیات کا پہنچنا گراں خاطر ہوتا ہے اور نہ سکرات موت اور نہ نزع روح اس پر دشوار ہوتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی سے مصائب و آلام کے جھیلنے کا عادی بن چکا ہوتا ہے اور اس پر اجر و ثواب کو وہ پہلے سے جان رہا ہوتا ہے جسے ان تمام شدائد و تکالیف کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہوتا ہے۔ اس کا دل بالکل مطمئن ہوتا ہے۔

بخلاف کافر کے!

کہ اس کے اکثر احوال میں چھوٹ ہے اور اس کا جسم درخت صنوبر کی طرح صحیح و سالم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو دفعتاً اس کی گردن توڑ دیتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی (اچانک موت کا حملہ ہو جاتا ہے) اور اسے بلا کسی نرمی و سہولت کے موت کا پنجہ دبا لیتا ہے جس کے سبب اس کی موت سخت اور حسرت ناک ہوتی ہے۔ اس کی روح کھینچنے کی حالت کو اس

---

1. صحیح بخاری کتاب المرضی جلد ۷ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۳

2. صحیح بخاری کتاب المرضی جلد ۷ صفحہ ۹۹، صحیح مسلم کتاب المنافقین جلد ۴ صفحہ ۲۱۶۳

کی جان کی قوت اوراس کے جسم کی صحت پر تکلیف کی شدت وعذاب کو قیاس کرنا چاہئے اور آخرت کا عذاب تو درخت صنوبر کے اکھاڑنے سے کہیں زیادہ شدید وسخت ہوگا۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ O (پ۹ الاعراف ۹۵)

تو ہم نے انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہی عادت الٰہیہ ہے اس کے دشمنوں کے درمیان جیسا کہ فرماتا ہے:

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ (پ۲۰ العنکبوت ۴۰)

تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ اللہ ﷻ نے ان پر اس حالت میں موت کو مسلط فرمایا جبکہ وہ اپنی سرکشی اور غفلت میں مدہوش تھے اور بغیر اتنا موقعہ دیئے کہ وہ مرنے کی تیاری کریں اچانک ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی لئے سلف صالحین نے بیان کیا ہے کہ بزرگان دین اچانک موت کو برا سمجھتے تھے اور اسی سلسلہ میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ وہ افسوسناک موت یعنی اچانک موت کو برا جانتے تھے۔

تیسری حکمت

تیسری حکمت یہ ہے کہ امراض پیام موت ہیں۔ مرض میں جس قدر شدت ہوگی موت کا خوف اسی قدر زیادہ ہوگا اور وہ موت کے لئے مستعد وتیار رہے گا (اور استغفار وغیرہ کا موقعہ ملے گا) کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنے رب ﷻ سے ملاقات کرے گا اور یہ امراض اس کی خبر گیری کر رہے ہیں اور اس دنیا کے گھر سے جس کی خرابیاں بکثرت ہیں بے پرواہ ہو کر اس کا دل آخرت کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے پس وہ ہر اس شے سے جو اللہ ﷻ کی جانب سے غافل کرے اس کے برے نتائج سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اور بندوں کی طرف ان کے حقوق کو ادا کرتا ہے اور جب اپنے محتاجوں کی طرف نظر کرتا ہے تو اپنے پسماندگان میں ان کی وصیت کرتا ہے یا ان کی نگہداشت کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ ہمارے نبی کریم ﷺ باوجودیکہ گزشتہ وآئندہ سب سے مغفور ہیں وہ اپنے مرض میں ان لوگوں سے دستگاری کے طالب ہوئے جن کا آپ ﷺ پر کوئی مال یا آپ ﷺ کے بدن اقدس پر کوئی حق تھا اور آپ ﷺ نے مال وجان سے بدلہ دینا چاہا اور ایسے حقدار کو آپ ﷺ نے اپنے پر قصاص (بدلہ) کی اجازت دی۔ جیسا کہ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حدیث وفات میں وارد ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد جن وانس کو کتاب اللہ ﷻ اور اپنی عترت کو لازم پکڑنے اور انصار کے ساتھ

نرمی برتنے کی وصیت فرمائی اور ان کو تحریر وثیقہ کے لئے بلایا تاکہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت گم گشتہ راہ نہ ہو اور یہ دعوت کتابت یا تو نص خلافت کے لئے تھی یا کوئی اور مقصد ہو اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر اس سے باز رہنے کو آپ ﷺ نے افضل و بہتر خیال فرمایا۔

یہی کیفیت اللہ ﷻ کے مومن بندوں اور اس کے متقی ولیوں کی سیرت میں ہے اور ان تمام کیفیات سے اس کی کافر مخلوق محروم ہے کیونکہ انہیں مہلت دی جاتی ہے تاکہ ان کے گناہ اور بڑھیں اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے جس کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ o فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ o (پ ۲۳ یٰسین ۵۰-۴۹)

وہ راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آ لے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اچانک مر گیا تھا' پاکی ہے اللہ ﷻ کو (سبحان اللہ) گویا کہ آپ ﷺ کو کوئی غصہ کی بات معلوم ہوئی (فرمایا) محروم وہ ہے جو آپ وصیت کرنے سے محروم رہا اور فرمایا: اچانک موت مسلمانوں کے لئے تو راحت ہے مگر کافر و فاجر کے لئے افسوسناک گرفت ہے[1] اور یہ اس لئے کہ مومن کو جو موت آتی ہے تو وہ اکثر اس کے لئے مستعد و تیار ہوتا ہے کیونکہ اکثر وہ حکم الٰہی کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہتا ہے تو اس کے لئے کیوں رحمت نہ ہو۔ ایسے شخص پر اس کا آنا ہر طرح آسان ہوتا ہے چاہے جس طرح وہ مرے۔ کیونکہ وہ دنیا کی اذیتوں سے راحت عقبیٰ کی طرف جاتا ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان خود بھی راحت پانے والا ہے اور دوسروں کو بھی راحت پہنچانے والا ہے۔ (مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۳)

اور کافر اس وقت مرتا ہے جبکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نہ تو خود اس نے اس کی تیاری کی اور نہ ڈرانے اور گھبرا دینے والے مقدمات و حالات پہنچے بلکہ اچانک موت نے گھیر لیا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ پس اس کے رد کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور نہ وہ موت کا منتظر ہی تھا۔ تو اب موت اس پر اشد ترین شے معلوم ہوگی اور دنیا کی جدائیگی سے دردناک صدمہ ہوگا اور یہ اسے نہایت شاق گزرے گا۔

اسی معنی کی طرف حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو اللہ ﷻ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ ﷻ بھی اس کی لقا کو محبوب رکھتا ہے اور جو لقاء الٰہی کو ناپسند رکھتا ہے اللہ ﷻ بھی اس سے لقاء کو ناپسند رکھتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق جلد ۸ صفحہ ۱۹۰ صحیح مسلم کتاب الذکر جلد ۴ صفحہ ۲۰۶۵)

[1] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۴ مجمع الزوائد ۲۰۹

قسم چہارم

وجوہات تنقیص وتوہین اور اس کے احکام شرعیہ

موہن وشاتم کا حکم قتل

یہ چوتھی قسم ان احکام کے وجوہات کے بیان میں ہے جو نبی کریم ﷺ کی تنقیص وتوہین کرنے یا حضور ﷺ کو معاذ اللہ گالی دے۔ چنانچہ قاضی ابوالفضل بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ یہ بات کتاب وسنت اور اجماع امت سے گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں اور یہ بھی متعین کیا جا چکا ہے آپ ﷺ کا احسان اور آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور اکرام کیا گیا ہیں۔ ان اعتبارات کے لحاظ سے اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کو اذیت وتکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی حضور ﷺ کی تنقیص شان کرے یا آپ ﷺ پر سب و شتم کرے اسے قتل کردیا جائے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۵۷)

بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور ارشاد ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ○ (پ ۱۰ التوبہ ۶۱)

اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

وَمَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمًا○ (پ ۲۲ الاحزاب ۵۳)

اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور اللہ ﷻ تعریض اور ذو معنی (دو معنی والے) الفاظ کے استعمال کو آپ ﷺ کے لئے حرام قرار

دیتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا۔ اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سنو۔

(پ البقرہ ۱۰۴) (ترجمہ کنزالایمان)

یہ تحریم اس لئے ہے کہ یہودی کہتے تھے رَاعِنَا یَا مُحَمَّدُ یعنی اپنے کان سے ہماری بات سنیئے اور ہماری رعایت کیجئے۔ اس سے وہ رعونت بمعنی نادانی یا بیوقوفی مراد لیتے تھے تو اس پر اللہ ﷻ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کو روک دیا اور ہمیشہ کے لئے اس ذریعہ کی ممانعت فرما کر قطع کر دیا تاکہ کفار و منافقین کو آپ ﷺ پر سب و شتم اور استہزاء کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ اس لئے ممانعت فرمائی کہ اس کے لفظوں میں مشارکت تھی اس لئے کہ یہودیوں کے یہاں اس کے معنی اِسْمَعْ لَا سُمِعْتَ ہے یعنی سنیئے اور آپ کی نہ سنی جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ قلت ادب اور نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ممانعت فرمائی گئی کیونکہ لغت انصار میں اس کے معنی یہ تھے کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہم آپ کی رعایت کریں گے تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا کیونکہ ضمناً یہ بات پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ کی رعایت کے ساتھ ہی وہ رعایت کریں گے حالانکہ آپ ﷺ کی رعایت ہر حال میں واجب ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر نام رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: میرے نام کے ساتھ تو نام رکھو لیکن میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت نہ رکھو۔ تاکہ آپ ﷺ کی ذات شریفہ اذیت سے محفوظ و مصئون رہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی ندا کا جواب دیا کہ وہ پکار رہا تھا: یَا اَبَا الْقَاسِمِ. تب اس شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا تھا میں تو فلاں کو پکار رہا تھا۔[1] تو اس وقت آپ ﷺ نے اپنی کنیت پر کنیت مقرر کرنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کو اس کے سوا کسی اور کے پکارنے سے جو آپ ﷺ کو نہ پکارتا ہو ایذا نہ پہنچے اور منافقین اور استہزاء کرنے والوں کو آپ ﷺ کی ایذا رسانی اور منقصت کا موقع نہ ملے کہ وہ آپ ﷺ کو آواز دیں اور جب آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوں تو وہ آپ ﷺ کی تکلیف دہی اور استخفاف کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم تو آپ ﷺ کے سوا کسی اور کو پکار رہے تھے۔ جس طرح شعدوں اور مسخروں کی عادت ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنی ہر طرح اذیت سے حفاظت فرمائی۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۴ صفحہ ۶۹، صحیح مسلم کتاب الادب جلد ۳ صفحہ ۱۶۸۲۔۱۶۸۳۔۱۶۸۴

علماء محققین نے اس ممانعت کو آپ ﷺ کی مدت حیات ظاہری تک محمول کیا ہے اور آپ ﷺ کے وصال فرمانے کے بعد اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ ممانعت کی علت اذیت ہے وہ مرتفع ہو چکی اور اس حدیث میں لوگوں کے بکثرت مذاہب ہیں اس کے ذکر کا یہ مقام نہیں جو قول ہم نے بیان کیا ہے وہ جمہور کا مذہب صواب ہے انشاء اللہ ﷻ۔ چونکہ اس کی ممانعت آپ کی تعظیم و توقیر کے لئے بر سبیل استحباب ہے نہ کہ حرام قرار دینے کے لئے اور اسی بنا پر آپ ﷺ نے اپنے نام پر نام رکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے نام سے پکارنے کی ممانعت فرما دی تھی۔ اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہو۔

(پ ۱۸ النور ۶۳) (ترجمہ کنز الایمان)

اسی لئے تمام مسلمان آپ کو یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اور یَا نَبِیَّ اللّٰہ سے پکارتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی کنیت "ابو القاسم" سے بھی کچھ لوگ بعض حالتوں میں پکار لیتے ہیں۔

حضرت انس ﷺ نے حضور ﷺ سے وہ روایت نقل کی جو آپ ﷺ کے نام پر نام رکھنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے بھی منزہ رکھا کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توقیر نہیں ہے۔

چنانچہ فرمایا: اپنی اولاد کا نام محمد رکھ کر انہیں برا بھلا بھی کہتے ہو[1] اور مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم ﷺ نے اہل کوفہ کو خط لکھا کہ نام نبی پر کسی کا نام نہ رکھیں اسے ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام محمد تھا اور دوسرا شخص اس کو گالی دے رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا: اے محمد تیرے ساتھ اللہ ﷻ ایسا کرے اور بنائے۔ اس پر سیدنا عمر فاروق ﷺ نے اپنے بھتیجے محمد بن زید بن خطاب ﷺ سے کہا: میں ایسا نہ دیکھوں کہ تیرے سبب سے (نام محمد کو) گالی دی جائے۔ خدا کی قسم میں محمد کہہ کر کبھی تجھ کو نہ پکاروں گا جب تک میں زندہ ہوں اور ان کا نام عبد الرحمٰن رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں میں سے کسی نام پر نام نہ رکھا جائے اس میں ان کی عزت و تکریم ہے۔ چنانچہ ایسے ناموں کو بدل دیا اور فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام نہ رکھے جائیں۔ پھر آپ ﷺ اس کی ممانعت کرنے سے باز رہے۔

حالانکہ مذہب صواب یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ سب نام جائز ہیں اس دلیل سے کہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق رہا ہے اور صحابہ کی ایک جماعت نے اپنی اولاد کا نام محمد یا اپنی کنیت ابو القاسم

[1] مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۳۹۔۴۸

رکھی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے[1] اور بلاشبہ حضور ﷺ نے اسم امام مہدی اور ان کی کنیت کی خبر دی ہے[2] اور یہ کہ آپ ﷺ ہی نے محمد بن طلحہ، محمد بن عمرو بن حزم، محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ عنہم وغیرہ نام مقرر فرمائے تھے اور فرمایا تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھر میں ایک محمد، دو محمد اور تین محمد ہوں۔

ہم پہلے اس بحث کو دو بابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

پہلا باب

وہ الفاظ جن سے تنقیص و توہین ہوتی ہے

معلوم ہونا چاہئے اللہ ﷻ ہمیں اور تم کو توفیق خیر دے کہ تمام وہ باتیں جس سے نبی کریم ﷺ کے لئے بطور سب (گالی) بولی جائے یا جس سے آپ ﷺ کی عیب جوئی ہوتی ہو یا آپ ﷺ کی ذات شریفہ یا آپ ﷺ کے دین یا آپ ﷺ کے اسوہ یا آپ ﷺ کے خصائل میں سے کسی ایک خصلت میں نقصان لاحق ہوتا ہو یا بطریق سب (گالی) آپ ﷺ پر تعریض یا اس کے مشابہ لفظ بولے یا بر سبیل سبّ وشتم استخفاف یا تحقیر و تصغیر شان کرے یا آپ ﷺ کی نکتہ چینی یا عیب جوئی کرے وہ سب گالی میں شمار ہو گا اور اس کا حکم گالی دینے والے کی طرح حکم قتل ہو گا۔

جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور ہم ان اقسام میں سے جو اس مقصد پر ہیں کسی کو مستثنیٰ قرار نہ دیں گے اور نہ اس میں کسی طرح شک وشبہ کریں گے خواہ وہ صراحتاً ہو یا اشارتاً۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جو آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ پر بددعا کرے یا آپ ﷺ کے نقصان کا خواہشمند ہو یا آپ ﷺ کی طرف ایسی چیز بطریق مذمت منسوب کرے جو آپ ﷺ کے منصب عالی کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی جہت عزیز کی طرف کوئی بیہودہ یا فحش یا بری یا جھوٹ بات کی اضافت کرے یا آپ ﷺ کو کسی ایسی مصیبت یا مشقت کے ساتھ عار دلائے جو آپ ﷺ پر گزری ہو یا ان بعض عوارض بشریہ جن کا صدور آپ ﷺ کی طرف سے جائز یا معہود ہے اس کے سبب سے حقیر جانے۔ (یہ سب آپ کی اہانت و تنقیص میں شمار ہوں گی) ان تمام باتوں پر صحابہ کرام ﷺ سے لے کر آج تک کے علماء و ائمہ فتویٰ کا اجماع رہا ہے (کہ جو کوئی گالی دے یا تنقیص شان کرے اسے قتل کر دیا جائے)۔

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الادب جلد ۵ صفحہ ۲۵۰ سنن ترمذی کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۲۱۵

[2] سنن ترمذی کتاب الفتن جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ سنن ابو داؤد کتاب الادب جلد ۴ صفحہ ۳۷۷

ابوبکر بن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے وہ قتل کر دیا جائے۔

اور جو علماء اس کے قائل ہیں ان میں امام مالک بن انس، لیث، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ ہیں اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا اقتضاء یہی ہے۔ ان علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور (امام اعظم) ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری و اہل کوفہ اور اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی فرمایا ہے لیکن یہ سب فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے اور اسی کے مثل ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔

اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کی مثل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے نقل کیا کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو حضور ﷺ کی تنقیص کرے یا آپ ﷺ سے بیزار ہو یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو آپ کو گالی دے وہ مثل زندیق مرتد ہے۔

اسی بنا پر اس کی توبہ قبول کرنے اور اس کی تکفیر کرنے میں اختلاف واقع ہوا کہ آیا اس کا قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا یا کفر کی وجہ سے۔ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ ﷻ دوسرے باب میں اسے بیان کریں گے اور ہمیں ہمعصر علماء اور سلف امت کے مابین ایسے کے مباح الدم ہونے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ بلاشبہ بکثرت علماء نے اس کے قتل و کفر پر اجماع نقل کیا ہے اور بعض ظاہریوں نے یعنی ابومحمد علی بن احمد فارسی رحمۃ اللہ علیہ نے استخفاف کرنے والے کی تکفیر میں اختلاف کا اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ مشہور وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ شاتم نبی ﷺ اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت مسلمہ کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ کَفَرَ یعنی جو اس کے کفر اور مستحق عذاب الٰہی ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے اور فقیہہ ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے ایسوں کے قتل کرنے کے حکم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مالک ابن نویرہ کو قتل کرنے سے حجت پکڑی ہے کیونکہ مالک ابن نویرہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے صَاحِبُکُمْ (تمہارے ساتھی) سے تعریض کی تھی۔

ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی مسلمان کو نہیں جانتا جس نے اس کے قتل

کے وجوب میں اختلاف کیا ہو۔ جبکہ وہ مسلمان کہلاتا ہو اور ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے "کتاب ابن سحون" اور "مبسوط" اور "عتبیہ" میں کہا ہے اور اسے مطرف رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے "کتاب ابن حبیب" میں نقل کیا ہے کہ جو مسلمان نبی کریم ﷺ پر سب وشتم کرے وہ قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے "عتبیہ" میں کہا کہ جو بھی آپ ﷺ کو برا کہے یا گالی دے یا عیب جوئی کرے یا تنقیص شان کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا حکم امت مسلم کے نزدیک قتل زندیق کی مثل ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی توقیر اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور "مبسوط" میں عثمان بن کنانہ رحمتہ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ جس مسلمان نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ سولی پر چڑھا دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور امام (حاکم وقت) کو اختیار ہے کہ چاہے وہ زندہ سولی پر چڑھا دے یا اسے قتل کر دے۔

اور ابی مصعب اور اویس رحمہما اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو برا کہا یا گالی دی یا عیب جوئی یا تنقیص شان کر دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ ہمیں اصحاب مالک رحمہم اللہ نے خبر دی ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے نبی کریم ﷺ کو یا آپ ﷺ کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور اصبغ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر حال میں ایسوں کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ چھپا کر کہے یا اعلانیہ کہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ اس کی توبہ مشہور نہیں ہو سکتی۔

اور عبداللہ بن عبدالحکم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا جو بھی نبی کریم ﷺ کو گالی دے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اور طبری رحمتہ اللہ علیہ نے اسی کے مثل اشہب رحمتہ اللہ علیہ سے وہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے۔

اور ابن وہب رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کی چادر ایسی ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زرہ دریدہ (گندی) ہے اور اس کی مراد اس سے عیب جوئی ہو تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض مالکی علماء فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ جس نے کسی نبی کے لئے ویل کی یا کسی

مکروہ شے کی بددعا کی وہ بلاتوبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔
اور ابوالحسن قابسی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے حق میں حمال (بوجھ اٹھانے والا) ابوطالب کا یتیم کہا تھا۔
اور ابومحمد بن زید رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا جو ایسی قوم سے سنے کہ وہ قوم نبی کریم ﷺ کی صفت بیان کر رہی ہو اور اتفاقاً ان میں ایک ایسا مرد گزرے جو بدصورت اور بدریش ہو پھر وہ قوم سے کہے اگر تم حضور ﷺ کی صفت جاننا چاہتے ہو تو دیکھو آپ ﷺ (معاذ اللہ) اس بدصورت اور بدریش گزرنے والے شخص کی طرح تھے۔
ابومحمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ اس نے یقیناً جھوٹ بکا اللہ ﷻ کی اس پر لعنت اور ایسی بات کسی سلیم الایمان کے دل سے نہیں نکلتی۔
اور احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے کہا جو کہے نبی کریم ﷺ سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ جس سے کہا گیا کہ نہیں اور قسم ہے رسول اللہ ﷺ کے حق کی تو اس نے کہا خدا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور کوئی بری بات ذکر کی تو اس سے کہا گیا اے اللہ ﷻ کے دشمن تو کیا بکتا ہے تو اس پر اس نے پہلے سے زیادہ سخت بات کہی پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بچھو مراد لیا تھا۔ اس پر ابن سلیمان رحمتہ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا جس نے ان سے ایسی بات دریافت کی تھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور میں تیرا شریک ہوں مطلب یہ ہے کہ (تو اسے قتل کردے گا) اس کے قتل و ثواب میں تیرا شریک ہوں۔
حبیب ابن ربیع رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ صریح میں دعویٰ تاویل ناقابل قبول ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی توہین و تحقیر ہے اور یہ شخص آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا ادا کرنے والا نہیں ہے لہٰذا اس کے خون کا مباح ہونا واجب ٹھہرا۔
اور ابوعبداللہ بن عتاب رحمتہ اللہ علیہ نے اس عشر لینے والے پر قتل کا فتویٰ دیا جس نے کسی شخص سے کہا تھا۔ مجھے عشر ادا کر دو اور اس کا شکوہ نبی کریم ﷺ سے کر دو اور اس نے کہا کہ اگر میں نے مانگا ہے یا نادانی کی ہے تو (معاذ اللہ) حضور ﷺ نے نادانی کی اور انہوں نے مانگا۔
اور فقہائے اندلس نے ابن حاتم طلیطلی کے قتل کرنے اور صولی دینے کا متفقہ فتویٰ دیا کیونکہ اس کے اوپر گواہی گزری کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے کیونکہ اس نے مناظرہ کے دوران حضور ﷺ کو یتیم اور حیدر کا ختن[1] کہہ کر خطاب کیا تھا اور دعویٰ کیا کہ آپ کا زہد اختیاری نہ تھا اور

[1] حیدرہ (حضرت علی ﷺ) کا خسر

اگر آپ قدرت رکھتے تو طیبات کھاتے اور اس قسم کے اور خرافات بکے تھے۔ (معاذ اللہ)

اور قیروان کے فقہاء اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے ابراہیم فزاری کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا حالانکہ وہ ایک شاعر اور اکثر علوم کا ماہر تھا۔

اور قاضی ابوالعباس، بن طالب کی مجلس مناظرہ میں حاضر ہوا کرتا تھا پس اس پر بہت سی ایسی بے ہودہ باتیں ثابت ہوئیں جس میں اللہ ﷻ انبیاء کرام علیہم السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں استخفاف واستہزاء تھا۔ اس پر قاضی یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فقہاء نے اسے عدالت میں طلب کیا اور اسے قتل کرنے اور سولی دینے کا حکم دیا چنانچہ اس کے پیٹ میں چھری ماری گئی اور الٹا کر کے سولی دی گئی پھر اتارا گیا اور آگ میں جلایا گیا۔

اور بعض مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ جب اس کی سولی کا تختہ اٹھایا گیا اور وہ لوگوں کے ہاتھوں علیحدہ ہوا تو تختے نے چکر کاٹا اور اسے قبلہ سے پھیر دیا تو یہ تمام کے لئے عبرتناک نشانی تھی اور لوگوں نے تکبیر بلند کی پھر ایک کتا آیا اور اس کے خون کو چاٹا۔

اس پر یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا اور آپ ﷺ کی ایک حدیث ذکر کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کتا کسی مسلمان کا خون نہیں پیتا ہے۔

قاضی ابوعبداللہ بن مرابط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کو ہزیمت ہوئی تو اس سے توبہ کرائی جائے ورنہ وہ قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی۔

اس لئے کہ یہ مسلمان پر جائز نہیں خاص کر آپ ﷺ کے حق میں یہ کہے۔ کیونکہ آپ کو اپنے معاملہ کا انجام معلوم اور اپنی عصمت پر یقین تھا۔

حبیب بن ربیع قروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے حق میں ایسی بات کہے جس میں تنقیص شان ہو اسے بلا توبہ لئے قتل کر دیا جائے۔

ابن عتاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت دونوں اس شخص کے قتل کو واجب ٹھہراتے ہیں۔ جو نبی کریم ﷺ کی ایذا یا منقصت کا ارادہ کرے خواہ وہ تعریضاً ہو یا تصریحاً اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ ہر اس بات سے جن کو علماء نے گالی یا منقصت میں شمار کیا ہے۔ اس کے قائل کو قتل کرنا واجب ہے۔ اس میں متقدمین ومتاخرین علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہے بھی تو

اس میں جس کا ہم نے اشارہ کیا (یعنی بلا توبہ کے قتل کیا جائے یا توبہ قبول نہ کی جائے وغیرہ) اور اسے ہم بعد میں بھی بیان کریں گے۔

علیٰ ہذا القیاس میں کہتا ہوں کہ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو آپ ﷺ پر کوئی عیب لگائے یا آپ ﷺ کے بکری چرانے یا سہو و نسیان یا سحر یا وہ زخم جو آپ ﷺ کو کبھی کبھی لگے یا جو بعض لشکروں کو ہزیمت ہوئی یا جو آپ ﷺ کے دشمن سے اذیت پہنچی یا اہل زمانہ سے جو تکلیف پہنچی یا جو بیویوں کی طرف آپ ﷺ کا میلان تھا وغیرہ سے آپ ﷺ کو عار دلائے۔ پس ان تمام باتوں کا حکم جو آپ ﷺ کی اس کے ذریعہ تنقیص شان کا ارادہ کرے قتل کر دینا ہے۔ اس بارے میں علماء کے مذاہب کچھ تو گزر چکے اور آگے بھی آ رہے ہیں جو اسی پر دلالت کریں گے۔

پہلی فصل

دلائل وجوب قتل

اب وہ دلائل بیان کیے جاتے ہیں جس کی بنا پر اس شخص کا قتل واجب ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے یا عیب لگائے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اللہ ﷻ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کو ایذا پہنچائے (اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ) اللہ ﷻ نے آپ کی ایذا رسانی کو اپنی ایذا رسانی کے ساتھ ملایا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو آپ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔

بلاشبہ لعنت کا وہی مستوجب ہوتا ہے جو کافر ہو اور کافر کا حکم قتل ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۵۷)

بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور مومن کے قاتل کے لئے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لہٰذا دنیا میں اس کی لعنت قتل ہے۔

اللہ ﷻ فرماتا ہے:

مَلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔ (پ ۲۲ الاحزاب ۶۱)

پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور لڑنے والوں کے بارے میں اور ان کی سزا کے بیان میں اللہ ﷻ فرماتا ہے:

ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا۔ (پ ۶ المآئدہ ۳۳)

یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور کبھی قتل کے معنی لعنت کے آتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ. (پ۲۶ الذّٰریٰت ۱۰) مارے جائیں گے دل سے تراشنے والے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے کیے جاتے ہیں۔ (پ۱۰ التوبہ ۳۰) (ترجمہ کنزالایمان)

مطلب یہ کہ اللہ ﷻ ان پر لعنت کرے اور اس لئے ان دونوں کی ایذا اور مومنین کی ایذا کے مابین فرق ہے کہ مومنین کے ایذا کی سزا قتل سے کم مارنا اور پیٹنا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کو ایذا پہنچانے والے کی سزا اس سے سخت ہے اور وہ قتل ہے۔

اور اللہ ﷻ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ (پ۵ النساء ۶۵) (ترجمہ کنزالایمان)

پس اللہ ﷻ نے ایمان کے نام کو سلب کرلیا جس کے سینہ میں آپ ﷺ کے فیصلہ پر تنگی پائی جائے اور اسے وہ تسلیم نہ کرے اور جس نے آپ ﷺ کی تنقیص کی بلاشبہ اس نے اس حکم کو توڑا اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ. اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔ (پ۲۶ الحجرات ۲) (ترجمہ کنزالایمان)

حالانکہ عمل کو صرف کفر ہی ضائع کرتا ہے اور کافر قتل کیا جاتا ہے اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ. اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے۔ (پ۲۸ المجادلہ ۸) (ترجمہ کنزالایمان)

پھر فرمایا:

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○	انہیں جہنم بس (کافی) ہے اس میں وہ دھنسیں گے تو کیا ہی برا انجام۔ (ترجمہ کنزالایمان)
(پ۲۸ المجادلہ ۸)	

اور فرمایا:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ○	اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)
(پ۱۰ التوبہ ۶۱)	

پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○	وہ لوگ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)
(پ۱۰ التوبہ ۶۱)	

اور فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ	اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ (ترجمہ کنزالایمان)
(پ۱۰ التوبہ ۶۵-۶۶)	

مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے جو تم نے کہا ہے وہ تم نے کفر کیا ہے۔ اب رہا اجماع کا حال! تو ہم نے پہلے اسے بیان کر دیا ہے لیکن حدیثوں کا حال یہ ہے کہ

حدیث: سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی نبی کو گالی دی تو اسے قتل کر دو اور جس نے کسی میرے صحابی کو گالی دی تو اسے مارو۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی نسبت آپ نے فرمایا: وہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے اور اس کی طرف اس شخص کو بھیجا جس نے دھوکہ دے کر بغیر دعوت اسلام قتل کر دیا بخلاف اس کے سوا دوسرے مشرکین کے لئے (کہ انہیں بغیر دعوت اسلام قتل کا حکم نہ فرمایا) اس کی علت یہ بتائی کہ وہ آپ کو ایذا دیتا تھا تو یہ خصوصیت کے ساتھ اس پر

۱؎ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۸۶ صحیح مسلم کتاب الجہاد جلد ۳ صفحہ ۱۴۲۵

دلالت کر رہی ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اذیت رسانی کی بنا پر تھا۔

یہی حال ابو رافع کے قتل کا ہے[1]۔ براء ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپ کے خلاف ابھارتا تھا۔ اسی طرح آپ نے فتح مکہ کے روز ابن خطل اور اس کی ان دونوں باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۶۲، صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۵، صحیح مسلم کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۹۰)

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دیا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون وہ شخص ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ تب خالد ﷺ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۵۹)

اسی طرح آپ ﷺ نے اس گروہ کفار کو قتل کرنے کا حکم فرمایا جو آپ ﷺ کو ایذا دیتا اور گالی دیتا تھا جیسے نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ اور فتح مکہ سے پہلے اور بعد ایک گروہ کفار کے قتل کرنے کا وعدہ صحابہ سے لیا۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیئے گئے بجز اس کے جو اس پر گرفت سے پہلے اسلام میں سبقت کر گیا اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے پکارا: اے گروہ قریش! کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے درمیان گھر کر قتل ہو رہا ہوں۔ (مجمع الزوائد جلد ۶ صفحہ ۸۹) اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے اس کفر و افتراء کی وجہ سے جو اللہ ﷻ کے رسول ﷺ پر باندھتا تھا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے۔ اس پر حضرت زبیر ﷺ نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اس سے لڑے اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کو گالی دیتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو مجھ سے کفایت کرے تو اس کی طرف سیدنا خالد بن ولید ﷺ نکلے اور اسے قتل کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

اور مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کی طرف بھیجا تا کہ یہ دونوں اس کو قتل کر دیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۶ صفحہ ۲۸۳، عبدالرزاق فی جامع جلد ا صفحہ ۳۶)

۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۵ جلد ۷۷

اور ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے اپنے باپ کو آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے سنا تو میں نے اسے قتل کر دیا تو یہ بات نبی کریم ﷺ پر گراں گزری۔

مہاجر بن ابی امیہ ﷛ کو جو سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کی جانب سے یمن کے والی تھے خبر پہنچی کہ اس جگہ مرتدین میں سے ایک عورت ہے جو گانے میں نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی ہے۔ تو انہوں نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور اس کے اگلے دانت اکھیڑ ڈالے۔ جب اس کی خبر سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کو پہنچی تو ان سے فرمایا:

کاش اگر تم ایسا نہ کرتے تو یقیناً میں تم کو اس عورت کے قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی حد دیگر حدود کے مشابہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس ﷛ سے مروی ہے کہ بنی خطمہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی بدگوئی کرتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میری جانب سے اس کا بدلہ لے؟ تب اس کی ہی قوم کے ایک مرد نے کہا: میں حاضر ہو یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! تو آپ ﷺ نے انہیں بھیجا تو انہوں نے اسے قتل کر ڈالا اور آپ ﷺ کو خبر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: دو بکریاں سینگ نہیں مارتیں (محاورہ عرب میں یہ ایک مثل ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد (باندی) تھی جو حضور ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اس پر وہ اسے ڈانٹا جھڑکتا تھا مگر وہ باز نہ آتی تھی۔ چنانچہ ایک رات جب وہ حضور کو گالیاں دینے لگی تو اس نابینا نے اسے قتل کر دیا اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس کے خون کو ضائع کر دیا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۵۲۹ سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷)

ابی برزہ اسلمی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ ایک دن میں سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے ایک مسلمان مرد پر غصہ فرمایا[1]۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ اس نے سیدنا ابوبکر ﷛ کو گالی دی تھی اور اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ میں (یعنی ابو برزہ) سیدنا ابوبکر ﷛ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے اور اس نے ان کو جواب دیا۔ تب میں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ کیونکہ یہ بات سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے لئے جائز نہیں۔ قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر کسی نے مخالفت نہیں کی۔

سنن ابوداؤد کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۵۳ سنن نسائی کتاب التحریم الدم جلد ۷ صفحہ ۱۰۷

اسی حدیث سے ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو ناراض کرے خواہ وہ کسی قسم کا ہو یا آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائے یا آپ ﷺ کو گالی دے اسے قتل کر دینا چاہیے۔

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے کوفہ کے والی کو ایک خط میں تحریر فرمایا۔ چونکہ والی کوفہ نے آپ سے اس شخص کے بارے مشورہ طلب کیا تھا جس نے سیدنا عمر ﷺ کو گالی دی تھی تو اس کے جواب میں لکھا کہ لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مرد مسلم کا قتل حلال نہیں ہے بجز اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ کو گالی دے۔ تو جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اس کا خون حلال ہے۔

ہارون رشید رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص کے بارے استفسار کیا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی تھی اور ذکر کیا کہ فقہائے عراق رحمہم اللہ نے تو کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے۔

اس پر امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے غضبناک ہو کر فرمایا:

اے امیر المومنین کسی نبی کو گالی دینے کے بعد وہ امت میں باقی نہیں رہتا اسے قتل کر دینا چاہیے اور جو اصحاب نبی ﷺ کو گالی دے اس پر کوڑے مارنے چاہئیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی روایتیں بکثرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب میں ان کے اصحاب سے منقول ہیں اور مولفین اخبار وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ عراق کے وہ کون سے فقہاء ہیں جنہوں نے ایسا فتویٰ دیا ہے حالانکہ ہم نے عراقیوں کا مذہب بھی بیان کر دیا ہے کہ وہ بھی قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا کوئی فقیہہ ہو جو مشہور نہ ہو یا یہ کہ اس کے فتوے پر اعتماد نہ کیا جاتا ہو یا اس کا میلان اپنی خواہشات کی طرف ہو یا یہ کہ اس نے سب (گالی) پر محمول نہ کیا ہو اور اس میں اختلاف ہو۔ آیا اس میں گالی ہے یا نہیں! یا یہ کہ قائل نے اپنی گالی سے رجوع و توبہ کر لی ہو۔ پس امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے اسے بالکل ذکر نہ کیا ہو ورنہ اجماع تو یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی اسے قتل کر دیا جائے۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور یہ بات بھی ہے کہ باعتبار نظر و فکر بھی یہ دلالت کر رہی ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو گالی دی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کی تو اس کے دل کے مرض کی علامت ظاہر ہو چکی اور اس کا سرِ باطن اور کفر آشکارا ہو چکا۔ اسی بنا پر اکثر علماء نے ردّت کا حکم نہیں دیا۔ یہ امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے شامیوں کی روایت ہے اور ایک قول ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ اور علماء کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دلیل اس کے کفر کی ہے لہٰذا حداً اسے قتل کر دیا جائے۔ اگرچہ اس کے

کفر کا بغیر اس کے حکم نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے قول کا پابند ہو یا حضور ﷺ کے لئے اپنے قول کا منکر ہو اور نہ اس سے باز آتا ہو لہٰذا ایسا شخص کافر ہی ہے خواہ اس کا قول صریح کفر ہو جیسے تکذیب وغیرہ یا کلمات استہزا ءوزم ہوں اور وہ اس کا معترف ہو اور اس سے توبہ نہ کرتا ہو۔ تو یہ دلیل اسی بات کی ہے کہ وہ ان کلمات کو حلال جانتا ہے اور ان کلمات کا حلال جاننا کفر ہے اور قائل کافر ہے بلا اختلاف۔ اللہ ﷻ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ. وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کیا اور بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔

(پ۱۰ التوبہ ۷۴) (ترجمہ کنزالایمان)

مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ "جو کچھ کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر حق ہے تو ہم گدھے سے بدتر ہیں۔" ایک قول یہ ہے ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہماری مثال اور حضور ﷺ کی مثال نہیں ہے مگر یہ کہ بقول قائل (معاذ اللہ) ایک فربہ کتا جو تجھ کو کھاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے کہا کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دے گا اسے جو نہایت ذلت والا ہے۔

(پ۲۸ المنافقون ۸) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے یہ کہا تھا اگرچہ اس نے اسے چھپایا تھا مگر اس کا حکم زندیق کا ہے کہ قتل کیا جاتا اور یہ اس لئے کہ اس نے اپنا دین بدل ڈالا ہے بلاشبہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنا دین (اسلام) بدل ڈالے تو اس کی گردن مار دو اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ کی حرمت کا حکم اپنی امت کی حرمت سے بہت زیادہ ہے حالانکہ آپ ﷺ کی امت کی حرمت کو گالی دینے والے پر حد جاری ہوتی ہے تو لامحالہ وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے اس کی سزا قتل ہی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی عظمت و منزلت بہت بلند اور آپ ﷺ کا مرتبہ امت کے مرتبہ (بلکہ ساری مخلوق کے مرتبہ سے) کہیں زیادہ ہے۔

دوسری فصل

بعض یہود و منافقین کے قتل نہ کرنے کی حکمت

اب اگر تم یہ کہو کہ نبی کریم ﷺ نے اس یہودی کو قتل کیوں نہیں کرایا جس نے آپ کو السَّامُ عَلَيْكُمْ کہا تھا حالانکہ یہ آپ ﷺ پر بددعا ہے اور نہ اس کو قتل کرایا جس نے کہا تھا کہ یہی وہ تقسیم ہے جس کا

اللہ ﷻ نے ارادہ کیا ہے؟ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کو ایذا دینا چاہتا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے بہت زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایذا دیے گئے ہیں مگر انہوں نے صبر فرمایا۔ اور نہ ان منافقین کو قتل کرایا جو بسا اوقات حضور ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے رہتے تھے۔

تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے اللہ ﷻ ہمیں تم کو توفیق خیر دے کہ نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کو تالیف قلوب کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور ایمان کو جاگزیں کرتے اور اس کی خوبی ظاہر کرتے اور ان کے دلوں میں اسے رچاتے اور ان کی خاطر مدارت کرتے تھے اور آپ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو تمہارے پاس آسان کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ کہ نفرت دلانے کے لئے اور فرماتے کہ آسانی اختیار کرو مشقت میں نہ پڑو اطمینان حاصل کرو نفرت نہ کرو اور فرماتے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضور ﷺ تو اپنے ہی ہمنشین کو قتل کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کفار و منافقین کی مدارات کرتے ان سے حسن اخلاق اور حسن سلوک کا برتاؤ کرتے اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرتے اور ان کے جور و ستم پر صبر فرماتے تھے جو کہ آج ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان پر صبر کریں مگر آپ ﷺ ان پر داد و دہش اور نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر اللہ ﷻ نے آپ کو حکم فرمایا کہ

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (پ المائدہ ۱۳)	اور تم ہمیشہ ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے۔ سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اور فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ. (پ ۲۴ حم السجدہ ۳۴)	برائی کو بھلائی سے ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا گہرا دوست۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ حالت ابتداء اسلام میں تالیف قلوب کے لئے لوگوں کو ضرورت کے لحاظ سے تھی تاکہ وہ کلمہ طیبہ پر جم جائیں جب اسلام مستحکم ہو گیا اور اللہ ﷻ نے تمام دینوں پر اسلام کو غالب کر دیا تب آپ ﷺ نے حسب بقدرت انہیں قتل کرایا اور اللہ ﷻ کا حکم مشہور فرمایا جیسا کہ آپ نے ابن خطل کے ساتھ کیا اور وہ عہد لیا جو فتح مکہ کے روز ان کے قتل کے لئے تھا اور یہود وغیرہ میں جن پر آپ ﷺ قادر ہوئے ان کو دھوکہ اور بزور قتل کرایا اور ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی محبت میں داخل اور مظہرین اسلام کی

جماعت میں شامل نہ تھے اور وہ آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچاتے تھے انہیں قتل کرایا جیسے کہ ابن اشرف ابو رافع نضر اور عقبہ وغیرہ اور اسی طرح ان کے سوا اور لوگوں کے خون کو ضائع فرمایا جیسے کہ کعب بن زہیر اور زبن زبعری وغیرہ جو کہ آپ کو ایذا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فرمانبردار ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔

اور منافقین کی حالت چونکہ مخفی تھی اور آپ ظاہر پر ہی حکم لگایا کرتے تھے اور ان (بیہودہ) کلمات کو انہیں سے جو انہیں کے ہم مشرب تھے پوشیدہ طور پر کہتے تھے اور جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھاتے اور جو انہوں نے کہا اس کے منکر ہو جاتے تھے۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ ۔ بے شک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی۔

(پ التوبہ ۷۴) (ترجمہ کنزالایمان)

علاوہ بریں آپ ﷺ آرزو رکھتے تھے کہ وہ اسلام کی طرف رجوع کر لیں اور توبہ کر جائیں اسی لئے آپ ﷺ نے ان کی اہانتوں اور ان کے جور و ستم پر صبر فرمایا جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بکثرت لوگوں نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا اور دل سے وہ مخلص ہو گئے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں بن گیا۔ اس کے بعد اللہ ﷻ نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے نفع پہنچایا اور بکثرت لوگ دین کے حامی و مددگار اور معین ناصر ہو گئے۔ جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے۔

یہی جواب ہمارے بعض ائمہ رحمہم اللہ اس سوال میں دیتے ہیں اور کہا کہ ممکن ہے کہ جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا ہو تو آپ ﷺ پر ان کے اقوال کا (شرعی) ثبوت نہ ملا ہو اور جس نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچائی ہو وہ مرتبہ شہادت (شرعیہ) اس باب میں کامل نہ ہو مثلاً بچہ ہو یا غلام یا عورت ہو۔ کیونکہ خون بہانا دو عادل (گواہان) کی شہادت سے مباح ہوتا ہے اور اسی پر یہود کا وہ کلمہ محمول کرنا چاہئے جو اس نے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہا تھا ممکن ہے کہ وہ اس کلمہ کو منہ موڑ کر کہتے ہوں اور اسے صاف نہ کہتے ہوں۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی اس پر مطلع ہوئیں۔ اگر وہ صاف طور پر اسے کہتے تو صرف ایک فرد ہی کو معلوم نہ ہوتا۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہود کے کردار، صدق کی کمی اور ان کی خیانت پر ہوشیار فرمایا کہ وہ سلام کرنے میں سچے نہیں ہیں وہ اپنی زبانوں کو نرم کر کے دین میں طعنہ زنی کے طور پر کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے ہیں تو تم بھی عَلَيْكُمْ کہہ دیا کرو۔

ہمارے بعض بغداد کے علماء نے فرمایا: حضور ﷺ کو منافقین کے بارے میں جو علم تھا محض اپنے علم کی بنا پر انہیں قتل نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے نفاق پر کوئی ثبوت شرعی قائم نہ ہوتی تھی۔ اس وجہ میں ان کو چھوڑ دیا گیا۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ ان کا نفاق سرِ باطنی تھا اور ان کی ظاہری حالت اسلام و ایمان پر تھی اور عہد و پڑوس کے سبب اہل ذمہ میں داخل تھے اور ان کا اسلامی دور بہت قریب تھا اور انہیں (پوری طرح) کھرے اور کھوٹے میں امتیاز حاصل نہ تھا۔

باوجود مذکورہ حالت اور متہم بالنفاق ہونے کے عرب میں جماعت مومنین اور صحابہ سید المرسلین اور دین کے مددگاروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اب اگر ان کی ظاہری حالت کے بموجب نبی کریم ﷺ باطن کے نفاق اور ان باتوں کی بنا پر جو ان سے ظاہر ہوتی تھیں اور اس علم کی وجہ سے جو وہ دلوں میں چھپاتے تھے قتل کر دیتے تو ضرور نفرت کرنے والا وہی کچھ کہتا اور یقیناً نے دین شک میں پڑ جاتے اور معاندین باتیں بناتے اور آپ کی صحبت اور دخول اسلام میں بکثرت ڈرنے لگتے۔ یقیناً گمان کرنے والا گمان کرتا اور دشمن ظالم خیال کرتا کہ آپ کا قتل کرنا دشمنی اور بدلا لینے کے لئے تھا۔

اور جو مفہوم و معنی میں نے بیان کئے ہیں وہی امام مالک بن انس ؓ کی طرف منسوب ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں اور فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل کرنے سے اللہ ﷻ نے مجھے منع فرمایا اور یہ حکم ان ظاہری احکام کے برخلاف ہے جو ان پر جاری ہیں مثلاً زنا کے حدود اور قصاص قتل وغیرہ کیونکہ وہ تو ظاہر ہیں اور ان کے علم میں ہے کہ یہ سب کے لئے برابر ہے۔

محمد بن مواز رحمہ اللہ نے کہا اگر منافقین کا نفاق ظاہر و ثابت ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ ضرور قتل کر دیتے۔ اسے قاضی ابوالحسن بن قصار رحمہ اللہ نے نقل کیا اور قتادہ ؓ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ. (پ۲۲ الاحزاب ۶۰) اگر باز نہ آئیں منافق (ترجمہ کنزالایمان)

باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ ﷺ کو ان پر برانگیختہ کریں گے پھر ان کو اقامت نصیب نہ ہوگی مگر تھوڑے دن ملعون ہو کر جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ خدا کی سنت ہے۔ قتادہ ؓ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ اپنا نفاق ظاہر کر دیں گے اور محمد بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں زید ابن اسلم ؓ سے نقل کیا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ (پ۱۰ التوبہ ۷۳)

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

(ترجمہ کنزالایمان)

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا اس قول میں یعنی "یہی وہ تقسیم ہے جس سے اللہ ﷻ کی رضامندی مراد ہے؟ اور اس کا یہ قول ہے کہ انصاف فرمائیے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پر طعن و تہمت کا مفہوم نہ لیا ہو بلکہ اسے دنیاداروں کی مصلحت کی طرح رائے اور امور دنیاوی میں ایک غلطی خیال فرمائی ہو اور اس سے آپ ﷺ نے گالی دینا مراد نہ لی ہو یعنی یہ ان اذیتوں میں سے ہو جس کو آپ ﷺ معاف کرتے اور ان پر صبر فرماتے رہے ہیں۔

لہٰذا اسی بنا پر آپ ﷺ نے اسے سزا دی اور اسی طرح اس یہودی کے بارے میں کہا جاتا ہے جس نے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ (آپ پر موت ہو) کہا کیونکہ اس میں بھی صریح گالی اور بددعا نہیں ہے (چونکہ وہ منہ میں پھیر کر بولتے تھے) مگر وہی جو کہ ضروری ہے یعنی وہ موت جو کہ عام انسانوں کے لئے لازمی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ مراد ہو کہ تمہارا دین غم زدہ ہو کیونکہ اَلسَّامُ اور اَلسَّائِمَۃُ کے معنی ملال کے ہیں اور اس پر بددعا ہو جس نے دین کو چھوڑا ظاہر ہے یہ صریح گالی نہیں ہے اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے باب میں یہ ترجمہ باندھا کہ یہ اس امر کا باب ہے کہ یہودی وغیرہ نے حضور ﷺ کو اشارۃً گالی دی ہے۔

ہمارے بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ اشارۃً گالی نہیں ہے بلکہ یہ اشارۃً اذیت ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ کے حق میں گالی اور اذیت برابر ہے۔ قاضی ابومحمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں بعض وہ جوابات دیتے ہوئے جو گزر چکے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کیا یہ یہودی ذمی یا معاہد میں سے تھا یا حربی اور محتمل امور میں مقتضائے دلالت کو چھوڑا نہیں جاتا۔ لہٰذا ان تمام باتوں میں سب سے بہتر اور اظہر وہ وجہ ہے جس سے تالیف قلب اور دین میں مدارات مراد لی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ ترجمہ باب باندھا کہ "باب اس بیان کا کہ خوارج کو تالیف کے لئے اور اس لئے کہ لوگ آپ ﷺ سے نفرت نہ کریں قتل نہ کرنا"۔ حالانکہ یہی مطلب ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیان کر چکے ہیں۔

اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے یہودی کے جادو اور زہر پر صبر فرمایا اور یہ فعل تو گالی سے بڑھ کر ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی نصرت فرمائی اور آپ ﷺ کو اذن دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے اس کی مدد کی اور ان کو ان کے قلعوں سے نکال دیں اور اللہ ﷻ نے ان کے دلوں میں

رعب ڈال دیا اور اللہ ﷻ نے انہیں سے جسے چاہا جلا وطنی مقدر کر دی اور ان کے شہروں سے انہیں نکلوا دیا ان کے گھروں کو انہیں کے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرایا اور انہیں علی الاعلان برا بھلا کہا گیا چنانچہ کہا کہ اے بندروں اور خنزیر کے بھائیو اور ان کا فیصلہ مسلمانوں کی تلواروں سے کرایا۔ ان کو ان کے پڑوسیوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ان کی اراضیات مکانات اور اموال کا مالک بنا دیا تا کہ اللہ ﷻ کا بول بالا اور کفار کا بول نیچا ہو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ حدیث صحیح میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی اپنی جان کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے کہ جہاں حرمت الٰہی پامال ہوتی ہو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۵، صحیح مسلم کتاب الفضائل جلد ۴ صفحہ ۱۸۱۳) تو اللہ ﷻ کے لئے بدلہ لیا۔

تو (جواب میں) معلوم ہونا چاہیے یہ حدیث اس کی مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ ﷺ کو گالی دی یا اذیت پہنچائی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ کیونکہ یہ بھی تو ان حرمات الٰہیہ میں سے ہے جس کا بدلہ لینا چاہیے اور بلاشبہ آپ ﷺ نے اپنی جان و مال اور قول و افعال کا بدلہ نہیں لیا جن کا تعلق سوءِ ادب یا معاملات سے ہے جس سے فاعل کا مقصد اذیت و گالی نہیں تھا جو اہل عرب کی سابقہ سرشت کی بنا پر تھی کہ وہ ظلم و جفا اور نادانی کے خوگر تھے۔ یا وہ کہ انسان جس کا عادی ہوتا ہے۔

جیسے کہ اس بدوی کا قصہ جس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک اتنے زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گیا[1]۔ یا جیسے کہ آپ ﷺ کے حضور میں کوئی جہیر الصوت اونچی آواز سے بولے[2] یا جیسے کہ اس بدوی نے آپ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا جسے آپ ﷺ نے خرید لیا تھا[3]۔ جس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیسے گواہی دیتے ہو (کیونکہ اس وقت موجود نہ تھے) اس پر ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا چونکہ آپ ﷺ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ ہیں اس لئے آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں جبکہ ہم نے آپ ﷺ کے فرمان پر توحید الٰہی پر ایمان لے آئے تو یہ تو ایک معاملہ ہے اس میں آپ ﷺ کیسے صادق نہ ہوں گے یا جیسے کہ آپ ﷺ کی دونوں بیویوں کے اتفاق کرنے پر اور بھی اسی قسم کی باتیں ہیں جن سے آپ نے درگزر فرمانا بہتر سمجھا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۴ صفحہ ۵۷، صحیح مسلم کتاب الزکوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۳۱

[2] جامع ترمذی کتاب الرعد جلد ۴ صفحہ ۲۳، کتاب الدعوات جلد ۵ صفحہ ۲۰۵، ابن حبان جلد ۱ صفحہ ۳۸۶

[3] صحیح بخاری کتاب الاجارہ جلد ۴ صفحہ ۶۹۔ ۶۸، کتاب الاطعمہ جلد ۷ صفحہ ۷۰، صحیح مسلم کتاب الاطعمہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۱

ہمارے بعض علماء (مالکی) فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا حرام ہے اور افعال اباحتہ میں بھی یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کو فعل مباح سے ایذا دینا وہ بات ہے کہ انسان سے ایسا فعل جائز ہے اگرچہ دوسرے اس سے ایذا محسوس کریں۔ انہوں نے اللہ ﷻ کے اس فرمان کی عمومیت سے استدلال کیا کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

(پ ۲۲ الاحزاب ۵۷) (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور ﷺ کے اس فرمان سے جو حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے استدلال کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ایک ٹکڑا ہے جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ خبردار میں اسے حرام قرار نہیں دیتا جسے اللہ ﷻ نے حلال فرمایا لیکن اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ ﷻ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک شخص پر جمع نہ ہونگی یا وہ اس قسم کی ایذا ہو جو کافر سے پہنچے اور آپ ﷺ اس کے بعد اس کے اسلام لانے کی تمنا کریں جیسے اس یہودی کو معاف فرما دینا جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا اور اس بدوی سے درگزر کرنا جس نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا یا اس یہودی سے چشم پوشی کرنا جس نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا اسی قبیل سے وہ اذیتیں ہیں جو آپ ﷺ کو اہل کتاب اور منافقین وغیرہ سے پہنچی تھیں اور ان سے آپ نے درگزر کیا بایں امید کہ اس میں ان کی اور دوسروں کی تالیف ہو۔ جیسا کہ ہم نے بتوفیق الٰہی پہلے بیان کیا۔

تیسری فصل

بلا قصد اہانت و تحقیر کا حکم

قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جو قصداً حضور ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ کی تحقیر کرے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو ممکنات میں سے ہو یا محالات میں سے اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک کھلی وجہ ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک وجہ دوسری بھی نکلتی ہے جو بیان وضاحت میں اسی کے ساتھ شامل ہے وہ یہ کہ کہنے والے نے آپ ﷺ کے بارے میں بغیر قصد و ارادہ کے گالی دی یا تحقیر کی اور وہ اس کا معتقد بھی نہیں ہے۔ لیکن اس نے آپ

۱؎ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۲۶ ابن حبان جلد ۲ صفحہ ۲۳۸

ﷺ کے بارے میں وہ بات کہی جو کلمۂ کفر ہے یعنی (معاذ اللہ) آپ ﷺ پر لعنت کی یا گالی دی یا آپ ﷺ کی تکذیب کی یا وہ بات منسوب کی جو کہ آپ ﷺ پر جائز نہ تھی یا اس چیز کی نفی کی جو آپ ﷺ کے لئے واجب وضروری تھی۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کے حق ومرتبہ کی تنقیص لازم آتی ہے مثلاً اس نے گناہ کبیرہ یا تبلیغ رسالت یا لوگوں کے درمیان کسی حکم میں مداہنت کی نسبت آپ ﷺ کی طرف یا آپ ﷺ کی مرتبت، شرافت نسبی ووفور علم یا آپ ﷺ کے زہد وورع سے غضِ بصر یعنی چشم پوشی اور بے پرواہی کی یا اس چیز کی تکذیب کی جو آپ ﷺ کی مشہور خبروں میں سے ہے یا متواتر جزوں کے رد کرنے کا قصد کیا یا آپ ﷺ کے لئے بیوقوفی کی بات کہی یا ایسا قبیح کلمہ بولا جو گالی کی قسم میں ہو اگرچہ آپ ﷺ کے حال میں دلیل کے ساتھ ہوا اور اس سے آپ ﷺ کی برائی یا گالی دینے کا قصد وارادہ نہ ہو ان میں کسی ایک بات کا قائل سے صادر ہونا خواہ وہ جہالت کی وجہ سے ہو یا جبر وسکر (نشہ) نے اس پر اسے برانگیختہ کیا ہو خواہ بے پرواہی زبان پر قابو نہ رکھنے یا کمی حافظہ یا طلاقت لسانی کی وجہ سے ہوا ہو تو اس دوسری وجہ کا حکم بھی پہلی وجہ کے حکم کے موافق ہے۔ کہ اسے بھی بلا توقف قتل کر دیا جائے۔

اس لئے کہ کفر میں کسی کے لئے جہالت عذر نہیں بن سکتی اور نہ زبان کی لغزش اور نہ کسی اور عذر کا دعویٰ جس کو ہم نے بیان کیا قابل سماعت ہے جبکہ اس کی عقل وفطرت صحیح وسالم ہو بجز اس صورت کہ جس پر جبر واکراہ ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور یہی فتویٰ علماء اندلس نے ابن حاتم پر دیا جس نے نبی کریم ﷺ کے زہد کی نفی کی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

محمد ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ قیدی جو دشمن کی حراست میں ہو پھر وہاں وہ حضور ﷺ کو برا بھلا کہے قتل کر دیا جائے۔ مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے جبکہ اس کا نصرانی ہونا یا مجبور ہونا معلوم ہو جائے۔ ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان امثال میں لغزشِ زبان کے دعویٰ کو عذر نہ قرار دیا جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے قتل کا فتویٰ دیا جس نے نشہ کی حالت میں آپ ﷺ کو گالی دی تھی کیونکہ اس پر یہ گمان ہے کہ وہ اس کا معتقد تھا اور بحالتِ ہوش یہی کہے گا اور یہ بھی بات ہے کہ نشہ حد کو ساقط نہیں کرتا مثلاً حد قذف، قتل اور باقی تمام حدود شرعیہ اس لئے کہ نشہ کو اس نے خود اپنے پر طاری کیا ہے چونکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جو شراب پیتا ہے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ باتیں کرتا ہے جو منکر وممنوع ہیں۔ لہٰذا وہ اسی حکم میں ہے جو قصداً کرے کیونکہ یہ نشہ اس کا خود اختیاری

ہے اسی بنا پر تو ہم طلاق' عتاق' قصاص اور حدود کو لازم کرتے ہیں۔

اس (مسئلہ) قاعدے پر حضرت حمزہ ﷺ کی اس حدیث کو معارضہ میں نہ پیش کیا جائے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے لئے کہا تھا کیا تم میرے باپ کے غلام نہیں ہو۔

(صحیح بخاری کتاب الخمس جلد ۳ صفحہ ۹۴، کتاب المغازی جلد ۵ صفحہ ۷۷)

راوی کا کہنا ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ نے جان لیا کہ وہ نشہ میں ہیں چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ شراب حرام نہیں ہوئی تھی اور اس کے پینے میں گناہ نہ تھا۔ اس وقت تک اس حالت میں جو بات صادر ہوتی تھی وہ معاف تھی۔ جیسا کہ نیند یا غیر مخل دوا کے پینے کے بعد ظاہر ہو۔

چوتھی فصل

ارشاداتِ نبوی ﷺ کی تکذیب کا حکم

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ان باتوں کی قصداً تکذیب کرے جسے آپ ﷺ نے فرمایا یا آپ ﷺ لے کر آئے تھے یا آپ ﷺ کی نبوت و رسالت یا آپ ﷺ کے وجود کی نفی کرے یا آپ ﷺ کا انکار کرے۔ چاہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے دین و ملت میں جائے یا نہ جائے بہر حال وہ بالاجماع کافر اور واجب القتل ہے۔

اس کے بعد غور کیا جائے گا پس اگر وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کا حکم مرتد کے حکم کے مشابہ ہوگا اور اس کی توبہ قبول کرنے میں قوی اختلاف ہے اور دوسرے قول کی بنا پر اس کی توبہ اس پر حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کا حق ہے۔ اگر اس نے کوئی تنقیص کی بات ذکر کی مثلاً جھوٹ وغیرہ اگرچہ اس نے اسے پوشیدہ کہا ہو تو اس کا حکم زندیق جیسا ہے کہ ہمارے نزدیک توبہ اس کے حکم قتل کو ساقط نہیں کرتی۔ جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جس نے حضور ﷺ سے بیزاری ظاہر کی یا آپ کی تکذیب کی تو وہ مرتد حلال الدم ہے۔ بجز اس کے کہ وہ رجوع کرے۔

ابن القاسم رحمتہ اللہ علیہ (تلمیذ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ) اس مسلمان کے بارے میں کہتے ہیں: جس نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ نبی یا رسول نہیں یا یہ کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل نہیں ہوا اور یہ کہ قرآن تو حضور ﷺ ہی کے اقوال ہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن القاسم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ جس مسلمان نے

رسول اللہ ﷺ سے کفر و انکار کیا تو وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔ اسی طرح جس نے اعلانیہ آپ ﷺ کی تکذیب کی وہ بھی مرتد کے حکم میں ہے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ اسی طرح انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو خود ساختہ نبی بنے اور گمان کرے کہ اس کی طرف وحی (نبوت) آتی ہے (تو وہ مرتد اور قابل قبول توبہ ہے) اور یہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خواہ وہ (خود ساختہ نبی) اس کی اعلانیہ دعوت دے یا پوشیدہ طور پر۔ بقول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ وہ مرتد ہے کیونکہ اس نے کتاب الٰہی سے کفر و انکار کیا اور اللہ ﷻ پر افتراء باندھا ہے۔

اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس یہودی کے بارے میں کہا جس نے نبوت کا (جھوٹا) دعویٰ کیا یا اس نے گمان کیا کہ وہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یا یہ کہ تمہارے نبی کے بعد نبی ﷺ ہے تو اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ اسے اعلانیہ کہتا ہے تو اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کہ لانبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے) جھٹلانے والا ہے اور اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں اللہ ﷻ پر افتراء باندھتا ہے۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جو کچھ بھی اللہ ﷻ کی جانب سے لائے ہیں اس میں جس نے ایک حرف کا بھی شک کیا وہ کافر و منکر ہے اور کہا کہ جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اس کا حکم امت کے نزدیک قتل ہے۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب احمد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) سیاہ فام تھے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ آپ ﷺ سیاہ فام نہ تھے اسی طرح ابو عثمان حدّاد رحمۃ اللہ نے کہا اور فرمایا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آپ ﷺ داڑھی آنے سے پہلے وفات پا گئے یا یہ کہ آپ ﷺ مقام تاہرت میں تھے نہ کہ مکہ مکرمہ میں تو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ یہ نفی ہے۔

حبیب ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی کسی صفت یا آپ ﷺ کے کسی مقام کو تبدیل یا اس میں تغیر کرنا کفر ہے اور اس کے ظاہر کرنے والا کافر ہے اور اس میں توبہ طلب کرتا ہے اور اس کا چھپانے والا زندیق ہے بغیر توبہ قبول کئے قتل کر دیا جائے۔

پانچویں فصل

مشتبہ اور محتمل اقوال کا حکم

چوتھی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اپنے کلام میں ایسی مجمل بات کہے یا گفتگو میں ایسا مشتبہ لفظ

بولے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر محمول ہوسکتا ہو اور لفظ کی مراد میں اشتباہ واقع ہو کہ آیا وہ برائی سے خالی ہے یا نہیں تو یہی مقام محل نظر و فکر اور تعبیرات متحیر ہیں جس میں مجتہدین کا اختلاف اور مقلدین کے بچانے میں وقوف ہے تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔

چنانچہ ان میں سے بعض علماء پر تو نبی کریم ﷺ کی عظمت و حرمت غالب ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کی عظمت و حرمت کے میلان کی حمایت کی ہے اور ایسے کے قتل کرنے کی جرأت کی ہے اور بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے مشتبہ اور محتمل اقوال میں حرمت دم (قتل سے بچے) کو بڑا جانا اور حد کو دور کیا ہے۔

ہمارے ائمہ (مالکی) نے اس شخص کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ جس نے اپنے قرض خواہ سے کہا کہ حضور ﷺ پر درود پڑھ اس پر قرض خواہ مذکور نے کہا کہ خدا اس پر درود نہ بھیجے جس نے آپ پر درود بھیجا اس پر سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ کیا وہ ایسا ہی ہے۔ جس نے حضور پر یا ان فرشتوں پر جو آپ پر درود بھیجتے ہیں گالی دی ہے۔ کہا نہیں! جبکہ اس نے غصہ کی حالت میں کہا ہو کیونکہ وہ دل سے گالی نہیں دے رہا ہے اور ابو اسحاق برقی اور اصبغ بن الفرج رحمہم اللہ نے کہا اسے قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ اس نے تو لوگوں کو گالی دی ہے۔ یہ قول سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے اس لئے کہ انہوں نے غصہ کی حالت میں بھی حضور ﷺ پر (صریح) گالی کو عذر قرار نہیں دیا لیکن اس صورت میں جبکہ ان کے نزدیک کلام مشتبہ اور محتمل ہو اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو حضور ﷺ پر یا فرشتوں پر گالی دینا دلالت کرتا ہو اور نہ پہلے سے کوئی ایسی بات ہو۔ جس پر یہ کلام مشتبہ محمول ہوتا ہو بلکہ قرینہ دلالت کرتا ہو کہ اس سے مراد لوگ ہیں نہ کہ وہ حضرات! کیونکہ اس سے دوسرے شخص نے کہا کہ صَلِّ عَلَى النَّبِي (حضور پر درود بھیج) تو اس کا جواب اور اس کی گالی اس شخص پر محمول ہوگی جو اس کے کہنے پر اس وقت درود بھیجے کیونکہ اس دوسرے نے ہی اس کو غصے میں اس کا حکم دیا۔ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہی مطلب ہے اور اسی کے موافق ان دونوں عالموں کا کہنا ہے۔

اور قاضی حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اس مثال میں مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابو الحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں توقف کیا جس نے کہا کہ "ہر کمانے والا دیوث ہے اگر چہ وہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہو" اس پر انہوں نے خوب سختی سے باندھنے اور اس پر شدت و سختی کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ وہ اپنا مفہوم الفاظ بتا دے کہ ان لفظوں سے اس کی کیا مراد

ہے کیا وہ موجودہ زمانہ کے کرنے والے مراد لے رہا ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی نبی و رسول نہیں تو اس صورت میں اس کا حکم آسان ہے اور کہا اگر اس کے لفظوں کی مراد عام ہے یعنی گزشتہ و آئندہ کے ہر کمانے والا اس کی مراد ہے تو چونکہ گزشتہ زمانہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی کمانے والے تھے (تو اس کا وہی حکم ہے) کہتے ہیں اور جب تک کسی مسلمان پر صاف طور پر بات واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہیے اور جہاں کہیں تاویلات وارد ہوتے ہوں تو ضروری ہے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے۔ یہی مطلب ان کے کلام کا ہے۔

ابو محمد بن ابو زید رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے کہا کہ اہل عرب پر اللہ ﷻ کی لعنت یا بنی اسرائیل پر اللہ ﷻ کی لعنت یا بنی آدم پر اللہ ﷻ کی لعنت۔ تو انہوں نے بیان کیا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ظالم لوگ ہی مراد ہوں گے۔ ایسے شخص پر سلطان کی رائے کے مطابق تادیب کرنی چاہیے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں انہوں نے فتویٰ دیا جس نے کہا کہ اس پر اللہ ﷻ کی لعنت جس نے شراب حرام کی اور کہے کہ میں نہیں جانتا کس نے حرام کی (اور ایسا ہی فتویٰ اسی شخص کے بارے میں دیا) جس نے حدیث "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" پر لعنت کی یا اس پر لعنت کی جو اسے لایا ہے تو اگر وہ جاہل ہے اور سنن (احادیث) کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو اسے معذور جان کر دردناک تادیب کا مستحق قرار دیا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ بظاہر اس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینا نہیں چاہا بلکہ اس نے اس شخص پر لعنت کی ہے جس نے لوگوں میں اس کی حرمت بیان کی ہے جیسا کہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ پہلے گزر چکا۔

یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے جو عام طور پر بے وقوف لوگوں میں رائج ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی بدخوئی کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں سے ان کے آباؤ اجداد میں بہت سے نبی بھی شامل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض گنتیاں اور شمولیتیں تو سیدنا آدم ﷺ تک جا کر ختم ہوتی ہیں اس بنا پر وہ زجر و توبیخ کا سزاوار بنتا ہے اور اس کی جہالت کی باتوں کو ظاہر کیا جائے اور اس میں خوب سختی سے سزا دی جائے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کی گالی کا قصد کیا ہے جو اس کے آباؤ اجداد میں داخل ہیں تو وہ قتل کر دیا جائے۔

بعض اوقات اس قسم کے مسائل میں کلام کرنا اور حکم دینا بھی دشوار ہوتا ہے۔ (مثلاً) اگر کسی شخص نے کہا کہ اللہ ﷻ بنی ہاشم پر لعنت کرے اور کہے کہ میں نے تو ان کے ظالم لوگ مراد لیے ہیں یا

حضور ﷺ کی اولاد میں سے کسی شخص کے بارے میں کہے کہ اس کے آباؤ اجداد یا اس کی نسل یا اس کی اولاد میں ہی بری باتیں چلی آ رہی ہیں اور اسے معلوم بھی ہو کہ وہ حضور ﷺ کی اولاد میں سے ہے اور ان دونوں مسئلوں میں کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس کے آباؤ اجداد کے بعض افراد کی تخصیص کا مقتضی ہو جس کی بنا پر اس کی گالی سے جس کو وہ دے رہا ہے حضور ﷺ مستثنیٰ کیے جا سکیں۔

اور ابو موسیٰ بن مناس رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے دیکھا۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کسی سے کہا تھا کہ تجھ پر حضرت آدم علیہ السلام تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اگر اس سے یہ بات ثابت ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

قاضی (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ بتوفیق الٰہی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ ہمارے مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے مخالف گواہ سے کہا کہ تو نے مجھ پر اتہام رکھا ہے۔ اس پر دوسرے نے کہا: نبیوں پر بھی تہمت لگائی گئی ہے۔ تیری کیا حیثیت ہے۔ تو اس صورت میں ہمارے مشائخ میں سے شیخ ابو اسحاق بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ظاہر لفظ شنیع ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ قتل سے توقف رکھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک اس لفظ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے یہ خبر دی ہو کہ کفار نے ان پر تہمت رکھی اور اس مسئلہ میں قاضی قرطبہ ابو عبداللہ بن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کا فتویٰ دیا اور قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سخت و طویل قید کا حکم دیا پھر اس کے بعد اس سے قسم لی کہ جو کچھ اس کے برخلاف کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی گواہی میں ضعف واقع ہوا ہے جو اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے چھوڑا۔

(قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں اپنے شیخ قاضی ابو عبداللہ بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے قضا کے دوران موجود تھا کہ ایک شخص لایا گیا کہ اس نے کسی "محمد" نامی شخص سے بے ہودہ بات کہی پھر ایک کتے کی طرف متوجہ ہو کر اپنے پاؤں سے مارا اور کہا:

اے محمد کھڑا ہو۔ پھر اسنے اس کا انکار کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ اس پر ایک جماعت نے اس کے خلاف گواہی دی تو انہوں نے اسے قید کرنے کا حکم دیا اور تفتیش حال کا حکم دیا کہ کیا وہ کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہا ہے جس کی دینی حالت میں شک و شبہ ہو جب اسے ایسا نہ پایا جس سے اس کی دینی اور اعتقادی حالت میں شبہ ہو سکے تو کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔

چھٹی فصل

امثال سے گالی دینے کا حکم

پانچویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل نے نہ تو تنقیص کا قصد کیا اور نہ عیب لگانے یا گالی دینے کا ارادہ کیا لیکن اس سے حضور ﷺ کی کسی صفت کا پتہ لگتا ہو یا آپ ﷺ کی کسی ایسی حالت کا جن کی نسبت دنیا میں آپ ﷺ پر جائز تھی بطریق ضرب المثل اور اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے دلیل بنا کر بطور استشہاد بیان کرے یا اس سے تشبیہ دینے کے لئے ذکر کرے یا اس ظلم و نقصان کو بیان کرے جو آپ ﷺ کو پہنچے ہیں جس میں اطاعت نہیں ہے اور نہ بطریق تحقیق ہے بلکہ اس کا یہ مقصد ہو کہ اس طرح اپنی یا دوسرے کی بلندی ظاہر ہو یا تمثیل میں اپنی فوقیت مقصود ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت و توقیر مقصود نہ ہو یا آپ ﷺ کے کسی قول سے تمسخر و ہنسی مقصود ہو۔

مثلاً کوئی قائل یہ کہے کہ مجھ میں برائی کہی جاتی ہے تو یہ بات تو نبی کے لئے بھی کہی گئی ہے یا یہ کہے اگر میں جھٹلایا گیا ہوں تو انبیاء علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں یا یہ کہ اگر میں نے گناہ کیا ہے تو ان کی طرف بھی تو گناہ کی نسبت کی گئی ہے یا یہ کہ میں لوگوں کی زبانوں سے کیا بچوں گا حالانکہ انبیاء و رسل علیہم السلام بھی نہ محفوظ رہے یا یہ کہ میں نے صبر کیا جس طرح اولوالعزم نے صبر کیا یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کیا یا یہ کہ اللہ ﷻ کے نبی نے بھی اپنے دشمنوں پر صبر کیا اور میرے صبر سے زیادہ برداشت کیا۔ جیسا کہ متنبی کا قول ہے۔

اَنَـا فِـیْ اُمَّةٍ تَـدَارَکَهَا اللّٰـهُ　　غَرِیْـبٌ کَصَالِحٍ فِیْ ثَمُوْدِ

میں اس امت میں مسافر ہوں جس کا تدارک اللہ ﷻ نے کیا ہے جیسے قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام تھے۔

اسی طرح کے وہ اشعار جو حد سے متجاوز ہو کر کلام میں بے پرواہی اور سستی کرتے ہیں۔ جیسے معری کا شعر ہے۔

کُنْتَ مُوْسٰی وَافَتْهُ بِنْتُ شُعَیْبٍ　　غَیْرَ اَنْ لَیْسَ فِیْکُمَا مِنْ فَقِیْرٍ

تم اس موسیٰ کی طرح ہو جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھی مگر یہ کہ تم دونوں میں کوئی فقیر نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) اس شعر کا دوسرا مصرعہ سخت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی عیب و تحقیر میں داخل ہے اور اس میں غیر نبی کو حال کے نبی پر فوقیت ہے۔ اسی طرح شاعر کا یہ شعر ہے کہ

لَوْ لَا انْقِطَاعُ الْوَحْیِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ قُلْنَا مُحَمَّدٌ" عَنْ اَبِیْهِ بَدِیْلٌ

اگر حضور کے بعد وحی منقطع نہ ہوئی تو ہم کہتے کہ محمد اپنے والد کے بدل ہیں۔

هُوَ مِثْلُهٗ فِی الْفَضْلِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَاْتِهٖ بِرِسَالَةٍ جِبْرِیْلُ

وہ فضیلت میں ان کی مثل ہیں بجز اس کے کہ رسالت کے ساتھ جبریل علیہ السلام ان کے پاس نہیں آئے۔

اس فصل کے دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ سخت ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ پر غیر نبی کو فضیلت دی ہے اور اس کے دوم مصرعہ میں دو وجہوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس فضیلت نے ممدوح کو ناقص کر دیا اور دوسری یہ کہ اس سے اس کو مستغنی کر دیا اور یہ تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

وَاِذَا مَا رُفِعَتْ رَاٰیَاتُهٗ صَفَّقَتْ بَیْنَ جَنَاحَیْ جِبْرِیْلُ

اور جب اس کے جھنڈے اونچے ہوتے ہیں تو وہ جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں میں حرکت کرتے ہیں اور ایک ہم عصر کا یہ شعر ہے کہ

فَرَّ مِنَ الْخُلْدِ وَاسْتَجَا رَبَّنَا فَصَبَّرَ اللّٰهُ قَلْبَ رِضْوَانِ

وہ جنت سے بھاگ کر ہماری پناہ میں آیا تو اللہ ﷻ جنت کے دل کو صبر دے۔

اسی طرح شعراء اندلس میں سے حسان مصیصی کا یہ شعر محمد بن عباد المعروف بہ معتمد اور اس کے وزیر ابوبکر بن زیدوں کے لئے ہے۔

كَانَ اَبَا بَكْرٍ اَبُوْبَكْرٍ الرِّضَا وَحَسَّانُ حَسَّانٌ" وَاَنْتَ مُحَمَّدٌ"

ابوبکر تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح ہیں اور حسان مثل حسان کے ہیں اور تم محمد کی طرح۔

(معاذ اللہ)

اسی طرح کے اور بھی اشعار ہیں باوجودیکہ اسی قسم کے شواہد کا ذکر کرنا ہماری طبیعت پر سخت گراں تھے لیکن ہم نے صرف اس لئے ان کا ذکر کرنا مناسب جانا کہ لوگ ایسے ہزلیات سے بچیں کیونکہ اکثر لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور اس خطرناک باب میں داخل ہونے کو آسان جانتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس میں کتنا گناہ ہے اور اس امر میں کلام کرتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے اور اسے آسان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ ﷻ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے بالخصوص شعراء (کہ وہ تو بہت یاوہ گو ہوتے ہیں) اور ان میں سب سے زیادہ صاف کہنے والا چرب زبان ابن ہانی اندلسی اور ابن سلیمان معری ہے بلکہ ان دونوں کا اکثر کلام تو حد استخفاف، نقص اور صریح کفر سے متجاوز ہے بلکہ ہم نے اس کا

جواب بھی دیا ہے مگر اس وقت چونکہ ہمارا مقصد اس فصل میں صرف ان مثالوں کو لانا تھا جن سے انبیاء علیہم السلام کے حق میں گالی بنتی تھی نہ یہ کہ ہم اس کا احصار کرتے جن سے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی منقصت کی نسبت ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) باستثنا معری کے آخری شعر کے اور اس کے قائل نے تحقیر اور تصغیر نبی کا ارادہ کیا ہے کہ اس نے نہ تو نبوت کی توقیر کی اور نہ عظمت رسالت کو ملحوظ رکھا اور نہ حرمت برگزیدگی کی قدر کی اور نہ منزلت کہ امت کا اکرام کیا۔ یہاں تک کہ اس نے جس کو چاہا اس کرامت میں شامل کر دیا یا اس مصیبت اور منقصت میں جس کے اتقا کا اس نے کسی کے لئے ارادہ کیا مجلس کا دل خوش کرنے کے لئے یا کسی مثل کے بیان کرنے کے لئے یا تحسین کلام کے لئے کسی وصف میں غلو کیا اور اپنے کلام میں کسی معظم ومقدس ہستی سے تشبیہ دے دی۔ جس کی قدر ومنزلت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری امت پر اللہ ﷻ نے فرض کی ہے اور اس کے حضور میں بلند آواز سے بولنے اور پکارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

گو ایسے (یاوہ گو شاعر وغیرہ) لوگوں سے قتل تو مندفع (رفع کیا گیا ہے) ہے مگر ان کی تادیب اور قید کرنا ضروری ہے اور شناعت لفظ اور کلام میں قباحت وغیرہ کے اقتضاء کے موافق اور جیسی اس کی عادت اور قرینہ یا ندامت ہو اس کے مطابق اس کی سزا واجب ہے اور متقدمین ہمیشہ اس قسم کی مثالوں کی برائی بیان کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید نے ابونواس کے اس شعر پر اعتراض کیا۔

فَاِنْ یَکُ بَاقِیْ سِحْرِ فِرْعَوْنَ فِیْکُمْ   فَاِنَّ عَصَا مُوْسٰی بِکَفِّ خَصِیْبٖ

چنانچہ ہارون رشید نے ابن اللخناء سے کہا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور اسی رات اسے اپنے لشکر سے نکال دینے کا حکم دیا اور قتیبی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں اس پر اس کے سوا اور بھی مواخذے ہوئے ہیں اور اس میں اس کی تکفیر کی گئی یا جو محمد امین کے بارے میں کہا تھا اسے قریب بکفر کہا چونکہ اس نے اس کو حضور ﷺ کے ساتھ تشبیہ دی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا۔

تَنَازَعَ الْاَحْمَدَ اِنَ الشَّبَهُ فَاشْتَبَهَا   خَلْقًا وَّخُلْقًا کَمَا قُدَّ الشِّرَاکَانِ

(ترجمہ) دونوں احمدوں نے صورت واخلاق کی مشابہت میں جھگڑا کیا اور باہم مشابہ بن گئے جس طرح دو تسمے (ایک ہی چمڑے سے) کاٹے جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور علماء نے اس پر بھی برا کہا ہے کہ

کَیْفَ لَا یُدْنِیْکَ مِنْ اَمَلٍ   مَنْ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مِنْ نَفَرِہٖ

(ترجمہ) وہ شخص جس کا رسول اللہ قرابتی ہے تیری خواہش کو کیسے قریب نہ کرے گا۔

اس لئے کہ اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کا حق اور آپ کی عظمت وعلو مرتبت کا وجوب یہ ہے کہ کسی

شے کو آپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یہ نہیں کہ آپ کو کسی شے سے منسوب کیا جائے۔ لہٰذا اس اس قسم کے مسائل کا حکم وہی ہے جسے ہم حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے فتووں سے پہلے مفصل بیان کر چکے ہیں۔

"کتاب نوادر" میں ابن مرہم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے کسی شخص کو فقیری کی عار دلائی اس پر اس نے کہا کہ تو مجھے فقیری کی عار دیتا ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بلاشبہ اس نے نبی کریم ﷺ کا ذکر بے موقع کیا میرے خیال میں اسے سزا دینی چاہئے اور فرمایا: کسی گنہگار کو زیبا نہیں ہے جب اسے کوئی تنبیہ کرے تو کہے ہم سے پہلے نبیوں سے بھی خطائیں ہوئی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخص سے کہا: میرے لئے کسی ایسے کاتب کو تلاش کرو جس کا باپ عربی ہو۔ اس پر کاتب نے کہا کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے والد تو کافر تھے۔ اس پر کہا: تو نے یہ بہت بری مثال دی۔ چنانچہ اسے معزول کر دیا اور کہا: کبھی میری کتابت نہ کرنا۔

اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب کے وقت حضور ﷺ پر درود بھیجے کو مکروہ کہا مگر بطریق ثواب اور طلب اجر اور آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم کے لئے جس طرح کہ اللہ ﷻ نے ہمیں حکم فرمایا۔

قابسی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی بدصورت سے کہا کہ تو تو نکیر کی طرح ہے (منکر نکیر دو فرشتے ہیں) یا کسی بدخلق سے کہا تو تو مالک غضبان (داروغہ جہنم) کی طرح ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے۔ نکیر تو وہ ہے جو قبر میں آتے ہیں کیا اس سے مراد اس کا ڈرانا ہے کہ جب وہ آیا تو اس کا چہرہ دیکھ کر ڈر گیا یا اس کی بدصورتی دیکھ کر مکروہ جانا پس اگر یہ بات ہے تو بہت سخت ہے کیونکہ قائم مقام تحقیر و توہین کے ہے اس کی سزا سخت ہے۔

اور اس میں صراحت کے ساتھ فرشتہ کو گالی دینا نہیں ہے۔ گالی تو صرف مخاطب پر پڑتی ہے اور بیوقوفوں کی حماقت کی سزا کوڑے اور قید ہے لیکن داروغہ جہنم مالک علیہ السلام کا ذکر کرنا تو اس نے ظلم کیا کہ بوقت انکار دوسرے کی بدخلقی پر ان کا ذکر کیا مگر اس بدخلق سے کہو وہ اس کی بدخلقی سے ڈرے اگر کہنے والے نے بطریق ذم اس کے فعل ولزوم ظلم کو اس مالک فرشتے سے جو اپنے رب ﷻ کا فرمانبردار ہے اس کے فعل سے تشبیہ دی اور کہے کہ وہ اللہ ﷻ کے لئے مالک کا سا غضب کرتا ہے تو پھر یہ بات ہلکی ہو جائے گی اور اس کو ایسے شخص پر گرفت نہ کی جائے گی اور اگر بدخلق پر اس کی بدخلقی کی مالک علیہ السلام کی صفت کے ساتھ تشبیہ دے اور اس کی صفت کو بطریق دلیل لائے تو یہ بات سخت ہوگی

تو اسے سخت سزا دی جائے گی حالانکہ اس میں فرشتہ کی مذمت نہیں ہے اور اگر مذمت کی نیت سے کہا تو یقیناً قتل کیا جائے گا۔

ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس جوان کی بات کو برا جانا جو بھلائی کے ساتھ مشہور تھا جس نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تو چپ رہ کیونکہ تو ان پڑھ ہے۔ اس پر جوان نے کہا تھا کیا نبی کریم ﷺ اُمی نہ تھے اور لوگوں نے اسے کافر کہا اور وہ جوان اپنے قول پر غمزدہ ہو گیا اور ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا اور تب ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ نے کہا: اس پر کفر کا اطلاق تو خطا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا اُمی ہونا تو آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور اس شخص کا اَن پڑھ (اُمی) ہونا اس کی جہالت اور نقصان ہے اور یہ اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفت (اُمی ہونے سے) اس نے استدلال کیا۔

لیکن جبکہ وہ معترف ہو کر استغفار و توبہ کرے اور خدا کی پناہ تلاش کرے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کا قول حد قتل تک نہیں پہنچتا اور اسے سزا بھی نہ دینی چاہئے اس لئے کہ اپنے فعل پر اس کا شرمندہ ہونا سزا سے باز رکھتا ہے اور یہ مسئلہ اسی مسئلہ کے قائم مقام ہے جس میں اندلس کے ایک قاضی نے شیخ قاضی ابومحمد بن منصور رحمتہ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا تھا جس نے کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تھی تو اس نے اس سے کہا کہ تو برا عیب بیان کرتا ہے حالانکہ میں ایک بشر ہوں اور تمام بشر کو عیب لاحق ہے یہاں تک کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو بھی۔

تو انہوں نے اس پر طویل قید اور سزا دینے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے گالی دینے کا قصد نہیں کیا حالانکہ اندلس کے بعض فقہاء نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔

ساتویں فصل

بطور حکایت نقلِ کفر کا حکم

چھٹی وجہ (قسم) یہ ہے کہ قائل اسے کسی دوسرے سے حکایت کرے اور اس سے دوسرے نقل کریں تو اس میں صورت حکایت اور قرینہ کلام پر غور کیا جائے گا۔ ان اختلاف کی وجہ سے ان کا حکم بھی چار قسموں پر مختلف ہو گا۔ اول وجوب' دوم مستحب' سوم مکروہ' چہارم حرام۔

اگر کسی نے قائل کے کلام کو بطور شہادت اور قائل کے جتانے اور اس کے قول کے انکار و اطلاع کے لئے کہ اس پر نفرت و جرح کی اور اس کو نقل کیا تو اس مقصد کے لئے قائل سزاوارِ تحسین و تعریف ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کتاب یا مجلس میں اس کے قائل پر رد یا اعتراض کرنے اور اس پر اس امر کا فتویٰ دینے کی غرض سے بیان کیا جس کا وہ مستحق ہے تو یہ بھی لائق تحسین ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب اور دوسرا حسب حالات۔ حاکی (حکایت کرنے والا) اور محکی عنہ (جو روایت کی گئی) مستحب ہے۔

پس اگر قائل ان لوگوں میں سے ہو جو اس امر کے متعمدی ہیں کہ اس سے لوگ تحصیل علم کرتے ہیں یا روایت حدیث لیتے ہیں اور اس کے حکم یا شہادت پر حکم دیا جاتا ہے یا وہ حقوق العباد میں فتوے دیتا ہے تو اب سامع پر واجب ہے کہ اس سے جو سنے اس کی اشاعت کرے اور لوگوں کو اس قول شنیع سے نفرت دلائے اور اس پر اس کے مقولہ کی گواہی دے۔

اسی طرح ان ائمہ مسلمین پر بھی واجب ہے جس کسی کو بھی اس مقولہ کی اطلاع پہنچے تو مقولے کی قباحت اور اس کے کفر و فساد کو ظاہر کرے تاکہ مسلمانوں سے اس کا ضرر و نقصان دور ہو اور سید المرسلین ﷺ کا حق قائم ہو۔

اسی طرح ان لوگوں پر بھی لازم ہے جو عام لوگوں میں وعظ کرتے ہیں اور بچوں کی اتالیقی (استادی) کرتے ہیں۔ کیونکہ جس کی یہ عادت بن گئی ہے (کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا کسی امر دینی کی تحقیر و تنقیص کرے) تو اس سے لوگ کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنی یہ خباثت نہ بٹھائے۔ اس لئے ان سب لوگوں پر واجب و لازم ہے کہ حق نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی شریعت کے حق کی حفاظت کریں اور اگر قائل اس قبیل کا نہیں ہے تو بھی نبی کریم ﷺ کے حق اور آپ کی حمایت کے لئے کھڑا ہونا واجب ہے۔

اس لئے کہ ہر مسلمان پر نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور حیات باطنی میں حمایت و نصرت آپ ﷺ کی اذیت میں واجب و ضروری ہے لیکن جب اس کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو جائے اور اس کی وجہ سے حق ظاہر اور قضیہ منکشف اور حقیقت واضح ہو جائے تو اس وقت دوسروں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اب اس معاملہ میں تکثیر شہادت اور اس سے لوگوں کے ڈرانے اور خبردار کرنے میں استحباب رہ جاتا ہے۔

اور تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ جو متہم فی الحدیث ہو اس کا حال ظاہر کرنا لازم ہے تو پھر ایسے شخص کے عیوب کو (جس نے کفر یا تحقیر و تنقیص وغیرہ کی ہو) کیونکر نہ بیان کیا جائے۔

ابو محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی ایسے گواہ کے بارے میں دریافت کیا جس نے اللہ ﷻ کے حقوق میں یاوہ گوئی سنی تھی کیا اسے جائز ہے کہ وہ اس کی شہادت نہ دے۔ فرمایا: اگر یہ امید ہو کہ اس کی

شہادت سے حکم نافذ ہو جائے گا تو وہ ضرور شہادت دے۔

اسی طرح اگر اسے یہ علم ہو کہ اس کی شہادت پر قاضی اور حاکم قتل کا حکم نہیں دے گا یا اس کی توبہ قبول کرلے گا یا تعزیر لگائے گا تو بھی اسے شہادت دینی ضروری ہے اور اس پر ادائے شہادت لازم ہے۔

اب رہی اباحت! تو وہ یہ ہے کہ وہ اس مقولہ کو ان دونوں مقصدوں کے علاوہ کسی اور غرض سے حکایت کرے تو یہ میرے خیال میں یہ اس بات سے متعلق نہیں ہے جب تک کہ کوئی غرض شرعی نہ ہو۔

اور یہ کسی شخص کو جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عزت و آبرو میں کلام کرے یا خود اپنے سے یا کسی دوسرے سے آپ ﷺ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے لیکن وہ اغراض جو پہلے بیان کیے جا چکے ہیں تو انہیں وجوب و استحباب دونوں جاری ہیں بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان مفتریوں کے مقولے کی نقل و حکایت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ ﷻ پر اور اس کے رسول ﷺ پر افترا باندھا تھا اور ان پر وعیدیں اور ان کی تردیدیں نازل کی ہیں۔ جیسا کہ اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں ہم پر اس کی تلاوت فرمائی ہے۔

اسی طرح ان وجوہ سابقہ پر ان کی مثالیں نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں اور کفار ملحدین کے مقولوں کو اپنی کتاب اور مجلسوں میں نقل و حکایت کرنے پر تمام علماء و ائمہ سلف و خلف کا اجماع ہے تاکہ انہیں بیان کرکے ان کے شبہات کو توڑیں۔

اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حارث بن اسد پر بعض امور میں انکار فرمانا وارد ہے کیونکہ خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کا رد کیا ہے جن کو فرقہ جہمیہ جو خلق قرآن کا قائل ہے نے کہا ہے اور ان کفار و فجار کے اقوال کی حکایت کرکے رد کیا جو انہوں نے پھیلا رکھا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص ان وجوہ کو کسی اور نہج پر حکایت کرے۔ مثلاً آپ ﷺ پر گالی یا آپ ﷺ کی منقصت کو ایسے طریقہ پر حکایت کرے جس طرح قصہ کہانی' عوام کی بات چیت' ان کی رعب و یابس باتیں' ان کی ہنسی مذاق' دل لگی اور ناسمجھوں کی سفیہانہ حرکتوں کو بیان کیا جاتا ہے وغیرہ تو یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور بعض تو ممانعت و عقوبت میں بہت سخت ہیں۔

چنانچہ ایسے مقولہ کی حکایت کرنے والے کچھ تو ایسے ہیں جو بلا قصد اور بغیر جانے پہچانے کہ اس حکایت میں کتنی برائی ہے نقل کر دیتے ہیں یا یہ کہ اس کی عادت ایسی نہیں ہے یا یہ کہ وہ کلام ہی اتنا شنیع نہیں ہے اور حکایت کرنے والے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اسے اچھا جانتا اور پسند کرتا

ہے تو ایسے شخص کو ان باتوں پر زجر و توبیخ کرنی چاہئے اور دوبارہ بیان کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ اگر وہ اس زجر و توبیخ سے سیدھا ہو جائے تو یہی کافی ہے اور اگر اس کے الفاظ برائی میں حد درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی سزا بھی سخت ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص قرآن کو مخلوق کہتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: یہ کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس پر اس نے کہا: میں نے تو دوسرے کی حکایت نقل کی ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا: میں نے تو تجھ سے سنا ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا اس کی زجر و تغلیظ کے لئے تھا کیونکہ انہوں نے اسے قتل نہیں کرایا۔

اور اگر یہ حکایت کرنے والا اس کا متہم سمجھا جاوے کہ اس نے یہ مقولہ خود گھڑا ہے اور دوسرے کی طرف منسوب کر رہا ہے یا یہ کہ اس کی ایسی عادت ہے یا یہ کہ وہ اسے اچھا جانتا ہے اور اس پر اس کی خوبی ظاہر ہو گئی ہے یا وہ ان باتوں کا شیدائی ہے اور حضور ﷺ کا استخفاف اور ایسی باتوں کو یاد کرنے اور اس کی جستجو و تلاش میں رہنے یا آپ ﷺ کی ہجو کے اشعار کی جستجو میں منہمک اور شیفتہ ہے تو اس کا حکم قصداً گالی دینے والے کی طرح ہے۔ اس کے قول کی پکڑ کی جائے گی اور محض دوسرے کی طرف اس کا منسوب کرنا اسے فائدہ نہ پہنچائے گا اور اسے فوراً قتل کر کے جلد از جلد جہنم رسید کیا جائے۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص ایسے شعروں کو یاد کرے جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو ہو تو وہ کافر ہے۔

اور بعض مولفین نے ''اجماع'' کے تذکرہ میں بیان کیا ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ روایت جس میں نبی کریم ﷺ کی ہجو یا منقصت ہو اس کی کتاب، اس کا پڑھنا اور جہاں کہیں پائے جائیں بغیر مٹائے چھوڑنا حرام ہے۔

اللہ ﷻ ہمارے سلف صالحین پر رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اپنے دین کی کیسی محافظت کی ہے کہ انہوں نے مغازی اور سیر کی ان روایتوں کو بھی پایۂ اعتبار سے گرا دیا جو اس قبیل میں آتی تھیں اور ان کی روایت کے سلسلہ ہی کو چھوڑ دیا مگر بہت ہی کم ایسی ہیں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور وجہ اول پر ان کا ذکر کرنا بھی اتنا برا نہیں ہے تاکہ لوگ دیکھیں اللہ ﷻ ایسوں پر کیسا عذاب فرماتا ہے اور اس کی پکڑ کا معائنہ کریں کہ کس طرح وہ اپنے گناہوں میں ماخوذ ہوئے۔

اور یہ ابوعبیدہ قاسم بن سلام رحمتہ اللہ علیہ تو اتنے محتاط ہیں کہ جہاں کہیں عرب کے ان شعروں کو جس میں ہجو ہے بطور حجت لائے بھی ہیں تو انہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور کسی کی مذمت میں مشارکت کی صیانت کی خاطر کہ خود اس کی روایت اور نشر میں شریک نہ ہو جائیں جس کی ہجو کی گئی ہے اس کا نام تک کنایت (لکھنے) میں ظاہر نہیں کیا اور اسی وزن پر ایک فرضی نام لے کر منسوب کر دیا تو پھر یہ باتیں سید البشر ﷺ کے لئے کس طرح گوارہ کی جا سکتی ہیں۔

آٹھویں فصل

امور مختلفہ کے ذکر کرنے کا حکم

ساتویں وجہ (قسم) یہ ہے کہ ان باتوں کا ذکر کرے جو نبی کریم ﷺ پر جائز ہیں یا جن کے جواز میں اختلاف ہے یا ان کا تعلق امور بشریہ سے ہے یا جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا ممکن ہے یا ان امور کا ذکر کرے جن میں آپ ﷺ کی آزمائش کی گئی یا اللہ ﷻ کی ذات پر آپ ﷺ نے ان سختیوں پر صبر فرمایا جو آپ ﷺ کے دشمنوں کی طرف سے پہنچی اور جو ان سے اذیتیں پائیں اور آپ ﷺ کے ابتدائی حالات و عادات اور جو بھی زمانہ کی تکلیفیں پہنچیں اور جو زندگی کے شدائد آپ ﷺ پر گزرے ان کو بیان کرے یہ تمام باتیں بر طریق روایت اور بطور مذاکرۂ علمیہ یا ان باتوں کی معرفت جن سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کی صحت ثابت ہو بیان کرے تو اس صورت میں یہ قسم سابقہ چھ اقسام سے خارج ہو گی اس لئے کہ اس میں نہ عیب ہے نہ منقصت' نہ اہانت ہے' نہ استخفاف' نہ ظاہر الفاظ میں تحقیر ہے اور نہ بولنے والے کا مقصد اہانت ہے۔

لیکن یہ لازمی ہے کہ ایسی گفتگو اہل علم اور سمجھدار طالب علم سے ہو جو اس کے مقصد کو سمجھ سکے اور اس کے فائدوں کی تحقیق کر سکے اور نادان لوگوں کو اس سے بچایا جائے جن سے فتنہ کا خوف ہو۔ چنانچہ بعض علماء سلف نے عورتوں کے لئے سورۃ یوسف کی تعلیم کو مکروہ بتایا ہے۔ اس لئے کہ اس میں بہت سے ایسے قصے ہیں جو ان کی کمزور عقل و سمجھ اور ناقص ادراک سے باہر ہیں۔

بلا شبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ابتدائے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں اور فرمایا ہر نبی نے ضرور بکریاں چرائی ہیں اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہمیں اس کی خبر دی ہے اور اس طرح پر جس کے لئے بھی بیان کرے کوئی منقصت نہیں ہے بخلاف اس شخص کے جس کا ارادہ ہی منقصت و تحقیر ہو بلکہ اس قسم کے تذکرے کرنا تمام اہل عرب

کی عادت تھی۔

ہاں! اس محنت میں بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک درس حکمت ہے اور یہ کہ اللہ ﷻ ان کو بتدریج منزلت کی طرف لے جاتا ہے اور اس طریقہ سے ان کو اپنی امت پر سیاست (حکومت) کرنے کی عادت ڈلواتا ہے۔ حالانکہ ازل سے ہی ان کی کرامت و بزرگی علم الٰہی میں مقدر ہو چکی تھی۔

اسی طرح اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کے یتیم اور عیال دار ہونے کو بطریق احسان ذکر فرمایا اور آپ ﷺ کی بزرگی کی تعریف کی ہے۔ اب اگر کوئی ذاکر ان کو آپ ﷺ کے ابتدائی حالات اور آپ ﷺ کی تعریف میں بیان کرے اور اس پر اظہار تعجب بیان کرے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر کیسے انعام و اکرام فرمائے اور کس طرح احسان کئے ہیں تو اس میں کوئی منقصت نہیں ہے بلکہ اس میں تو آپ ﷺ کی نبوت کی دلالت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صحت ہے۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے اس کے بعد آپ ﷺ کو صنادید عرب اور ان کے جو بڑے بڑے بزرگ اور سردار تھے سب پر بتدریج غالب فرمایا اور اس غلبہ و تسلط کو اتنا بڑھایا کہ انہیں مغلوب کر کے رکھ دیا اور ان کے خزانوں کی کنجیوں پر آپ ﷺ کا قبضہ کرایا اور ان کے سوا دیگر ممالک کو بھی عطا فرمایا اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔

اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو مدد فرمائی اور آپ ﷺ کو مسلمانوں کے لئے مددگار بنایا اور ان کے دلوں میں محبت والفت ڈالی اور ان کی مدد نشان والے فرشتوں کے ذریعہ کی اور اگر آپ ﷺ پہلے سے بادشاہ کے فرزند اور صاحب لشکر ہوتے تو بہت سے جاہل یہ گمان کرتے کہ آپ ﷺ کے غلبہ کا سبب اور آپ ﷺ کی برتری کی وجہ یہی ہے اسی بنا پر تو بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے پھر اس نے کہا کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں بادشاہت ہوتی تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ شخص اپنے باپ کے ملک کا خواہاں ہے۔

اور آپ ﷺ کا یتیم ہونا بھی ایک صفت ہے اور کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں یہ آپ ﷺ کی نشانی ہے۔ اسی طرح ''کتاب ارمیاہ'' میں آپ ﷺ کا تذکرہ ہے اور اسی صفت کے ساتھ ابن ذی یزن نے حضرت عبدالمطلب سے اور بحیرہ راہب نے جناب ابوطالب سے حضور کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح جب آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ آپ ﷺ اُمی ہیں۔ جس طرح کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی مدحت میں تعریف فرمائی ہے تو اس میں آپ ﷺ کی فضیلت ثابت ہے اور یہ آپ ﷺ کے معجزہ کی بنیاد ہے۔

اس لئے کہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو کہ کل کا کل بطریق معارف وعلوم

حاوی وشامل ہے۔ مع ان فضائل وشمائل کے جن کو اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے لئے بیان فرمایا جیسا کہ ہم قسم اول (حصہ اول) میں پہلے بیان کر چکے ہیں اور ایک ایسا شخص جو نہ پڑھا ہو نہ لکھا ہو اور نہ کسی مدرسہ میں تحصیل علم کیا ہو جس سے اس کا وجود قائم ہو تو یقیناً یہ محل تعجب مقام عبرت اور انسانی معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے اُمّی ہونے میں کوئی منقصت وتحقیر نہیں ہے اس لئے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد تو معرفت پہچان ہے اور قرأت وکتاب تو معرفت کا وسیلہ اور ذریعہ موصلہ ہے نہ کہ وہ فی نفسہ مقصود بالذات۔

لہٰذا جب (بغیر وسیلہ ذریعہ کے) نتیجہ اور پھل حاصل ہو گیا تو مقصود ومطلوب کے لئے اب واسطہ اور ذریعہ کی کیا حاجت ہے۔ بلا شبہ آپ ﷺ کے سوا دوسرے کے لئے اُمّی (بے پڑھا لکھا ہونا) نقص وعیب ہے اس لئے کہ یہ جہالت کا سبب اور بے سمجھی کی نشانی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کو جس نے دوسروں سے آپ ﷺ کو ممتاز فرما کر شرافت وعظمت عطا فرمائی۔ جو بات کہ دوسروں کے لئے عیب و نقص تھی اور جس میں دوسروں کی ہلاکت تھی اس میں آپ ﷺ کو فضیلت وحیات بخشی۔

غور کا مقام ہے کہ آپ ﷺ کے سینہ اطہر کو شق کر کے زوائد کا اخراج کرنا گویا آپ ﷺ کو مکمل حیات' پوری نفسانی قوت اور کمال درجہ ثبات قلب عطا فرمانا ثابت ہوا حالانکہ دوسروں کے لئے یہ باتیں ہلاکت کا نتیجہ بنتی ہیں اور ان کو فنا کر ڈالتی ہیں اسی اصول وضابطہ سے آپ ﷺ کے متعلق تمام اخبار وسیر جو مروی ہیں جن میں دنیاوی غذا کا کم کھانا کم پہننا کم سوار ہونا' تواضع وانکسار کا ظاہر کرنا' گھر والوں کی خدمت کرنا' زہد کو پسند کرنا' دنیا سے بے تعلق ہونا' دنیاوی امور کو سرعتِ فنا اور تبدیل احوال کے لحاظ سے خواہ وہ حقیر ہوں یا عظیم برابر سمجھنا سو یہ سب باتیں آپ ﷺ کے فضائل وخصائل اور شرافت میں داخل ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب جو شخص بھی ان کو اچھے محل پر بیان کرے اور اس کا مقصود ومطلوب بھی نیک ہو تو یہ اچھی بات ہوگی اور اگر کسی نے ان کو بے محل ذکر کیا اور معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد برا ہے تو وہ ان فصلوں میں شامل ہوگا جن کو ہم پہلے بیان کر چکے (اور انہیں وجوہ کے مطابق اس پر حکم شرع نافذ ہوگا)۔

یہی حکم ان روایتوں کے متعلق ہے جو نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کتب احادیث میں مروی ہیں اور بظاہر مشکل نظر آتی ہیں جن میں کسی ایسی بات کا ذکر جو انبیاء کرام علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہے یا تو وہ محتاج تاویل ہوں یا ان میں احتمالات وارد ہوں تو ان میں سے بھی صرف صحیح حدیثوں کو بیان کیا جائے اور سوائے مشہور وثابت حدیثوں کے کوئی ضعیف وغیرہ نہ روایت کی جائے۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ ان حدیثوں کو جو وہم تشبیہ (تشبیہ کا موہم دالی) ہوں اور جس کے معنی میں اشکال ہو ان کے بیان کرنے کو ناپسند و مکروہ جانتے تھے اور فرمایا لوگوں کو ایسی حدیثیں بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ (جس سے وہ فتنہ میں پڑیں)

کسی نے ان سے عرض کیا کہ (آپ رحمتہ اللہ علیہ کے استاد) ابن عجلان رحمتہ اللہ علیہ تو ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

فرمایا وہ فقیہہ تھے۔ کاش کہ لوگ اس قسم کی حدیث کے ترک کرنے میں ان کی موافقت کرتے اور اس میں ان کی مساعدت و نصرت کرتے۔

کیونکہ اکثر حدیثیں ایسی ہیں جن سے عمل کا تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ سلف کی ایک جماعت بلکہ تمام ہی سے منقول ہے کہ وہ حضرات ان حدیثوں کو جو عمل سے متعلق نہیں ہیں بیان کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ باتیں ان اہل عرب سے فرمائی ہیں جو اسلوب کلام کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے محل استعمال کو جانتے تھے کہاں حقیقت ہے اور کہاں مجاز اور کہاں استعارہ و بلاغت ہے اور کہاں ایجاز و اختصار۔ درحقیقت یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز اور مشکل بات نہیں تھی۔ اس کے بعد جب ان پر عجمیوں کا غلبہ ہوا اور ان پڑھ لوگ داخل ہوئے تو ان کی یہ حالت ہوگئی کہ عرب کے مقاصد سے ہی نابلد (ناواقف) ہوگئے وہ صرف صاف و صریح کو سمجھتے اور ان اشارات کو جو بغرض ایجاز وحی پنہاں تھے اور جن میں تبلیغ و تلویح مضمر تھی انہیں نہ سمجھ سکے چنانچہ وہ ان کے محل و تاویل میں ہر سو مختلف و متفرق ہوگئے۔ لہٰذا کچھ تو وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے انکار کی راہ اختیار کی۔

اب یہی (راہ صواب) ہے کہ وہ حدیثیں جو صحت کو نہیں پہنچتی ہیں ان کو اللہ ﷻ اور انبیاء علیم السلام کے حقوق میں لازم ہے کہ نہ بیان کیا جائے اور نہ ان میں گفتگو کی جائے اور نہ کلام کے معانی میں جستجو کی جائے بہترین راہ یہی ہے کہ ان کو بالکل ترک کر دیا جائے اور ان میں انہماک کو چھوڑ دیا جائے بجز اس طریقہ کے کہ بتا دیا جائے کہ یہ ضعیف الاعتماد ہے اور اس کی سند واہی ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے اپنی کتاب 'مشکل' میں ابوبکر بن فورک رحمتہ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہوئے ضعیف اور موضوع حدیثوں پر کلام کرنے میں انکار کیا ہے فرمایا کہ یہ بے اصل ہیں یا ان اہل کتاب سے منقول ہیں جو حق و باطل میں آمیزش کرنے کے عادی ہیں۔ ان کا ترک کر دینا اور ان سے بحث نہ

کرنا ہی کافی جانتے تھے تاکہ ان کے ضعف پر تنبیہ ہو جائے اس لئے کہ بحث وکلام کا مقصد تو یہ ہے کہ ان سے مشکلات وشبہات کا ازالہ کیا جائے اور سرے سے ہی شبہ کی جڑ کو اکھاڑ دینا اور ان کو ترک کر دینا شبہ کے دفع کرنے میں زیادہ موثر اور طمانیت قلوب کے لئے بہت نافع ہے۔

نویں فصل

خطباء وواعظین کو تنبیہات

کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو ان متکلمین پر واجب ہیں جو نبی کریم ﷺ پر جائز وناجائز سے بحث کرتے ہیں اور ان واعظین پر بھی لازم ہیں جو آپ ﷺ کے حالات کو جن کو ہم نے اس سے پہلے فصلوں میں بیان کیا ہے برسبیل مذاکرہ وتعلیم بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک تو یہ ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کریں اور آپ ﷺ کے حالات طیبہ کو بیان کریں تو آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو لازم جانیں اور اپنی زبان کی نگہداشت کریں اسے مطلق العنان نہ کریں اور آپ ﷺ کے ذکر خیر کے وقت ادب وتواضع کا اظہار کریں۔ پس جب آپ ﷺ کے مصائب شدائد کا ذکر کریں تو ان پر رقت اور خوف وخشیت طاری ہو اور آپ ﷺ کے دشمنوں پر نفرت و حقارت کا اظہار ہو اور آپ ﷺ کے حامی وجان نثاروں سے محبت ومودت کا اظہار ہو اور یہ کہ اگر اسے اس پر قدرت ہوتی تو وہ بھی آپ ﷺ کی حمایت ونصرت کرتا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی جان فداء کرتا۔

اور جب ابواب عصمت کو بیان کریں اور آپ ﷺ کے اعمال واقوال میں کلام کریں تو حتی الامکان اچھے سے اچھے الفاظ اور مودب عبارت کو تلاش کریں اور غیر مودب الفاظ سے احتراز کریں اور ان تعبیرات کو چھوڑ دیں جس میں قباحت ہے مثلاً لفظ جہل، کذب اور معصیت وغیرہ۔

اور جب اقوال میں کلام کریں تو کہے یہ کہ کیا آپ ﷺ پر خلف فی القول اور خلاف واقع خبر دینا خواہ سہو یا غلطی سے ہی ہو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح دیگر تعبیرات میں احتیاط اختیار کریں اور لفظ کذب سے بالکل ہی اجتناب کریں۔

اور علم پر گفتگو ہو تو کہیں کیا آپ ﷺ پر یہ جائز ہے کہ اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا آپ ﷺ کو سکھا دیا اور یا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو وحی الٰہی سے پہلے بعض چیزوں کا علم نہ تھا وغیرہ اور ہرگز جہل اور قبیح الفاظ زبان پر نہ لائے کیونکہ یہ نہایت بری بات ہے۔

اور جب افعال میں کلام کریں تو کہیں کہ کیا بعض اداء امر ونواہی میں آپ ﷺ سے مخالفت کا صدور یا صفائی میں آپ ﷺ کا وقوع جائز ہے یا نہیں؟ یہی طریقہ ادب میں سب سے بہتر ہے اور آپ ﷺ کے حق میں اس کے کہنے سے زیادہ مناسب ہے کہ کہیں کیا یہ جائز ہے یا گناہ کیا، یہ نافرمانی کی یا فلاں فلاں گناہ کے فعل کئے وغیرہ (یہ سب ادب وتوقیر کے خلاف ہے اس سے بچنا ضروری ہے)۔

سو یہ ایسی باتیں ہیں جو آپ ﷺ کی عزت وتوقیر میں داخل ہیں چونکہ آپ ﷺ کی امت پر آپ ﷺ کی عزت وتعظیم فرض ہے بلاشبہ بہت سے عالموں کو دیکھا ہے جو ان باتوں کی حفاظت نہیں کرتے تو انہیں برا جانا گیا اور لوگوں نے ان تعبیرات کو پسند نہیں کیا اور میں نے بعض غیر منصف مزاج لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے قول کو خطا کی جانب منسوب کیا ہے اور انہوں نے اس پر طعن وتشنیع کی ہے جس کو کہ اس کا قول قبول نہیں کرتا اور وہ ایسے قائل کی تکفیر تک کر گزرتے ہیں۔ نیز جبکہ اس قسم کی باتیں عام لوگوں میں باہمی آداب ومعاشرت اور خطاب میں رائج ہیں تو ان کا استعمال و لحاظ نبی کریم ﷺ کے لئے ضرور واجب ہے اور اس کا التزام زیادہ موکد ہے کیونکہ عبارت کی عمدگی اور برائی شے کو بھلا اور برا بنا دیتی ہے تحریر کی عمدگی و پاکیزگی شے کو گھٹا بڑھا دیتی ہے اسی لئے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا۔ یقیناً بعض بیانات جادو اثر ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۷ صفحہ ۱۸)

اب رہی وہ باتیں جن سے آپ ﷺ کی نفی اور تنزیہہ کی جاتی ہے تو ان کو صاف الفاظ اور صریح عبارت سے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہیں کہ آپ ﷺ پر بالکل کذب کا اطلاق جائز نہیں ہے اور کسی نوعیت سے کبائر کا ارتکاب نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کسی حال میں حکم میں ظلم ممکن ہے۔ لیکن بایں ہمہ جبکہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت عجز وتعظیم وتوقیر اور عزت وتکریم واجب ہے تو پھر جب بوقت ذکر ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جائے تو کتنا ادب چاہئے۔

بلاشبہ سلف صالحین پر محض آپ ﷺ کے ذکر کے وقت شدید کیفیت وحالت طاری ہوتی تھی جیسا کہ ہم نے قسم ثانی میں پہلے بیان کیا اور بعض سلف کا تو اس وقت جبکہ قرآن کی ایسی آیت تلاوت کی جائے جس میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے اقوال اور اس کی آیات سے کفر اور آپ ﷺ پر کذب وافتراء نقل فرمایا ہے تو یہ حالت ہوتی تھی کہ وہ اپنے رب ﷻ کی جلالت شان اور عظمت کبریائی سے اپنی آوازوں کو پست کر دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو جائے جنہوں نے کفر کیا ہے۔

دوسرا باب

حضور ﷺ پر سب و شتم، تنقیص و اہانت کرنے والے کی عقوبت و وراثت کا حکم

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حق میں جو گالی اور اذیت ہے اور ہم نے عطاء رحمتہ اللہ علیہ کا اجماع بھی بیان کر دیا ہے کہ اس کے فاعل اور قائل کی سزا قتل کیا جائے یا اسے سولی دی جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کو دلائل کے ساتھ ثابت بھی کر دیا ہے۔

اس کے بعد اب تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا مشہور مذہب اور سلف و جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اسے از روئے حد قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر اگرچہ اس سے توبہ بھی صادر ہو جائے۔ لہٰذا ان تمام کے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی اور نہ اس کی توبہ نفع دیگی اور نہ اس کا رجوع مفید ہوگا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کا حکم زندیق کا حکم رکھتا ہے اور اس کافر کی طرح ہے جو کفر اپنے دل میں چھپائے برابر ہے کہ اس کی توبہ گرفتار کرنے کے بعد اور اس کے قول پر شہادت گزر جانے کے بعد ہو یا وہ پہلے ہی دل سے توبہ کرتا ہوا آئے۔ اس لئے کہ یہ حد واجبی ہے۔ اس پر توبہ غالب نہیں آ سکتی جس طرح تمام دیگر حدود ہیں۔

شیخ ابوالحسن قابسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گالی کا اقرار کر لے اور اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے تو بھی گالی کی وجہ میں قتل کر دیا جائے گا کیونکہ قتل اس کی حد ہے اور ابو محمد بن زید رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی کے مثل فرماتے ہیں لیکن اس کے اور اللہ ﷻ کے درمیان اس کی توبہ نفع دے جائے گی۔

اور ابن سحنون رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس موحد نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر اس نے توبہ بھی کر لی تو اس سے اس کی توبہ قتل کو دور نہیں کر سکتی اسی طرح اس زندیق کے بارے میں علماء مختلف ہیں جبکہ وہ توبہ کرتا ہوا آئے چنانچہ قاضی ابوالحسن بن قصار رحمتہ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔ فرماتے ہیں ہمارے بعض مشائخ کا ایک قول تو یہ ہے کہ اقرار کے باوجود قتل کر دوں گا اس لئے کہ گویا وہ اس پر قادر تھا کہ اسے وہ اپنے دل میں چھپائے۔ لیکن جب اس نے اعتراف کر لیا تو ہم نے گمان کیا وہ اپنے ظاہری حال سے ڈر گیا اس لئے اس نے اظہار کی جلدی کی اور ہمارے بعض مشائخ کا دوسرا قول یہ ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کر لوں گا اس لئے کہ اس کی صحت پر اس کے آنے سے استدلال کرتا ہوں۔ گویا کہ ہم اس کے باطن پر واقف ہو گئے۔ بخلاف اس شخص کے جسے ثبوت اور

شہادت نے مفید کر دیا ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا مسئلہ بہت سخت ہے گزشتہ قاعدۂ اصول کی بنا پر اس میں خلاف متصور ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ وہ حق ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ متعلق ہے اور آپ ﷺ کی امت کا حق بھی آپ ہی کے ساتھ مربوط ہے۔ اس کو توبہ ساقط نہیں کر سکتی جس طرح کہ باقی لوگوں کے حقوق ہیں۔

اور وہ زندیق جو بعد گرفتاری توبہ کر لے سو امام مالک' لیث' اسحٰق اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسلمان سے توبہ قتل کو زائل نہیں کرتی جس نے حضور ﷺ کو گالی دی ہے اس لئے کہ اس دین سے اس نے کسی دوسرے دین کی طرف انتقال نہیں کیا۔ یقیناً اس نے ایسا ہی کام کیا جس کی حد ہمارے نزدیک قتل ہے اس میں کسی کے لئے معافی نہیں ہے جیسے زندیق کیونکہ اس کا ظاہر حال کسی دوسرے ظاہر حال کی طرف منتقل نہیں ہوا۔

اور قاضی ابو محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ اس کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کے لئے یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ فرق اس کے اور اس شخص کے درمیان جس نے اللہ جل جلالہ کو گالی دی مشہور قول کی بنا پر توبہ کا قبول کرنا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ از جنس بشر ہیں اور بشریت ایک ایسی جنس ہے جسے نقص لاحق ہوتا ہے بجز اس ذات عالیہ کے جسے اللہ جل جلالہ اپنی نبوت سے سرفراز فرمائے اور باری تعالیٰ ہر عیب و نقص سے کلیۃً منزہ ہے اور وہ ذات اس جنس سے ہی نہیں ہے جس کو اپنے جنس کے سبب نقص لاحق ہو اور نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اس ردت کی مثل نہیں ہے جس میں توبہ مقبول ہے کیونکہ ارتداد اس معنی میں ہے جیسے ساتھ مرتد منفرد ہے اور اس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں تو اس میں توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن جس نے نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دی تو اس میں ایک آدمی (یعنی حضور) کا حق بھی متعلق ہو گیا۔ تو وہ گویا ایسا مرتد ہو گیا جس نے اپنی ردت کے وقت کسی کو قتل کر ڈالا یا کسی کو تہمت لگائی۔ لہٰذا اس کی توبہ اسے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی۔ نیز جب مرتد کی توبہ مقبول کی لی جائے تو اس کے زنا چوری وغیرہ کے گناہ کو (توبہ) ساقط نہیں کرتی اور یہ کہ نبی کریم ﷺ کے گالی دینے والے کو اس کے کفر کی بنا پر قتل نہیں کیا جاتا لیکن اس معنی کو ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حرمت کی عظمت اور اس سے نقص کو دور کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے اس کو توبہ ساقط نہیں کرتی۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم قائل کی یہ مراد ہو کہ اس کا گالی دینا کلمۂ کفر کی بنا پر نہ تھا بلکہ تحقیر و تنقیص کے لئے تھا یا یہ کہ اس کا توبہ کرنا اور رجوع کا اظہار کرنا اس کے ظاہر کلمۂ کفر کو اٹھا دے اللہ ﷻ ہی دلوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ اب (توبہ کے بعد) گالی دینے کا گناہ اور اس کا حکم باقی رہے گا۔

ابوعمران قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی پھر وہ اسلام سے پھر گیا تو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے اس لئے کہ گالی دینا آدمیوں کے ان حقوق میں سے ہے جو مرتد ہونے سے ساقط نہیں ہوتا اور ہمارے مذکورہ مشائخ کا کلام اس پر مبنی ہے کہ اسے حد کی بنا پر قتل کیا جائے نہ کہ کفر کی بنا پر یہ بحث محتاج تفصیل ہے۔

اب رہی ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اس میں ان کے موافقین سے منقول ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور کہا کہ علماء نے صراحت سے بیان فرمایا کہ وہ ردّت ہے چنانچہ علماء نے کہا کہ اس سے توبہ لی جائے پس اگر وہ توبہ کرے تو چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اس وجہ میں وہ مطلقاً مرتد کے حکم میں ہے اور پہلی وجہ جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے وہ زیادہ مشہور و ظاہر ہے ہم اب اس میں مفصل کلام بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اس کی ردت کو نہیں خیال کرتا وہ تو واجب کرتا ہے کہ اسے حدًا قتل کر دیا جائے اور ہم اس کی دونوں حالتوں کے قائل ہیں۔ پس اگر وہ اس کا انکار کرے جس کی کہ اس پر گواہی گزری ہے یا وہ توبہ اور ندامت کا اظہار کرے تو ہم بہر صورت حداً اسے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے خلاف کلمۂ کفر ثابت ہو چکا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے اس حق کی تحقیر کی جس کو اللہ ﷻ نے آپ میں اعظم قرار دیا ہے اور ہم نے اس کی میراث اور دیگر امور میں زندیق کا حکم جاری کیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے خلاف یہ ظاہر ہے کہ اس نے انکار کیا یا توبہ کی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس پر تم کفر کو تو ثابت کرتے ہو اور کلمۂ کفر پر گواہی لیتے ہو لیکن قبولیت توبہ اور اس کے لوازمات میں کوئی حکم جاری نہیں کرتے؟

تو جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم اس کے لئے حکم کفر کو ثابت کر کے قتل کرنا اس کے توحید و نبوت کے اقرار کو جس کا وہ اقراری ہے اس سے جدا اور قطع نہیں کرتے خواہ اپنے خلاف گواہی کا انکار کرے یا اس بات کا مدعی ہو کہ یہ بات اس سے ازراہ غلطی اور معصیت صادر ہوئی ہے اور وہ اس سے منحرف اور اس پر نادم ہے اور یہ کہ بعض اشخاص پر بعض احکام کفر کو ثابت کرنا اس امر کو مانع نہیں کہ اس

کی دیگر خصوصیات کو بھی وہ ثابت نہیں کر رہی ہیں۔ جیسے تارک نماز کا قتل کرنا۔ لیکن جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کا معتقد ہے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کو گالی دینا حلال ہے تو اب اس کے کفر میں اس بنا پر قطعاً شک وشبہ نہیں ہے۔

علیٰ ہذا القیاس فی نفسہ حضور ﷺ کو گالی دینا بھی کفر ہے جس طرح آپ کی تکذیب وتکفیر وغیرہ کفر ہے۔ لہٰذا اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اگر چہ اس سے وہ تائب ہو۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک اس کی توبہ مقبول نہیں اور اس کے بعد توبہ بھی اس کے قول اور سابقہ کفر کی بنا پر حداً قتل کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ مختار ہے جو دلوں کے اسرار کا جاننے والا اور اس کی توبہ وندامت کی صحت کا خبردار ہے۔

یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس سے توبہ نہ ظاہر ہوئی ہو اور اپنے خلاف گواہی کا معترف ہو اور اس پر قائم بھی ہو تو وہ شخص اپنے قول اور اللہ ﷻ اور اس کے نبی کریم ﷺ کی ہتک حرمت کے حلال جاننے کی بنا پر کافر ہے تو اسے بلا خوف کا فرمان کر قتل کیا جائے گا۔

پس ان تفصیلات کے ساتھ علماء کے کلام کو اخذ کرو اور ان کے اجزائے اختلاف کو وراثت وغیرہ میں اسی طریق پر جاری کرو تو انشاء اللہ ﷻ تمہیں صحیح مقصد حاصل ہو جائے گا۔

پہلی فصل

مدت وکیفیتِ توبہ

جب ہم نے یہ کہا کہ اس سے توبہ لی جائے کہ صحیح ثابت ہو تو اس میں وہی اختلاف ہے جو مرتد کی توبہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور علماء سلف نے توبہ لینے کے وجوب، مدت اور کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ مرتد سے توبہ لی جائے اور ابن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ طلب توبہ میں تصویب قول سیدنا عمر ﷺ کا اجماع ہے اور ان میں سے کسی صحابی کا انکار میں قول نہیں ہے۔ یہی قول سیدنا عثمان، سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا ابن مسعود کا ﷺ ہے اور یہی قول عطا بن ابی رباح، نخعی، ثوری، امام مالک اور ان کے اصحاب، اوزاعی، امام احمد، اسحاق اور مجتہدین رحمہم اللہ کا ہے اور طاؤس، عبید بن عمیر اور حسن بصری رحمہم اللہ کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ نہ لی جائے۔ اسے عبد العزیز بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس قول کو معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا اور سحنون

نے معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا انکار کیا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا۔

اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ عنداللہ اس کی توبہ اسے نفع دے گی۔ لیکن توبہ قتل سے باز نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ''جو اپنے دین کو بدل لے اسے قتل کر دو''۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد جلد ۲ صفحہ ۴۹)

اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر وہ اسلام میں پیدا ہوا تو اس سے توبہ نہ طلب کی جائے اور نومسلم سے توبہ لی جائے۔

جمہور علماء کے نزدیک مرتد مرد و عورت حکم میں برابر ہیں اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ مرتدہ عورت قتل نہ کی جائے اور اسے باندی بنا لیا جائے۔ اسے عطا اور قتادہ رحمہما اللہ نے فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ردت میں عورت قتل نہ کی جائے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آزاد غلام مرد و عورت اس میں سب برابر ہیں۔

اب رہی مدت توبہ! تو مذہب جمہور اور سیدنا فاروق اعظم ﷺ کی روایت کے موجب تین دن تک توبہ نہ لی جائے ان ایام میں اسے قید میں رکھا جائے۔ اس میں سیدنا فاروق اعظم ﷺ کا اختلاف مروی ہے اور ایک قول کے بموجب یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحق قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انتظار خیر ہی لاتا ہے۔ لیکن اس پر لوگوں کی جماعت قائل نہیں ہے۔

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین دن تک تاخیر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرتد کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم ﷺ کے قول کو اختیار فرمایا کہ تین دن تک قید میں رکھا جائے اور ہر روز اس پر عرض اسلام کیا جائے پس اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابوالحسن بن قصار رحمۃ اللہ علیہ تین دن تک تاخیر کرنے میں دو روایتیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کیا یہ واجب ہے یا مستحب اور توبہ لئے جانے کو مستحسن قرار دیا اور تین دن تک تاخیر کرنا یہ مجتہدین کے نزدیک ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے توبہ طلب کی مگر اس نے

توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کرا دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستحسن کہا۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو قتل کر دیا جائے اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ دو مہینے تک توبہ طلب کی جائے اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمیشہ توبہ طلب کی جائے اور اسی کو ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا کہ جب تک توبہ کی امید ہو۔

ابن قصار رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ اس سے تین دن میں تین مرتبہ توبہ طلب کی جائے یا تین جمعہ تک ہر روز یا ہر جمعہ کو ایک مرتبہ اور کتاب امام محمد رحمۃ اللہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرتد کو تین مرتبہ دعوت اسلام دی جائے پھر اگر وہ انکار کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دنوں میں اسے جھڑکا جائے کہ وہ توبہ کر لے یا نہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے لئے بھوکا پیاسا رکھنا یا درد والم پہنچانا میں نہیں جانتا اور اسے کھانا بھی وہ دیا جائے جو اسے ضرر و نقصان نہ پہنچائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ لینے کے دنوں میں قتل سے ڈرایا جائے اور اس پر اسلام پیش کیا جائے۔

ابوالحسن طابشی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں ہے کہ اسے ان تین دنوں میں نصیحت کی جائے اور جنت یاد دلائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے۔

اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس قید خانہ میں اسے رکھا جائے خواہ لوگوں کے ساتھ رکھا جائے یا تنہا جبکہ اسے مضبوط باندھا گیا ہو تو برابر ہے اور اس کا مال موقوف رکھا جائے جبکہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں پر تلف کر دے گا۔ اسی سے اس کو کھلایا پلایا جائے۔ اسی طرح ہر بار اس سے توبہ کرائی جائے جب جب بھی وہ رجوع کرے اور مرتد ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس نبہان سے جو کہ چار یا پانچ مرتبہ مرتد ہوا تھا ہر بار توبہ کرائی۔

ابن وہب رحمۃ اللہ امام مالک رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی رجوع کرے ہمیشہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ یہی قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے اسے ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوتھی مرتبہ قتل کر دیا جائے اور مجتہدین فرماتے ہیں کہ اگر

توبہ کرے تو خوب مارا پیٹا جائے۔ اور قید خانہ سے اسے رہا نہ کیا جائے جب تک کہ دل سے اس پر توبہ کا اظہار نہ ہو اور ابن منذر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے مرتد پر پہلی ہی مرتبہ میں سزا دی ہو۔ جب کہ وہ توبہ کر لے یہی مذہب امام مالک امام شافعی اور احناف رحمہم اللہ کا ہے۔

دوسری فصل

نامکمل یا عدم شہادت پر حکم

یہ حکم تو اس کے لئے تھا جس پر یہ باتیں ثابت ہو چکی ہوں خواہ ثبوت اقراری ہو یا ایسی شہادت کے ذریعہ ہو جس میں شبہ نہ رہا ہو۔ اب رہی یہ صورت کہ اس پر شہادت مکمل نہ گزری ہو کہ مثلاً ایک شخص کی شہادت ہو یا غیر معتبر لوگوں کی شہادت ہو یا یہ کہ اس کے قول سے ثابت تو ہوتا ہو لیکن اس میں احتمال ہو اور صریح نہ ہو علی ہذا القیاس اگر اس نے توبہ کر لی اور اس قول کے موافق اس کی توبہ قبول کر لی گئی تو اب اس سے قتل موقوف ہو جائے گا اور اب امام کی رائے (حکم) اس پر نافذ ہو گی جیسی بھی اس کی مشہور حالت اور قوی و ضعیف شہادت اور کثرت وقوع سماعت اور دین میں اس کی متہم صورت حال ہو گی۔ آیا وہ بیوقوف و نادان ہے یا نقال و مسخرہ۔

چنانچہ جس کا معاملہ قوی و زبردست ہو گا اسے سخت سزا دی جائے گی قید خانے میں زنجیروں سے جکڑا جائے گا اور خوب سنگین سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اس کی طاقت جواب دے جائے بجز اس کے کہ وہ ضرورت کے لئے کھڑا ہو سکے اور یہ کہ نماز میں قیام سے نہ روک دے۔

یہی حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جس پر وجوب قتل تو ہو لیکن کسی اور احتمال سے اجراء قتل موقوف ہو گیا ہو یعنی اجرائے قتل میں تاخیر ضروری بتائی ہو اور اس کے معاملہ میں اشکال مانع ہو جائے۔ ایسے کی سزا میں سختی کی حالت اس کے احوال میں اختلاف کے بناء پر ہوتی ہے۔

ولید رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ سے روایت کیا بلاشبہ یہ روایت ہے چنانچہ جب وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے۔

کتاب عتبیہ اور موطا امام محمد رحمتہ اللہ علیہ میں بروایت اشہب رحمتہ اللہ علیہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی یہ روایت ہے کہ جب مرتد توبہ کر لے تو اس پر سزا نہیں ہے اسے سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اور ابو عبداللہ بن عتاب رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے حضور ﷺ کو گالی دی تھی اور اس کے خلاف ایسے دو گواہوں نے گواہی دی تھی جن میں سے صرف ایک گواہ عادل تھا

(تب اس کے بارے فتویٰ دیا) کہ اسے دردناک رنجیدہ سزا دی جائے طویل قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے توبہ کا ظہور ہو اور قابسی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی کی مثل فرماتے ہوئے کہا کہ جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی ایسا امر مانع حائل ہو جائے جو قتل میں اشکال پیدا کر دے تو اسے قید سے چھوڑ نا نہ چاہیے بلکہ عرصہ دراز تک قید میں رکھنا چاہیے۔ اگرچہ اس کی مدتِ قید کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اور یہ کہ دوران قید طوق و زنجیر وغیرہ سے جکڑ کر قابل برداشت حد تک مشقت کرائی جائے اور ایک اور مقام پر اس قسم کے مسئلہ میں فرمایا کہ جن کے ساتھ قضیہ مشتبہ ہو جائے تو اسے زنجیروں سے جکڑا جائے اور قید خانے میں تنگی کی جائے یہاں تک اسے قضیہ واضح ہو جائے کہ وہ کس سزا کا مستوجب ہے۔

اسی طرح اور ایک معاملہ میں فرمایا کہ جب تک صاف صاف قضیہ واضح نہ ہو جائے ہر گز خون نہ بہایا جائے کوڑوں اور قید وغیرہ کی تعزیر احمق اور بیوقوفوں کی سزا ہے۔ ایسوں کو خوب سخت سزا دی جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اس کے خلاف جن دو گواہوں نے شہادت دی ہے اس سے ان کی عداوت ثابت ہو جائے یا ایسی جرح کی جائے جس سے شہادت ساقط ہو جائے اور ان گواہوں کے سوا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا قضیہ خفیف ہے اور اس سے حکم قتل و نکال ساقط ہے گویا وہ بمنزلہ اس کے ہے کہ اس پر کوئی گواہ ہے ہی نہیں۔ البتہ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جن سے ایسی باتیں صادر ہوتی رہتی ہیں اور فی الحال جو گواہ گزرے ہیں وہ عداوت یا جرح کی بنا پر ساقط ہو گئے ہیں مگر وہ گواہ ہوں اہل شہادت تو اس صورت میں ان شہادتوں کی بنا پر حکم قتل تو نافذ نہ ہو گا مگر گواہوں کی صداقت کا گمان بھی نہیں جائے گا۔ لہٰذا قاضی اور حاکم کے لئے ایسے کی سزا اور تعزیر میں اجتہاد کا مقام باقی رہے گا۔ اللہ ﷻ ہی نیکی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

تیسری فصل

ذمی سے گالی کے صدور کا حکم

گزشتہ فصلوں میں حکم تو مسلمانوں کے لئے تھا اب رہے ذمی (غیر مسلم) تو جب وہ صراحت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) گالی دیں یا تعریض کریں یا مرتبہ عالی کا استخفاف کریں یا اس خاص وجہ کے علاوہ جس کی بنا پر وہ کافر ہے کسی اور صفت کے ساتھ توصیف کریں تو اس صورت میں بھی اس کے قتل میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلام نہ لایا ہو اس لئے کہ ہم نے اس خصوص میں اس کا عہد و ذمہ نہیں لیا ہے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ثوری رحمہا اللہ اور ان کے

شاگردوں کے سوا عام علماء کا یہی قول ہے۔ علماء احناف فرماتے ہیں کہ ایسے ذمیوں کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ جس کفر و شرک پر قائم ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن تادیب و تعزیر ضرور کی جائے۔

بعض ہمارے مالکی مشائخ رحمہم اللہ نے اس کے قتل پر اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ (پ التوبہ ۱۲) اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

نیز اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابن اشرف کو اور اس کے مثل دیگر (بدگوئیوں) کو قتل فرمایا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس امر پر نہ تو ان سے معاہدہ کیا ہے اور نہ اس امر کے ساتھ ان کو ذمہ دیا ہے اور یہ بات ہمارے لئے جائز بھی نہیں کہ ہم ان سے ایسا معاہدہ کریں۔ لہٰذا جب وہ اس کے مرتکب ہوئے جس پر ہمارا ان سے نہ تو معاہدہ ہے نہ ذمہ۔ تو اب وہ بمنزلہ معاہدہ شکن اور کفار حربی بن گئے۔ چنانچہ اب ان کو ان کے کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو ذمہ دینا ان سے حدود اسلامی کو ساقط نہیں کرتا کہ وہ کسی کا مال چرالیں یا وہ کسی کو مار ڈالیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ضرور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہوگا اور قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔ اگرچہ یہ باتیں ان کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہوں۔ تو یہی حال نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ہے۔ لہٰذا وہ ضرور اس بنا پر قتل کئے جائیں گے۔

اور ہمارے مالکی اصحاب رحمہم اللہ میں بعض ایسی ظاہر روایتیں منقول ہیں جو مقتضی کے خلاف ہیں۔ جبکہ ذمی نے حضور ﷺ کا ذکر اس وجہ پر کیا ہو جس کے ساتھ وہ پہلے سے ہی کافر تھا جیسا کہ ابن قاسم اور ابن سحنون رحمہما اللہ کے کلام سے بعد میں واقفیت ہوگی اور ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء مدینہ سے اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔

مالکی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی (ذمی) حضور ﷺ کو گالی دے پھر وہ اسلام لے آئے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ اس کا اسلام قتل کو ساقط کر دے گا۔ کیونکہ اسلام اس کے ماقبل کے گناہ کو ناپید کر دیتا ہے۔ بخلاف مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے کہ جب وہ گالی دے پھر توبہ کرے وجہ یہ ہے کہ کافر کی باطنی حالت کو ہم جانتے ہیں کہ وہ دل میں حضور سے بغض رکھتا ہے اور اس کے قلب میں تنقیص پنہاں ہے۔ لیکن ہم نے اس کو اس کے اظہار سے روک رکھا ہے اور جو وہ اظہار کر رہا ہے وہ صرف مخالفتِ امر

اور نقضِ عہد ہی ہے۔ جب وہ اپنے پہلے دین سے پھر کر اسلام میں داخل ہو گیا تو ماقبل کا گناہ اس سے ساقط ہو گیا۔ چنانچہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ (پ ۹ الانفال ۳۸) — تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور مسلمان کا حال اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس کے حق میں ہمارا گمان یہ تھا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر حال کے حکم میں ہے اور اب جو اس سے اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو ہم اس کے رجوع کے باوجود بھی قبول نہیں کریں گے۔ اور نہ اس کے باطن پر اطمینان کریں گے۔ کیونکہ اس کے دل کا چور ظاہر ہو گیا اور جو احکام اس پر ثابت تھے وہ اس پر باقی رہیں گے اور کسی صورت میں وہ اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ گالی دینے والے ذمی کا اسلام لانا بھی حکم قتل کو ساقط نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ حق تو نبی کریم ﷺ کا ہے جو آپ کی حرمت کی توہین و تنقیص اور ایذا کی بنا پر واجب ہوا ہے۔ تو اب اسلام کی طرف ذمی کا رجوع کرنا اسے ساقط نہیں کر سکتا جس طرح مسلمانوں کے وہ حقوق جو اس کے اسلام لانے سے اس پر واجب ہیں مثلاً قتل، تہمت وغیرہ (کہ یہ بعد اسلام بھی واجب رہتے ہیں) اور یہ کہ جبکہ ہم اس بارے میں مسلمان کی بھی توبہ قبول نہیں کرتے تو کافر کی توبدرجہ اولیٰ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کتاب ابن حبیب اور مبسوط میں اور ابن قاسم، ابن ماجشون، ابن عبدالحکیم اور اصبغ رحمہم اللہ نے ذمیوں کے بارے فرمایا جو ہمارے نبی کریم ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیں اسی طرح انبیاء میں ابن قاسم رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ یہی مذہب محمد (بن المواز) اور سحنون رحمہما اللہ کا ہے۔ چنانچہ سحنون اور اصبغ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ ایسے ذمی سے نہ تو یہ کہا جائے کہ تو اسلام لے آ اور نہ ہی یہ کہا جائے کہ اسلام نہ لا لیکن اگر (از خود وہ) اسلام لے آئے تو یہ اس کی توبہ ہو گی۔

کتاب محمد رحمۃ اللہ علیہ (ابن المواز) میں ہے کہ ہمیں اصحاب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو کوئی بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر رسول اللہ ﷺ یا کسی اور نبی کو گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے۔ مگر ہمارے نزدیک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اتنا اور زیادہ ہے کہ "بشرطیکہ وہ کافر مسلمان نہ ہو جائے"۔ (یعنی اسلام لانے پر قتل نہ کیا جائے گا) ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک راہب نے نبی کریم ﷺ کی شان میں

کچھ بیہودہ کہا اس پر سیدنا ابن عمرؓ نے فرمایا: تم نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔

اور عیسیٰ رحمتہ اللہ علیہ نے ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کیا جس نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہماری طرف رسول نہیں بھیجے گئے بلکہ وہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اسی قسم کی اور بھی باتیں کہی تھیں تو ایسا کہنے میں ان پر کوئی مواخذہ نہیں اس لئے کہ اللہ ﷻ نے ان کو ایسا اعتقاد رکھنے میں برقرار رکھا ہے البتہ اگر اس نے آپ ﷺ کو گالی دی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) نہ تو نبی ہیں اور نہ رسول' اور نہ آپ ﷺ پر قرآن ہی نازل ہوا ہے بلکہ وہ آپ ﷺ کا اپنا اختراع ہے یا اس قسم کی اور کوئی بات کرے تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کوئی نصرانی یہ کہے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے کہ تمہارا دین تو گدھے کا دین ہے یا اس قسم کی اور کوئی بکواس کرے یا یہ کہ جب موذن کو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا سنے اور اس پر کہے کہ ایسا ہی تم کو بھی اللہ ﷻ رسول بنائے (معاذ اللہ بنظر حقارت کہے) تو ایسے کو خوب دردناک سزا دینی چاہیے طویل قید میں رکھنا چاہئے۔

اور اگر کوئی غیر مسلم شخص نبی کریم ﷺ کو ایسی گالی دے جو معروف و مشہور اور جانی پہچانی ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے اسے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ اس سے توبہ لی جائے یا اس کی توبہ قبول کی جائے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے نزدیک امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول اِلَّا اَنْ یُّسْلِمَ (مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے) اس پر محمول ہے کہ وہ برضا و رغبت از خود اسلام قبول کرے۔

سلیمان بن سالم رحمتہ اللہ علیہ کے ایک یہودی کے بارے میں سوالات کے جواب میں ابن سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کہ موذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے سن کر کہے کہ "تو نے جھوٹ بولا" تو اسے خوب سخت سزا دی جائے جس سے اسے درد و الم ہو اور اسے طویل قید میں رکھا جائے۔

اور کتاب نوادر میں بروایت سحنون رحمتہ اللہ علیہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو کوئی یہودی یا نصرانی کسی نبی کو اس وجہ کے برخلاف جس پر وہ کفر میں قائم ہے گالی دے تو اس کی گردن مار دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے۔

محمد بن سحنون رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے پر ایسے شخص کو کیوں قتل کیا جس کے دین میں گالی دینا یا آپ ﷺ کی تکذیب کرنا اس کے دین کا

جزو تھا اور ایسی باتیں اس کے دین میں شامل تھیں تو جواب میں کہا جائے گا ہم نے اسے اس لئے قتل کیا کہ ہمارا اس پر کوئی عہد و ذمہ نہیں تھا اور نہ اس کی اجازت تھی کہ چاہے تو وہ ہم کو قتل کر دے یا ہمارا مال چھین لے۔ لہٰذا جب وہ ہم میں سے کسی کو قتل کرے گا تو ضرور اسے قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات اس کے دین میں جائز و حلال ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے لئے ہمارے سامنے گالی ظاہر کرنے کا حکم ہے کیونکہ یہ بھی موجب قتل ہے۔

سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس طرح کسی قول میں ہمارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اہل عرب ہم سے اس شرط پر جزیہ دینا قبول کریں کہ وہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ کو گالی دینے میں برقرار رکھے جائیں (اور ہم اسے منظور کرلیں یہ جائز ہی نہیں) اسی طرح ذمیوں میں سے اس شخص کا عہد بھی ٹوٹ جائے گا جو کوئی بھی آپ ﷺ کو گالی دے اور ہمارے لئے وہ حلال الدم بن جائے گا۔ لہٰذا جس طرح اسلام اس مسلمان کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے اسی طرح "ذمہ" بھی اس ذمی کو قتل سے نہیں بچا سکتا جو آپ ﷺ کو گالی دے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے جو اقوال اپنی طرف سے اور اپنے والد کی جانب سے بیان کئے ہیں وہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے برخلاف ہیں جس میں انہوں نے سزا میں تخفیف کا ذکر کیا ہے جبکہ وہ ان باتوں میں سے ہو جن کے سبب وہ پہلے ہی سے کافر تھا۔ لہٰذا ہمیں غور و خوض کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کے برخلاف ہے جو اس بارے میں اہل مدینہ سے مروی ہے۔

ابو مصعب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسا نصرانی لایا گیا جس نے کہا کہ "اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو (سیدنا) محمد (ﷺ) پر پسند فرمایا ہے۔" پھر میرے سامنے اس کے بارے میں اختلاف رونما ہوا مگر میں نے اس کو اتنا مارا کہ وہ قتل ہو گیا یعنی ایک شبانہ روز (دن رات) زندہ رہ کر مر گیا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ اسے پاؤں سے گھسیٹ کو کوڑے پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ کتوں نے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالی۔

ابو مصعب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نصرانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا تھا کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ (علیہ السلام) نے محمد (ﷺ) کو پیدا کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مصری نصرانی کے بارے میں دریافت کیا کہ اس پر یہ گواہی گزری ہے کہ اس نے کہا ہے کہ "وہ مسکین محمد (ﷺ) تم کو خبر دیتا

ہے کہ وہ جنت میں ہے اس کا کیا حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی فائدہ نہ پہنچا سکا اس لئے کہ کتے اس کی پنڈلیوں کو کھاتے تھے اگر وہ اس کو قتل کر ڈالتے تو لوگ اس سے راحت پاتے۔" (لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلٰی قَائِلِھَا. نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ. نَسْتَغْفِرُہٗ مِنْ ذٰلِکَ) امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اس کے بعد امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

ابن کنانہ رحمتہ اللہ علیہ "مبسوط" میں کہتے ہیں کہ جو یہودی یا نصرانی نبی کریم ﷺ کو گالی دے تو میں حاکم کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ یا تو اسے قتل کر کے اس کے جسم کو آگ میں پھینک دے یا اگر وہ چاہے تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے جبکہ وہ گالی میں مبالغہ اور ضد کرے۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مصر سے ایک مکتوب آیا جس میں ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا مسئلہ دریافت کیا گیا تھا تو ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے لکھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی گردن اڑا دی جائے۔ یہ کہہ کر میں نے عرض کیا: اے ابو عبداللہ (امام مالک رحمتہ اللہ علیہ) کہ آپ یہ بھی لکھوائیں کہ پھر اسے آگ میں جلایا جائے۔

اس پر آپ نے فرمایا: یقیناً وہ اسی کا مستحق ہے اور وہ اسی کا سزاوار ہے۔ تو میں نے اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے آپ کے روبرو لکھا اور آپ نے نہ اس کا انکار کیا اور نہ برا جانا اور وہی فتویٰ بھیج دیا گیا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا اور جلایا گیا۔

ہمارے اندلس کی جماعت اصحاب سلف میں سے عبید اللہ بن یحییٰ اور ابن لبابہ رحمہما اللہ نے ایک ایسی نصرانی عورت کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے چیخ کر خدا کی ربوبیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹے ہونے سے انکار اور حضور ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی تھی اور یہ فتویٰ دیا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس سے قتل معاف ہو جائے گا اور علماء متاخرین میں سے بکثرت علماء کا یہی قول ہے جن میں سے قابسی اور ابن کاتب رحمہما اللہ بھی ہیں۔

ابو القاسم بن جلاب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ جس نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابو محمد رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ وہ ذمی جس نے گالی دی پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کرنے سے حکم قتل معاف ہو جائے گا (اور دوسری روایت یہ ہے جسے

ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حد قذف وغیرہ حقوق العباد میں سے ہے ذمی کا اسلام حد کو ساقط نہیں کرتا۔ اسلام سے صرف حقوق اللہ ﷻ ساقط ہوتے ہیں اور حد قذف چونکہ بندوں کا حق ہے خواہ وہ حق نبی کا ہو یا غیر نبی کا۔ لہٰذا یہ ذمی پر واجب ہی رہتے ہیں۔ جب وہ نبی کریم ﷺ پر تہمت لگائے اس کے بعد وہ اسلام لے آئے تو حد قذف باقی رہتی ہے۔

اب یہ غور طلب امر ہے کہ اب اس پر کیا چیز واجب ہے۔ آیا نبی کریم ﷺ کے حق میں اس پر حد قذف واجب ہے اور وہ حد یہاں پر قتل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حرمت دوسروں سے کہیں برتر ہے یا یہ کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قتل تو ساقط ہے لیکن اس کو اسّی 80 درے لگائے جائیں۔ لہٰذا اس پر غور کرنا چاہیے۔

(نوٹ) مذہب حنفی کی بنا پر ذمی کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس قسم کے مسائل میں حد قذف اور قتل دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

چوتھی فصل

گستاخِ رسول ﷺ کی میراث اور اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم

جو شخص نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کی بنا پر قتل کر دیا جائے اس کی میراث اور اس کے غسل و نماز کے بارے میں علماء کے اقوال یہ ہیں کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے جرم میں قتل کر دیا جائے اس کی میراث میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ جماعت مسلمین کا حق ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے جو زندیق کے کفر کے مشابہ ہے اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی میراث اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گی۔ اگر وہ اس کو چھپاتا تھا۔ لیکن اگر وہ اس کو اعلانیہ ظاہر کرتا تھا تو اب اس کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی (یعنی بیت المال میں داخل کی جائے گی) اور ہر حال میں اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر وہ اس حال میں قتل کیا جائے کہ اپنے خلاف شہادت کا انکاری تھا تو اس کی میراث میں وہی حکم ہو گا جو اس کے اقرار سے ظاہر ہے۔ یعنی اس کی میراث کے مستحق اس کے ورثاء ہی ہوں گے اور حکم قتل تو وہ اس امر کی حد ہے جو اس پر ثابت ہوا ہے اس کو میراث سے کوئی علاقہ (تعلق) نہیں۔

علی ہذا القیاس: اگر وہ گالی دینے کا اقرار کرے اور توبہ کو ظاہر کرے تو قتل ضرور کیا جائے گا

چونکہ اس کی حد وہی ہے لیکن اس کی میراث اور اس کے سوا دیگر تمام احکام میں اسلام کا حکم ہوگا۔

اور اگر گالی کا اقرار کرے اور اس پر اصرار بھی کرے اور توبہ سے انکار کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے تو وہ کافر ہوگا اس کی میراث مسلمانوں کے لئے ہے نہ تو اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ کفن دیا جائے گا بلکہ یوں ہی کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں دبا دیا جائے گا۔ جس طرح کفار کو دبایا جاتا ہے۔

اور شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس شخص کے بارے میں تو ظاہر ہے جو اعلانیہ آپ ﷺ کو گالی بکتا ہو اور اس پر اسے اصرار بھی ہو اس میں اصل اختلاف کا امکان بھی نہیں کیونکہ وہ کافر و مرتد ہے جس نے نہ تو توبہ کی اور نہ اس سے باز رہا۔ یہ قول اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے۔ علی ہذا القیاس سحنون رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں اس زندیق کے بارے میں ہے کہ جو اپنے قول پر اصرار کرتا ہو اور اسی طرح عتبیہ رحمۃ اللہ علیہ میں ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کی ایک جماعت کا قول اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے کفر کا اعلان کرے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا حکم مرتد کا سا ہے کہ نہ تو اس سے اس کے مسلمان ورثاء ہی مستحق ہوتے ہیں اور نہ وہ لوگ وارث بنتے ہیں جن کے دین میں وہ داخل ہوا تھا۔ نہ اس کی وصیتیں نافذ ہیں اور نہ غلاموں کو آزاد کرنا جائز اور یہی اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ اسے اس حالت پر قتل کیا جائے یا اپنی موت پر مر جائے اور ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف علماء صرف اس زندیق کی میراث میں ہے جو توبہ کو ظاہر کرے پھر اس کی قبول نہ کی جائے لیکن جو مرتد سرکش ہوا اس میں قطعاً اختلاف نہیں ہے کہ ورثاء اس کے مال کے وارث ہوں گے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی نکالی پھر وہ مر جائے اور اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ "کتاب ابن حبیب" میں اس شخص کے بارے میں قتل کہا جس نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی ہے یا ایسے دین کا اعلان کرے جس سے دین اسلام چھوٹ جائے تو بلاشبہ اس کی میراث جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ربیعہ، امام شافعی، ابو ثور اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ نے کہا کہ مرتد کی میراث جماعت مسلمین کو ملے گی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں اختلاف مروی ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، ابن مسعود، ابن مسیب، حسن، شعبی، عبدالعزیز، حکم اور اوزاعی،

لیث، اسحاق اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان ورثاء اس کی میراث پائیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم اس مال کا ہے جو مرتد نے ردت سے قبل کمایا ہے لیکن وہ مال جو اس نے ردت کے بعد کمایا تو وہ جماعت مسلمین (بیت المال) کو ملے گا۔ مگر ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل اپنے باقی جواب میں عمدہ اور ظاہر ہے۔

قرطبہ کے فقہاء عبدالملک فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہارون بن حبیب کے مسئلہ میں مختلف ہو گئے کیونکہ وہ تنگدل اور بدخلق تھا اس پر اس کے برخلاف متعدد شہادتیں گزریں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اس نے مرض سے صحت پانے کے بعد کہا کہ میں اپنے مرض سے اس قدر تنگ آ گیا تھا کہ اگر میں (سیدنا) ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیتا تو میں اس تمام بیماری کا مستحق نہ ہوتا۔ اس پر ابراہیم بن حسین بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔ چونکہ اس کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اس نے اللہ ﷻ پر ظلم و جور کی نسبت کی ہے اس خصوص میں اشارہ بھی تصریح کا حکم رکھتا ہے اور اس کے بھائی عبدالملک بن حبیب اور ابراہیم بن حسین بن عاصم اور سعید بن سلیمان قاضی رحمہم اللہ نے قتل سے باز رکھنے کا فتویٰ دیا۔ مگر قاضی نے یہ مناسب جانا کہ اسے قید سخت میں رکھا جائے اور شدید سزا دی جائے کیونکہ اس کا کلام محتمل اور شکوہ کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔

اب رہی اس کی وجہ "جس نے اللہ ﷻ کو گالی دی اور اس سے توبہ لینے کا حکم دیا" تو یہ صرف اس کے کفر و ردت کی وجہ سے ہے چونکہ اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کا حق متعلق نہیں ہے تو یہ اس کفر سے مشابہ ہے جو بغیر گالی کے ہو گویا کہ یہ اظہار ہے کہ اب وہ اسلام کے مخالف کسی دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

(اب رہا دو قول جس میں اس کے) توبہ نہ لینے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اظہار اسلام کے بعد اس کے منہ سے گالی نکلی تو ہم نے اس کو متہم جانا اور گمان کیا کہ اس کی زبان پر گالی جب ہی آئی کہ وہ دل سے اس کا معتقد تھا۔ کیونکہ ایسی باتوں میں کوئی تسامح نہیں کرتا لہٰذا اس کا حکم زندیق کی طرح ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اور جب وہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے گالی ظاہر ہوئی تو وہ ارتداد کے معنی میں ہوگا۔ گویا اب یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیا ہے۔ بخلاف پہلے شخص کے کہ وہ اسلام کا پابند ہے۔ ایسے شخص کا حکم مرتد کے حکم میں ہے جس سے بمذہب اکثر علماء توبہ لی جائے گی یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اس کے خلاف کو فصلوں میں بیان کیا ہے۔

تیسرا باب

اس شخص کے حکم کے بارے جو اللہ ﷻ، اس کے رسولوں، فرشتوں اور کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی آل وکو برا کہتا ہے۔ اس کی تو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل

شانِ الٰہی کے خلاف کلمات بولنے کا حکم

اب رہا ایسے شخص کا حکم جو اللہ ﷻ کی نسبت ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کے لائق نہیں ہیں جو نہ تو بر سبیل سب وشتم ہو اور نہ بطریق ردّت اور ارادہ کفر ہو بلکہ بر وجہ تاویل واجتہاد اور خطا کے ہو اور وہ مقتضی خواہشات نفسانی اور بدعت ہو مثلاً تشبیہ دینا یا کسی عضو سے موصوف کرنا یا کسی صفت کی نفی کرنا وغیرہ۔

تو یہ امر ہے کہ جس کے قائل و معتقد کی تکفیر میں علماء سلف وخلف کا اختلاف ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا بھی اس میں اختلاف مروی ہے اور جب ایسے لوگ جماعت بندی کر کے قوت پکڑ لیں تو ان سے قتال و جہاد کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان سے توبہ طلب کی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

البتہ علماء کا اختلاف منفرد (تنہا) شخص میں ہے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا قول اس کی تکفیر سے باز رہنے اور اس کو قتل سے چھوڑنے میں ہے۔ البتہ اس کی سزا میں مبالغہ اور قید میں درازی اس عرصہ تک ہوگی کہ وہ اپنے عقیدے سے رجوع ظاہر کرے اور اپنی توبہ کا اعلان کرے۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبیغ بن شریک تمیمی کے ساتھ کیا تھا اور یہ محمد بن المواز رحمۃ اللہ علیہ کا "خوارج" میں اور عبدالملک بن الماجشون رحمہما اللہ کا قول ہے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام اہل ہواء (بدعتیوں) کے لیے ہے اور اس کے ساتھ موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ کے قول کی تفسیر کی گئی ہے۔ جس کو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جد وعم سے قدریہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ وہ قتل کیے جائیں اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے اہل ہواء کے بارے میں یعنی اباضیہ وقدریہ اور ان کی مثل دیگر اہل بدعت جو اہل سنت و جماعت کے مخالف اور کتاب الٰہی میں تحریف وتاویل کے خوگر ہیں فرمایا کہ

ان سے توبہ طلب کی جائے خواہ وہ اپنے اعتقاد کو ظاہر کریں یا چھپائیں اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ قتل کئے جائیں اور ان کی میراث ان کے وارثوں کے لئے ہے نیز اسی طرح ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے ''کتاب محمد'' میں فرقۂ قدریہ وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اوران سے توبہ طلب کرنا یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ جس پر تمہارا اعتقاد ہے اس سے باز آ جاؤ۔ اسی طرح مبسوط میں اباضیہ، قدریہ اور تمام اہل بدعت کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور اپنی بری رائے کی وجہ میں قتل ہوئے ہیں اور یہی عمل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا۔ اس سے توبہ طلب کی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ وہ قتل کر دیا جائے اور ابن حبیب رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ اس کو کافر کہتے ہیں اور سحنون رحمتہ اللہ علیہ سے بھی اس شخص کے بارے میں اسی طرح مروی ہے جس نے کہا تھا کہ ''اللہ ﷻ کا کلام نہیں ہے''۔ (فرمایا کہ) وہ کافر ہے اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے مختلف روایتیں مذکور ہیں اور ابو مسہر اور مروان بن محمد طاطری وغیرہ شامیوں کی روایتوں میں تو ان کو مطلقًا کافر کہا ہے اور ان سے جب ایک قدری شخص کو لڑکی دینے کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو فرمایا ان سے بیاہ نہ کرو کیونکہ اللہ ﷻ فرماتا ہے

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ. بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے۔

(پ۲ البقرۃ ۲۲۱) (ترجمہ کنزالایمان)

اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ اہل ہوا تمام کے تمام کافر ہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے ذات باری ﷻ کے لئے کوئی حصہ جسم مانا مثلاً ہاتھ، کان اور آنکھ وغیرہ تو قائل کا وہی عضو اور حصہ جسم قطع کیا جائے۔ کیونکہ اس نے اللہ ﷻ کو اپنی جان (جسم وغیرہ) سے تشبیہ دی۔

اور آپ نے اس شخص کے لئے جس نے قرآن کو مخلوق کہا تھا کفر کا فتویٰ دیا اور حکم دیا کہ قتل کر دیا جائے اور ابن نافع رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کو کوڑے مارے جائیں اور دردناک مار لگائی جائے اور قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور بشر بن بکر تنیسی رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور توبہ قبول نہ کی جائے۔

قاضی ابوعبداللہ برنکانی اور قاضی ابوعبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ جو عراق کے ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف جواب ہیں ان میں سے جو شخص جاننے والا (عالم) ہے اور لوگوں میں تبلیغ و دعوت دیتا ہے اسے تو قتل کر دیا جائے علیٰ ہذا الخلاف اعادۂ صلوۃ میں جو ایسوں کے پیچھے پڑھی گئی

اس میں بھی مختلف اقوال ہیں ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ قدریوں سے توبہ طلب نہ کی جائے اور اکثر سلف کے اقوال ان کی تکفیر میں ہیں اور ان ائمہ میں سے جنہوں نے تکفیر کی ہے لیث اور ابن عیینہ اور ابن لھیعہ رحمہم اللہ ہیں اور ان سے یہ حکم اس شخص کے لئے مروی ہے جس نے قرآن کو مخلوق کہا ہے اور اسی کے ابن المبارک، اودی، وکیع، حفص بن غیاث، ابواسحاق فزاری، ہشیم اور علی بن عاصم رحمہم اللہ وغیرہ قائل ہوئے ہیں اور یہی قول اکثر محدثین، فقہا اور متکلمین کا قائلینِ خلق قرآن اور خوارج وقدریہ گمراہ اہل ہوا اور تاویل کرنے والے بدعتیوں کے بارے میں ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے علیٰ ہذا القیاس ان حضرات نے یہی حکم ان لوگوں کے بارے میں دیا ہے جو ان اصولوں سے توقف اور شک کرے۔

اور وہ حضرات جن سے دوسرے قول کا مفہوم مروی ہے یعنی ان کی تکفیر نہ کی جائے سیدنا علی ابن ابی طالب، سیدنا ابن ابی عمر اور حسن بصری رحمہم اللہ ہیں اور یہی رائے فقہاء واہل نظر اور متکلمین کی ایک جماعت کی ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے اہل جرداً (خوارج وغیرہ) اور قدریوں کے مردوں کا ورثہ ان کے وارثوں کو دلایا تھا۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر کے ان پر اسلام کے احکام جاری کیے تھے۔

قاضی اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ قدریوں اور تمام اہل بدعت سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ قتل کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہا کہ وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ جیسا کہ باغیوں کا حکم ہے کہ حاکم وامام اگر مناسب خیال کرے تو ان کو قتل کر سکتا ہے اگرچہ انہوں نے کسی کو قتل نہ کیا ہو۔ حالانکہ باغیوں کا فساد تو صرف اموال اور دنیاوی مطاع وامور میں ہے اگرچہ کبھی دینی امور میں بھی ہوتا ہے مثلاً حج اور جہاد کے راستوں میں لیکن اہل بدعت کا فساد تو دین کے اہم امور میں ہوتا ہے اگرچہ کبھی دنیاوی اور معاملات میں بھی ہو۔ مثلاً وہ مسلمانوں کے درمیان عداوت وغیرہ پھیلائیں۔ لہٰذا دین کے فساد کو مٹانا دنیا کے فساد کو رفع کرنے سے کہیں زیادہ افضل واعلیٰ ہے۔

دوسری فصل

متاولین کی تکفیر میں تحقیقی قول

ہم ان علماء سلف کے اقوال ومذاہب بیان کر چکے ہیں جنہوں نے ان اصحاب بدعت وہوا

اور متاولین کو کافر کہا ہے جن کی باتیں ان کو قریب بکفر لے جاتی ہیں۔ اگر اس کے قائل کو علم ہو جائے تو وہ ایسی باتیں نہ کہے جو ان کو کفر تک لے جائے۔ ان کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء و متکلمین اس بارے میں مختلف ہیں چنانچہ کچھ علماء نے تو ان کی تکفیر کو درست و صواب کہا ہے۔ جس کے جمہور سلف قائل ہیں۔

اور کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے تکفیر کا انکار کیا ہے اور انہوں نے ان کو ملت اسلامیہ سے نکالنا مناسب نہ جانا۔ یہ قول اکثر فقہاء و متکلمین کا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فاسق مرتکب کبائر گمراہ تو ہیں لیکن ہم ان کو مسلمانوں کا ورثہ دلاتے ہیں۔ اور ان پر اسلامی احکام جاری رکھتے ہیں۔ بایں وجہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں ان کو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شاگردوں کا ہے۔ جن میں مغیرہ وابن کنانہ اور اشہب رحمہم اللہ بھی ہیں۔ سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتکب کبائر فاسق مسلمان ہیں محض ارتکاب گناہ انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا اور دیگر علماء اس بارے میں متردد و مضطرب ہیں اور وہ ان کی تکفیر و اسلام میں توقف کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول مختلف ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد اعادہ صلوٰۃ میں توقف فرماتے ہیں۔

علی ہذا القیاس امام اہل التحقیق والحق قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے فرماتے ہیں یہ مسئلہ مشکل ہے کیونکہ علماء ملت نے کلمہ کفر کی تصریح نہیں کی۔ یہ تو کہہ دیا کہ ایسا کلمہ مُفضِی اِلَی الْکُفْر ہے اور خود ان کا قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متردد و مضطرب ہے یہاں تک انہوں نے فرمایا کہ یہ صرف علماء کی رائے ہے کہ متاولین کو انہوں نے کافر کہا اور یہ کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا حلال اور نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھائی جائے۔ اسی طرح ان کے ورثہ میں بھی اختلاف ہے جس طرح مرتد کی میراث میں ہے۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم ان کی میراث ان کے مسلمان ورثاء کو دلاتے ہیں اور ان کو ہم مسلمانوں کا وارث نہیں بناتے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ان کے انجام کے لحاظ سے ترک تکفیر کی طرف تھا۔

اسی طرح اس بارے میں ان کے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی مضطرب ہے اور ان کا اکثر قول ترک تکفیر ہی کا ہے اور یہ کہ ان کا کفر تو ایک ہی خصلت ہے وہ وجود باری ﷻ کے ساتھ جہالت ولاعلمی ہے۔ حضرت اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ ﷻ

کا جسم ہے یا مسیح (خدا) ہے یا جو اسے راہ میں ملے اس کو وہ کہہ دے کہ خدا ہے۔ تو وہ عارف ربانی نہیں بلکہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح ابوالمعالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ان جوابات میں جو ابو محمد عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کو دیئے تھے جبکہ انہوں نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تھا تو انہوں نے عذر فرمایا کہ اس میں یعنی تکفیر و عدم تکفیر میں سخت غلطی ہو جاتی ہے کیونکہ ملت اسلامیہ میں کافر کو داخل کرنا اور اس سے کسی مسلمان کو نکالنا دین میں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ان دونوں کے سوا علماء محققین متاولین کی تکفیر میں احتراز و اجتناب کو واجب گردانتے ہیں۔ کیونکہ موحد نمازی کے خون کو مباح الدم قرار دینا خطرناک غلطی ہے اور ہزار کافر کے ترک میں خطا کر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک مسلمان کے خون کو بہایا جائے۔

یقیناً سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب وہ یہ کہہ دیں یعنی کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار کرلیں تو انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔ بجز ان کے حقوق کے اب ان کا حساب اللہ ﷻ پر ہے۔

معلوم ہوا کہ اقرار شہادت کے ساتھ ان کا بچاؤ یقینی اور قطعی ہے اور یہ حکم ان سے مندفع نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا خلاف مباح ہو سکتا ہے۔ مگر اسی صورت میں کہ کوئی قطعی دلیل موجود ہو اور شرع وقیاس سے کوئی اس کا قاطع نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ احادیث میں جو باب تکفیر میں الفاظ مروی ہیں وہ تاویل طلب ہیں۔ اب جو حدیث میں قدریوں کے کفر کی تصریح وارد ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اسلام میں ان کا کچھ حصہ نہیں" اور یہ کہ رافضیوں کو مشرک فرمانا اور ان پر لعنت کرنا اعلیٰ ہذالقیاس خوارج وغیرہ اہل ہواء کے بارے میں جو منقول ہیں جو ان سے تکفیر کرنے والے حجت میں استدلال کرتے ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہی الفاظ حدیث میں کافروں کے سوا دوسروں پر بھی وارد ہیں (یعنی گناہ گار مسلمانوں کے لئے حالانکہ وہ کافر نہیں ہیں) سو یہ الفاظ بغرض زجر و توبیخ ہیں اور یہ کفر (صریح) سے کم اور یہ شرک، شرک (جلی) سے کم درجہ کا ہے اور اسی طرح ریاکاری اور والدین کی نافرمانی، بیوی کا شوہر کی حکم عدولی، جھوٹ اور تہمت کے گناہوں کے بارے میں آیا ہے جب کسی کلام میں دو باتوں کا احتمال ہو تو ان میں سے کسی ایک پر بلا دلیل قطعی یقین نہیں کیا جاسکتا اور حضور ﷺ کا خوارج کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ "وہ مخلوق میں بدتر ہیں"[1] حالانکہ یہ صفت خاص کفار کے لیے ہے اور ارشاد ہے کہ یہ کہ وہ آسمان کے نیچے بہت برے ہیں۔ خوشی ہو اسے جو ان کو قتل کرے یا وہ جو ان کے ہاتھوں مقتول ہو اور فرمایا کہ جب تم ان کو پاؤ تو قتل کر ڈالو جیسے قوم عاد کا قتل ہوا تھا۔ تو ان سے وہ لوگ استدلال

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۴۳۔۷۴۱ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ صفحہ ۱۱۰ کتاب المناقب جلد ۴ صفحہ ۱۹۰

کرتے ہیں جوان کو کافر کہتے ہیں۔

اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کا قتل کرنا صرف ان کے خروج و بغاوت کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے نکلتے تھے اور ان سے بغاوت کی تھی اور اس کی دلیل اسی حدیث میں ہے کہ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ تو ان کا اس مقام پر قتل کرنا بطور حد و تعزیر تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے اور قوم عاد کی تشبیہ کا ذکر کرنا بھی قتل و حلال کے لئے ہے نہ کہ مقتول کے لئے اور جس کسی کو بھی قتل کا حکم دیا جائے یہ ضروری نہیں کہ اس کے کفر کا بھی (حکم) دے دیا جائے اور اس کا معارض حضرت خالد ﷺ کا اسی حدیث میں یہ قول ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں اس پر ارشاد ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ نمازی ہو۔ اب اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے اس کے ارشاد سے استدلال کریں کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اور یہ کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوگا۔ اسی طرح حضور کا یہ ارشاد کہ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر۔ پھر وہ اس کی طرف نہ لوٹ سکیں گے۔ یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس طرح تیر لید (گوبر) اور خون سے نکل جاتا ہے یہ ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ ان سے اسلام کا علاقہ ہی جاتا رہے گا اور کچھ بھی اسلام کا حصہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن دوسرے حضرات جواب دیتے ہیں کہ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل سے اس کے معانی نہ سمجھ سکیں گے اور ان کو انشراح صدر حاصل نہ ہوگا اور اس پر عمل نہ کر پائیں گے اور یہ حضرات معارضہ میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ وہ تیر کے بارے میں نزاع کریں گے (کہ آیا اس پر یا خون لگا ہے یا نہیں) گویا ان کے شک کی حالت کا بیان مقصود تھا اور اگر سیدنا ابوسعید خدری ﷺ کے قول سے استدلال کریں جو اس حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ "وہ اس امت میں نکلیں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ "اس امت سے نکل جائیں گے" اور سیدنا ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لفظ کی وضاحت کی ہے اور اسی کو ضبط کیا ہے۔ اس پر دوسروں نے یہ جواب دیا کہ امت میں کہنا اس تصریح کا متقاضی نہیں کہ وہ اس امت میں سے نہیں ہیں۔ بخلاف لفظ مِن کے جو "بعضیت" کے معنی میں آتا ہے۔ حالانکہ وہ امت میں سے ہی ہوں گے باوجود اس کے سیدنا ابوذر، سیدنا علی اور سیدنا ابی امامہ ﷺ وغیرہ سے حدیث میں مروی ہے کہ وہ میری امت سے نکلیں گے اور عنقریب میری امت میں سے نکلیں گے حالانکہ ان حروف کے معانی مشترک ہیں۔ لہٰذا لفظ

"فی" سے ان کو امت میں سے نکالنے کا اور لفظ "من" سے امت میں داخل کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہا۔ لیکن سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اس لفظ کے ساتھ تنبیہ فرمانا بہت عمدہ اور خوب ہے اور یہ اس پر حجت قویہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقہ اور معانی کی تحقیق و تجسس اور الفاظ و روایت کے احتیاط میں وسیع علم رکھتے تھے یہ مذہب اہل سنت و جماعت کے معروف و مشہور ہیں اور ان کے سوا دیگر فرقوں کے اقوال اس بارے میں بکثرت ہیں لیکن وہ سب کے سب مضطرب اور بے ہودہ ہیں۔ البتہ قرب الی الصواب جہم اور محمد بن شبیب رحمہما اللہ کا قول ہے۔ وہ یہ کہ کفر باللہ سے نادانی و جہالت کے سوا کوئی شخص کسی اور سبب سے کافر نہیں ہوتا۔

ابوھذیل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر متاول جس کی تاویل میں اللہ ﷻ کا اس کی مخلوق کے ساتھ مشابہت اور اس کو اس کے افعال میں جابر و ظالم (معاذ اللہ) اور اس کی خبر کا جھٹلانا وغیرہ ہو وہ کافر ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کا قدیم ہونا ثابت کرے جسے اللہ ﷻ نے نہیں فرمایا وہ کافر ہے۔

بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ جو کوئی (کتاب وسنت سے) اصل و ماخذ کو پہچانتا ہو اور اس پر اپنے قول کو محمول کرتا ہو اور وہ ہو اوصاف الٰہی میں سے سو وہ کافر ہے اور اگر وہ اس باب (یعنی اوصاف الٰہی) سے نہ ہو تو وہ فاسق ہے مگر یہ کہ وہ اصل ہی کو نہ پہچانتا ہو تو وہ خطاوار ہے نہ کہ کافر۔

اور عبید اللہ بن حسن عنبری رحمتہ اللہ علیہ اصول دین میں مجتہدین کے اقوال کی تصویب و صحت کی طرف گئے ہیں جن میں کہ تاویل ممکن ہے۔ عبید اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اس قول میں تمام فرقہائے ملت سے بالکل جداگانہ طرز اختیار کی ہے کیونکہ اس کے سوا تمام علماء ملت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اصول دین میں حق ایک ہی میں منحصر ہے اور اس میں خطا کرنے والا گنہگار' عاصی' اور فاسق ہے اور علماء کا اختلاف صرف تکفیر میں ہی واقع ہوا ہے۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمتہ اللہ علیہ عبید اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی مثل بروایت داؤد اصبہانی رحمتہ اللہ علیہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک قوم نے ان دونوں سے اس بات کو نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے اس بات کو ہر اس شخص کے حق میں کہا ہے جس کی حالت سے اللہ ﷻ کو معلوم ہو کہ اس نے طلب حق میں اپنی کوشش کو مقدور بھر پورا کر ڈالا ہو۔ خواہ وہ ہماری ملت میں سے ہو یا کسی دوسرے مذہب کا۔ اسی کے مشابہ جاحظ اور تمامہ رحمہم اللہ نے بھی کہا ہے کہ اکثر عوام' عورتیں' بیوقوف (نادان) اور یہود و نصاریٰ کے پیروکار وغیرہ پر اللہ ﷻ کی حجت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی طبیعتیں ایسی تھی ہی نہیں جو وہ استدلال سے کام لیتے اور کتاب تفرقہ میں امام غزالی رحمہ اللہ بھی تقریباً ایسے ہی مذہب کے قائل ہوئے

ہیں اوران سب باتوں کے قائل بھی بالا جماع ایسے ہی کافر ہیں جیسے وہ شخص جو یہود اور نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام سے جدا ہوگیا۔ جو ان کو کافر نہ جانے یا وہ ان کی تکفیر میں توقف یا شک کرے۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ توقیف اور اجماع دونوں ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں۔ لہٰذا جو کوئی بھی اس میں توقف کریگا یا تو وہ نص اور توقیف (اجماع) کی تکذیب کرے گا یا اس میں شک کرتا ہے تو اس میں وہی شخص تکذیب یا شک کرے گا جو کہ کافر ہے۔

تیسری فصل

ان مقولہ جات کا بیان کہ جس میں کفر ہے اور جس میں توقف یا اختلاف ہے اور کونسا مقولہ کفر نہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ اس میں جو تحقیق اور ازالہ شبہات ہے وہ از روئے شرع ہے اس میں عقل کو مجال نہیں۔ اس میں بین فرق ہے کہ ہر وہ مقولہ جس میں ربوبیت یا وحدانیت کی صراحت سے نفی ہو یا کسی غیر اللہ کی پرستش یا اللہ ﷻ کے ساتھ کسی غیر کی عبادت میں شمولیت ہو تو وہ کفر ہوگا۔ جیسے دہریوں کے اقوال اور تمام وہ فرقے جو دو معبودوں کو مانتے ہیں مثلاً دیصانیہ[1] اور مانویہ[2] وغیرہ جیسے صائبین نصاریٰ اور مجوس ہیں اور وہ لوگ جو بتوں یا فرشتوں یا شیطانوں یا سورج یا ستاروں یا آگ وغیرہ یا اللہ ﷻ کے سوا کسی غیر کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہیں جیسے مشرکین عرب، ہندو، چینی، سوڈانی وغیرہ ہیں۔ جو کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اسی طرح قرامطہ اور اصحاب حلول اور تناسخ جو روافض میں باطنیہ اور طیارہ کے نام سے مشہور ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو اللہ ﷻ کی الوہیت و واحدانیت کا تو قائل ہو لیکن وہ یہ اعتقاد رکھے (معاذ اللہ) کہ وہ حی نہیں ہے یا غیر قدیم ہے اور یہ کہ وہ محدث ہے یا یہ کہ اس کی شکل و صورت ہے یا یہ کہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کے کوئی بچہ یا شریک (ساتھی) یا باپ ہے یا یہ کسی شے سے متولد (پیدا) ہوا ہے یا اس سے کوئی متولد و کائن ہوا ہے یا یہ کہ اس کے ساتھ ازل سے کوئی شے اس کے سوا قدیم ہے یا یہ کہ جہاں میں اس کے سوا کوئی اور صانع اور مدبر ہے۔ یہ تمام باتیں کفر ہیں جس پر اجماع امت مسلمہ ہے مثلاً

ا۔ دیصانیہ ایک مجوسی تھا جو کہ نور کو حی (زندہ) اور ظلمت کو میت (مردہ) کہتا تھا۔ (مترجم)

۲۔ جو مانی ایک حکیم طبع مجوسی تھا وہ نور کو خالق خیر اور ظلمت کو خالق شر کہتا تھا اور نبوت کا مدعی تھا (مترجم)

فلاسفۂ الٰہیات اور منجموں اور نیچریوں کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ کوئی اللہ ﷻ کے ساتھ بیٹھتا ہے یا اس کی طرف چڑھتا ہے یا اس سے (زبان سے) مکالمہ کرتا ہے یا کسی شخص میں وہ حلول کرتا ہے۔ جیسا کہ بعض متصوفہ باطنیہ نصاریٰ اور قرامطہ کا قول ہے۔

اسی طرح اس کے کفر پر ہم یقین رکھتے ہیں جو کہے کہ عالَم قدیم ہے یا عالَم ہمیشہ باقی رہے گا یا اس میں شک کرے جیسا کہ بعض فلسفیوں اور دہریوں کا مذہب ہے یا یہ کہے کہ ارواح میں تناسخ ہے اور کہے کہ ہمیشہ یوں ہی لوگوں میں روحیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی ستھرائی اور خباثت کے لحاظ سے ان کو عذاب ہوتا ہے اور نعمتیں ملتی ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو الوہیت و وحدانیت کا تو معترف ہو مگر نبوت کا عمومیت کے ساتھ یا ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا خصوصیت کے ساتھ یا کسی ایسے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو جس پر اللہ ﷻ کی نص موجود ہے پھر وہ علم کے باوجود انکار کرے تو وہ بلاشک کافر ہے۔ جیسے کہ براہمہ اور بڑے بڑے یہود نصاریٰ اور روافض کے عجوبہ خیال لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی (معاذ اللہ) مبعوث و نبی تھے اور ان کی طرف ہی جبریل علیہ السلام (وحی لے کر) آتے تھے اور جیسے کہ روافض کے فرقہ معطلہ اسماعیلیہ اور عنبریہ وغیرہ ہیں اگرچہ ان فرقوں میں سے کچھ لوگ کفر میں دوسروں کے ساتھ جو ان سے پہلے ہیں شریک ہیں۔

اسی طرح وہ شخص جو کہ وحدانیت عام نبوت اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت کو تو مانتا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام جو لائے اس میں کذب (جھوٹ) کو جائز مانتا ہو اور اپنے زعم میں اس میں مصلحت کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو (بہر حال) وہ بالاجماع کافر ہے جیسے کہ متفلسفہ بعض باطنیہ روافض غالی متصوفہ اور اصحاب اباحت وغیرہ کیونکہ ان کا زعم ہے کہ ظاہر شریعت اور اکثر وہ خبریں جو انبیاء و رسول علیہم السلام لائے ہیں مثلاً گزشتہ و آئندہ کی غیبی خبریں آخرت و حشر و قیامت جنت و دوزخ وغیرہ کی باتیں وہ ایسی نہیں ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے اور جو کلام سے سمجھی جاتی ہیں اور مصلحت کی خاطر اس سے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو ممکن نہ تھا کہ اصل حقیقت کا اظہار کرتے کیونکہ ان کے افہام ناقص تھے۔ ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت باطل ہو اور اوامر و نواہی معطل ہوں رسولوں کی تکذیب ہو اور جو وہ لائے ہیں اس میں شک و تردد واقع ہو۔ (لیکن مسلم مشائخ طریقت ان ہفوات سے بری اور منزہ ہیں یا یہ کہ ان کی اصطلاحات کے معانی و مفہوم سے وہ نابلد ہیں اور ان سے ان کا اہل ہی معرفت حاصل کرسکتا ہے یا یہ کہ بعض ملحدین نے اپنے اقوال کو مشائخ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہی ہمارا عقیدہ صوفیائے کرام اور مسلم مشائخ

طریقت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم مترجم)۔

اسی طرح جو شخص ہمارے نبی کریم ﷺ کی طرف آپ کی تبلیغ رسالت اور جو کچھ آپ لائے اس میں بالقصد کذب کی نسبت کرے یا آپ ﷺ کے صدق میں شک کرے یا آپ ﷺ کو گالی دے یا یہ کہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہیں کی یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کرے یا انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی اہانت کرے یا انہیں گناہ گار کہے یا انہیں اذیت پہنچائے یا کسی نبی کو قتل کرے یا ان سے جنگ کرے تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو بعض قدماء کا مذہب اختیار کرے جن کا اعتقاد تھا کہ حیوانات کی ہر جنس میں نذیر اور نبی ہے۔ خواہ وہ حیوان بندر ہو یا خنزیر یا چوپائے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ ہوں۔ ایسوں کا استدلال یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ. اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔ (پ ۲۲ فاطر ۲۴) (ترجمہ کنز الایمان)

(اس اعتقاد میں کفر کی) دلیل یہ ہے کہ اگر ان جنسوں میں نبی مانا جائے تو ان جنسوں کے نبیوں کو انکی بری صفات کے ساتھ متصف ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر اس منصب جلیل عظیم اور صاحب شرافت و فضیلت پر عیب لگتا ہے۔ علاوہ بریں اس کے خلاف پر اجماع امت مسلمہ ہے اور اس کا قائل کذاب و مفتری ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو ماسبق کے بیان کردہ اصول صحیحہ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا قائل ہو مگر یہ کہتا ہو آپ ﷺ کالے رنگ کے تھے یا آپ ﷺ ریش مبارک نکلنے سے پہلے وفات پا گئے یا آپ ﷺ وہ نہیں جو مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس میں پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ قریشی نہ تھے۔ دلیل کفر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایسی تعریف کرنا جو آپ ﷺ کی معروف و مشہور اوصاف کے خلاف ہو گویا اس نے آپ ﷺ کی نفی کی اور آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی اور شخص کی نبوت کا اقرار کرے۔ (خواہ آپ ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں یا) آپ ﷺ کے بعد مانے۔ جیسے کہ یہود میں سے فرقہ عیسویہ ہے جس کا اعتقاد ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت خاص عرب کی طرف تھی یا جیسے خرمیہ کہتے ہیں کہ رسول پے در پے آتے رہیں گے۔ (یا جیسے آج کل کے فرقہ قادیانیہ جو غلام احمد کی نبوت کے قائل ہیں [1]) یا جیسے اکثر

---

[1] اس فرقے کو حکومت پاکستان 1977ء میں کافر قرار دے چکی ہے جبکہ اس قرارداد کے بل کو اہل سنت و جماعت کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا اور آپ اور دیگر علماء کی جدوجہد سے بالآخر قادیانی کے پیروکار خواہ اسے وہ نبی مانتے ہوں یا مجدد حکومتی سطح پر کافر قرار دیے گئے اور ان کو اقلیتوں میں شامل کیا گیا (ادارہ)

روافض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا علی مرتضٰی (معاذ اللہ) رسالت میں شریک ہیں اور آپ کے بعد اسی طرح ہر امام ان کے نزدیک نبوت ورسالت اور حجت میں حضور ﷺ کا قائم مقام نبوت و حجت ہے۔ جیسے روافض میں سے فرقۂ بزیعیہ اور بیانیہ وغیرہ ہیں کہ وہ بزیع اور بیان وغیرہ کی نبوت تک پہنچنا جائز مانتا ہے یا جیسے فلاسفہ اور غالی متصوفہ۔

اسی طرح وہ شخص جو اپنے لئے نبوت کا دعوی کرے یا منصب نبوت کو اکتسابی قرار دے اور قلب کی صفائی کے ذریعہ مرتبۂ نبوت کے حصول کو جائز جانے جس طرح فلاسفہ اور غالی متصوفہ ہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو ان میں سے یہ دعوی کرے کہ میری طرف وحی آتی ہے اگرچہ وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرے یا یہ کہے کہ آسمان تک چڑھ جاتا ہوں اور جنت میں داخل ہو جاتا ہوں اور جنت کے پھل کھاتا ہوں اور حور عین سے معانقہ کرتا ہوں۔

تو یہ سب کے سب کافر اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کذاب ہیں۔ اس لئے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ایسے خاتم النبیین ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت ملنا ہی نہیں اور یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ ﷻ کی جانب خبر دی کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی طرف رسول کئے گئے ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہے اور ان کا مفہوم و مراد بغیر تاویل و تخصیص کے یہی ہے۔ چنانچہ ان تمام گروہوں اور فرقوں کے کفر میں اجماع قطعی اور سمعی کی طرح شک و تردد نہیں ہے۔

اسی طرح ہر اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نص کتاب کو دفع کرتا ہے یا کسی ایسی حدیث کی تخصیص کرتا ہے جسکی نقل پر یقین ہے اور وہ بالاجماع اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ جیسے کہ خوارج کو حکم رجم کے باطل کہنے کی بنا پر کافر کہا گیا۔

اور اسی بنا پر ہم اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو مسلمان کے دین کے سوا کسی اور دین کے معتقد کو کافر نہیں کہتا یا ان میں توقف کرتا ہے یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے دین و مذہب کو صحیح کہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ اسلام کو بھی ظاہر کرتا اور اسلام پر اعتقاد رکھتا ہو اور اسلام کے سوا ہر مذہب کو باطل کہتا ہو تب بھی وہ کافر ہے کیونکہ وہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے کل امت کی ضلالت (گمراہی) اور تمام صحابہ کرام ﷺ کی تکفیر تک نوبت پہنچے جیسے روافض میں کمیلیہ کا قول ہے۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد بربنائے عدم تقدم سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام امت کی

تکفیر کرتے ہیں اور یہ گروہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی کافر گردانتا ہے۔ چونکہ وہ خود کیوں آگے نہ بڑھے اور ان لوگوں سے پیش قدمی کر کے اپنا حق حاصل کیوں نہ کیا۔ لہٰذا یہ گروہ کئی وجوہات سے کافر ہے اس لئے کہ انہوں نے پوری شریعت کو باطل قرار دیا۔ جب نقل ہی منقطع ہوگئی تو قرآن کا نقل بھی منقطع ہو گیا کیونکہ اس کو نقل کرنے والے ان کے گمان پر کافر تھے اور اسی طرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول کا اشارہ ہے واللہ اعلم کہ انہوں نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جو صحابہ کرام ﷺ کی تکفیر کرے۔

پھر یہ گروہ ایک اور وجہ سے بھی کافر ہو گیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی ہے جیسا کہ ان کے قول کا اقتضاء ہے۔ ان کا گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلافت کا وعدہ کیا تھا اور یہ کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کے بعد وہ انکار خلافت کریں گے۔ یہ محض ان کا گمان ہی ہے۔ اللہ ﷻ کی اس گروہ پر لعنت ہو اور اللہ ﷻ کے رسول ﷺ اور ان کی آل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں۔

اسی طرح ہم ہر اس فعل کی جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو تکفیر کرتے ہیں کہ وہ فعل کافر کے سوا کسی مسلمان سے صادر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ شخص اپنے اس فعل کے ساتھ اسلام کی بھی تصریح کرتا ہو جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور یہود و نصاریٰ کے گرجوں کی طرف ان کے ساتھ دوڑ کر جانا اور ان کی شکل و صورت اختیار کرنا جیسے زنار باندھنا یا بیچ سر سے بالوں کو منڈانا۔ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان باتوں کا صدور کافر سے ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ افعال علامات کفریہ ہیں۔ اگرچہ اس کا کرنے والا اسلام ہی کی صراحت کیوں نہ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ہر وہ شخص جو قتل مسلم یا شراب کے پینے یا زنا کو جسے اللہ ﷻ نے حرام قرار دیا ہے حلال جانے اور اسے ان کے حرام ہونے کا علم بھی ہو جیسے قرامطہ کے بعض اصحاب اباحت اور بعض غالی متصوف (تو یہ بھی کافر ہیں)

اسی طرح ہم اس شخص کی تکفیر پر یقین رکھتے ہیں جو قواعد شرع اور اس امر کو جو یقینی طور پر بنقل تواتر رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو اور اس پر علی الاتصال اجماع چلا آ رہا ہو اس کی تکذیب کرے جیسے پانچ نمازوں کے وجوب کا انکار تعداد رکعات سجدہ نماز وغیرہ اور کہے کہ ہم پر اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں بالجملہ نماز واجب ہی نہیں کی یا یہ کہ ان صفات اور شرائط کے ساتھ پانچ نمازیں فرض ہی نہیں اور نہ میں انہیں جانتا ہوں اس لئے کہ قرآن میں کوئی صریح نص نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ سے جو خبر منقول

ہے۔ وہ خبر واحد ہے۔ (تو یہ یقیناً کفر ہے)

اسی طرح اس شخص کی تکفیر پر اجماع ہے جو بعض خارجی کہتے ہیں کہ نماز صرف دو طرفوں میں ہے (یعنی صبح وشام) اور باطنیہ کی تکفیر پر بھی اجماع ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیشک فرائض ان مردوں کے نام ہیں جن کے لئے حکومت کا حکم دیا گیا ہے اور خبائث ومحارم ان مردوں کے نام ہیں جن سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض متصوفہ کا یہ قول ہے کہ عبادات اور طویل مجاہدوں سے جب ان کے نفوس صاف ہو جائیں تو ان کو ان سے سقوط تک پہنچا دیتی ہے اور ان کے لئے اس وقت ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور ان سے احکام شریعت کی پابندی مرتفع ہو جاتی ہے۔

علی ہذا القیاس جو شخص مکہ مکرمہ یا بیت المقدس یا مسجد حرام یا مناسک حج کا انکار کرے یا کہے کہ حج قرآن میں فرض ہے اور استقبال قبلہ بھی فرض ہے لیکن ان کا اس معروف ہیئت پر ہونا اور یہ مقامات کہ یہی مکہ ہے یا بیت اللہ اور مسجد حرام ہے میں نہیں جانتا آیا یہی ہے یا اس کے سوا ہیں اور کہے کہ ممکن ہے کہ ناقلین نے جو یہ نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ تفسیر کی ہے غلطی کی ہو اور وہم ہو گیا ہو کہ یہ یوں نہیں ہے۔ سو یہ اور اس قسم کی باتیں وہ ہیں جس کی تکفیر میں اصلا شک نہیں ہے۔ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جن پر یہ گمان ہو کہ وہ اس کو جانتا ہے اور وہ ان میں سے ہے جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عرصہ سے مجالست ومصاحبت ہے تو یہ کفر ہو گا مگر یہ کہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو (کہ ابھی تازہ ہی اسلام لایا ہو)۔

تو ایسوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا طریق یہ ہے کہ جن باتوں کو نہیں جانتے ہو انہیں مسلمانوں سے دریافت کر لو تمہیں معلوم ہو جائے گا ان میں کوئی خلاف نہیں ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت سے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں نقل ہوتی ہوئی معلوم ہو جائیں گی جیسا کہ تم سے کہا گیا ہے کہ یہ مکہ ہے اور یہاں وہ بیت ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجہ ہو کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں اور اسی کا حج وطواف کیا ہے اور یہی وہ افعال ہیں جو مناسک حج میں عبادت ہیں اور یہی مقصود ہے اور یہی افعال نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں نے کئے ہیں اور یہی صورت مذکورہ نمازوں کی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور اللہ ﷻ نے اپنی مراد اسی طرح آپ ﷺ پر واضح فرمائی اور اس کے حدود آپ ﷺ پر روشن کئے تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جیسا انہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد کوئی شک وتردد باقی نہ رہے گا۔ بعد علم وبحث اور بعد صحبت مجالست مسلمین پھر بھی وہ شک وتردد یا انکار کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے اور اپنے کو لاعلم کہنے میں معذور

نہ جانا جائے گا اور اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی بلکہ اس کا ایسا ظاہر کرنا دراصل اپنی تکذیب کو چھپانا ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ اب بھی لاعلم ہو۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمام امت پر ان کے منقولات میں جو اس بارے میں کرتے ہیں وہم اور غلط کو جائز رکھتا ہے۔ حالانکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل ہے اور مقصود الٰہی کی یہی تفسیر ہے تو اس نے تمام شریعت میں شک کو داخل کر دیا کیونکہ امت ہی شریعت اور قرآن کے قائل ہیں۔ اس طرح پر دین کی رسی یکدم کھل جائے گی۔

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے وہ کافر ہے اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جس نے قرآن کا یا اس کے ایک حرف کا انکار کیا یا اس کے کسی حصہ اور جزء میں تغیر و تبدل کیا یا اس میں کچھ زیادہ کیا۔ جیسا کہ باقیہ اور اسماعیلیہ کرتے ہیں یا یہ گمان کیا کہ قرآن نبی کریم ﷺ کے لئے حجت نہ تھا یا یہ کہ قرآن میں کوئی دلیل و معجزہ نہیں ہے جیسے کہ ہشام خوطی اور معمر ضمیری کا قول ہے کہ وہ اللہ ﷻ پر دلالت نہیں کرتا اور نہ اس میں رسول ﷺ کے لئے حجت ہے اور نہ ثواب و عذاب کی دلیل ہے اور نہ کوئی حکم ہے بلاشبہ ہم ان دونوں کو بایں قول کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم ان دونوں کی اس سبب سے بھی تکفیر کرتے ہیں کہ یہ دونوں اس امر کے بھی منکر ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے تمام معجزات آپ کے لئے حجت ہیں یا آسمان و زمین کی پیدائش میں وجود باری ﷻ پر بھی دلیل ہیں اور یہ کہ یہ اطلاع اور نبی کریم ﷺ سے نقل متواتر کے بھی خلاف ہیں یعنی آپ ان معجزات کے ساتھ احتجاج فرماتے تھے۔ نیز تصریحات قرآنیہ کے بھی خلاف ہیں۔

اسی طرح جو بھی کسی منصوص فی القرآن کا منکر ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ مصاحف مسلمین اور قرآن مجید میں جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور اس سے جاہل نہ ہو اور نہ وہ اسلام میں حدیث العہد ہو اور اپنے استدلال میں حجت لاتا ہو کہ یا تو یہ اس کے نزدیک نقل صحیح نہیں اور نہ اسے کسی دوسرے سے اس کا علم ہوا یا اس کے ناقلین پر وہم کو جائز رکھتا ہو تو ہم ایسے کی بھی انہیں دونوں طریقوں پر تکفیر کریں گے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے والا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے لیکن وہ اپنے دعویٰ کو چھپانا چاہتا ہے۔

اسی طرح جو شخص جنت و دوزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب اور قیامت کا منکر ہو وہ بھی باجماع امت کافر ہے کیونکہ اس پر نص بھی موجود ہے اور امت نے بھی تواتر کے ساتھ اس کی صحت نقل پر اجماع کیا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ان کا معترف تو ہو لیکن یہ کہے کہ جنت و دوزخ، حشر و نشر، ثواب و

عقاب کے مراد و معنی اس کے ظاہری معنی کے سوا ہیں یعنی کہے کہ اس سے مراد لذات روحانیہ اور معانی باطنیہ ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ' فلاسفہ' باطنیہ اور بعض متصوفہ کا قول ہے۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے معنی موت' فنائے محض' ہیئت افلاک کو ٹوٹنا اور تحلیل عالم ہیں۔ جیسا کہ بعض فلاسفہ کا قول ہے۔

اسی طرح ہم ان غالی روافض کی تکفیر میں یقین رکھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ائمہ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اب رہا وہ شخص جو ان اخبار و سیر اور بلاد معروفہ کا انکار کرے جو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں اور جن کے انکار سے نہ تو شریعت کا بطلان لازم آتا ہے اور نہ کسی قاعدہ اسلام کا انکار' جیسے غزوہ تبوک یا غزوۂ موتہ وغیرہ کا انکار یا سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر کے وجود اور سیدنا عثمان کی شہادت یا خلافت علی مرتضیٰ ﷺ کا انکار کرے جن کا علم بداہۃً بطور نقل حاصل ہے اور اس کے انکار میں شریعت کا انکار لازم نہیں آتا لہٰذا اس کے اس انکار سے اور اس کے حصول علم کے انکار سے اس کی تکفیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اس نے افتراء و بہتان باندھا جیسے ہشام اور عباد کا واقعہ جمل اور محاربہ' علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا انکار کرنا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں سے نہیں لڑے۔ اب اگر اس نے اس لئے ان کا انکار کیا ہے کہ اس نے ان کے ناقلین کو متہم اور تمام مسلمانوں کو وہم میں مبتلا جانا ہے تو ہم اس کی تکفیر کا حکم کریں گے۔ کیونکہ اس طرح وہ شریعت کے ابطال کی جانب مفضی ہوگا۔

اب رہا وہ شخص جو مجرد اجماع صحیح اور اجماع جامع شروط اور عام متفق علیہ کا مخالف ہو وہ کافر ہے ان کا استدلال اللہ ﷻ کے اس ارشاد سے ہے کہ

مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى۔ (پ۵ النساء، ۱۱۵) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق اس پر کھل چکا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "جس نے بالشت بھر جماعت کی مخالفت کی تو بلاشبہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا"۔ نیز علماء نے اس شخص کی تکفیر پر بھی اجماع نقل کیا ہے جو اجماع کی مخالفت کرے اور دیگر علماء قطعی تکفیر سے توقف کی طرف اس شخص کے بارے میں گئے ہیں جو ایسے اجماع کا مخالف ہو جو صرف علماء سے ہی اس کی نقل مخصوص ہو۔ (یعنی علماء کے سوا کوئی اور اس کا قائل نہ ہو) اور دوسرے لوگوں کا میلان یہ ہے کہ اس شخص کی تکفیر میں توقف کرنا چاہئے جو ایسے اجماع کا منکر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے قول میں اس اجماع سلف کا مخالف تھا جو اس کے خلاف بطور خرق دلیل واقع ہوا تھا۔

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قول معتبر یہی ہے کہ اللہ ﷻ کی ذات و صفات سے جاہل ہونے کا نام کفر ہے اور اس کی ذات سے باخبر ہونے کا نام ایمان ہے اور کوئی

شخص بھی کسی قول یا رائے کے سبب جس کا کہ وہ قائل ہو کافر نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ وہ ذات باری ﷻ سے جاہل ہو۔ چنانچہ اگر اس نے اللہ ﷻ و رسول ﷺ کے ایسے قول و فعل کے ساتھ نافرمانی کی ہے جو منصوص ہے یا یہ کہ اس پر اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا صادر ہی نہیں ہوتا یا یہ کہ اس کے خلاف دلیل قائم ہو جائے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔ یہ کفر اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اس قول کا قائل ہوا ہے یا اس نے یہ فعل کیا ہے بلکہ اس سبب سے کافر ہوا کہ وہ کفر کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔

لہٰذا اللہ ﷻ کے ساتھ کافر ہونا ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اول یہ کہ ذات باری ﷻ سے جاہل و بے خبر ہو دوسرا یہ کہ وہ ایسا قول و فعل کرے جس کی اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دے دی ہو یا یہ کہ اجماع امت ہو کہ یہ کافر کے سوا کسی سے صادر ہی نہ ہوگا۔ جیسے بتوں کو سجدہ کرنا اور زنار ڈال کر اصحاب کنائس کے ساتھ بالالتزام ان کے تہواروں کے موقعہ پر ان کے کنیسوں میں جانا یا یہ کہ وہ قول یا فعل ایسا ہو جس کے ساتھ علم باللہ ممکن نہ ہو۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسمیں اگرچہ اللہ ﷻ کے ساتھ بے خبری اور جہالت میں سے تو نہیں ہے لیکن ان دونوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کا کرنے والا کافر اور خارج ایمان ہے۔

اب رہا وہ شخص جو اللہ ﷻ کی صفات ذاتیہ میں سے کسی ایک صفت کی نفی کرے یا دانستہ انکار کرے جیسے کہ کہے کہ اللہ ﷻ عالم نہیں ہے اور نہ وہ قادر یا مرید یا متکلم وغیرہ ہے یعنی جو اس کی صفات کمالیہ ہیں اور اس کے ساتھ واجب ہیں ان کا انکار کرے تو ہمارے ائمہ نے اس شخص کے کفر پر اجماع منصوص فرمایا ہے کہ جو اللہ ﷻ سے ان اوصاف میں سے کسی وصف کی نفی کرے اور اسے اس وصف سے معرا (خالی) جانے اور اسی پر سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی محمول کیا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ کے لئے کلام نہیں ہے سو وہ کافر ہے حالانکہ وہ متاولین (تاویل کرنے والوں) کی تکفیر نہیں کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ میں مذکور ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ جو صفات باری ﷻ کی کسی صفت سے جاہل و بے خبر ہو تو اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے تو اس کی تکفیر کی ہے اور یہ ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے اور ایک مرتبہ سیدنا ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ ایسی جہالت اسے اسم ایمان سے خارج نہیں بناتی اور اسی کی جانب اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمایا اور فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص اس کا ایسا معتقد نہیں ہے کہ وہ اس کے درست و صواب ہونے پر یقین

۱۔ سنن ابوداؤد کتاب الایمان جلد ۳ صفحہ ۵۸۸، سنن نسائی کتاب الوصایا باب فضل صدقۃ علی المیت

۲۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء جلد ۴ صفحہ ۱۳۵، صحیح مسلم کتاب التوبہ جلد ۴ صفحہ ۲۱۱۰

رکھتا ہو یا یہ کہ وہ اسے دین اور شریعت مانتا ہو۔ حالانکہ کافر وہ ہوتا ہے جو اس کا ایسا معتقد ہو کہ وہ اپنے قول کو حق مانتا ہو۔ ان حضرات نے سوداء ﷺ کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صرف توحید ہی کا مطالبہ فرمایا تھا نہ کہ کسی اور امر کا[1]۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا جس نے یہ کہا کہ ''اگر خدا مجھ پر قادر ہوگا''[2] اور اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ''شاید کہ میں اللہ ﷻ سے چھپ جاؤں''۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ''پس اللہ ﷻ نے اسے بخش دیا''۔

علماء فرماتے ہیں کہ صفات باری میں اگر اکثر لوگوں سے بحث کی جائے اور ان سے اس کی حقیقت دریافت کی جائے تو ایسے اشخاص بہت کم ملیں گے جو ان سے واقف ہوں اور دوسرے علماء اس حدیث سے کئی جواب دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ قَدَرَ بمعنی قَدَّرَ کے ہے اور اس کا شک کرنا قدرت الٰہی میں شک کرنا نہ تھا بلکہ نفس بعثت میں تھا جو بغیر شریعت کے معلوم ہی نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے ان کے نزدیک اس خصوص میں حکم شرع موجود ہی نہ ہو جس کی بنا پر اس میں شک کرنا کفر قرار پائے اور جس امر میں شرع وارد نہ ہو تو وہ مجوّزاتِ عقول میں سے ہوتا ہے (اس میں شک کرنے سے کفر لاحق نہیں ہوتا) یا یہ کہ قدر بمعنی ضَیَّقَ ہے۔ اسی لحاظ سے اس کا یہ فعل جو اس نے اپنی ذات کے ساتھ کیا تھا اپنے نفس کی تحقیر کی غرض سے تھا اور نفس کی نافرمانی پر اسے اپنے پر غصہ آ رہا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ نا سمجھی میں کہا تھا اور وہ خود اپنی بات ہی کو نہ سمجھ رہا تھا کیونکہ اس پر خوف اور خشیت الٰہی طاری تھا جس نے اس کی عقل ختم کر رکھی تھی اور وہ اپنے الفاظ کو بھی ضبط نہ کر سکتا تھا۔ اس بنا پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شخص زمانۂ فترت میں تھا جبکہ صرف توحید ہی نفع دے سکتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بات کلام کے مجاز میں سے ہے۔ جس کی ظاہری صورت میں تو شک ہوتا ہے اور اس کے معنی میں تحقیق و ثبوت ہوتا ہے اسی کو تجاہل عارفانہ (انجانا پن) کہتے ہیں اس کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ہیں۔ جیسے اللہ ﷻ کا فرمان:

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○ — اس امید پر کہ وہ دھیان کرے اور ڈرے۔

(پ ۱۶ طہٰ ۴۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اور یہ ارشاد کہ

اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ — بیشک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

(پ ۲۲ سبا ۲۴) (ترجمہ کنزالایمان)

اب رہا وہ شخص جو وصف کو تو ثابت کرے اور صفت کی نفی کرے چنانچہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ عالم تو ہے لیکن اسے علم نہیں ہے اسی طرح متکلم تو ہے لیکن اسے کلام نہیں ہے۔ اسی طرح تمام

صفات الٰہیہ میں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت جس کسی نے انجام ومآل پر کہا کہ اس کا کلام کہاں تک پہنچتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی ہے کیونکہ جب اس نے علم ہی کی نفی کر دی تو وصف عالمیت بھی از خود منتفی ہو گیا۔ اس لئے کہ عالم وہی ہوتا ہے جسے علم ہو تو گویا ان کے نزدیک تمام متاؤلین اور ان کے فرقے ایسے ہی ہیں خواہ وہ مشبہ ہوں یا قدریہ وغیرہ اور جس کی یہ رائے ہو کہ ان کے قول کے مآل وانجام کے ساتھ مواخذہ نہ کیا جائے اور جو ان کے مذہب کے موجبات ہیں ان پر الزام نہ رکھا جائے تو وہ ان کی تکفیر کو جائز نہیں رکھتے۔ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان کو اس پر آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عالم نہیں ہے اور ہم بھی اس قال وانجام کی نفی و انکار کرتے ہیں جس کو تم ہم پر لازم کرنا چاہتے ہو اس کو ہم بھی اور تم بھی کفر ہی جانتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام ہماری اصل پر اس کی جانب راجع ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان دونوں ماخذوں کی بنا پر اہل تاویل کی تکفیر وعدم تکفیر پر لوگوں کا اختلاف ہوا ہے۔

اب جبکہ اس مسئلہ کو تم سمجھ چکے اور تمہیں اس باب میں وجوہ اختلاف بھی معلوم ہو چکا۔ تو درست وصواب یہی ہے کہ ان کی تکفیر کو ترک کر دیا جائے۔ اور ان کی جانب اس امر کے یقین کرنے سے اعراض کیا جائے کہ وہ درحقیقت خائب وخاسر ہیں اور قصاص وراثت' مناکحت ودِیّات (دیتوں) ان پر نماز ومعاملات اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے میں مسلمانوں جیسے ہی احکام جاری کئے جائیں لیکن زجر وتوبیخ اور ترک مکالمت ومجالست کے ساتھ ان پر سختی ضرور کی جائے تا کہ وہ اپنی بدعت سے رجوع کریں اور صدر اول کے ان اشخاص میں یہی عادت رہی ہے چونکہ ایسے لوگ صحابہ کرام ﷺ اور ان کے بعد تابعین کے زمانہ میں ہی پیدا ہو گئے تھے جو ایسے اقوال کے قائل تھے۔ جن کے قدریہؔ خوارج اور معتزلی وغیرہ قائل ہیں۔ تو ان حضرات نے نہ تو ان کی قبریں ہی جدا کیں اور نہ ان میں سے کسی کی میراث بند کی۔ البتہ ان حضرات نے ان سے میل جول ترک کر دیا اور ضرب وجلاوطنی اور قتل وغیرہ کے ساتھ جیسی بھی ان کی حالت کا اقتضاء ہوا تادیب وتعزیر دی۔ کیونکہ محققین اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک جو ان کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ فاسق' گمراہ اور مرتکب معاصی کبیرہ ہیں۔ برخلاف اس شخص کے جس کی رائے اس کے خلاف ہے۔ واللہ الموفق الصواب

قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رہے وہ مسائل جو وعدہ وعید ورویت ومخلوق' خلق افعال وابقاء اعراض اور تولد وغیرہ دقیق مسائل ہیں تو ان میں تاویل کرنے والوں کی تکفیر میں احتراز کرنا چاہیے۔ یہی زیادہ مناسب واظہر ہے کیونکہ ان مسائل میں سے کسی مسئلہ میں جاہل رہنا ذات

باری ﷻ سے جاہل ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ایسے شخص کے کفر پر اجماع امت مسلمہ ہے جو ان میں سے کسی شے سے جاہل ہو۔ بے شک ہم نے اس سے پہلی فصل میں بحث اور اختلاف کو اس بسط و تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کے اعادہ کی بکرمہٖ تعالیٰ اب حاجت نہیں رہی ہے۔

چوتھی فصل

جو ذمی ہو کر اللہ ﷻ کو گالی دے اس کا حکم

یہ حکم تو اس مسلمان کا تھا جو اللہ ﷻ کو گالی دے۔ اب رہا ذمیوں کا حکم! تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذمی کے بارے میں مروی ہے کہ ایک ذمی حرمت الٰہی کے درپے ہوا اس دین کے خلاف جو اس کا تھا' اعتراض کرنے لگا تب سیدنا ابن عمر ﷺ اس پر تلوار لے کر آ نکلے اور اسے تلاش کیا مگر وہ بھاگ گیا۔

"کتاب ابن حبیبہ" اور "مبسوط" میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبسوط "کتاب محمد" اور ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جس یہودی یا نصرانی نے اس وجہ کے سوا جس کے ساتھ وہ کافر ہے اللہ ﷻ کو گالی دی تو قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے۔ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بجز اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائے اور "مبسوط" میں ان کا قول ہے کہ وہ خوشی سے مسلمان ہوئے۔ اصبغ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ جس کفر پر وہ قائم ہے وہ اس کا دین ہے اور اسی پر قائم رہتے ہوئے اس نے خدا کے لئے بیوی' شریک اور فرزند کا ادعا کیا ہے (اس کے اس دین پر ہونے کے باوجود) اس سے عہد لیا گیا۔ لیکن اس کے اور جھوٹ و گالی جو وہ اب بکتا ہے اس پر ان سے عہد نہیں لیا گیا۔ لہٰذا وہ عہد شکن ہو گئے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب محمد" میں کہا کہ جس غیر مسلم نے اللہ ﷻ کو اس وجہ کے سوا جو اس کی (محرف) کتاب میں مذکور ہے گالی دی تو اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے۔ مخزومی' مسلمہ اور ابن ابی حازم رحمہم اللہ نے "کتاب مبسوط" میں کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے توبہ نہ لی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اب اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے اور مطرف و عبدالملک امام مالک رحمہم اللہ کی مثل فرماتے ہیں۔

ابو محمد ابن ابو زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو غیر مسلم اللہ ﷻ کو گالی دے بغیر اس وجہ کفر کے جس پر وہ قائم ہے تو قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ ہم نے ابن حلاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے

بیان کردیا۔ نیز عبداللہ ابن ابی لبابہ رحمۃ اللہ علیہ اور مشائخ اندلس کا قول نصرانی عورت کے بارے میں اور ان کا یہ فتویٰ کہ اس گالی کی وجہ سے جس پر اللہ ﷻ اور نبی ﷺ سے کافر ہوئی ہے قتل کر دیا جائے اور اس پر ان کا اجماع بھی بیان کر چکے ہیں یہ اس دوسرے قول کی طرح جو اس شخص کی نسبت ہے جس نے ان میں سے نبی کریم ﷺ کو اس نے اس وجہ سے کہ وہ کافر ہے اس خصوص پر اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کو گالی دینے میں فرق نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ان ذمیوں سے اس بنا پر عہد لیا تھا کہ وہ ہمارے سامنے اپنے کسی کفر کو ظاہر نہیں کریں گے اور یہ کہ ہم ان کے مونہوں سے اس بارے میں کچھ نہ سنیں گے جب وہ ایسی کوئی بات کریں گے تو وہ عہد شکن بن جائیں گے۔

اور علماء کا اس ذمی کے بارے میں جو زندیق بن جائے اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ مطرف بن عبدالحکم اور اصبغ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایک کفر سے دوسرے کفر کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور عبدالملک بن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ وہ ایک ایسا دین ہے کہ جس پر کوئی مسلمان قرار نہیں پاتا اور اس پر جزیہ لیا جاتا ہے اور ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کا قول بھی منقول ہو۔

پانچویں فصل

مفتری اور کذاب کا حکم

یہ تو اس شخص کے بارے میں حکم تھا جو صاف طور پر گالی دے اور وہ شے اللہ ﷻ کی طرف نسبت کرے جو اس کی جلالت والوہیت کے شایان شان نہ ہو۔ اب رہا اس کا حکم جو اللہ ﷻ پر یا دعاءِ الوہیت یا رسالت افترا و بہتان اور جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ اللہ ﷻ میرا خالق نہیں یا میرا رب نہیں یا یہ کہے کہ میرا کوئی رب نہیں یا اپنے نشے اور اپنے جنون میں ایسی باتیں بکے جو پاگل پن کی ہوں اور وہ عقل میں نہ آتی ہوں تو ایسے مدعی کے کفر میں باوجود اس کی سلامتی عقل کے کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

لیکن قول مشہور کی بنا پر اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس کی رجعت و انابت اسے فائدہ پہنچائے گی اور اس کو قتل سے بچا دے گی۔ لیکن سزائے عظیم اور عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا تاکہ ایسی بکواس کرنے میں دوسروں کو تنبیہ و توبیخ ہو اور کوئی اور اس کی جرأت نہ کرے۔ کیونکہ یہ یا تو اعادۂ کفر ہے یا اس کی جہالت مگر وہ شخص ایسا بار بار کرے اور اپنے کردار میں اس کی تحقیر و اہانت مشہور ہو جائے تو یہ

اس کی بدباطنی پر دلیل ہو جائے گی اور اس کی توبہ کو جھٹلا دیا جائے گا اور وہ اس زندیق کے مشابہ ہو جائے گا جس کی بدباطنی پر ہمیں اطمینان نہ ہو اور اس کا رجوع بھی قابل قبول نہ ہوگا اور اس خصوص میں اس کے نشہ کا حکم مثل ہوش والے کے ہوگا۔

اب رہا مجنون و پاگل کا حکم تو جو کچھ اس نے اپنی مکمل دیوانگی اور پاگل پنے میں کہا ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ ہوشیاری کی حالت میں کہا ہے اگرچہ اسے عقل نہ ہو اور وہ شریعت کا مکلف نہ رہا ہو مگر اس پر اسے تادیب ضرور کی جائے گی تاکہ اسے تنبیہ ہو۔ جیسا کہ بداطواری میں تنبیہ کی جاتی ہے اور یہ تادیب برابر جاری رکھی جائے گی یہاں تک وہ اس سے باز آ جائے۔ جیسا کہ جانوروں کو اس کی ضد و اڑ پر زدوکوب کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھا ہو جائے۔

بلاشبہ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے جلانے کا حکم فرمایا جس نے خدا ہونے کا دعویٰ کرنے والے کو قتل کر کے صولی دی۔ اس کے سوا اکثر خلفاء اسلام اور بادشاہوں نے ایسوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور اس پر ان کا اتفاق و اجماع ہے کہ جو ان کے کفر کا مخالف ہو وہ بھی کافر ہے۔

المعتدر کے زمانہ میں مالکی فقہاءِ بغداد اور قاضی القضاۃ ابو عمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حلاج[1] کے قتل اور اس کی سولی پر بسبب دعویٰ الوہیت اور حلول کے قول کے اجماع کیا کیونکہ انہوں نے نعرہ "انا الحق" لگایا تھا باوجود یہ کہ ظاہر میں پابند شریعت تھے۔ لیکن علماء نے ان کی توبہ قبول نہ کی۔ اسی طرح ابن ابی الغراقبر کے بارے میں علماء نے فتویٰ دیا چونکہ وہ بھی حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر تھے اور ان کے بعد الراضی باللہ کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا اس وقت بغداد کے قاضی القضاۃ ابو الحسین بن ابی عمر مالکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابن عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ کا "مبسوط" میں قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہوا سے قتل کر دیا جائے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے اپنا خالق یا رب ہونے کا انکار کیا یا کہا کہ میرا کوئی رب نہیں ہے تو وہ مرتد ہے۔

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ میں ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اور کتاب عتبیہ میں محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس سے توبہ لی جائے خواہ وہ اسے چھپائے یا ظاہر کرے بہر صورت مرتد کے حکم میں ہے اسے سحنون رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا اور اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک ایسے یہودی کے بارے میں کہا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تمہاری طرف رسول ہوں۔ اگر وہ اس دعویٰ کو ظاہر کرتا ہے تو اس سے توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اور ابو محمد بن ابو زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنے پیدا کرنے

[1] حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ پر صیانت شریعت ظاہرہ کی بنا پر فتویٰ تھا چنانچہ بمعصر عرفاء ان کو عارف باللہ ہی مانتے ہیں۔ مترجم

والے پر لعنت کی تھی اور دعویٰ کیا کہ اس کی زبان پھسل گئی تھی اور یہ کہ میرا ارادہ شیطان پر لعنت کرنے کا تھا۔ فرمایا اسے اپنے کفر کی بنا پر قتل کر دیا جائے اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے۔ یہ حکم اس دوسرے قول کے موافق ہے کہ ایسوں کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

اور ابوالحسن قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نشہ والے کے بارے میں فرمایا جس نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں 'میں خدا ہوں' کہ اگر وہ توبہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو سزا دی جائے اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو زندیق کا سا برتاؤ کیا جائے اس لئے کہ یہ شریعت کے ساتھ کھیلنے والوں کا کفر ہے۔

چھٹی فصل

بے اختیار کلمۂ کفر نکلے تو کیا حکم ہے؟

رہا وہ شخص جس کی بات اور زبان اس کی قابو میں نہ ہو اور وہ نکمی اور بے ہودہ بات زبان سے نکالتا ہو اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا کلام ضبط نہیں کیا جاتا اور اس کی زبان پر مہملات آتے رہتے ہوں وہ ایسی بات کہے جس سے عظمت الٰہی اور جلالت کبریائی میں استخفاف ہوتا ہو یا بعض شے کی تمثیل کسی ایسی شے کے ساتھ دے جس کو اللہ ﷻ نے اپنی ملکوت میں بزرگی و عظمت دی ہو یا مخلوق کے کلام سے ایسی بات انتزاع کی ہو جو خالق کے حق کے سوا اور کسی کے لئے زیبا نہیں ہے مگر کفر و استخفاف اس سے مقصود و مراد نہ ہو اور نہ عملاً الحاد کے لئے کہا ہو اب اگر یہ بات اس سے بار بار صادر ہوئی اور وہ مشہور ہو گئی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے دین کے ساتھ استہزاء اور کھیل کرتا ہے اور اپنے رب ﷻ کی حرمت کا وہ استخفاف کرتا ہے اور وہ اس کی عزت و کبریائی کی عظمت سے جاہل ہے یہ بلاشبہ کفر ہے۔

اسی طرح اگر وہ ایسی باتیں کرتا ہے جس سے اللہ رب العزت کا استخفاف اور تنقیص لازم آتی ہے۔ بلاشبہ ابن حبیب' اصبغ بن خلیل رحمہم اللہ نے جو قرطبہ کے فقہا میں سے ہیں (امیر قرطبہ) عجب کے برادر زاد کے قتل پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک دن وہ گھر سے نکلا اور بارش نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا:

بَدَا الْخَرَّازُ يَرُشُّ جُلُوْدَهٗ یعنی جوتی گانٹھنے والا اپنی کھالیں نچوڑتا ظاہر ہوا۔

اور قرطبہ کے بعض فقہا مثلاً ابوزید صاحب ثمانیہ' عبدالاعلیٰ بن وہب اور ربان بن عیسیٰ رحمہم اللہ نے اس کے قتل میں توقف کیا اور اشارہ کیا کہ اس کا یہ کلام بے ہودہ ہے۔ اس میں صرف تادیب کافی

ہے۔اسی کے مثل اس وقت کے قاضی موسیٰ ابن زیاد رحمتہ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا اس پر ابن حبیب رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کا خون میری گردن پر۔کیا اس رب کو گالی دی جائے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں پھر اس کی حمایت نہ کی جائے اس وقت ہم کتنے برے بندے ہوں گے گویا ہم اس کی عبادت کرنے والے ہی نہ رہیں گے اور اس کے بعد وہ رونے لگے۔یہ باتیں جب امیر قرطبہ عبدالرحمٰن بن حکم کے پاس پہنچی چونکہ عجب اس کی چچی کا لڑکا تھا اور یہ قصور وار تھا۔جب اسے فقہاء کا اختلاف معلوم ہوا تو اس نے ابن حبیب رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی علماء کے فتوے کے بموجب عجب کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔چنانچہ وہ قتل کیا گیا اور ان دونوں فقیہہ کا سامنے اسے سولی دی گئی اور قاضی کو اس قصہ میں مداہنت کے الزام میں معزول کر دیا اور باقی فقہاء کو برا بھلا کہا گیا۔

لیکن جس شخص سے ایسی باتیں ایک دفعہ ہوئیں یا کبھی کبھی صادر ہوئیں تو جب تک اس میں تنقیص واہانت نہ ہو تو اسے صرف تادیب کی جائے اور بقدر مقتضائے کلام اور شناعت جرم اسے سزا دی جائے اور اس سے صورت حال اور وجہ مقال پہلے دریافت کی جائے۔

ابن قاسم رحمتہ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے بارے استفسار کیا گیا جو کسی شخص کو اس کا نام لے کر پکار رہا تھا۔اس پر اس نے جواب دیا لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ تو جواب میں فرمایا اگر وہ جاہل ہے یا اس نے بیوقوفی سے کہا ہے تو اسے کچھ نہیں ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی تشریح یہ ہے کہ اس پر قتل واجب نہیں ہے اور جاہل کو جھڑکا جائے اور بیوقوف کو سزا دی جائے اور اگر اس نے اپنے رب کے قائم مقام مان کر کہا ہے تو یقیناً کفر ہے۔یہ ان کے کلام کا اقتضاء تھا۔

بلاشبہ نادان بیوقوف شعراء نے بڑی بڑی زیادتیاں کی ہیں اور وہ اس میں متہم ہیں اور ذات جبروت کی شان جلالت کو ہلکا سمجھا ہے۔چونکہ وہ ایسے اشعار لائے ہیں جن سے ہم اپنی کتاب' زبان اور قلم کو بیان کرنے سے بچاتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے مسائل کی تصریح کا قصد کیا ہے جسے بیان کر رہے ہیں تو ہم کوئی شعر نقل نہ کرتے کیونکہ ان کا ذکر ہمیں گراں گزرتا ہے اور جسے ہم نے ان فصلوں میں بیان کیا۔لیکن وہ اشعار جو اس بارے میں جاہلوں اور غلط گویوں سے صادر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ہیں جسے بعض بدویوں نے کہا ہے:

رَبُّ الْعِبَادِ مَا لَنَا وَمَا لَكَا　　قَدْ كُنْتَ تَسْقِيْنَا فَمَا بَدَا لَكَا

أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ لَا أَبَا لَكَا

اے رب العباد ہمیں کیا ہوا اور تجھے کیا ہوا۔ تو تو ہمیں پانی پلاتا تھا اب تجھے کیا ہوا تو ہم پر بارش بھیج تیرا باپ نہ ہو۔

اس کی مثل بکثرت جہاں کا کلام ہے۔ جسے تازیانہ شریعت بھی سیدھا نہ کر سکا اس قسم کی باتیں انہیں سے صادر ہوتی ہیں جو جاہل یا کم علم ہیں۔ ان کی زجر و توبیخ لازمی ہے تاکہ دوبارہ وہ ایسی غلطی نہ کریں۔ ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دلیری کی باتیں ہیں اور اللہ ﷻ ان باتوں سے منزہ ہے اور ہم نے عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ واجب ہے کہ ہر ایک تم میں سے اپنے رب ﷻ کی عظمت کا لحاظ رکھے۔ یہ نہ ہو کہ تم ہر شے میں اس کا نام لیتے رہو۔ یہاں تک کہ تم کہنے لگو کہ کتے کو اللہ ﷻ نے رسوا کیا اور اس نے ایسا کیا یا ویسا کیا اور ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اللہ ﷻ کا نام بہت کم جگہوں پر لیتے تھے۔ بجز ان مواقع کے کہ جس کے ساتھ قربت و طاعت ہو وہ انسان کو یوں دعا دیتے تھے کہ تجھے جزائے خیر دی جائے۔ وہ بہت کم کہتے تھے کہ جَزَاکَ اللّٰهُ خَیْرًا۔ یہ اسم جلالت کی تعظیم کے لئے تھا کہ صرف تقرب الٰہی کی جگہ اس کا نام لیا جائے اور ہم سے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا کہ امام ابو بکر الشاسی رحمۃ اللہ علیہ اہل کلام پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں بہت غور و خوض کرتے ہیں اور اس کی صفات کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس لئے تھا کہ اللہ ﷻ کی عظمت و ہیبت ملحوظ رہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ اللہ ﷻ کے اسم جلالت کو بمنزلہ رومال (مندیل) استعمال کرتے ہیں اس باب میں جو کلام لایا گیا ہے وہ بمنزلہ ساب النبی ﷺ (نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے) کے ہے۔ جن کی ہم نے اس جگہ تفصیل بیان کی واللہ الموافق۔

ساتویں فصل

انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم

اب رہا اس شخص کا حکم جو تمام انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے یا جو وہ لائے ان کو جھٹلائے یا انکار کرے تو اس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا جو ہمارے نبی ﷺ کا انکار یا استخفاف کرے۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ (پ ۶ النساء ۱۵۰)

وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے

رسولوں کو جدا کریں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ. (پ البقرہ ۱۳۶)

یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیا گیا موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کیے گئے اور باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور فرمایا:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ (پ۳ البقرہ ۲۸۵)

سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول میں ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

کتاب ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رحمۃ اللہ علیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ابن قاسم، ابن ماحشون، ابن عبدالحکیم، اصبغ اور سحنون رحمہم اللہ کا قول ہے کہ جس نے تمام نبیوں کو یا کسی ایک نبی کو گالی دی یا تنقیص کی وہ قتل کر دیا جائے اور اس سے توبہ نہ لی جائے اور جو ذمی ان کو گالی دے اسے بھی قتل کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا کہ جس یہودی یا نصرانی نے بغیر اس وجہ کے جس میں وہ کافر ہے نبیوں کو گالی دی تو اس کی گردن اڑا دی جائے مگر یہ کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس اصول میں جو اختلاف ہے وہ پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی قرطبہ سعید بن سلیمان رحمہ اللہ کا قول ان کے بعض جوابات میں یہ ہے کہ جس نے اللہ ﷻ اور اس کے فرشتوں کو گالی دی وہ قتل کر دیا جائے اور سحنون رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے کسی ایک فرشتے کو گالی دی اس کا قتل واجب ہے۔

کتاب نوادر میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے (معاذ اللہ) وحی میں خطا کی ہے اور یہ کہ دراصل نبی تو (معاذ اللہ) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم تھے۔ اس

سے توبہ لی جائے اگر وہ توبہ کرے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اسی کے مثل سحنون رحمتہ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے یہ مقولہ روافض کے فرقہ غرابیہ کا ہے ان کا غرابیہ اس لئے نام رکھا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ سے علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کوے کی مانند مشابہ تھے جس طرح کوا' کوے کے مشابہ ہوتا ہے (نعوذ باللہ)

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے نبیوں میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا یا کسی ایک کی تنقیص کی یا ان سے برائت کا اظہار کیا تو وہ مرتد ہے۔

ابوالحسن قابسی رحمتہ اللہ علیہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے دوسرے سے کہا کہ اس کا چہرہ مالک علیہ السلام کی طرح غضبناک ہے۔ اگر اس سے اس کا قصد مالک علیہ السلام فرشتے (داروغہ جہنم) کی مذمت ہے تو قتل کر دیا جائے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور احکام اس کے لئے ہیں جو ان سب کے بارے میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ یعنی تمام فرشتوں' تمام نبیوں' یا کسی خاص کے بارے میں کہتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی جن کو اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا ہے۔ یا ہم کو اس کا علم خبر متواتر اور خبر مشہور متفق علیہ سے جس پر اجماع قطعی ہو چکا ہو حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت جبریل' میکائیل' مالک' خازن (داروغہ جہنم و جنت) زبانیہ' حملۃ العرش' جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ فرشتے ہیں اور جن نبیوں اور فرشتوں کا ذکر قرآن میں ہے جیسے ملائکہ میں عزرائیل' اسرافیل' رضوان' حفظ' منکر اور نکیر علیہم السلام کہ یہ فرشتے ہیں جن کے خبر کی قبول کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

لیکن وہ فرشتے یا نبی جن کی تعیین و تخصیص پر اخبار ثابت نہیں اور نہ اس پر اجماع ہے کہ وہ فرشتے یا نبی ہیں۔ جیسے ہاروت' ماروت' کا فرشتوں میں ہونا اور خضر لقمان' ذوالقرنین' مریم' آسیہ' خالد بن سنان جو کہ مذکور ہے کہ یہ نبی تھے جو اہل فارس اور زردشت کہ جس کی نسبت مجوس مورخ نبوت کے مدعی ہیں۔ تو ان لوگوں کو گالی دینے یا ان کا انکار کرنے میں وہ حکم نہیں جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ ان کی ویسی حرمت ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کی تنقیص و ایذاء رسائی پر جھڑکنا چاہئے اور ان کی تادیب ان کے مرتبہ عالی کے موافق جن کی شان میں یہ بات کہی گئی ہے' متکلم کو کرنی چاہئے۔

خاص کر ان حضرات کی تنقیص و ایذا پر ضرور تادیب کرنی چاہئے جن کی صدیقیت اور

افضلیت معروف و مشہور ہو اگر چہ ان کی نبوت ثابت نہ ہو اور رہا ان کی نبوت کا انکار یا کسی اور کے فرشتے ہونے کا انکار کرنا تو اگر منکر و متکلم اس بارے ذی علم ہے تو مضائقہ نہیں ہے چونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور اگر عوام الناس میں سے ہو تو اس میں چھان بین کرنے سے باز رکھنا چاہئے۔ پھر اگر دوبارہ کرے تو تادیب کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اس معاملہ میں ان کو کلام کرنے کا حق نہیں ہے اور سلف رحمہم اللہ نے تو ایسے امور میں بحث و کلام کرنے کو علماء کے لئے مکروہ جانا ہے۔ جن سے کوئی عمل متعلق نہیں ہے بھلا پھر عوام کس گنتی میں۔

آٹھویں فصل

تحقیر و استخفافِ قرآن کا حکم

خبردار رہنا چاہئے کہ جو کوئی قرآن کریم یا مصحف شریف یا اس کے کسی جز کا استخفاف کرے یا ان دونوں کو گالی دے یا سب کا انکار کرے یا اس کے کسی جزو کا یا کسی آیت کا انکار کرے یا اس کی تکذیب کرے یا اس کے کسی ایسے حکم یا خبر کو جھٹلائے جس کی اس میں صراحت کی گئی ہے یا کسی ایسی شے کو ثابت کرے جس کی اس نے نفی کی ہے یا کسی ایسی شے کی نفی کرے جس کو اس نے ثابت کیا ہے اور وہ اس سے باخبر بھی ہو یا وہ ان امور میں سے کسی امر میں شک کرتا ہے تو اہل علم کے نزدیک بالاجماع کافر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ O لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ O	بے شک وہ عزت والی کتاب ہے باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔
(پ۲۴ حم السجدہ ۴۳-۴۲-۴۱)	(ترجمہ کنزالایمان)

حدیث: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''بالاسناد'' مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں شک یا جھگڑا کرنا کفر ہے[1] اور بروایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ جس مسلمان نے کتاب الٰہی کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس کی گردن مارنا حلال ہے[2] اور اسی طرح جس نے توریت و انجیل اور ان کتابوں کا انکار کیا جو اللہ ﷻ کی جانب سے نازل ہوئی ہیں یا وہ ان سے انکاری

۱۔ سنن ابوداؤد جلد ۵ صفحہ ۹ کتاب السنۃ

۲۔ سنن ابن ماجہ کتاب الحدود جلد ۲ صفحہ ۸۴۹

ہو یا ان کو لعنت کرے یا ان کو گالی دے یا ان کا استخفاف کرے تو وہ کافر ہو گیا۔

اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ قرآن جو روئے زمین میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو مصحف میں مکتوب موجود ہے جو ما بین الدفتین ہے جس کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے آخر سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک ہے یہی اللہ ﷻ کا کلام اور اس کی وحی (جلی) ہے جو ہمارے نبی برحق سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ تمام برحق ہے اور جو کوئی بھی اس میں سے ایک حرف کم کرے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف بدلے یا اس میں کوئی ایسا حرف شامل کرے جو اجماعی مصحف میں شامل نہیں ہے اور یہ حرف بالاجماع قرآن کا نہ ہو تو قصداً ہر ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ جو سیدنا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہتان کے ساتھ گالی دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ اس نے قرآن کی مخالفت کی اور جو قرآن کی مخالفت کرے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ وہ اس امر کو جھٹلا رہا ہے جو قرآن میں ہے اور ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کوئی یہ کہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا تو اسے قتل کر دیا جائے یہی قول عبد الرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا کہ "معوذ تین کتاب اللہ ﷻ کا جز نہیں ہے"۔ کہا کہ اس کی گردن ماردی جائے۔ مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو قرآن کی کسی ایک آیت کو جھٹلائے (اس کی بھی گردن مارنے کا حکم فرمایا)۔

اسی طرح اگر کسی گواہ نے کسی شخص پر یہ گواہی دی کہ اس نے کہا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا اور دوسرے نے اس کے خلاف گواہی دی کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا (تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے) اس لئے کہ یہ دونوں گواہ اس پر متفق ہوئے ہیں کہ ہر ایک نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی ہے۔

اور ابو عثمان حداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تمام اہل توحید کا اتفاق ہے کہ تنزیل (قرآن کریم) کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے اور ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتا تو وہ اس سے یہ نہ کہتے کہ جس قراءت میں تو نے پڑھا ہے یوں نہیں بلکہ یہ کہتے کہ میں تو ایسا پڑھتا ہوں۔ جب یہ بات ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (فقیہ) کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ سن لیا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا تو وہ کل قرآن کا کافر ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس نے قرآن کی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے پورے قرآن سے کفر کیا[1] اور اصبغ ابن الفرج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بعض قرآن کو

---

[1] مصنف عبدالرزاق کمافی مناہل الصفاء للسیوطی

جھٹلایا تو گویا اس نے کل قرآن کو جھٹلایا اور جس نے اس کو جھٹلایا بلاشبہ اس نے اس سے کفر کیا اور جس نے قرآن سے کفر کیا تو اس نے اللہ ﷻ سے کفر کیا۔

نیز کسی نے قابسی رحمتہ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یہودی سے جھگڑ پڑتا تھا تو اس یہودی نے توریت کی قسم کھائی اس پر اس نے کہا کہ خدا ﷻ توریت پر لعنت کرے اس پر اس کے خلاف گواہی گزری پھر دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ اس نے اس سے اس قضیہ کو دریافت کیا تھا تو اس نے کہا کہ میں نے تو یہود کے توریت کو لعنت کی ہے اس پر ابوالحسن قابسی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ایک گواہ سے قتل ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے گواہ نے معاملہ کو ایسی صورت میں معلق کر دیا کہ وہ محتمل تاویل بن گیا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہود کو ان کی تبدیل و تحریف کے سبب اس توریت کا پابند ہی نہ جانتا ہو جو اللہ ﷻ کی جانب سے ہے ورا اگر دونوں گواہ مجرد توریت کی لعنت کرنے پر متفق ہو جائے تو تاویل کی راہ تنگ ہو جاتی۔

بلاشبہ فقہائے بغداد نے مع مجاہد رحمتہ اللہ علیہ (مشہور قاری) سے اتفاق کیا تھا کہ ابن شنبوذ قاری سے جو کہ بغداد کے قراء کا امام اور بغداد کا ساکن تھا توبہ لی جائے کیونکہ وہ ان حروف شاذہ کی قرأت جو قرآن سے نہیں ہیں خود بھی کرتا اور دوسروں کو بھی سکھاتا تھا۔ چنانچہ سب نے اس سے عہد لیا کہ وہ اس سے رجوع و توبہ کرے اور ایک محضر نامہ تحریر کرایا جس پر اس نے اپنی گواہی وزیر ابوعلی بن مقلہ کے روبرو اس کی مجلس میں ثبت کی۔ یہ واقعہ ۳۲۳ھ کا ہے اور ان علماء میں جنہوں نے فتویٰ دیا ابوبکر ابہری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ بھی تھے۔

ابومحمد بن ابی زید رحمتہ اللہ علیہ نے اس شخص کو سزا دینے کا فتویٰ دیا جو کسی بچہ سے کہے کہ جو کچھ تو نے پڑھا اور جس نے تجھے جو پڑھایا اس پر خدا کی لعنت (پھر بطور تاویل) کہا میری مراد اس سے اس کی بے ادبی تھی۔ قرآن کی بے ادبی کرنا نہ تھا۔ ابومحمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص قرآن پر لعنت کرے یقیناً اسے قتل کر دینا چاہیے۔

نویں فصل

اہل بیت نبوی' آل پاک' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام ﷺ کو گالی دینے کا حکم

حضور سید عالم ﷺ کی اہل بیت اور آپ ﷺ کی آل پاک' ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص کرنا حرام ہے اور وہ شخص ملعون ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ سے "بالاسناد" مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار خبردار میرے صحابہ کے بارے میں خدا سے ڈرو ان کو اپنی اغراض کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت

رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ میں محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا۔ جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بلاشبہ اس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی۔ جس نے اللہ ﷻ کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ گرفت میں آ جائے۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب جلد ۵ صفحہ ۲۸۵)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ جس نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ' فرشتے اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ ﷻ اس سے نہ نفل قبول فرمائے گا اور نہ فرض اور ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو بلاشبہ آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو میرے صحابہ کو گالی دیں گے۔ تو تم نہ ان پر نماز پڑھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا اور نہ ان سے شادی بیاہ کرنا اور نہ ان کے ساتھ مجالست کرنا۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرنا۔ نیز آپ نے فرمایا جو میرے صحابہ کو گالی دے تو اسے پیٹو۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ صحابہ کو گالی دینا اور ان کو ایذا پہنچانا آپ ہی کو گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے اور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے صحابہ کو ایذا دے کر دکھ نہ پہنچاؤ اور سیدنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا وہ میری لخت جگر ہیں۔ جس سے ان کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مجھ کو ایذا پہنچتی ہے۔

ایسے شخص کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس میں اجتہاد (قاضی وحاکم) اور دردناک سزا دینا ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی قتل کر دیا جائے اور جو آپ ﷺ کے صحابہ کو گالی دے اسے سزا دی جائے۔

نیز فرمایا جس نے آپ ﷺ کے کسی صحابی کو گالی دی مثلاً سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر فاروق' سیدنا عثمان ذوالنورین' سیدنا امیر معاویہ یا سیدنا عمرو بن العاص ﷺ۔ چنانچہ اگر وہ یہ کہے یہ سب ضلال پر تھے (معاذ اللہ) اور کفر کیا تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے جو لوگوں میں گالی مروج ہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے۔

ابن حبیب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جو شیعہ میں سے سیدنا عثمان ﷺ کے بارے میں غلو کرے اور ان پر تبرا کرے تو اسے سخت تادیب کی جائے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بغض میں حد سے تجاویز کر جائے تو اسے خوب سخت سزا دی جائے اور بار بار ضرب شدید لگائی جائے اور قید طویل میں ڈالا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ سوائے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کے کسی کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔

اور سحنون رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی ایک اصحاب نبوی کے ساتھ کفر وانکار کرے مثلاً سیدنا علی مرتضیٰ یا سیدنا عثمان ذوالنورین وغیرہما ﷺ تو اس کو دردناک مار لگائی جائے۔

ابو محمد بن ابی زید رحمہ اللہ بروایت سحنون رحمتہ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں جو شخص سیدنا ابوبکر' عمر' عثمان

اور علی ﷺ کے بارے میں کہے کہ وہ کفر و ضلال پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور جو ان کے سوا کسی اور صحابی کو اسی کے مثل کہے تو اسے رسوا کن سزا دی جائے اور انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ جو سیدنا ابوبکر ﷺ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں اور جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ فرمایا جس نے ان پر تہمت لگائی بلاشبہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ انہیں سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (پ ۱۸ النور ۱۷)

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

جو شخص اس فرمانِ الٰہی کے بعد پھر وہی کہے تو بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔

ابوالحسن صقلی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن طیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں اُسے بیان فرمایا جو اس ذات باری سُبحانہ کی طرف مشرکین عرب منسوب کرتے تھے تو اللہ ﷻ نے بار بار اپنی تنزیہ و تسبیح فرمائی جیسا کہ فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ۔ (پ ۱۷ الانبیاء ۲۶)

بولے رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا پاک ہے وہ۔ (ترجمہ کنزالایمان)

(اور یہ متعدد آیات میں مذکور ہے)

اسی طرح اللہ ﷻ نے اسے بھی بیان فرمایا جو منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے منسوب کیا تھا چنانچہ فرمایا:

وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ۔ (پ ۱۸ النور ۱۶)

اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں الٰہی پاکی ہے تجھے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

چنانچہ اس آیت میں اللہ ﷻ نے ان کی برأت میں بھی اپنی ذات کریم کی ایسی ہی تنزیہ کرتے وقت فرمائی تھی اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم فرمایا اس کے معنی یہ ہیں اللہ ﷻ ہی خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ اللہ ﷻ نے ان کو گالی دینے کو اتنا ہی بڑا (جرم) گردانا جتنا کہ اللہ ﷻ کو گالی دینا بڑا (جرم) ہے اور یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا یقیناً نبی کریم ﷺ ہی کو گالی دینا ہے اور آپ ﷺ کو گالی اور ایذا دینے کو اللہ ﷻ نے اپنی گالی اور ایذا دینے والے کے ساتھ ملایا ہے اور اللہ ﷻ کو گالی دینے والے کا حکم

قتل ہے اور یہی حکم قتل نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے کا ہے جیسا کہ گزشتہ میں بیان گزرا۔

کوفہ میں ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی تو وہ موسیٰ بن عیسیٰ عباسی (قاضی کوفہ) کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ گالی دیتے وقت کون موجود تھا؟ اس پر ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں موجود تھا تب قاضی کوفہ نے اسے کوڑے (حد قذف) لگوائے اور اس کا سر مونڈھ کر پچھنے لگانے والے کے سپرد کر دیا۔

سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبیداللہ بن عمر کو حضرت مقداد بن الاسود ﷺ (صحابی) پر گالی دینے کے الزام میں زبان کاٹنے کی نذر مانی۔ اس بارے میں کسی نے ان سے کلام کیا تو جواب دیا چھوڑو کہ میں اس کی زبان قطع کردوں تاکہ آیندہ پھر وہ کسی صحابی نبی کو گالی نہ دے سکے۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ تاریخ بغداد جلد ۸ صفحہ ۱۳۲)

ابوذر ہروی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب ﷺ کے سامنے ایک بدوی لایا گیا جو انصار کی برائی کر رہا تھا فرمایا اگر وہ صحابی رسول نہ ہوتا تو تم کو میں ہی کافی تھا۔

(معجم کبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۳۔۳۸۲ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو کسی صحابی کی تنقیص کرے تو اس کا فئے میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے فئے یعنی مال غنیمت کی تین قسمیں کی ہیں۔ فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ. (پ ۲۸ الحشر ۸) ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (پ ۲۸ الحشر ۹) اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنالیا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

یہ حضرات انصار ہی ہیں۔ پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ. (پ ۲۸ الحشر ۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

لہٰذا جو ان کی تنقیص کرے تو اس کے لئے مسلمانوں کے مال غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے۔

کتاب ابن شعبان رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جو کوئی کسی صحابی کے بارے میں کہے کہ وہ زانیہ کا بیٹا ہے اور اس کی ماں مسلمان ہے تو اس کو حد (قذف) لگائی جائے اور بعض مالکیوں کے نزدیک اس پر دو حدیں ہیں ایک اس صحابی کے سبب دوسرے اس کی ماں کے سبب۔ لیکن میرے نزدیک یوں نہیں ہے بلکہ وہ شخص اس کی مانند ہے جو ایک جماعت پر ایک کلمہ میں تہمت لگائے (کہ اس پر ایک ہی حد ہے)

ہم صحابی کو اس لئے فضیلت دیتے ہیں کہ ایک تو وہ دوسرے مسلمان کے مقابل صاحب فضیلت ہیں دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں نیز کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی صحابی کی والدہ پر تہمت لگائے کہ وہ کافرہ ہے تو اس پر تہمت کی حد جاری کی جائے۔ اس لئے کہ یہ ان کی گالی ہے کیونکہ اگر کوئی اُن صحابہ میں سے ان کا لڑکا زندہ ہوتا تو وہ اپنے اس حق کا دعویدار ہوتا۔ اب تمام مسلمان اس کے قائم مقام ہیں تو جو کوئی مسلمان مطالبہ کرے گا تو امام و حاکم پر قیام حکم اور سماعت استغاثہ واجب ہے۔ نیز کہا کہ یہ معاملہ اور لوگوں کی مانند نہیں ہے کیونکہ صحابہ کی حرمت نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے اور اگر کسی امام و حاکم نے خود سنا اور وہ خود گواہ ہے تو وہی اس پر حد قائم کرنے کا ولی ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی دوسری زوجۂ رسول اللہ ﷺ کو گالی دی تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی حرم مطہرہ کو گالی دے کر آپ ﷺ کو گالی دی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا معاملہ تمام صحابہ کی مانند ہے۔ لہٰذا اس پر حد قذف میں کوڑے لگائے جائیں نیز انہوں نے کہا کہ پہلے قول پر کہتا ہوں کہ ابو مصعب رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں روایت کی جس نے نبی کریم ﷺ کے کسی اہل بیت کو گالی دی تھی کہ اسے خوب مار لگائی جائے جس سے اسے تکلیف ہو اور اسکی توبہ ظاہر ہو اس لئے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے حق کا استخفاف کیا ہے اور ابو مطرف شعبی رحمتہ اللہ علیہ فقیہہ مالقہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے رات کے وقت عورت سے حلف لینے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی صاحبزادی بھی ہو تو دن ہی میں ان سے بھی حلف لیا جاتا اور بعض ان لوگوں نے جو فقیہہ کہلاتے ہیں اسکے اس قول کی تصویب کی تھی مگر ابو المطرف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی صاحبزادی کا اس موقعہ پر ذکر کرنا (استخفاف ہے) لہٰذا اس پر ضرب شدید اور قید طویل واجب اور وہ فقیہہ جس نے اس کے اس قول کی تصویب کی تھی وہ اس قابل ہے کہ فقیہہ کے بالمقابل اسے فاسق کہا جائے پھر وہ ان کے سامنے لایا گیا اور آپ نے اس کو خوب جھڑکا اور آئیندہ اس کا فتویٰ اور اس کی شہادت نا قابل قبول قرار دے دی کیونکہ اس کا اس میں مجروح ہونا اور بغض فی اللہ ہونا ثابت ہو گیا تھا۔

ابو عمران رحمتہ اللہ علیہ ایک شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے کہا اگر میرے خلاف حضرت ابو بکر ؓ بھی شہادت دیں (تو کیا ہے) تو اس سے اس نے ان کی شہادت مراد لی ہے۔ یعنی یہ ایسی شہادت ہے جو مثل ایک شہادت کے ہے جو اس معاملہ میں ایک پر حکم دینا جائز نہیں تو اس کہنے اور مراد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے اس کے سوا کچھ اور مراد لیا مثلاً تنقیص واہانت وغیرہ تو

اسے خوب مار لگائی جائے۔ یہ کہ وہ ادھ مرا ہو جائے۔ اسے ازراہ روایت و حکایت بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جس تحریر کا ارادہ کیا تھا اس میں ہمارے کلام کی یہاں انتہی ہے اور ہماری وہ غرض بھی پوری ہوگئی جس کا ہم نے قصد کیا تھا اور وہ شرط بھی مکمل ہوگئی جو ہمارا مدعا تھا اور جس کی آرزو تھی کہ اس کی ہر قسم کی خواہش مند کے لئے صاف صاف ہو اور ہر باب' مقصود میں بطریق حجت واضحہ ہو۔

بلاشبہ میں نے اس میں وہ نکات نادرہ بیان کئے ہیں جو نہایت عجیب و غریب اور بدیع ہیں اور میں نے وہ اسلوب تحقیق اختیار کیا ہے جو اس سے پہلے اکثر تصانیف میں پسند کیا گیا۔ جسے بکثرت فصلوں میں ودیعت کیا گیا ہے۔ مجھے وہ شخص نہایت ہی محبوب ہوتا اگر وہ مجھ سے پہلے اس کلام کو شرح وبسط کے ساتھ جمع کرتا ہوا یا کوئی ایسا مقتدا و رہنما میسر آتا جو ایسے ارشادات سے مجھے فائدہ پہنچاتا تا کہ اس کی روایت پر اپنی روایت کو محمول کر لینا کافی ہوتا جسے میں بیان کر کے خود متکفل ہوا ہوں۔

اور اللہ ﷻ ہی سے میری التجا ہے کہ وہ میری اس چیز کو قبول اور اپنی رضا کے ساتھ خاص فرمائے۔ جس کے ساتھ اس نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور جو اس میں بناوٹ اور تصنع ہے اسے معاف فرمائے اور اپنے جمیل کرم و عفو سے ہمارے لئے اسے بخشدے۔ اس لئے جو کچھ ہم نے اس میں قلم بند کیا ہے وہ تیرے برگزیدہ اور حامل وحی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی شرافت و بزرگی میں ہے اور آپ ﷺ ہی کے فضائل حمیدہ کے تتبع کے لئے آنکھوں کو بیدار رکھا ہے اور آپ ﷺ ہی کے خصائص جلیلہ اور وسائل قویہ کے اظہار و بیان کے لئے اپنے دل و دماغ سے کام لیا ہے اور ہمارے تن من کو اپنی بھڑکتی ہوئی آگ سے مامون و مصون رکھے۔ اس لئے کہ ہم نے آپ ﷺ کی عزت و کرم کی حمایت کی ہے۔

اے خدا ہم کو اس زمرہ صلحاء میں شامل فرما جو حضور کے حوض سے نہ دور کئے جائیں گے جب کہ دین میں تغیر و تبدل کرنے والے وہاں سے دھتکارے جائیں گے۔

اے خدا ہمارے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو اس کتاب کی کتابت (شائع) کرے اور اس سے فیض حاصل کرے ایسا سبب اور ذخیرہ بنادے جو ہم کو اس کے اسباب موصلہ کی جانب واصل کر دے۔ جسے ہم اس دن پائیں جس دن ہر جاندار اپنے عمل خیر کو موجود پائے گا۔ اسی سے ہم تیری رضا کے طلب گار ہیں اور تیرے اجر کے خواہش مند اور ہمیں ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی جماعت کے زمرہ میں خاص فرما اور ہمارا حشر جماعت اولی اور ان لوگوں کے ساتھ ہو جو حضور ﷺ کی شفاعت سے محفوظ و مامون درواز ے والے ہیں۔ آمین۔

ہم اللہ ﷻ کی حمد اس پر کرتے ہیں کہ اس نے اس کتاب کے جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جن حقائق کو ہم نے اس میں درج کیا ہے ان کے ادراک و فہم کے لئے ہماری بصیرت کو منکشف فرمایا

اور ہم اللہ ﷻ کے ساتھ ایسی دعا سے جو مسموع نہ ہو اور ایسے علم کے جو نفع نہ دے اور ایسے عمل سے جو قبول نہ کیا جائے پناہ مانگتے ہیں۔ وہ بڑا ہی بخشش والا ہے کہ کسی امیدوار کو نامراد نہیں رکھتا اور جسے وہ رسوا کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔ وہ طالبین کی دعا کو رد نہیں کرتا اور نہ وہ مفسدوں کے عمل کی اصلاح کرتا ہے۔

وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَصَلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. بِحَمْدِهٖ تَعَالٰى وَاِحْسَانِهٖ.

تمت بالخير

بعونہ تعالیٰ وبکرمہ ترجمہ کتاب مستطاب اَلشِّفَاء بِتَعْرِيْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰى (صلوات اللہ ﷻ وسلامہ علیہ) مسمّی باسم تاریخی نعیم العطاء فی حدیث المجتبیٰ (۱۳۷۹ھ) آج بتاریخ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ بروز سہ شنبہ بعد نماز عشاء ۹ بجے اختتام پذیر ہوا۔ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ مَوْلٰى سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى اپنے فضل و کرم سے اسے مقبول اور مفید عام و خاص فرمائے اور ہمارے لئے حضرت علامہ صاحب تصنیف ہذا قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کو قبول فرمائے۔ میرے اور میرے والدین' مشائخ واساتذہ بالخصوص سیدی واستاذی' مرشدی ومولائی صدر الافاضل استاذ العلماء سلطان العلوم حضرت مولانا مفتی حکیم حافظ سید محمد نعیم الدین صاحب جلالی مراد آبادی قدس سرہ السامی کو اس کے اجر و ثواب سے بہرہ یاب کرے۔ آمین۔

بِجَاهِ سَيِّدِنَا وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ.

غلام معین الدین نعیمی

سواد اعظم، لاہور

فهرس المصادر

الآداب	للبيهقي	دار الكتب العلمية. بيروت
الأدب المفرد	للبخارى	عالم الكتب. بيروت
إيضاح المكنون	إسماعيل باشا	دارالفكر. بيروت
البداية والنهاية	لابن كثير	دارالكتب العلمية. بيروت
البدر الطالع	للشوكاني	دارالمعرفة. بيروت
تاريخ بغداد	للخطيب البغدادى	المكتبة السلفية
تحفة الاشراف بمعرفة الأطراف	المزى	المكتب الإسلامي
تذكرة الحفاظ	السيوطي	دار احياء التراث. بيروت
تفسير ابن جرير	لابن جرير الطبرى	دارالمعرفة. بيروت
حسن المحاضرة	للسيوطي	عيسى البابي. القاهرة
حلية الأولياء	لابن نعيم	دارالكتاب العربي. بيروت
الدر المنثور	للسيوطي	دارالفكر. بيروت
الديباج المذهب	لابن فرحون	دارالكتب العلمية. بيروت
دلائل النبوة	لابى نعيم	دارالنفائس. بيروت
دلائل النبوة	للبيهقي	دارالكتب العلمية. بيروت
الزهد	لأحمد بن حنبل	دارالكتب العلمية. بيروت
سنن ابن ماجة	لابن ماجة	دار احياء التراث. بيروت
سنن ابى داود	لابى داود السجستانى	دارالكتاب العربي. بيروت
سنن البيهقي	للبيهقي	دارالفكر. بيروت
سنن الترمذى	للترمذى	دارالفكر. بيروت
سنن الدارقطني	للدار قطني	عالم الكتب. بيروت
سنن الدارمي	للدارمي	دارالكتب العلمية. بيروت
سنن النسائي	للنسائي	فهرسة عبد الفتاح ابو غدة
شذرات الذهب	لابن العماد	دارالميسرة. بيروت
الشفا	للقاضي عياض	مؤسسة علوم القرآن
الشمائل	للترمذى	جدة